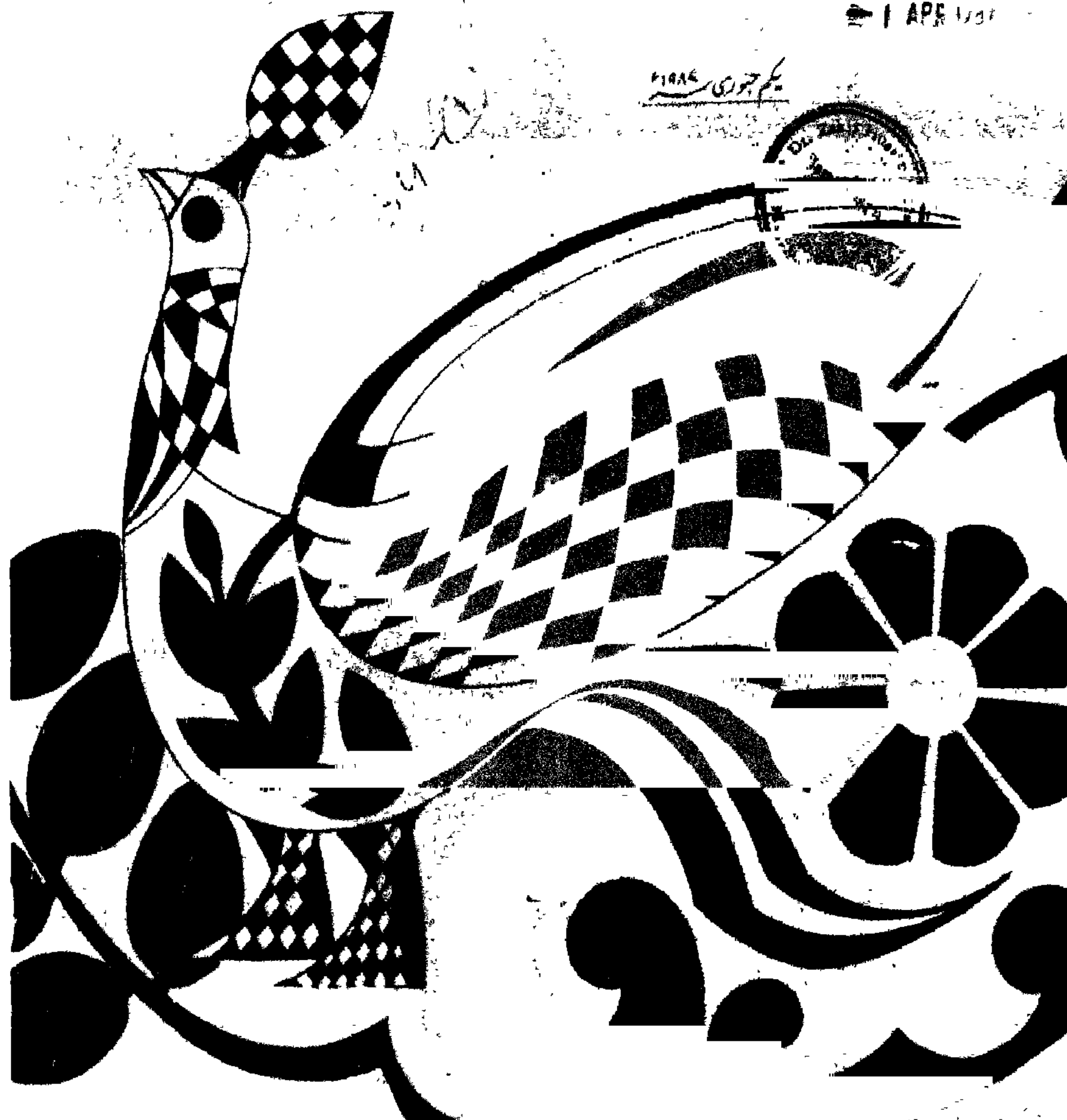
مغربی بنگال

یکم جنوری سنہ ۱۹۸۹ء



پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری
قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ ★ سالانہ : تین روپے

ترسیل زر کا پتہ :
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر این مکھرجی روڈ — کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ یکم جنوری ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۶ء کو وکٹوریہ اسٹریٹ پارک سرکس، کلکتہ میں "بیت الحجاج" کے سنگ بنیاد کی نقاب کشائی کرتے ہوئے۔ تصویر از : مدھوسدن گھوش



نصب العین، سماجی تشکیل اور تغیر کلّی پر وزیرِ اعلیٰ کا اظہارِ خیال

وزیرِ اعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں انڈین اسٹیٹسٹیکل انسٹی ٹیوٹ، کلکتہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ایک مذاکرہ میں شرکت کی اور وہاں تقریر کی۔ وزیرِ اعلیٰ کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درجِ ذیل ہے

"آج صبح یہاں آپ لوگوں کے درمیان مجھے بڑی مسرت حاصل ہو رہی ہے، اور میں اس مذاکرہ میں شریک تمام لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس مذاکرہ میں آنے میں میں کچھ پس و پیش کر رہا تھا کیوں کہ میں خود کو عالموں اور دانشوروں، جو اپنے اپنے حلقہ میں ماہرین ہیں، کے درمیان پاؤں گا۔ لیکن میرے دوستوں نے مجھے یہاں آنے کی ترغیب دی، انہوں نے مجھے یہ بتایا کہ یہاں مختلف سیشن میں نہ صرف فلسفہ پر مضامین پڑھے جائیں گے اور فلسفہ پر گفت و شنید بھی ہوگی بلکہ یہاں اس موضوع یعنی "مطمحِ نظر، سماجی تشکیل اور تغیر کلّی" سے رونما ہونے والے علی الاطلاق کے مسائل پر گفت و شنید ہوگی۔

ڈاکٹر اشوک مترا، ڈائرکٹر، آئی۔ ایس۔ آئی نے ابھی ابھی کہا (اور بڑا اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے ایسا کہا) کہ آج بعض جگہوں میں فلسفہ کو آہستہ آہستہ پس منظر میں ڈال دیا جا رہا ہے۔ اور انہوں نے آج کے سماج میں فلسفہ کی مناسبت کی صحیح طور پر نشاندہی کی ہے۔ یہ مناسبت ہے، خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے لئے جو سماج میں بلا شبہ ہمارے نظریے کے مطابق، بنیادی تبدیلی لانے کے لئے سماجی تغیر کلّی کا ذکر کر رہے ہیں، اور اس کام پر عمل پیرا ہیں۔ مارکسسٹ ہونے کے ناطے ہمیں نہ صرف معاشی تھیوری کا بلکہ عمرانیات، تواریخ اور فلسفہ کا بھی مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ ہم جس فلسفہ کی تقلید کرتے ہیں ہو سکتا ہے، یہ ضروری نہیں یہاں موجود تمام افراد ہم سے اس سلسلے میں متفق ہوں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ، جیسا کہ برسوں قبل مارکس نے کہا تھا کہ فلسفیوں نے اس دنیا کی تشریح کی ہے، لیکن اہم نقطہ اسے تبدیل کرنے کا ہے۔ لیکن یہ تبدیلی، جیسا کہ تمام مارکسسٹ مفکروں نے کہا ہے کہ تواریخ اور سماج کی صحیح تھیوری کے بغیر لائی نہیں جا سکتی۔ اگر آپ انقلابی بننا چاہتے ہیں تو اس کے لئے نہ صرف آپ کو معاشی نظریات اور فلسفہ کی بلکہ تواریخ کی بھی صحیح تناظر کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

لیکن اس مختصر وقت میں میں اس نکتہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دانشوروں اور ماہرین کی ایک موجودہ سماج میں، اس کی تواریخی اور سماجی۔ معاشی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ان نتائج کے اطلاق کے لئے گفت و شنید کرنی چاہئے۔ دانشوران اور ماہرین اس سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دے سکتے ہیں (اور یقیناً وہ ایسا کر سکتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے میدان میں ماہر ہیں، وہ مختلف پہلوؤں کا غائر مطالعہ کرتے ہیں اور ایک نتیجہ تک پہنچتے ہیں)۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دانشور اور ماہرین اور حکومت اور سیاسی پارٹیوں، جو سماج میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں، کے درمیان تعاون کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا نتیجہ ثمر آور ہوگا۔ جس نکتہ کو تسلیم کیا جائے گا یہ ایک مختلف بات ہے۔ لیکن ہم ماہرین سے، تحقیق کرنے والے اسکالروں سے، جو سماج سے الگ تھلگ نہیں ہیں، یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کے مشوروں کو کافی اہمیت دیں گے۔ یہ تو ہم لوگوں کا فرض ہے کہ تمام دستیاب معلومات کا مطالعہ کریں اور ان کا جائزہ لیں اور سماج کی تغیر کلّی کے لئے اور ہر ممکن میدان میں لوگوں کے درمیان ایک وصفی تبدیلی لانے کے لئے حسبِ ضرورت نئے اقدامات کریں۔

میں اس سمپوزیم کے موضوع پر اپنے نظریہ کا ایک خاکہ اختصار

کے ساتھ آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں گا۔ یہ میری پارٹی — ہندوستان
کی کمیونسٹ پارٹی (مارکسسٹ) کا بھی نقطۂ نظر ہے۔ میں ایک عام خاکہ
پیش کروں گا اور چند باتوں کا ذکر کروں گا۔ اس صورت حال کی حقیقت
یہ ہے کہ ہماری آزادی کے ۳۰ سال کے بعد بھی، اتحاد، یکجہتی، قومیت،
زبان وغیرہ کے مسائل سے وابستہ موضوعات پر ہمیں گفت وشنید کرنی پڑتی
ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ہمارے سامنے درپیش ہے۔

اس مسئلے پر جسے ہندوستان کا قومی مسئلہ کہتے ہیں اور
سماجی تشکیل اور تغیر کل سے وابستہ مسائل پر آزادی سے قبل بھی کافی گفت
وشنید ہوئی۔ برٹش سامراجیت کے خلاف جدوجہد کے دوران ایک
بات بہت نمایاں طور پر ابھری اور وہ برصغیر ہندوستان کے لوگوں کا جو
مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی زبانیں مختلف ہیں، جو مختلف مذاہب
کی پیروی کرتے ہیں، مستحکم اتحاد تھا۔ ہندوستان کے عوام اس بات پر
متفق تھے کہ ان کا پہلا فرض برٹش سامراجیت سے خود کو آزاد کرانا ہے،
اور عوامی اتحاد گویا ایک ڈھانچہ تھا۔ برٹش حکومت کے چند برسوں
کے بعد تجربے کے ذریعہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت
ہے کہ معروضی حقیقت کی وجہ سے یہاں تنوع موجود ہے۔ اس طرح
ہندوستانی قومیت کے دائرے میں قومی نسلیں آباد ہیں۔ یہاں مختلف
نسلوں کے لوگ بھی آباد ہیں جنہوں نے اب تک اپنی تمناؤں اور آرزوؤں
کا اظہار نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے
فرقے کے لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔ ایک طرف
قومی جدوجہد کا نمودار ہونا اور دوسری طرف اس تنوع کی موجودگی دونوں
ہی ہندوستان میں موجود تھے۔ تاریخ کے دھارے یہ بتاتے ہیں کہ کس
طرح مختلف لسانی جماعتیں، جو اپنے اپنے نمایاں علاقوں میں رہتی ہیں،
نمودار ہوئیں۔ ابتدا سے تو وہ سب وہاں نہیں تھیں۔ یہ ایک تاریخی
ترقی ہے۔ جدوجہد آزادی میں اس ترقی کو زیر غور رکھا گیا۔ اس پہلو
پر بحث ومباحثے ہوئے لیکن اسے پس منظر میں ڈال دیا گیا کیوں کہ آزادی
کے لئے جدوجہد میں سامراجیت کے خلاف اتحاد نے دیگر تمام امور کو دبا
دیا تھا۔ اس وقت بھی بہت سارے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آزادی کے بعد
یہ مسائل پیش پیش رہیں گے۔ بلاشبہ ہم لوگوں نے ہندوستانی صورت
حال کی بابت اپنے مطالعہ سے اور سوویت روس میں رونما ہونے والے
واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے ایک کثیر القوامی ملک کے باشندہ ہونے
کے ناطے، چند نتیجوں تک پہنچنے کی کوششیں کیں۔ نیز ہم لوگوں نے قومی سوال پر
مارکس، اینجلس، لینن اور اسٹالن کی بہت ساری تحریروں کا مطالعہ کیا
تاکہ ہم قومیت کے مسئلہ کو سمجھ سکیں اور ہمارے ملک کے موجودہ حالات
میں انہیں منطبق کر سکیں۔ ہم لوگوں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ بڑی لسانی
جماعتوں (جنہیں ہم اپنی اصطلاح میں قوم کہتے ہیں) کے ساتھ ساتھ چھوٹی
چھوٹی نسلی جماعتیں بھی ہیں، آزادی کے بعد جن کی طرف دھیان دیا جانا چاہئے
تھا لیکن ہمارا ملک مذہب کی بنیاد پر منقسم ہو گیا۔ اس بات کا ہم آزادی
کی جدوجہد کے دوران تصور بھی نہ کر سکے۔

آزادی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے ہم نے اس صورت حال کو
تسلیم کر لیا تھا کہ لسانی طبقے کو جنہیں قوم پرست کہتے ہیں، جو خاص طور پر
ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں آباد ہیں، اپنے سلسلہ میں فیصلہ کرنے
کا حق حاصل ہے اور اس حق میں ملک سے الگ ہو جانے کا حق شامل
ہے۔ ہم نے سوویت تجربہ کو منطبق کرنے کی کوشش کی۔ روس میں انقلاب
کے بعد فن لینڈ نے مثال کے طور پر سوویت روس کے ساتھ رہنا پسند
نہیں کیا اور لینن نے کہا کہ اسے الگ ہو جانے کا حق حاصل ہے۔ اسی
طرح ناروے، سویڈن اور آئرلینڈ کے معاملہ میں بھی مارکسسٹوں نے الگ
ہو جانے کے حق کو تسلیم کر لیا۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے حالات کو اور صورت
حال کا ٹھوس جائزہ لئے بغیر سوویت تجربات کو میکانیکی طور پر منطبق
کرنے کی کوشش کر کے ہم لوگوں نے چند غلطیاں کیں۔ سوویت مثال کی
ہوبہو متوازن مثال نہیں ہو سکتی کیوں کہ زار شاہی کے زمانے میں وہاں کی ایک
الگ تاریخ تھی اور صورت حال کے پیش نظر سوویت یونین نے اپنے
دستور میں افتراق کے حق کو جگہ دی ہے۔

لیکن کیا اس حق کو روبہ عمل لانا چاہئے یا نہیں، اس بات
کا انحصار پرولتاریائی انقلاب کے مفادات اور محنت کش طبقہ کے اتحاد
کی بنیاد پر ہے۔ کچھ عرصے کے لئے ہمارا یہ خیال تھا کہ ناگا لینڈ، جموں وکشمیر
اور اسی طرح کے دیگر علاقوں کو، جو قومی دھارے میں خود کو سمو نہیں سکتے،
الگ تھلگ رہنے کی اجازت دی جانی چاہئے۔ لیکن آپ لوگوں کو یہ بات
معلوم ہے کہ مارکسسٹ اپنے تجربات کے گہرے مطالعہ کی بنیاد پر سیکھتے
ہیں اور اپنی اصلاح آپ کرتے ہیں، اور ہم نے اپنی پارٹی کی ساتویں کانگرس

ہیں اسباب کا ذکر کیا کہ الگ ہو جانے کے حق کا اطلاق ہمارے ملک پر نہیں ہوتا۔ اگرچہ
وہ مارکسزم کی مختلف تھیوریز اور دیگر پہلوؤں سے اچھی طرح واقف
ہے، تاہم اگر وہ اپنے ملک کے حالات اور تواریخ کا مناسب طور پر
جائزہ نہ لے تو وہ غلطی کر سکتا ہے۔ قومی سوال پر، ہندوستان کے
حالات اور قومی ترقیات، سوویت یونین کے حالات کی طرح نہیں ہیں،
گرچہ ہمارا ملک بھی کثیر الاقوامی ملک ہے۔

ہندوستان میں یہ نعرہ کہ "ہندوستان ایک قوم ہے" سطحی
طور پر صحیح ہے۔ اس وقت تو یہ صحیح تھا جب ہم لوگوں نے برٹش سامراجیت
کا مقابلہ کیا۔ لیکن اگر ہم اپنی تواریخ کا تجزیہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ
مختلف لسانی جماعتوں اور قومیت کے لوگ، جو وہاں موجود تھے، کوئی
خاص اہمیت کے حامل نہ بن سکے۔ سامراجیت کے خلاف لوگوں کو شعوری
طور پر یکجا کرنے کی ہماری کوششیں ان کی انفرادی خصوصیات کی عکاسی
نہیں کیں۔

آزادی کے بعد اور تقسیم کے بعد بھی ہندوستان ایک
وسیع ملک ہے اور یہاں مختلف زبانوں کے لوگ آباد ہیں۔ اس کے ساتھ
ایسی چند نسلی جماعتیں بھی ہیں، جنہوں نے اب آوازیں اٹھائیں۔ بدقسمتی سے
یہ جماعتیں برٹش سامراجیت کے خلاف جدوجہد میں قومی دھارے میں
شامل نہ ہو سکیں۔ (یہ ہماری غلطی ہے، ہمارے سیاست دانوں کی غلطی
ہے جو انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے یکجا نہ کر سکے)۔ لیکن یہ خیال
کہ ہندوستان ایک کثیر القوامی ملک ہے اور جہاں برٹش کا نو آبادیاتی حکمران
حکومت کر رہے ہیں بہت عام ہو چکا ہے۔ خاص طور پر کانگریس
پارٹی نے ۱۹۴۲ء میں اپنی ایک قرارداد "ہندوستان چھوڑو قرارداد" میں
چند طبقوں کو پیش نظر رکھا تھا اور اس بات کو بھی زیر غور رکھا تھا کہ آزادی
کے بعد کیا رونما ہونے والا ہے، اسی لئے زبان کے لحاظ سے لسانی ریاستوں
کی تشکیل کو زیر غور رکھا گیا۔ اس وقت سبھی اس خیال کے حامی تھے کہ بقیہ
اختیارات ریاستوں کو، جو قائم کی جانے والی ہیں، حاصل ہوں۔ بلاشبہ
یہ تصور ملک میں آباد مختلف قومیت کے لوگوں کی مساوات اور
خود اختیاری کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زبانوں
کی بنیاد پر ریاستوں کی از سر نو تشکیل کی گئی، یہ بات عیاں کرتی ہے کہ
اس سلسلے میں تھیوری اور نظریہ دونوں صحیح ہیں۔ لیکن بورژوا یا وہ لوگ
جو وہاں برسر اقتدار آئے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے۔ اس مسئلہ
کے سلسلہ میں ان کے خیالات مبہم تھے۔ اس لئے ریاستوں کی لسانی از سر نو تنظیم
کے سلسلہ میں ہمیں مسائل کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس سلسلہ میں غیر ضروری خون خرابہ
بھی ہوا۔ ان اصولوں کو جنہیں قومی سربراہ تسلیم کر چکے تھے رضاکارانہ
طور پر عملی جامہ پہنایا نہیں گیا۔ بعد میں قومیت، لسانیاتی جماعتوں اور
دیگر اقلیتوں کے مسائل سے چشم پوشی کا خطرناک رجحان نمودار ہوا۔
اختیارات کی لامرکزیت، مناسب مرکز۔ ریاست تعلقات، وفاقیت
کے اصولوں کو مناسب طور پر سمجھنا، یہ باتیں قابل غور بن گئیں۔ ان پر
غور کرنے سے کوتاہی ہندوستان کو کمزور بناتی ہے۔ اس لئے آج بھی
قومیت کے مسائل کی بابت واضح تصورات ہونے چاہئیں کیونکہ اس
کے بغیر ہم منقسم کرنے والے رجحانات اور تحریکوں کا جو غلط راستہ پر
چلائی جا رہی ہیں، مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارا افسوسناک تجربہ ہے کہ
ایک صحیح راستہ پر گامزن ہونے کی بجائے زیادہ سے زیادہ اختیارات
کو مرکز کے ہاتھوں مرکوز کر دیا گیا — ہمارا دستور وفاقی ہے لیکن یہ
درحقیقت زیادہ سے زیادہ وحدانی بنتا جا رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ
معاشی، سیاسی اور دیگر اختیارات مرکز کے ہاتھوں مرکوز ہوتے جا
رہے ہیں۔ یہ باتیں اس وقت کچھ حد تک کارآمد ہوئیں جب مرکز میں،
اس کے ساتھ ساتھ ریاستوں میں ایک ہی پارٹی برسر اقتدار ہوتی تھی۔
لیکن اب انتخابات کے ذریعہ ریاستوں میں چند دیگر پارٹیاں منتخب ہوتی جا
رہی ہیں اس لئے بہت سارے لوگ اب یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے ملک
کو مستحکم بنانے کے لئے مرکز۔ ریاست تعلقات کو مناسب طور پر
مرتب کیا جائے۔ ہم لوگوں نے اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔
میں یہاں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ ہندوستان نہ فوجی اور مسلح طاقتوں
سے اور نہ اختیارات کی مرکزیت سے مستحکم بن سکتا ہے۔ ہندوستان
زیادہ مستحکم اور زیادہ متحد بن جاتا ہے اگر ہم لوگوں کی مناسب تمناؤں کو
سمجھیں اور ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کریں۔ ان باتوں کے لئے اختیارات
کی لامرکزیت لازمی ہے۔ جب ہم ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آئے
تو ہم لوگوں نے سارے ہندوستان میں بحث و مباحثہ کرنے کے لئے دستاویز
پیش کیں۔ چند لوگوں کو اس دستاویز سے اتفاق ہو سکتا ہے اور چند
دستاویز سے متفق نہیں ہو سکتے، لیکن ہم لوگ بحث و مباحثہ کے خواہاں

ہم لوگوں کا یہ خیال کہ اس موضوع کو سرِ فہرست آنا چاہیے، کیوں کہ
آزادی کے متعدد برسوں کے بعد بھی غلط تصورات اور رجحانات نے لوگوں
کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے شروع شروع میں اس موضوع
کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی، لیکن بعد میں چونکہ انتخابات کے دن
قریب آرہے ہیں اور ان انتخابات میں مرکز۔ ریاست تعلقات ایک اہم
موضوع ثابت ہوگا، اس لئے مرکز نے یہ خیال کیا کہ مرکز۔ ریاست
تعلقات کے سلسلے میں سرکاریہ کمیشن قائم کیا جائے۔

یہ قدم مرکزی حکومت نے اٹھایا تاکہ مرکز۔ ریاست تعلقات
انتخابات میں ایک مسئلہ نہ بن جائے۔ مرکز میں بعض افراد ان بحث و
مباحثہ سے خوش نہیں ہیں اور وہ اس موضوع کے سائنسی نظریہ
سے مطالعہ کرنے کی ہمت افزائی نہیں کرتے۔ ہم لوگوں نے اور چند دیگر
ریاستوں نے اپنے اپنے نظریے پیش کر دیئے لیکن مرکزی حکومت نے
اپنا نظریہ مرتب کرنے میں کافی تاخیر کی، جبکہ سرکاریہ کمیشن اب بھی
اپنے فرائض انجام دے رہا ہے، ہم لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اختیارات کو
زیادہ سے زیادہ مرکوز بنانے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ کیا
ایسے اقدامات ہندوستان میں اتحاد و یکجہتی کے قیام کو فروغ دیں گے؟
بہت سارے قومی یکجہتی کمیٹیاں قائم ہو سکتی ہیں لیکن جب تک کہ
مسائل کو ان کے مناسب پس منظر میں اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے،
غلطیاں ہوتی رہیں گی اور غلط اقدامات اٹھائے جائیں گے۔

اب میں ایک اور نقطہ کی طرف آپ کی توجہ مرکوز کرانا
چاہتا ہوں۔ اگر ایک لسانی یا نسلی جماعت کو ایک خاص علاقہ میں اپنی
ریاست قائم کرنے کی اجازت دی جائے تو اقلیتوں سے وابستہ تمام
مسائل حل نہ ہو جائیں گے، کیوں کہ ایسی ہر ریاست میں چند اقلیتیں
بھی ہوں گی اور جن کی دیکھ بھال کرنا لازمی ہوگا۔ اسی لئے جدوجہد
آزادی کے دوران ہم لوگوں نے لوگوں کو یکجا کرنے کیلئے تنوع میں یکجہتی
کو فروغ دیا۔ اس کا اچھا خاصہ اثر ہوا، کیوں کہ اس نعرہ "تنوع میں
یک جہتی" میں تمام عناصر کو شناخت کر لیا گیا تھا۔ اب اگر مرکزی
حکومت صحیح راستہ پر گامزن نہ رہے اور ہندوستان جیسے وسیع
ملک میں لوگوں پر اعتماد کئے بغیر اختیارات کو مرکوز کرنے کی کوششوں کو
جاری رکھے تو ہم لوگوں میں شک و شبہ پیدا ہو جائے گا اور قومی اتحاد کو
خدشہ لاحق ہو جائے گا۔

ہم لوگوں نے اپنی پارٹی کے دستور میں ریاست سے الگ ہونے
کے حق کو منسوخ کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ریاستوں کو زیادہ سے
زیادہ اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔ نیز چند ریاستوں میں ہم نے یہ
محسوس کیا کہ متصل علاقوں میں رہنے والے لسانی جماعتوں کی تشکیل
کی جا سکتی ہے۔ ایسے معاملوں میں ہم یہ کوشش کریں گے کہ اپنی حیثیت
کے مطابق ان جماعتوں کی تمناؤں کو پورا کیا جائے، اور انہیں ریاستوں
کے اندر خود اختیاری کا درجہ دی جائے۔ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں
میں "گورکھا لینڈ" کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ عرصہ دراز سے ہم لوگ اس
بات کا پرچار کر رہے ہیں کہ ریاست مغربی بنگال کے اندر دارجلنگ میں
نیپالیوں کو خود اختیاری دے دی جائے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے
تین پہاڑی سب ڈویژنوں میں علاقہ کی جغرافیائی حالت اور آبادی کی کثرت
کو، پہاڑی لوگوں کی زبان کو، ان کی ثقافتی انفرادیت اور ان کی آرزوؤں
کو زیر غور رکھا۔ ہم لوگ اس بات کی بھی وکالت کر رہے ہیں کہ دستور
کے آٹھویں شیڈیول میں نیپالی زبان کو شامل کر لیا جائے۔ پارلیمنٹ
میں ہمارے ممبران پارلیمنٹ نے بھی اس سوال کو اٹھایا لیکن مرکزی
حکومت نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ اگر مناسب وقت پر چند اقدامات
کئے جائیں تو بعد میں بہت خطرات سے ہم محفوظ رہیں گے، لیکن مرکزی
حکومت تاخیر سے اقدامات کرتی ہے اور مسائل کو پیچیدہ بنا دیتی ہے
پنجاب کے مسئلہ کو جس طرح حل کرنے کی کوشش کی گئی، وہ اس سلسلہ
میں اسی کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح دارجلنگ کے معاملہ میں بھی
ہمارے مسلسل مطالبات کے باوجود کچھ بھی نہیں کیا گیا، اور اب ایک
جماعت بنام گورکھا قومی آزادی محاذ نے انتہائی طرز اختیار کیا اور
جذبات کو ابھارنے کے لئے تواریخ اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرکے
اور نیپالیوں کو غیر نیپالیوں سے الگ تھلگ رکھنے کا کام شروع کر دیا۔ ان
لوگوں نے گورکھا لینڈ کو تسلیم کرنے کے لئے اقوام متحدہ کو اور ساری
دنیا سے اپیل کی۔ یہ قدم یقیناً قوم دشمنی ہے اور اس کی تائید نہیں کی جا
سکتی۔ لیکن حکومت ہند نے اس تحریک کو قوم دشمن اور علیحدگی پسند
قرار دینے سے انکار کر دیا۔ جی این ایل ایف کے کہنے کے مطابق یہ جدوجہد
معاشی ترقی کے لئے جدوجہد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ وہ سب کہتے

کہ یہ جدوجہد "حق کی لڑائی" یعنی ان کے وطن کے لئے جدوجہد ہے۔
مغربی بنگال کو تقسیم کرنے اور نیپالیوں کو غیر نیپالیوں سے الگ رکھنے
کی کوشش کی خطرناک پیچیدگیوں سے ہم لوگوں کو سیاسی طور پر
آگاہ کر رہے ہیں۔ ہم اس بات کو عیاں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں
کہ اس اقدام سے سب سے زیادہ نقصان نیپالیوں کو پہنچے گا۔ پہاڑ کی
اور میدانی علاقوں میں رہنے والے نیپالی اس رجعت پسند تحریک کی
مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن حکومتِ ہند کے مشکوک رویئے ہمارے
لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

تری پورا میں قبائلیوں کے لئے خود اختیار کاؤنسل قائم کی
گئیں۔ ان کاؤنسلوں نے تمام مسائل کو حل نہیں کیا، لیکن ان کا قیام ایک
صحیح قدم ہے۔ تری پورہ میں صورت حال بہت شدید بن چکی ہے۔
تقسیم ہند سے قبل وہاں قبائلیوں کی اکثریت تھی لیکن آج وہاں بنگلہ
بولنے والے لوگوں کی آبادی ۷۰ فیصد ہے۔ ہم اس مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔
قبائلیوں کے درمیان ہم کافی مقبول ہیں اور اس لئے ہم نے ان کے لئے
زیادہ سے زیادہ مراعات فراہم کی اور اس طرح بنگالی اکثریت اور
قبائلیوں کے درمیان ہم آہنگی اور خیر سگالی قائم ہے۔ لیکن یہاں اب
بھی ایسی ایک جماعت ہے، جو نبرد آزما ہے، اس کی وجہ غلط
علیحدگی اور رجعت پسند سیاسی سوچ وچار ہے۔ انہیں تری پورا میں
باہر چند طاقتوں سے امداد اور سیاسی تائید فراہم کی جا رہی ہے۔
ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا حل بالکل صحیح ہے اور یہی اتحاد کی بنیاد
ہے۔ اگر ہم قبائلیوں کو ان کے جائز حقوق اور تمناؤں سے محروم رکھیں
گے تو ہم اس مسئلہ کو کبھی حل نہ کر سکیں گے۔ اگر آپ غیر مساوی معاشی
ترقی کا ذکر کریں تو اس سے کوئی خاص مدد نہیں ملے گی۔ معاشی ترقی
لازم ہے۔ ہندوستان کی نصف آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح
پر زندگی گزار رہی ہے۔ ایسی صورت حال کا یہ مطالبہ ہے کہ محروم
طبقوں کے لوگوں کی خصوصی دیکھ بھال کی جائے تاکہ رجعت پسند
طاقتیں اندر سے اور باہر سے اپنا سر نہ اٹھا سکیں۔
دارجلنگ کے معاملہ میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ بانکوڑا یا پرولیا،
[illegible] پرگنہ سے زیادہ معاشی لحاظ سے پسماندہ ہے۔ لیکن گورکھا
لینڈ کے حامی اور ہمارے سیاسی مخالفین ایک مسخ شدہ اور غلط

تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس طرح وہ ایک غلط حل
کے خواہاں ہیں۔ چونکہ ہم سماج کے محروم طبقوں کے کاذ کی تائید کرتے
ہیں اس لئے، ہمیں پہاڑی لوگوں پر اس بات کی تشریح کرنی پڑی کہ
ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے اور نیپالیوں، قبائلیوں، بنگالیوں
اور دیگر فرقوں کے لوگوں کے لئے ہماری جدوجہد مفاد پرستوں اور سرمایہ
دارانہ۔ جاگیردارانہ نظام کے خلاف ہے۔ ہم ایک ساتھ مل کر، نہ کہ
نیپالی بولنے والے لوگوں کو دوسروں سے الگ تھلگ کر کے، اس کام
کو انجام دے سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بات بھی ان پر عیاں
کر رہے ہیں کہ ہم نے ریاست کے اندر ان کی علاقائی خود اختیاری کے
حق کی تائید کی ہے۔ یہ تو صرف اس وقت جب چند شرائط پورے ہو
جائیں گے، ریاست کے اندر خود اختیاری کا حق ایک صحیح مطالبہ بن
جائے گا۔ لیکن ہمیں پرولتاریہ اور محروم طبقے کے لوگوں کے مفادات کو
پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اگر محنت کش طبقہ اور سماج کے محروم طبقے کے
لوگ منقسم ہوں، اگر قبائلیوں کو دیگر طبقوں سے الگ رکھا جائے تب
ہم کیا بنیادی تبدیلی لانے کے لئے ہماری جدوجہد کو جاری رکھ سکیں
گے؟ ایسی تقسیم ہمیں فوراً متاثر کرتی ہے اور اس لئے ہم لوگ
اتحاد اور یکجہتی کو اولین اہمیت دیتے ہیں، ورنہ ہماری بنیاد کو خدشہ
لاحق ہو جائے گا۔ ملک کے اتحاد اور یکجہتی کے کاذ کے لئے ہم لوگ
خلوص اور ایمانداری کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں۔ ہم لوگ کانگریس
حکومت اور پارٹی کو اگرچہ ہمارے اور ان کے درمیان بہت سی باتوں
کی بابت اختلاف ہے تاہم، مدعو کرتے ہیں کہ وہ آئیں اور ہم سب
مل کر اتحاد اور یکجہتی کے سوال کو حل کریں۔ گرچہ وہ ہماری تائید
کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے تاہم ہمیں اس کے لئے جدوجہد کرنی ہے،
کیونکہ اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے یہ ہم سبھوں کی، محنت کش
طبقہ کی جدوجہد اور عام لوگوں کی جدوجہد کو بری طرح متاثر کرتی ہے
ان باتوں کے باوجود ایک اور خدشہ بھی ہے۔ ہم لوگ
چیخ چیخ کر یہ کہتے آ رہے ہیں کہ یہ صرف اندرونی تقسیم یعنی مذہب
ذات پات، نسل، زبان وغیرہ کی بنیاد پر تحریک اور منقسم کرنے والی
تحریک نہیں ہے جو رونما ہو رہی ہے، اسے بیرونی امداد فراہم کی جا رہی
ہے۔ دنیا میں بہت سارے سامراجی ممالک ہیں جو ہندوستان کو

ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ دنیا میں چین کے بعد ہندوستان میں سب سے زیادہ آبادی ہے اور ہندوستان ناوابستہ تحریک کا ایک سرگرم رہبر ہے۔ آج کی عالمی صورت حال میں اس تحریک کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ چند سامراجی طاقتوں کو یہ بات پسند نہیں ہے اور وہ سب اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ہمارے ملک میں عدم استحکام لانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہم لوگ عرصہ دراز سے مرکزی حکومت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آسام اور پنجاب میں سامراجی ممالک ہماری مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہماری سرحد پر پاکستان سے ہمیں خدشہ لاحق ہو گیا ہے نہ صرف اس لئے کہ یہ تخریب پسندوں کی مدد کر رہا ہے بلکہ اس لئے کہ امریکی سامراجیت نے اسے جدید اسلحہ جات سے مسلح کر دیا ہے۔ تمام محبان وطن کو چوکس رہنا چاہئے اور پنجاب کے مسئلہ کو حل کرنے میں مدد کرنا چاہئے۔

ہندوستان میں لسانی تشکیل اور مرکز۔ ریاست تعلقات کے سوال کو ایک بار پھر ذکر کرتے ہوئے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو لوگوں پر اعتماد نہیں ہے تو اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ریاستوں کے ہاتھوں زیادہ سے زیادہ اختیارات منتقل کرنا کافی اہمیت کا حامل بن چکا ہے، کیوں کہ صرف اس قدم سے ہندوستان مستحکم ہو سکتا ہے۔ چند ایسے کام ہوتے ہیں جنہیں صرف مرکزی حکومت ہی (چاہے کوئی بھی اس وقت برسر اقتدار ہو) پورا کر سکتی ہے اور ہم اس بات پر رضامند ہیں کہ مرکز کی سرگرمیوں کے تحت چار یا پانچ اقدامات ایسے ہیں جنہیں مرکز کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ لیکن دستور کے مطابق بھی ریاستی حکومتیں (جو بھی پارٹی برسر اقتدار ہو اور اس کا فیصلہ تو ریاست کے عوام ہی کرتے ہیں) عوام سے قریب ہوتی ہیں اور انہیں پنج سالہ منصوبہ میں مقرر کردہ زیادہ تر ترقیاتی کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا پڑتا ہے اس لئے ان پر یقین کرنا چاہئے۔ انہیں علاوہ آزادی، زیادہ اختیارات اور زیادہ اقتدار دینے چاہئیں۔ سامراجی قوتیں کامیاب نہیں ہو سکتے اگر ہم ملک کے اندر ایک صحیح پالیسی پر عمل کریں تو وہ لسانی اور نسلی قوموں کو اپنے صف میں نہیں لا سکتے۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ محنت کش لوگوں کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ مرکز۔ ریاست تعلقات کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے تفرقہ پسندوں اور جارحانہ وطن پرستی کا زبردست مقابلہ کریں۔ یہ ایک مہمل سی بات ہے کہ ایک الگ ریاست کی تشکیل سے تمام بنیادی مسائل جیسے پسماندگی، بے روزگاری، غربت وغیرہ حل ہو جائیں گے۔ لیکن ریاست کے اندر ان کے مسائل، ان کی ثقافت کو زیر غور رکھنا ہوگا۔ ہم لوگ جو ہندوستان میں ایک بنیادی تبدیلی لانے کے لئے اور استحصال کے خلاف سماجی نجات کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے، محنت کش لوگوں کے اتحاد پر زور دیتے ہیں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہندوستان میں ذات پات کی بنیاد پر لوگ تقسیم ہوتے جا رہے ہیں۔ محنت کش طبقوں میں تمام ذاتوں ـــ برہمن، اسدھ، اشیڈیولڈ کاسٹ و شائب وغیرہ کے لوگ آتے ہیں۔ اس لئے محنت کش طبقہ اور عام لوگوں کے اتحاد کے لئے جدوجہد کی جانی چاہئے تاکہ ایسا سماج قائم کیا جا سکے جہاں روزگار اور نشستیں فراہم ہوں۔ ہمارے تصورات بالکل عیاں ہیں اور ان تصورات کو ہم عام لوگوں تک پہونچانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم فوری سیاسی یا انتخابی مفادات کے لئے اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دیں گے، کیوں کہ اس کی وجہ سے صورت حال اور بھی الجھ جائے گی لیکن ہمیں اس بات پر یقین ہے اور ہم ایسا دیکھتے ہیں کہ چند پارٹیاں انہیں قربان کر رہی ہیں۔ یہ ہم لوگوں کے لئے لازمی ہے کہ ہم ان تمام وجوہ کو سمجھیں جو ملک کے چند علاقوں میں علیحدگی پسند تحریکوں کی رہنمائی کرتی ہیں اور ان رجحانات کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے صحیح علاج تلاش کرنے کے لئے مجموعی طور پر کوششیں کریں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مرکز میں حکمراں پارٹی اور مرکزی حکومت اس مسئلہ کا منصفانہ اور مستقل حل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے آپ کا بہت وقت لیا میری تقریر کچھ طویل ہو گئی لیکن مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے اتنے سارے دانشوروں کے سامنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے کا موقع ملا۔ شکریہ!

زندگی بھیک میں نہیں ملتی ـــ زندگی بڑھ کے چھینی جاتی ہے
ساحر

کلکتہ میں "بیت الحجاج" کا سنگِ بنیاد

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے رکھا

"ہم عوام کے، خاص طور پر محنت کش اور غریب لوگوں کی دشواریوں — سماجی، سیاسی اور مالیاتی — سے واقف ہیں اور ہم انہیں دور کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہماری حکومت ان پچھڑے لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اپنی بساط بھر ہر ممکن کوشش کر رہی ہے"۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے، ۲۲ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ۲۶ دلکشا اسٹریٹ، پارک سرکس کلکتہ میں "بیت الحجاج" یعنی "حج گھر" کے سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ "آج صبح یہاں "بیت الحجاج" کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر ہم سب یہاں اکٹھا ہوئے ہیں اور یہ حج گھر بہت ہی جلد تعمیر ہو جائے گا۔ محترم محمد امین کھنڈوانی، چیئرمین حج کمیٹی، بمبئی، سے بہت سی اچھی اور نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ بمبئی میں "حج گھر" عام لوگوں کے چندے سے تعمیر کیا گیا۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور اپنی ضرورت خود پوری کرتے ہیں۔ یہاں تو حج گھر تعمیر کیا جائے گا۔ عوام کے چندے سے حاصل کردہ رقوم سے اس کے تعمیراتی اخراجات پورے کئے جائیں گے۔ اس تعمیراتی کام میں محترم امین صاحب کا ہم لوگوں کو تعاون حاصل ہوگا۔ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں اور وہ تیرتھ کو یا مذہبی فرائض کو پورا کرنے کے لئے جاتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندو بھائی گنگا ساگر تیرتھ کیلئے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ان کے لئے آمد و رفت، عارضی رہائش، صحت عامہ اور دیگر سہولتیں فراہم کیں۔ اسی طرح جب روم سے یہاں پاپا کے روم آئے تھے تو ان کے لئے ہم لوگوں نے بہتر انتظامات کئے تاکہ انہیں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ مسلمان حج کو جاتے ہیں۔ حج کو جانے والوں کے لئے ہم اپنے طور پر سہولتیں فراہم کرتے ہیں تاکہ زائرین آسانی سے حج کے لئے جا سکیں۔ اب ریڈ روڈ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کی بات لیجئے۔ پہلے یہاں مسلمان میدان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن بارش اور شبنم سے گھاس کے بھیگ جانے سے ان کے لئے میدان میں نماز پڑھنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مسلمانوں کے نمائندوں نے میدان کی جگہ ریڈ روڈ سڑک پر نماز پڑھنے کے لئے ہم سے رجوع کیا۔ میں نے فوراً ان کی بات مان لی۔ یہ تو ایک دو گھنٹے کی بات ہے۔ گاڑیاں ریڈ روڈ کی جگہ دوسری سڑکوں سے آمد و رفت کریں گی اور اب باقاعدہ طور پر ریڈ روڈ پر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں ہوتی ہیں۔ اس بات سے تو سبھی واقف ہیں کہ ہمارے عوام کی اکثریت غریب ہے اور غریبوں کی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ہم حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں۔ زیادہ تر زائرین حج، جہاز سے جانا پسند کرتے ہیں کیوں کہ جہاز کا کرایہ کم ہوتا ہے۔ لیکن حکومت ہند نے جہاز کی آمد و رفت کے سلسلے کو اٹھا دیا۔ ایسا کیوں کیا گیا وہ مرکز ہی بتا سکتا ہے۔ جہاز کی جگہ اب ہوائی جہاز سے زائرین کو حج کے لئے جانا پڑتا ہے۔ لیکن ہوائی جہاز کا کرایہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اسے عام زائر ادا نہیں کر سکتے، نتیجہ کے طور پر وہ حج کو نہیں جا سکتے۔ اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہوائی جہاز کے کرایہ کو اتنا کم کر دینا چاہئے کہ زائرین اس کے ذریعہ جا سکیں۔ اس امر پر مرکز کو غور کرنا چاہئے۔

عام لوگوں، محنت کشوں، کسانوں اور غریبوں کی بنیادی

زندگی کو پورا کرنے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ہم ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ پسماندہ لوگوں کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت، اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی فلاح و بہبود کے لئے ہماری حکومت کی طرف سے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ آج بھی مسلمان تعلیم اور روزگار کے میدانوں میں پیچھے ہیں۔ ان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے ہم کوششیں کر رہے ہیں۔ میں طبی تعلیم کے لئے وزیر اعلیٰ کے کوٹے سے چند طلباء اور طالبات کو نامزد کرتا ہوں۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی طلباء آتے ہیں، لیکن میرے نامزد کردہ طلباء کو کلکتہ کے باہر والے میڈیکل کالجوں میں جگہ ملتی ہے۔ کلکتہ کی ایک مسلمان لڑکی کا میرے کوٹے سے بردوان میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا۔ یہ لڑکی اپنی ماں کے ساتھ کلکتہ میں رہتی تھی اور ان لوگوں کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ لڑکی کی تعلیم کے سلسلہ میں بردوان میں اخراجات برداشت کرے۔ اس لڑکی کو مجبوراً میڈیکل تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ اس دشواری کے پیش نظر میں نے یہ انتظام کیا کہ میرے نامزد کردہ امیدواروں کے لئے کلکتہ کے میڈیکل کالجوں میں نشستیں مختص کی جائیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج مسلمان لڑکیاں بھی تعلیم اور معاشی میدانوں میں آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ سرکاری ملازمت میں بہت ساری مسلمان لڑکیاں ہیں۔ ڈبلیو۔ بی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں بھی وہ بیٹھتی ہیں۔ ایسی برسر روزگار لڑکیوں کو کلکتہ کے، جو باہر سے یہاں کام کرنے آتی ہیں، خاص طور پر ہاسٹل کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی اس دشواری کو دور کرنے کے لئے قریب ڈیڑھ سال قبل میں نے تعلق شاہ بابا کے مزار کے پاس، ان کے لئے ایک ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ تعمیراتی کام زور و شور سے جاری ہے۔ پانچ منزل تک عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اب پورا تعمیراتی کام بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ اس سے مسلم لڑکیوں کو کافی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

اب میں موجودہ حالات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آج جگہ جگہ سارے ملک میں تفریق پسند عناصر سر اٹھا رہے ہیں اور اسی کوشش میں برسر عمل ہیں کہ ہندوستان کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنا ہے اور انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کرنا ہے۔ ہم سب متحدہ طور پر آگے بڑھ رہے ہیں اور متحدہ طور پر آگے بڑھتے رہیں گے۔ ہم جب باہر کے ملکوں میں جاتے ہیں تو ہمارے پاسپورٹ میں ہماری شہریت ہندوستانی ہوتی ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اندرون ملک ہم گجراتی ہیں، مہاراشٹری، بہاری، آسامی اور بنگالی ہیں۔ ہم سب سے پہلے ہندوستانی ہیں، اس کے بعد کچھ اور ہیں۔ آج مغربی بنگال کے علاوہ دیگر ریاستوں میں جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں، اور ایسے فسادات کے شکار زیادہ تر غریب طبقہ کے لوگ، ہندو اور مسلمان، دونوں ہی ہوتے ہیں۔ انہیں لوٹ لیا جاتا ہے، ان کے گھروں کو جلا ڈالا جاتا ہے، ان کے ذرائع روزگار کو اجاڑ ڈالا جاتا ہے۔ لیکن مغربی بنگال ان تمام فسادات سے پاک ہے، اور اس کے لئے ہم یہاں کے لوگوں کے مشکور ہیں۔ یہاں بھی کوششیں کی جاتی ہیں، لیکن ہم عوام کے پرخلوص تعاون کے ساتھ ایسی کوششوں کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ مغربی بنگال میں مزدوروں میں غیر بنگالی زیادہ ہیں۔ وہ ہندوستان کے دیگر صوبوں سے بہت پہلے آئے، کام کرنے لگے اور یہیں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ ان کی زبانیں مختلف ہیں لیکن وہ سب ایک ساتھ رہتے ہیں، ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور اپنے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ یہاں ایک خوشگوار اور فرقہ وارانہ امن اور خیر سگالی کی فضا قائم ہے۔ دارجلنگ کے علاقوں میں ہمارے نیپالی بھائی بہن، بنگالی، بہاری، آسامی اور دیگر علاقوں کے بھائی بہنوں کے ساتھ امن و امان اور پیار و محبت کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی چند شر پسند افراد انہیں غلط راستہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ہم سب ان کی ان ناپاک کوششوں کو ناکام بنا دیں گے۔ ہم عوام کی فلاح و بہبود، عوام اور ملک کی ترقی کیلئے اقدامات کرتے رہیں گے۔ یہی ہمارا اصول ہے۔ ایک طبقہ کی فلاح و بہبود سے سارے ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی نہیں ہوتی۔ ہم جو کر سکتے ہیں وہ کرتے ہیں، عوام کے تعاون سے، اپنی مالیاتی دشواریوں اور بندشوں کے باوجود ہم ترقیاتی اقدامات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔"

اس حج گھر کے سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب مغربی بنگال حج کمیٹی کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، اسپیکر جناب ہاشم عبدالحلیم، ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس، حج کمیٹی، بمبئی، کے چیئرمین جناب محمد امین کھنڈوانی، مقامی ایم۔ایل۔اے جناب محمد نظام الدین، نائب منتری شری موتی سانیال، ریاستی حکومت کے وزیر عدلیہ اور مغربی بنگال حج کمیٹی کے چیئرمین جناب ابوالمنصور حبیب اللہؒ، اردو اخباروں کے مدیران، اور دیگر معزز اصحاب نے شرکت کی۔

سب سے پہلے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس حج گھر کے سنگِ بنیاد، جسے انہوں نے رکھا، کی نقاب کشائی کی۔ اس کے بعد اس تقریب کے سلسلے میں منعقدہ ایک جلسہ کا تلاوت قرآن پاک سے آغاز ہوا۔ قاری محمد اسمٰعیل ظفر نے تلاوت کی۔

اس حج کمیٹی کے چیئرمین جناب ابوالمنصور حبیب اللہ نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی شرکت سے اس مجلس کو زینت بخشی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ: "اس جگہ کے شمال میں مسلمان لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کی تعمیر کا کام ۷۵ فیصد حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ سال جولائی کے مہینے سے یہاں مسلمان لڑکیوں کو رہائش کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ یہاں ایک سال کے اندر حج گھر کی عمارت کی ایک منزل کی تعمیر ہو جائے گی۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ سال سے ہم یہیں سے تمام زائرین کو یکجا کر کے حج کے لئے لے جا سکیں گے۔ یہاں یہ بتاتے ہوئے مجھے بڑی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ اس حج گھر کی تعمیر کے اخراجات زائرین حج اور عوام کے چندے کی رقوم سے پورے کئے جا رہے ہیں۔"

ان کے بعد ڈپٹی منتری شری موتی سانیال نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا: "یہ دیکھ کر مجھے کافی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ زائرین حج کے لئے یہاں حج گھر کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ایک حج گھر تو بمبئی میں اور دوسرا یہاں ہوگا۔ اس سے مشرقی ہندوستان کے زائرین کو کافی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ میں دعا گو ہوں کہ یہ مقدس کام جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔ یہاں مختلف مذاہب اور زبان کے لوگ آباد ہیں اور سب میل ملاپ سے رہتے ہیں۔ یہ قابلِ فخر بات ہے۔"

اس کے بعد مقامی ایم ایل اے جناب محمد نظام الدین نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا: "آج ہم سبھوں کے لئے خوشی کا موقع ہے کہ یہاں زائرین حج کے لئے حج گھر کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ سارے ہندوستان میں مغربی بنگال پہلی ریاست ہے جہاں حج گھر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ آج سے ڈیڑھ سال قبل تعلق شاہ مزار کے پاس مسلم گرلس ہاسٹل کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر پانچویں منزل تک مکمل ہو چکی ہے۔ یہاں میں ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ یہ افواہ پھیلائی جا رہی ہے کہ اردو اکیڈمی کے لئے حاجی محمد محسن اسکوائر میں قطعاتِ آراضی الاٹ نہیں کئے جائیں گے۔ یہ غلط ہے۔ سنگِ بنیاد تو رکھا گیا ہے۔ کارپوریشن اور راکٹرس بلڈنگس کے درمیان اس قطعہ آراضی کے لئے چند قانونی دشواریاں نمودار ہوئی تھیں جنہیں اب دور کر دیا گیا ہے۔ اب تعمیر کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ اس حج گھر سے زائرین حج کو بہت ساری سہولتیں فراہم ہوں گی۔ حج کے فارم جمع دینے، حج کو جانے، حج سے واپس آنے پر وہ یہاں عارضی طور پر رہائش کر سکیں گے۔ میرے حلقۂ انتخاب میں اس حج گھر کی تعمیر ہو رہی ہے اور اس کے لئے میں وزیر اعلیٰ، حج کمیٹی اور عوام کو اپنی طرف سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

جناب محمد امین کھنڈوانی، چیئرمین، حج کمیٹی (بمبئی) نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "میں آپ لوگوں کا مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھے اس مبارک موقع پر شامل ہونے کا موقع دیا۔ بمبئی میں تو بہت پہلے سے "بیت الحجاج" تعمیر کیا گیا۔ یہ "حج گھر" گویا ایک خواب کی تعبیر ہے۔ حج گھر بہت ہی عالی شان عمارت ہے اور اس کی تعمیر زائرین اور عوام نے کی۔ حکومت سے مدد نہیں لی گئی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر کے لئے عربوں نے مدد کی، لیکن یہ غلط ہے۔ اس حج گھر کی تعمیر پر دو کروڑ روپئے خرچ ہوئے اور یہ رقم زائرین اور عوام نے بطور چندہ دی۔ آج یہاں مغربی بنگال میں

بھی ایک حج گھر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس سے مجھے بڑی خوشی
حاصل ہوئی ہے۔ ہم اس حج گھر کی تعمیر پر مالی تعاون کریں گے۔
یہ حج گھر صرف زائرین حج کے لئے ہی نہ ہوگا بلکہ یہاں سے ہم
اپنے تعلیمی، معاشی اور دیگر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں
گے۔ ہم اس کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت
نہیں۔ ایک زائر کو الوداع کہنے کے لئے اس کے آٹھ دس افراد آتے
ہیں۔ اور کسی وجہ سے پندرہ بیس کروڑ روپئے فاضل خرچ ہو
جاتے ہیں۔ اس حج گھر کے قیام کی وجہ سے اس رقم کی بچت ہوگی۔
میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہر ریاست میں ایسے مراکز قائم ہوں۔
مکہ اور مدینہ میں ۱۰۶ ربوہات تھے۔ ان میں سے بہت ساری
ربوہات (قطعات آراضی) کو ضبط کر لیا گیا۔ لیکن اب بھی ہمارے
پاس بیس بائیس ربوہات ہیں۔ اس میں عمارت تعمیر کی جا سکتی
ہے۔ اس سلسلہ میں "ربوہات سیل" قائم کرنا چاہئے اور اس کے
ذریعہ عرب میں زائرین حج کی دیکھ بھال کا کام سونپا جائے۔ حج
... پر فرض ہے۔ حج کرنے والوں کو دو کپڑوں کا لباس پہننا پڑتا
ہے۔ اس سے ان میں یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ غربت کیسے
... ہیں اور اس طرح حاجیوں کی زندگی پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔"

یہاں زائرین حج کے لئے ساڑھے تین ہزار کا کوٹہ
... ہے، لیکن یہ کوٹہ مکمل نہیں ہو پاتا ہے۔ بحری سفر کے لئے
... حج کمیٹی نے مرکزی حکومت سے جد و جہد کی اور اس کے نتیجے میں
... اس سال، جہاز کی آمد و رفت جاری رہے گی۔ نیز مرکزی حکومت
زائرین حج کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کی قیمت میں کمی کرنے کی
بات پر غور کر رہی ہے۔ آج سے ۳۵ سال قبل پارلیمنٹ
... ایکٹ کے ذریعہ حج کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ اس کمیٹی کی پہلی نشست
... بمبئی میں اور دوسری بنگلور میں ہوئی۔ ان نشستوں میں زائرین
... کی دشواریوں پر غور کیا گیا اور انہیں دور کرنے کے لئے اقدامات
کئے گئے۔ اس سلسلہ میں میں ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا ذکر کروں گا۔
... زائرین اکثر ایجنٹوں کے ذریعہ ہوائی جہاز کے ٹکٹ خریدتے ہیں۔
ایجنٹوں کو ½۱۲ تا ۱۵ فیصد کوٹی مل جاتی ہے۔ لیکن اب ہمارا مطالبہ
ہے کہ زائرین براہ راست ٹکٹ خریدیں اور انہیں ½۳۳ فیصد

کٹوتی دی جائے۔ نیز ہم زائرین کو معلومات فراہم کرنے کے لئے
ماہی "حج خبرنامہ" شائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز زائرین
حج کو اور بھی بہت ساری مراعات فراہم کرنے کی بھی کوششیں کی
جا رہی ہیں۔"

ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس نے تقریر کرتے
ہوئے کہا: "یہاں نہ صرف کلکتہ یا مغربی بنگال کے لئے بلکہ مشرقی
ہندوستان کے زائرین حج کے لئے ایک حج گھر تعمیر کیا جا رہا ہے۔
یقیناً یہ بات قابل ستائش ہے۔ اس کے تعمیراتی اخراجات حج
کمیٹی ہی پورا کرے گی۔ متحدہ بنگال کے وقت بھی یہاں حج ہاؤس کی
ضرورت محسوس ہوتی تھی، لیکن اس وقت بھی کسی نے اس سلسلے
میں کچھ نہیں کیا۔ ہماری بائیں محاذ حکومت عوام دوست حکومت
ہے۔ اس نے وقف بورڈ کو قرضوں سے بری کر دیا۔ اب وقف بورڈ
کی طرف سے ۵۰۰۰ طلبار کو وظیفے دئے گئے۔ ہمیں اس بات کی
کوشش کرنی چاہئے کہ زائرین حج کے لئے جہازوں کی تعداد میں
اضافہ ہو۔ آج مغربی بنگال کی مقبول عام حکومت کو پیچھے ڈھکیلنے کی
کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن ہم ان سبھوں کو عوام کے تعاون کے
ساتھ ناکام بنا دیں گے۔ لوگوں کی مایوسی کو دور کر دیں گے۔ ہم سب
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے مشکور ہیں کہ وہ اقلیتوں کے مسائل
کو دور کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ میں اس شعر سے اپنی تقریر
ختم کرتا ہوں ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ان کے بعد اسپیکر جناب ہاشم عبد الحلیم نے تقریر کی۔
انہوں نے کہا: "اس بات سے آپ سب واقف ہیں کہ "مغربی بنگال
جو آج کرتا ہے سارا ہندوستان اسے دوسرے دن کرتا ہے"۔ آج
مغربی بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں ذات پات کے
نام پر، مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں۔ پہاڑی
علاقوں میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہر جگہ قومی
یک جہتی کی بات بھی ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس مغربی بنگال میں
فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بھائی چارگی کا پُرامن ماحول قائم ہے۔ یہاں

ہماری حکومت اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ ہر فرقہ اپنے مذہبی فرائض کو جمہوری طریقہ سے انجام دے سکے۔ حج مسلمانوں کا فرض ہے۔ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ زائرین کو لے جانے والے جہاز کا سلسلہ جاری رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہوائی جہاز کے کرایہ میں اتنی کمی کردی جائے کہ عام زائرین ہوائی جہاز سے بھی حج کو جا سکیں۔ پہلے زمانہ میں کلکتہ سے ہی بذریعہ جہاز زائرین حج کو جاتے تھے، لیکن اب یہ سلسلہ بمبئی سے شروع کیا گیا۔ اس کی وجہ سے مشرقی علاقہ کے زائرین کے اخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اس "حج گھر" کی تعمیر سے زائرین کو کافی سہولتیں فراہم ہونگی۔ ہماری حکومت اقلیتوں کو بہت ساری سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ ان کی دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آج مغربی بنگال میں صرف زائرین حج کا معاملہ نہیں۔ آج عید کی نماز ریڈ روڈ پر ہوتی ہے۔ ہوڑہ عید گاہ میں ۱۹۷۷ء سے نماز ہو رہی ہے۔ مدنا پور میں قبرستان سے قابضوں کو بے دخل کر دیا گیا ہے۔ وقف جائداد کو لیجئے۔ بورڈ کو عطیہ دیا جاتا ہے۔ اس کے اسٹاف کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ وقف کے روپئے کی حصولیابی کا کام تشفی بخش طور پر جاری ہے۔ تین ہزار طلبہ کو وظیفے دئے جا رہے ہیں۔ سو سال کے اس بورڈ کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ لیکن آج نو سال کے عرصہ میں یہ خودکفیل بن گیا۔ سارے ہندوستان میں کہیں بھی مسلم گرلس ہاسٹل نہیں۔ کلکتہ کے لئے ایسے ہاسٹل کی اشد ضرورت تھی۔ آج مسلمان لڑکیاں ڈاکٹری پڑھنا چاہتی ہیں۔ ڈبلیو۔ بی۔ سی۔ ایس اور آئی۔ اے۔ ایس کے امتحانات میں شرکت کرنا چاہتی ہیں۔ بہت سارے اداروں اور دفاتر میں مسلمان لڑکیاں برسر روزگار ہیں۔ ان کی رہائش کے لئے انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ وہ پڑھیں اور آگے بڑھیں۔ اس سلسلہ میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ عوام کے سرگرم تعاون سے ہم بہت جلد اس ہوسٹل اور حج گھر دونوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔"

ان کے بعد وزیر اعلیٰ نے تقریر کی۔ آخر میں حج کمیٹی کے وائس چیئرمین جناب ایم اے سعید نے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، مہمان خصوصی جناب محمد امین اور دیگر حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ ان لوگوں نے اپنی شرکت سے اس جلسہ کو زینت بخشی۔ اس کے بعد یہ جلسہ پایۂ اختتام تک پہنچا۔ نقابت کے فرائض جناب نظیر احمد نے انجام دے ٭٭٭

بقیہ: **بچوں کی لوک کلا۔۔۔۔**

وہ کچھ بیان کرنا نہیں چاہتا بلکہ ان کا مقصد اپنے آپ کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ بچے خطوط کھینچ کر اپنے آپ کا اظہار کرتے ہیں۔ ا۔ بالغوں کی دنیا اس کے لئے یہ کر سکتی ہے کہ وہ بچے کو چاک کوئلہ، رنگدار پنسلیں، بہت سے کاغذ اور دوسرا سامان مہیا کرے (باقی آئندہ)

"مدن داس پل" کا افتتاح

وزیر مکانات وتعمیرات عامہ شری جاتن چکرورتی نے گزشتہ ۱۸ دسمبر کو جنگ نگر ہاٹ، ہوڑہ کی دامودر ندی پر تعمیر کردہ "مدن داس پل" کا افتتاح کیا۔

مجاہد آزادی شری مدن داس کے نام سے منسوب یہ پل ہوڑہ۔ آمتا روڈ کو آمتا۔ راجا پور۔ دیہور رشت روڈ کے ساتھ ملاتا ہے۔ پل کی تعمیر میں کل ۱۵ر۶۳ لاکھ روپئے خرچ ہوئے اور پل تک جانے والی سڑکوں پر ۴ر۱۱ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔

مغربی بنگال کے وزیر آراضی و اصلاحات آراضی شری بینوئے چودھری اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ وزیر ریاست برائے امداد و رفاہ نے مہمان خاص کی حیثیت سے شرکت کی۔ علاقے کے ایم۔ ایل۔ اے شری نیتا لال ماجھی نے جلسے کی صدارت کی۔ بائیں محاذ کے دور حکومت میں دامودر ندی پر بنایا گیا یہ تیسرا پل ہے ٭٭٭

کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال کو عطیہ

ریاستی حکومت نے کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور ہسپتال کو مالیاتی سال میں اپنے اخراجات برداشت کرنے اور اکتوبر ۱۹۸۶ء میں ہسپتال کے ۵۰ بستروں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ۲۵۲۷۵ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے ٭٭٭

بچوں کی لوک کلا

از: بی۔ رویندرن نائر

> دہلی میں ہو رہے قومی ثقافتی میلہ میں بال دوس یعنی بچوں کے دن کو خصوصی اہمیت ہے۔ اس موقع پر میلہ میں متعدد موضوعاتی پروگراموں کے ذریعہ بچوں میں میلہ میں اشتراک کا احساس پیدا کیا جائے گا۔ انہیں فنکاروں و اہل حرفہ کی دنیا سے متعارف کرایا جائے گا۔

انسانی ذہن کی پُراسرار کارکردگی، خطوط، رنگوں اور شکلوں کے چونکا دینے والے ذریعہ سے زندہ ہوجاتی ہے جنہیں ملا کر فن یا لوک کلا کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخ کے مختلف مراحل میں ہر ملک میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ شاعری کی مانند فن بھی وقت اور خود فنکار یا فنکارہ کے ہنر و فنون کی بابت ان کے خیالات، عقائد اور جمالیاتی احساسات کو گرفت میں لے کر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ہر تخلیق اور اصل فن میں فرد کی چھاپ نظر آتی ہے۔

ایک پروان چڑھ رہے بچے پر والدین، دوستوں، رشتہ داروں، قدرت اور تفریح کی اشکال کے اثرات پڑتے ہیں۔ اثر قبول کرنے والی طفولیت کی عمر میں دیومالائی قصے کہانیاں اور لوک فنون کی شکل میں بیان کردہ تاریخ بچے میں تجسس کا مادہ پیدا کرتی ہے اور وہ ہر چیز کے بارے میں جاننے کا خواہش مند رہتا ہے۔ یہ مواقع اس کی ذہانت کو جلا دیتے ہیں اور ان سے اسے فرقے یا سماج کا جو پہلا ذائقہ حاصل ہوتا ہے وہ الیکٹرانک ذرائع ابلاغ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایک بچے کے لئے فلم یا ٹیلی ویژن پروگرام ایک وقتی تفریح ہے لیکن کسی لوک کلا کے مظاہرے کی یاد اس کے ذہن میں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

ان کے گرد و پیش کی دنیا جس میں وہ پروان چڑھتے ہیں کس طرح بھرپور طور پر ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس کی مثال بھوپال میں کچھ بچوں کی بنائی ہوئی تصویروں سے ملتی ہے جو اب بھی تاریخ کے بدترین صنعتی المیے کے ڈراونے خواب کے تحت زندہ ہیں۔ کیڑے مار دوائیاں تیار کرنے والے کارخانے کے نواحی بستیوں کے قریب پچاس بچوں کو جو بارہ برس سے کم عمر کے تھے، کاغذ اور رنگ دار پنسلیں دے کر کہا گیا کہ وہ کسی بھی چیز مثلاً درختوں، جانوروں، سڑکوں، گھروں، گاڑیوں، آسمان، پھولوں، مردوں یا عورتوں کی تصویریں بنائیں۔ ان بچوں نے المیہ کے عین ایک سال بعد جو تصویریں بنائیں ان کے ذریعہ انہوں نے ایک برس پہلے کی تاریک رات کی تصویر کھینچ کر رکھ دی جس نے چند گھنٹے ہی میں بھوپال کو ایک بڑے قبرستان میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

بھوپال کی تباہی نے ان کے ناپختہ ذہن پر ایسی دیرپا خراشیں چھوڑی تھیں کہ انہوں نے اسپتالوں کی تصویریں کھینچیں جو کلفت، درد اور دکھ سے بھرپور تھے جہاں ڈاکٹر بھاگے پھر رہے تھے اور مریض لمبی قطاروں میں انتظار کر رہے تھے۔ ایسی تصویریں بھی تھیں جن میں نلوں میں سے گیس نکل رہی تھی۔ گیس کے بادل بن رہے تھے اور بادل لوگوں کا پیچھا کر رہے تھے۔ سڑکوں کی تصویریں تھیں جو مر رہے مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھری پڑی تھیں۔

اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بچے اظہار کے کسی ذریعہ کے متلاشی ہیں۔ ایک بچے کی تصویر کشی کی قابلیت کے ابتدائی دور بچے کی پوری جسمانی، جذباتی اور ذہنی نشو و نما کی بیش قیمت کلید ہوتے ہیں۔ جب آپ بچے کے ہاتھ میں پہلی بار چاک تھماتے ہیں اور وہ دیوار، فرش یا اخبار پر کوئی نشان بناتا ہے۔ اس لمحے میں وہ آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتا رہا ہوتا ہے جو وہ شاید کسی اور کے ذریعہ سے نہیں بتا سکتا۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)



کلکتہ میں ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو منعقدہ پرائمری اسکولوں کے بچوں کے ۵ ویں کلکتہ ضلع سالانہ اسپورٹس میں
بچوں کی مارچ پاسٹ کی وزیر تعلیم شری کانتی بسواس سلامی لیتے ہوئے

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Asst. Editor Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers, 23, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

MAGHREBI BANGA
1 January 1987

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol-34 No-1
PRICE [illegible] Paise



۲۲ردسمبر ۱۹۸۶ء
اسمبلی ہاؤس کلکتہ
میں ۳۳ویں سالانہ
پھول نمائش کا افتتاح
کرنے کے بعد گورنر پروفیسر
سید نورالحسن پھولوں
معائنہ کرتے ہوئے۔
تصویر میں اسپیکر،
ر، عبدالحلیم، ڈپٹی اسپیکر،
کلکتہ کے شریف دیکھے
سکتے ہیں۔



شری شانتی رنجن
گھٹک، وزیر محنت،
حکومت مغربی بنگال
۱۲ردسمبر ۸۶ء کو مانک
تلہ کے ای۔ایس۔آئی
ہسپتال میں سب سے
پہلے خون کا عطیہ دیتے
ہوئے۔



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتبی بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

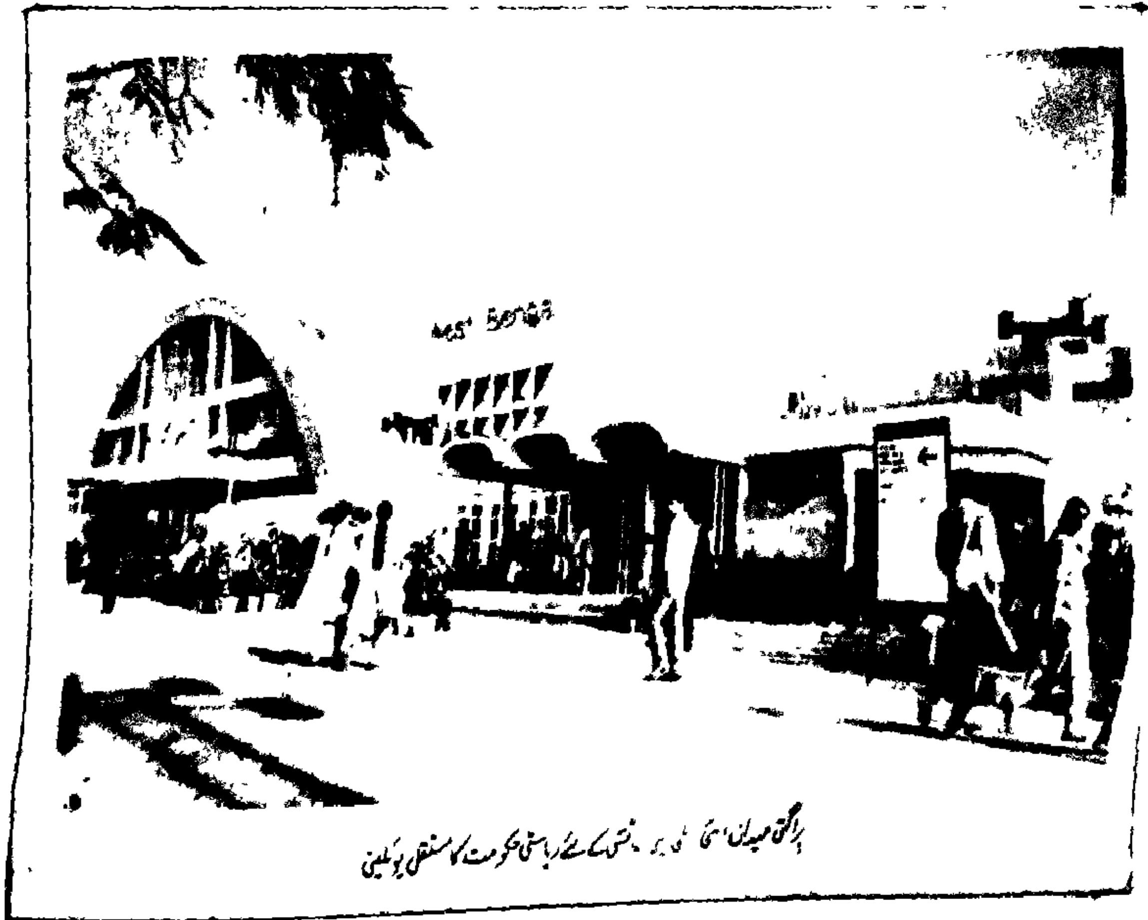
شرح خریداری

سالانہ ۳ روپئے * اس شمارے کی قیمت ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

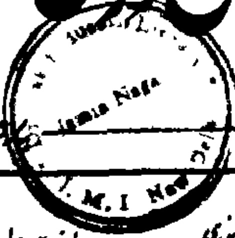
بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ ۔ آر، این، مکھرجی روڈ ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۲۴ * ۱۵ جنوری و یکم فروری سنہ ۱۹۸۷ء * شمارہ نمبر ۲ اور ۳



پراگتی میدان، نئی دہلی میں [illegible] کے لئے ریاستی حکومت کا مستقل پویلین

ہم لوگوں کے تمام فرقوں کے درمیان دوستی اور اتحاد کے رشتہ کو مزید مستحکم بنائینگے



پروفیسر نورالحسن - گورنر مغربی بنگال

مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر ایس۔ نورالحسن نے ۲۶ جنوری ۱۹۸۵ء کو یوم جمہوریہ کے موقعہ پر مغربی بنگال کے لوگوں کو اپنی نیک خواہشات ...ن کیں۔ گورنر کی تقریر کا متن درج ذیل ہے ۔

جمہوریہ ہند کی ۳۷ ویں سالگرہ کے موقع پر میں مغربی بنگال ... عوام کو اپنی دلی تہنیت اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں ۔

اس موقع پر تمام لوگوں سے میری یہ اپیل ہے کہ وہ سب ...ہوریت اور قومی یک جہتی کے اعلیٰ تصورات کو فروغ دینے کے لئے ...د کو پھر سے وقف کر دیں ۔ سال ۱۹۸۶ء نے ملک کے چند علاقوں میں ...سلسل تناؤ کو دیکھا ۔ علاقائیت کا بیکر خیال خطرناک شکل اختیار کرنے ...گا ۔ وزیر اعظم پر حملہ اور جنرل اے ۔ ایس ۔ ویدیہ اور دیگر معصوم لوگوں کے ...مانے ہمارے تصور "ایک قوم ایک روح" کو ہلا کر رکھ دیا ۔

بلاشبہ یہ بات ہمت افزا ہے کہ ان فسادات کے باوجود ...عصب کی برائیوں سے قوم کو بچانے کے لئے لوگوں کی دوراندیشی اور سرجھ ...جھ کام آگئی ۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ کوئی بھی طاقت ہمارے ...لک کے اتحاد میں اور اس کی انسان دوستی، جمہوریت اور آزادی کے ...طمحِ نظر میں ہمارے شہریوں کے عقیدہ کو برباد نہیں کر سکتی ۔ بلاشبہ ...س ریاست کے عوام آبادی کے تمام طبقوں کے ساتھ خیر سگالی کے رشتہ ...و فروغ دینے کے کام کو جاری رکھیں گے اور اس طرح دیگر تمام لوگوں ...ے لئے مشعلِ راہ کی طرح کام کریں گے ۔

مسائل سے دوچار ریاست میں جیسی کہ یہ ریاست ہے، ...مجھے اس بات پر پورا اعتقاد ہے کہ حکومت اور عوام کی کوششوں ثمر آور ...بیت ہوں گی اور محنت کشوں اور مضافاتی لوگوں کا معیار زندگی میں اتنا بلند ہو جائے گا کہ وہ ملک میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے ۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ میری حکومت عوام کے جمہوری حقوق کو اور اقلیتی فرقوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے کام کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے ۔ یہ بات باعثِ تسکین ہے کہ میری حکومت میونسپلٹیوں اور پنچایتوں کے انتخابات وقت پر منعقد کر سکی اور پنچایتوں کو کافی اقتدار سونپنے کے لئے دستور کے ہدایتی اصولوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکی ۔

میں اس امر سے واقف ہوں کہ یہ وہ جگہ نہیں جہاں سے میں اپنی حکومت کی کامرانیوں کا ذکر کروں ، تاہم میں چند کامرانیوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ میری حکومت نے مصیبت زدہ عورتوں کے تحفظ کے لئے کافی اقدامات کئے ہیں ۔ پسماندہ علاقوں "ایسے علاقوں جہاں قبائیلیوں کی کثیر آبادی ہے" سندربن اور پہاڑی علاقوں کی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کو بروئے عمل لایا گیا ہے ۔ ریاستی حکومت نے گزشتہ سال شدید سیلاب کے بعد حسب معمول حالات کی بحالی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ۔ میری حکومت نے ایک صحت مند ثقافت کو فروغ دینے اور تعلیم کے معاملے میں حسب معمول حالات کو برقرار رکھنے کے لئے قابلِ تعریف اقدامات کئے ہیں ۔ سال بھر تمام سطحوں پر بہت سارے پروگراموں کے ذریعہ بندرا ناتھ ٹیگور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ منائی گئی ۔ میری حکومت نے ماحول کی بہتری اور جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے بہت سارے اقدامات کئے ۔

آج یوم جمہوریہ کے اس مقدس موقع پر مجھے اس ریاست کے لوگوں پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ سب ایک بار پھر بھائی چارگی اور قومی یک جہتی کے جذبے کا اظہار کریں گے اور یہ کہ حکومت اور عوام کے درمیان

سرگرم بھائی چارگی اور باہمی تعاون آنے والے دنوں میں ایک خوشحال اور شاندار مغربی بنگال کی تعمیر میں معاون ثابت ہو۔

خوشی کے اس موقع پر آئیے ہم سب اپنے اس عہد کو دہرائیں کہ ہم لوگوں کے تمام طبقوں کے درمیان دوستی اور اتحاد کے رشتے کو مزید مستحکم بنائیں گے۔ ایک بار پھر میں اس ریاست کے لوگوں کو اپنی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

بقیہ : مویشیوں کی پرورش ....

پروڈیوسرس یونینیں قائم کی گئی ہیں۔ مویشیوں کی تعداد میں اضافہ اور کوالیٹی میں بہتری لانے اور مختلف کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو ایک تہہ میں لاکر امداد باہمی کی بنیاد پر دودھ کی پیداوار اور فروخت کو فروغ دینے کے لئے ایک دودھ فیڈریشن قائم کیا گیا ہے۔ ہوڑہ، کلکتہ اور ان کے آس پاس کے علاقے سے غیر قانونی اور غیر صحت مند کھٹالوں کو ہٹا کر گنگا نگر اور دیگر جدید کھٹالوں میں مویشیوں کو رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ سے شہری اور صنعتی علاقوں میں تقسیم کے لئے دودھ کی سپلائی میں اضافہ ہوگا۔ گنگا نگر میں مویشیوں کو رکھنے کے لئے شیڈ کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے اور وہاں بہت سارے مویشیوں کو رکھا بھی گیا ہے۔ ویسٹ بنگال ڈیری اور پولٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ملٹون ورک شاپ کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا ہے۔ اس ورک شاپ سے مقوی اور لذیذ ڈیری کی چیزیں لوگوں کے لئے فروخت کی جاتی ہیں ٭٭٭

بقیہ، بچوں کی لوک کلا ...

ان میں حصہ لیں۔ اسکولوں کی سالانہ تقریبوں میں بچے رنگا رنگ کی پوشاکیں پہن کر ملک کے مختلف حصوں کے لوک ناچ پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح بال بھونوں میں بچوں کے ہنروں کی نشوونما کیلئے آزادی تخلیق اور برجستگی کا ماحول مہیا کیا جاتا ہے۔ جہاں نصابی کتابوں کی بیڑیوں کے بغیر ان کے تجرباتی اور اختراعی قوتوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ ایک بال بھون میں بچہ ایک جیونتی کے احساس اور کتابوں کے علم سے بالاتر آگاہی کے ساتھ سوال کر دینے کا ہنر سیکھتا ہے۔

لوک کلائیں انسان کی داخلی فراوانی اور گردوپیش کی زندگی کے آزادانہ اظہار، زندگی اور قدرت کی جانب اس کے رویے اور اس کے عقائد اور سادگی کی علامت ہیں۔

یوم جمہوریہ کے موقعہ پر کلکتہ میں شاندار پریڈ

گورنر نے سلامی لی۔ مختلف علاقوں میں رنگارنگ تقریبات

۲۶ر جنوری ۸۷ء کو یوم جمہوریہ کی تقریبات بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس ریاست میں منائی گئیں۔ ۳۸ویں یوم جمہوریہ تقریب کے موقع پر ریڈ روڈ پر شاندار پریڈ ہوئی اور گورنر مغربی بنگال پروفیسر نور الحسن نے رنگا رنگ تقریب کی سلامی لی۔ گورنر مغربی بنگال نے ہزاروں افراد کے اجتماع میں تالیوں کی گونج کے دوران ترنگا لہرایا۔ بری، بحری اور فضائی افواج کے چار ہزار فوجیوں نے شاندار پریڈ میں حصہ لیا۔ وزیر اعلیٰ جیوتی باسو، نور الحسن کی بیوی مسز کملا باسو، جی او سی ایسٹرن کمان لیفٹیننٹ جنرل جے کے پوری، وزیر برائے امور تعمیرات (پی ڈبلیو ڈی) اور چیف سکریٹری حکومت مغربی بنگال بھی اس موقع پر موجود تھے۔

پریڈ کے ساتھ ساتھ حکومت مغربی بنگال کی جھانکی میں دابند زاتھ ٹیگور اور راکھی بندھن، چھوٹی بچیوں اور کھادی اور دیہی صنعتوں کی بھی عکاسی کی گئی تھی۔ بینڈ باجوں کے درمیان جوشیلے نغمہ فضا میں رس گھولتے رہے۔ ۱۸ اسکولوں کے بچوں نے اس شاندار پریڈ اور مارچ پاسٹ میں حصہ لیا۔

اس ریاست کے ہر ضلع میں تمام فرقوں کے لوگوں نے جوش و خروش کے ساتھ یوم جمہوریہ منایا ٭٭٭

بقیہ : ڈیری ترقیات ...

کو پورا کرنے کے لئے ہرن گھاٹہ ڈیری میں اس دودھ کالونی سے حاصل کردہ دودھ سپلائی کیا جا سکے۔

شہر کے غیر قانونی کھٹالوں کو دوسری جگہ از سر نو کال کرنے کی اسکیم کو رائج کرنے کی وجہ سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ دودھ کالونی میں مویشیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جائے گا اور اس کے لئے اس سال ۸۶-۸۷ء میں بجٹ میں گزشتہ سال کے مقابلے میں دوگنی رقم مختص کی گئی ہے ٭٭٭

بہت ساری مالی و دیگر دشواریوں کے باوجود مغربی بنگال نے مختلف محاذوں پر کافی کامیابی حاصل کی ہے

مغربی بنگال میں صنعتی و زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ مضافاتی علاقوں میں روزگار کے لئے کام کے دن پیدا کئے گئے۔ بجلی کی پیداوار میں نمایاں بہتری ہوئی

وزیراعظم نے حال ہی میں اس ریاست کا کئی بار دورہ کیا۔ انہوں نے تقریریں کیں اور بیانات جاری کئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیانات میں مغربی بنگال کی پسماندگی کا ذکر کیا اور یہ کہ آج سے دس سال قبل مغربی بنگال نے جتنی تیزی سے ترقی کی تھی، آج بائیں محاذ حکومت کے دور میں وہ رفتار سست ہو گئی۔ لیکن حقائق ان باتوں کی تائید نہیں کرتے۔ وزیراعظم کے بیانات اور حقائق درج ذیل ہیں

اُن عوامی بیانات جن کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم نے اس ریاست میں اپنے حالیہ دورہ کے دوران دئے ہیں، اور ٹھوس حقائق کے درمیان بہت ہی نمایاں فرق ہے۔ یہ بیانات اور حقائق درج ذیل ہیں:

(۱) وزیراعظم نے، یہ کہا جاتا ہے، اپنے ایک بیان میں یہ کہا کہ تمام بڑے سیکٹروں میں مغربی بنگال کی حالت، ماضی کے دس سال قبل (یعنی بائیں محاذ حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل) کے مقابلہ میں ابتر ہو چکی ہے، اگرچہ مرکزی حکومت کو (اس ریاست کی ترقی کے سلسلہ میں) جو کچھ کرنا چاہئے تھا اس سے کہیں زیادہ اس نے کیا۔

حقائق: اس ریاست کی معیشت میں صنعت اور زراعت جیسے اہم سیکٹروں کی کارگزاری سے وابستہ حقائق پر غور کرنا ضروری ہے۔ صنعتوں میں، بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کی کارگزاری کا انحصار خاص طور پر مرکزی حکومت کی پالیسیوں پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں ہیں، جن کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی پالیسیاں کچھ اہمیت کی حامل ہیں۔

جدید ترین سال، جس کے لئے (بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں سے وابستہ) ریاست کی صنعتی پیداوار کا مجموعی اشاریہ دستیاب ہے، ۱۹۸۵ء ہے۔ یہ اشاریہ نیز ۱۹۷۵ء (دس سال قبل کے) اور ۱۹۶۵ء (بیس سال قبل کے) صنعتی پیداواری اشاریے درج ذیل ہیں:

میزان ۱

مغربی بنگال میں (بڑی اور متوسط درجہ کی) صنعتی پیداوار

سال		صنعتی پیداواری اشاریہ (بنیادی سال۔ ۱۹۷۰ء = ۱۰۰)
۱۹۶۵ء	-	۱۱۹٫۶
۱۹۷۵ء	-	۱۰۴٫۳
۱۹۸۵ء	-	۱۲۳٫۷

درحقیقت، وزیراعظم کے مذکورہ بیان کے برخلاف، مغربی بنگال میں بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کی پیداوار بائیں محاذ حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل کانگریس دورِ حکومت میں سب سے نیچی حد تک پہنچ چکی تھی۔ صنعتی پیداوار میں اس تنزلی کی وجہ مرکزی حکومت کی چند پالیسیوں کے، خاص طور پر مساوی کرایہ کی پالیسی جس نے، کیونکہ

والا وفیرہ سے وابستہ اس ریاست کو جو مقامی اور جاتے رفیع کی ہو تیں فراہم کیں انہیں برباد کر دیا یا ناموافق اثرات تھے۔ اس پالیسی کو ریاستی حکومت کی بار بار درخواست کے باوجود یہاں تک کہ گزشتہ سال کے ۱۸ ستمبر کو کلکتہ میں وزیر اعظم کے ساتھ حالیہ ملاقات کے بعد بھی مرکز نے تبدیل نہیں کیا۔

صنعتی پیداوار میں انحطاط کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرکزی حکومت امغربی بنگال میں اپنے اداروں کے ذریعہ سرمایہ کاری میں نسبتاً کمی کی ہے۔ مجموعی مرکزی سرمایہ کاری میں مغربی بنگال کے فیصد حصص سنہ ۱۹۷۰ء میں ۷ر۱۱ فیصد سے کم ہو کر سنہ ۱۹۸۴ء میں ۵ر۵ فیصد ہو گئے؛ جبکہ اسکے مقابلہ میں مہاراشٹر ریاست کے فیصد حصص سنہ ۱۹۷۰ء میں ۱ر۳ فیصد سے بڑھکر سنہ ۱۹۸۴ء میں ۲ر۱۵ فیصد ہو گئے۔ نیز مغربی بنگال کے ہلدیہ پیٹرو کیمیکلس اور الیکٹرونک کمپلکس میں سرمایہ کاری سے مرکز کے حالیہ انکار کو مغربی بنگال کے عوام فراموش نہیں کر سکتے۔

وزیر اعظم کے مذکورہ بیان کی پیچیدگیوں کے برخلاف اچھے منصوبے کے لئے مغربی بنگال کے لئے دی گئی فی کس مرکزی امداد کم ہو کر سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں صرف ۷۷ر۱۵ روپے رہ گئی جیسا کہ میزان ۲ میں درج ہے۔ اس طرح سنہ ۱۹۷۳ء سے سنہ ۱۹۸۱ء تک تمام ریاستوں کے درمیان مغربی بنگال کے لئے فی کس ادارہ جاتی مالیات کی فراہمی سب سے کم ہے۔ فی کس ادارہ جاتی مالیات مغربی بنگال کے لئے صرف ۹۹ر۴ کروڑ روپئے ہے جبکہ یہ گجرات کے لئے ۶۳۸ روپئے، ہریانہ کے لئے ۵۶۷ روپئے، مہاراشٹر کے لئے ۸۴۸ روپئے اور پنجاب کے لئے ۹۴۱ روپئے ہے۔

مرکزی حکومت کی ان پالیسیوں کے باوجود حالیہ برسوں میں مغربی بنگال میں بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کی پیداوار کی رفتار تیز ہو گئی ہے اور اس تیز رفتاری کی وجہ یہ ہے کہ یہاں توانائی کی صورت حال میں بہتری ہوئی ہے اور اس ریاست میں ٹریڈ یونین سماجی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں درحقیقت صنعتی پیداوار کا اشاریہ سنہ ۱۹۷۵ء میں ۳ر۱۰۴ سے بڑھکر سنہ ۱۹۸۵ء میں ۷ر۱۲۳ ہو گیا؛ جیسا کہ مذکورہ بالا میزان ۱۳ میں درج ہے۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے سیکٹر میں ریاستی حکومت کی پالیسیاں بہت کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ چھوٹی یونٹوں کی (یعنی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی تعداد میں جن کے نام رجسٹرڈ ہیں) تعداد میں گزشتہ دس برسوں میں ۱۰۰ فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہوا۔ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایسی صنعتوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم تھی اور اب اس کی تعداد ۲ لاکھ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس سلسلے میں سارے ملک میں ریاستوں کی فہرست میں ریاست مغربی بنگال کا نام سب سے اوپر ہے اور یہ بات مرکزی حکومت کے شائع کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے مذکورہ بیان میں ان باتوں کا بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔

زراعت میں ایک ایسا سیکٹر جس سے ریاستی حکومت کی پالیسیاں وابستہ ہیں، مغربی بنگال میں مجموعی پیداوار کا اشاریہ سنہ ۱۹۷۶ء میں ۱۱ر۱۰۵ سے بڑھکر سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۷۲ر۱۴۸ ہو گیا۔ درحقیقت سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں اناج کی ریکارڈ پیداوار ۷۰ر۹۱ لاکھ ٹن ہوئی جبکہ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں یہ پیداوار بڑھکر ۵۶ر۹۲ لاکھ ٹن ہو گئی۔ جو ایک ریکارڈ ہے۔ زراعت اور صنعت میں پیداوار میں اس اضافہ کی بنیاد پر مغربی بنگال کی سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ملک کی تمام ریاستوں کے درمیان کل ریاستی گھریلو پیداوار کی افزائش کی شرح سب سے زیادہ تھی۔ اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کے شائع کردہ اعداد و شمار شاہد ہیں۔ یہ حقائق بائیں محاذ حکومت کے تحت ریاستی معیشت کی کارگزاریوں کے سلسلے میں جاری کردہ وزیر اعظم کے بیانات کی تردید کرتے ہیں۔

(ب) اس سے قبل کے دورہ کے دوران وزیر اعظم نے مغربی بنگال میں قومی مضافاتی روزگار پروگرام (این۔آر۔ای۔پی)، مضافاتی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام (آر۔ایل۔ای۔جی۔پی)، اور جامع مضافاتی پروگرام (آئی۔آر۔ڈی۔پی) جیسے مضافاتی ترقیاتی پروگراموں کی کارگزاریوں پر شدید تنقید کی۔

حقائق:

ان پروگراموں کے سلسلے میں مرکزی حکومت کے مخصوص کردہ نشانات کو ریاستی حکومت نے یا تو نشانہ سے زیادہ حد تک مکمل کر لیا ہے یا نشانہ تک پہنچنے کے قریب ہے۔ اس سلسلے میں تفاصیل درج ذیل ہیں:

ایچ۔ آر۔ ای۔ پی (۸۷-۱۹۸۶ء)

نومبر ۱۹۸۶ء تک کام کرنے کے دن

پیدا کرنے کا نشانہ	—	کام کرنے کے ۶۰ر۹۳ لاکھ دن
نومبر ۱۹۸۶ء تک پیدا کردہ کام کرنے کے دن کی تعداد	—	کام کرنے کے ۸۴ر۱۱۳ لاکھ دن
کامیابی کا فیصد	—	۹۱ر۱۳۲ فیصد

آر۔ ایل۔ ای۔ جی۔ پی (۸۷-۱۹۸۶ء)

نومبر ۸۶ء تک کام کرنے کے

دن پیدا کرنے کا نشانہ	—	کام کرنے کے ۲ر۸۳ لاکھ دن
نومبر ۸۶ء تک پیدا کردہ کام کرنے کے دن کی تعداد	—	کام کرنے کے ۱۰ر۱۳۱ لاکھ دن
کامیابی کا فیصد	—	۷۵ر۱۵۷ فیصد

آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی (۸۷-۱۹۸۶ء)

نومبر ۱۹۸۶ء تک مستفید ہونے والی کی، جن کی مدد کی جائے گی، تعداد کا نشانہ	۹۴۷۵۰
نومبر ۱۹۸۶ء تک مستفید ہونے والوں کی، جن کی مدد کی گئی، تعداد	۸۹۴۹۶
کامیابی کا فیصد	۴ر۹۴ فیصد

(دسمبر ۱۹۸۶ء تک آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی کے نشانہ کو ۱۰۰ فیصد تک پورا کر لیا جائے گا)۔

(۳) وزیر اعظم نے اپنے مذکورہ بیان میں یہ کہا کہ چھٹے منصوبہ کے عرصے میں ریاستی حکومت کی توانائی (بجلی) کے سیکٹر میں کارگزاری نہایت غیر تشفی بخش رہی جبکہ اس نے نشر و اشاعت میں اپنے منظور کردہ اخراجات سے زیادہ رقوم خرچ کیں۔

حقائق:

اس ریاست میں ۷۷-۱۹۷۰ء میں ۷۷-۱۹۷۶ء کے چھ برسوں میں بجلی پیدا کرنے کی تنصیبی صلاحیت میں صرف ۱۰۰ میگاواٹ کا اضافہ ہوا، جبکہ چھٹے منصوبہ کے عرصے میں اس ریاست میں تنصیبی صلاحیت میں تقریباً ۱۰۰۰ میگاواٹ (تقریباً دس گنا سے زیادہ) کا اضافہ ہوا۔ اس ریاست میں بجلی گھروں کی ترقی کے میدان میں یہ اضافہ ایک ریکارڈ ہے۔

اطلاعات اور ثقافتی امور کے میدان میں چھٹے منصوبہ کے عرصہ میں ۵۰ر۴۱ کروڑ روپئے کے مختص اخراجات میں سے اخراجات میں کمی کر کے کل ۷۴ر۷ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے یعنی منظور کردہ مصارف کا نصف۔ نیز خرچ کردہ رقوم سے رنگین فلم تجربہ گاہ اور ثقافتی کمپلکس کی تعمیر پر زیادہ روپئے خرچ کئے گئے۔

(۴) وزیر اعظم کے مذکورہ بیان سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ تو مرکزی حکومت ہی ہے جو بہت ساری اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ۴۸ کروڑ روپئے (جسے بعد میں بڑھا کر ۱۰۷ کروڑ روپئے کر دیا گیا) کی مالی امداد فراہم کر رہی ہے اور ۱۸ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو کلکتہ میں ایک بات چیت کے دوران ان اسکیموں کے سلسلے میں فیصلے کئے گئے تھے۔

حقائق:

وزیر اعظم کے بیانات اور حقائق کے درمیان جو فرق ہے اسے وزیر اعلیٰ کے علم میں لایا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بیانات جاری کئے گئے۔ اس لئے بعض حقائق ایک بار پھر پیش کئے جا رہے ہیں۔

کلکتہ الکٹرک سپلائی کارپوریشن کی ساؤتھرن جنریٹنگ اسٹیشن ری پلیسمنٹ (بجلی پیدا کرنے والی پرانی مشینوں کی جگہ نئی مشینیں بٹھانا) کے پروجیکٹ کے لئے (جس کے لئے ۲۱۰ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے) اور الکٹرونک ٹیلی پرنٹرس پروجیکٹ کے لئے (جس کے لئے ۶ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے) منظوری دیتے ہوئے مرکز کو مالی امداد فراہم نہیں کرنی پڑتی۔ اسی طرح ۱۵۰ کروڑ روپئے کے ایڈ ہاک فنڈ، جیسے قرض۔ مالیات کی طرح فراہم کیا گیا، میں مرکز کا امداد غائب ہے۔ دوسرے ہگلی پل کی تعمیر کے لئے جو ۸۰ کروڑ روپئے رکھے گئے وہ تو ایک قرض ہے جسے سود کے ساتھ واپس کرنا ہوگا۔ حالانکہ اس پروجیکٹ کی تکمیل کے کام میں کافی تاخیر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے اخراجات میں کافی اضافہ ہو گیا ہے اور اس کا

ذمہ داری مرکزی حکومت کے اداروں پر عائد ہوتی ہے۔ نیز ایک
چھاپہ خانہ کے لئے ریاستی حکومت کی تجویز کو ابھی تک مرکزی حکومت
کی منظوری نہیں ملی ہے اگرچہ اس سلسلے میں ۳۰۰ کروڑ روپئے کا
ایک فرضی عدد دکھایا گیا۔ مرکزی حکومت نے ریاستی حکومت کے نام
اپنے ایک خط میں یہ کہہ کر پناہ گزینوں کی کالونیوں کو باضابطہ بنانے کے
لئے اس سے قبل جو ۳۹ کروڑ روپئے منتقل کئے گئے تھے اب اس رقم کو
کم کرکے ۴۳ کروڑ روپئے کردیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ
شہری علاقوں میں قطعات اراضی کی پوری ملکیت کے لئے فیصلہ کرنے
پر نئی پابندیاں عائد کردی گئی ہیں۔ اگر یہ تمام منہائیاں ابھی کی جائیں
تو مذکورہ ۱۰۰۷ کروڑ روپئے کی ۸۰ فیصد سے زیادہ رقم مغربی بنگال کو
بطور مرکزی مالی امداد ملنے کی بابت شک پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے
ساتھ ساتھ مذکورہ رقوم کے باقی حصہ کے لئے ابتک مرکزی حکومت
کی طرف سے کئے گئے اخراجات منفی کے برابر ہیں۔

(۵) وزیراعظم نے بار بار یہ کہا کہ مرکزی حکومت اعلان کردہ
پیکج کے سلسلہ میں فنڈ فراہم نہ کرسکی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاستی حکومت
نے حسب ضروری منصوبے داخل کرنے میں تاخیر کی۔ اس سلسلے میں خاص
طور پر سالٹ لیک اسٹیڈیم کا ذکر کیا گیا۔

حقائق:

سالٹ لیک اسٹیڈیم میں حسب ضروری چیزوں (جیسے
اسکور بورڈ، بجلی وغیرہ) کے لئے مفصل منصوبہ ریاستی حکومت نے
۱۲ نومبر ۱۹۸۶ء کو نئی دہلی میں مرکزی اور ریاستی حکومت کے سرکاری
نمائندوں کے درمیان منعقدہ نشست میں پیش کیا۔ اس منصوبہ کو داخل
کرنے کے بعد ریاستی حکومت نے مرکز سے یہ درخواست کی کہ وہ اعلان کردہ
رقم یعنی ۱۰ کروڑ روپئے کی فیصد رقم ریاستی حکومت کو دے دے۔ حالانکہ
ابھی مرکز نے صرف ۵ر۱ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ ایسا لگتا ہے کہ وزیراعظم ان تمام باتوں سے بے خبر ہیں۔

(۶) وزیراعظم نے بار بار اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اسی
سال سیلابوں کے لئے امدادی پروگرام کے تحت مرکزی حکومت نے
۴۰ کروڑ روپئے مغربی بنگال کو فراہم کئے اور یہ کہ ریاستی حکومت مرکزی
امداد کی اس رقم کو بروئے کار نہیں لارہی ہے اور یہ کہ ریاستی حکومت نے اب
تک وہ نقشے داخل نہیں کئے جن میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کی نشاندہی
کی گئی ہے۔

حقائق:

گذشتہ ستمبر کے تباہ کن سیلابوں سے اس ریاست کے
تقریباً ۴۳ لاکھ (یعنی ریاست کی کل آبادی کے ۵ر۹ فیصد) افراد متاثر
ہوئے اور حکومت کو فوری طور پر وسیع پیمانہ پر امداد اور بحالی کے اقدامات
کرنے پڑے۔ اس لئے موجودہ قوانین کے تحت ریاستی حکومت نے ایک
جامع میمورنڈم اور اس کے ساتھ ساتھ تشریحات جن میں سیلاب سے
متاثرہ علاقوں کی تفصیل درج ہیں، مرکز کے پاس داخل کئے۔ مرکزی ٹیم
جس نے اس ریاست کا دورہ کیا، نے اس میمورنڈم میں فراہم کردہ تفاصیل
کو سراہا لیکن ضروری امداد اور بحالی کے پروگرام کے لئے کل ضرورت ۲۷۲
کروڑ روپئے کی تھی لیکن مرکز نے اس کے برخلاف صرف ۱۳ر۷۳ کروڑ
دینے کی منظوری دی۔ پھر اس رقم سے بھی صرف ۳۸ر۳۵ کروڑ روپئے
رواں سال کے لئے منظور کئے گئے۔ سیلاب کے دوران وزیراعظم کا اس
ریاست کے دورے کو کافی مشتہر کیا گیا، لیکن ضرورت کے مقابلہ میں اتنے
کم فنڈ کی منظوری سے ہم سبھوں کو ایک دھچکا لگا۔

۳۸ر۳۵ کروڑ روپئے کی رقم، جسے اس سال کے لئے
منظور کیا گیا ہے، میں سے ۷۵ر۲۳ کروڑ روپئے کے لئے تو آٹھویں
مالیاتی کمیشن نے سفارش کی تھی اور قانونی طور پر اس رقم کا نصف
حصہ ریاستی حکومت نے (۸۷ر۱۱ کروڑ روپئے) اور نصف مرکزی
حکومت نے (۸۷ر۱۱ کروڑ روپئے) فراہم کئے۔ اس طرح سال رواں
کے لئے مرکزی حکومت کی منظور کردہ رقم صرف ۶۳ر۱۱ کروڑ روپئے
تھی یعنی ۳۸ر۳۵ کروڑ روپئے سے ۷۵ر۲۳ کروڑ روپئے
منہا کرنے کے بعد مذکورہ ۶۲ر۱۱ کروڑ روپئے باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر
اس رقم کی، مرکزی حکومت صرف ۷۵ فیصد فراہم کرے گی یعنی
صرف ۷۲ر۸ کروڑ روپئے۔ اس طرح مرکزی حکومت سے صرف
۸۷ر۱۱ کروڑ روپئے اور ۷۲ر۸ کروڑ روپئے یعنی کل ۵۹ر۲۰ کروڑ
روپئے بطور مالی امداد فراہم کئے گئے، اور وزیراعظم نے جتنی رقم دینے
دعویٰ کیا تھا یہ رقم اس کی نصف ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ریاستی حکومت
نے ضلع انتظامیہ اور پنچایتوں کے ذریعہ عام لوگوں
ان سرگرمیوں میں شامل کرکے اس رقم سے کہیں زیادہ رقم خرچ کی۔

میزان ۲

ریاستوں کے سالانہ منصوبہ بند اخراجات میں مدد کرنے کے لئے فی کس مرکزی منصوبہ بند امداد (روپئے میں)

ریاست	۸۱-۱۹۸۰ء	۸۲-۱۹۸۱ء	۸۳-۱۹۸۲ء	۸۴-۱۹۸۳ء	۸۵-۱۹۸۴ء
مخصوص قسم کی ریاستیں	۶۷٫۶۲				
۱۔ آسام	۱۶۸٫۱۳	۷۴٫۴۵	۱۱۲٫۴۸	۱۴۶٫۷۷	۱۶۳٫۰۵
۲۔ ہماچل پردیش	۲۸۳٫۰۶	۱۸۱٫۸۳	۱۹۲٫۷۷	۲۱۹٫۰۱	۲۴۸٫۴۶
۳۔ جموں اور کشمیر	۲۵۸٫۱۲	۳۱۳٫۲۲	۳۱۱٫۷۶	۳۶۰٫۰۹	۳۸۹٫۵۴
۴۔ منی پور	۲۵۸٫۹۸	۲۸۶٫۷۷	۳۹۸٫۴۷	۴۴۴٫۶۴	۴۷۹٫۰۰
۵۔ میگھالیہ	۴۵۲٫۴۱	۲۷۲٫۴۹	۳۴۷٫۷۳	۴۳۲٫۵۸	۳۹۸٫۶۷
۶۔ ناگالینڈ	۸۲۷٫۲۱	۴۹۴٫۴۶	۶۶۹٫۷۱	۸۴۴٫۶۶	۹۰۱٫۰۷
۷۔ سکم	۱۵۶٫۵۰	۷۲۰٫۴۶	۸۱۴٫۶۵	۸۶۸٫۹۵	۸۱۷٫۳۶
۸۔ تری پورہ		۱۸۵٫۵۹	۲۳۸٫۵۵	۲۷۰٫۹۶	۲۸۴٫۲۷
غیر مخصوص قسم کی ریاستیں					
۱۔ آندھرا پردیش	۳۵٫۵۸	۳۱٫۷۲	۳۳٫۱۹	۳۶٫۸۵	۴۱٫۴۲
۲۔ بہار	۳۴٫۶۱	۳۴٫۱۹	۳۷٫۶۵	۴۱٫۶۲	۴۷٫۱۸
۳۔ گجرات	۲۷٫۷۷	۳۰٫۰۱	۳۶٫۰۱	۳۶٫۷۳	۴۰٫۶۷
۴۔ ہریانہ	۴۱٫۳۲	۳۱٫۶۲	۳۸٫۹۲	۳۷٫۵۵	۵۱٫۳۵
۵۔ کرناٹک	۲۶٫۵۷	۲۵٫۱۱	۲۴٫۶۵	۲۹٫۹۲	۳۵٫۹۸
۶۔ کیرالا	۳۰٫۵۹	۴۰٫۱۰	۳۶٫۴۵	۳۴٫۹۵	۴۰٫۵۹
۷۔ مدھیہ پردیش	۳۴٫۰۱	۲۴٫۰۲	۳۶٫۱۰	۴۳٫۳۳	۴۷٫۷۱
۸۔ مہاراشٹر	۳۴٫۰۱	۲۷٫۲۰	۲۹٫۲۰	۳۴٫۲۲	۳۸٫۸۰
۹۔ اڑیسہ	۵۶٫۰۲	۵۰٫۰۱	۵۲٫۹۸	۵۶٫۳۱	۶۰٫۴۵
۱۰۔ پنجاب	۳۶٫۸۶	۳۶٫۹۶	۳۵٫۲۹	۴۰٫۴۷	۴۵٫۵۶
۱۱۔ راجستھان	۳۸٫۰۵	۳۳٫۲۹	۴۱٫۹۲	۳۷٫۸۴	۴۳٫۸۲
۱۲۔ تمل ناڈو	۲۸٫۰۴	۲۴٫۷۹	۲۷٫۶۷	۳۱٫۰۰	۳۶٫۷۹
۱۳۔ اتر پردیش	۲۹٫۴۸	۳۴٫۵۰	۳۷٫۳۰	۳۸٫۹۵	۴۶٫۳۳
۱۴۔ مغربی بنگال	۳۴٫۹۱	۲۴٫۳۶	۵۹٫۹۶	۲۶٫۸۱	۵٫۶۶

زرعی پیداوار میں اضافہ کیلئے اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کافی اہمیت کے حامل ہیں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

حال ہی میں کلکتہ میں صنعت و کاروبار کے ہندوستانی چیمبرس کی فیڈریشن نے مشرقی علاقہ میں زراعت کی پیداوار میں بہتری پر سمپوزیم منعقد کیا۔ اس سمپوزیم میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے شرکت کی اور تقریر کی۔ ان کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

میں صنعت و کاروبار کے ہندوستانی چیمبرس کی فیڈریشن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں مشرقی علاقہ میں زراعت کی پیداوار میں بہتری لانے کے لئے اظہارِ خیال میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں۔ یہ مسئلہ نہ صرف مشرقی علاقہ بلکہ سارے ملک کے لئے بہت ہی اہم ہے۔

میں نے ان معلوماتی کاغذات کا مطالعہ کیا جو فیڈریشن نے اس ورک شاپ کے لئے تیار کیا تھا۔ ان کاغذات میں بہت سارے دلچسپ نکتے موجود ہیں۔ میرے خیال میں یہ معلومات مکمل ہوتیں اگر ان میں اصلاحاتِ آراضی کی نو تقسیم کی، زراعت کی پیداوار میں بہتری لانے کے ایک جزو کی حیثیت سے، اہمیت کو تسلیم کر لیا جاتا۔

ہم لوگ اپنی ریاست میں یہ سمجھتے ہیں کہ زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے اصلاحاتِ آراضی بہت ہی اہم اقدام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے جو ہم نے اس ریاست کے ہر ضلع میں وسیع کیت انتظامیہ مطالعوں سے حاصل کئے ہیں اور وہ یہ کہ غریب کسانوں نے فی ایکڑ زرعی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ پیداوار میں انتہائی حد تک اضافہ کرنے کے مقصد کے پیشِ نظر یہ نہایت ضروری ہے کہ فاضل زرعی قطعات آراضی کو غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ ایسی تقسیم کو سخاوت نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ تحریک پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے لازمی ہے۔ برگداروں کو کاشتکاری کرنے اور پیداوار میں ان کے حصے کی یقین دہانی کرنے کے لئے برگداروں کے نام کو ریکارڈس میں درج کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ یہ بھی ایک پیداواری تحریک ہے۔ ہمارے نقطۂ نظر سے اصلاحاتِ آراضی کے یہ اقدامات، ایک خاص قسم کی پیداواری تحریک ہے، جو پیداوار میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ غریب لوگوں کی قوتِ خرید میں اضافہ کرے گی اور پیداوار اور سرمایہ کاری کے درمیان توازن برقرار رکھ سکے گی۔

اسی سلسلے میں انکساری کے ساتھ میں حالیہ برسوں میں اس ریاست کو اصلاحاتِ آراضی کے شعبہ میں سارے ملک میں اول نمبر پر رکھنے کے لئے مغربی بنگال میں کی گئی کوششوں کی کامیابی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ پنچایتوں اور انتظامیہ کی تائید کے ذریعہ ترقیاتی سرگرمیوں میں عوام کی براہِ راست شرکت سے اب تک تقریباً ۱۲ر۱۴ لاکھ ایکڑ قطعاتِ آراضی پر حکومت کو حقوقِ ملکیت حاصل ہو گئے ہیں اور ایسے قطعات کو ۱۶ر۵۰ لاکھ بے زمین غریب خاندانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ (مستفید ہونے والوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے خاندانوں کی تعداد کل خاندانوں کی تقریباً ۵۶ فیصد تھی۔ جبکہ اس ریاست میں ان لوگوں کی آبادی کا تناسب ۲۷ر۶ فیصد ہے)۔ ۱۳ لاکھ سے زیادہ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔ ان اقدامات کی وجہ سے اب اس ریاست میں ۷۰ فیصد زرعی قطعاتِ آراضی کے مالک یا تو چھوٹے اور حاشیائی کسان ہیں یا ان پر برگہ دار، جن کے نام ریکارڈس میں درج ہیں، کاشتکاری کرتے ہیں۔

اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کو موثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان غریب کاشتکاروں کو قطعاتِ آراضی کے ساتھ ان کاشتکاری کے

لئے حسب ضروری تمام اشیاء اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔ ان
میں سے ایک سہولت آبپاشی ہے۔ ہم نے آبپاشی کی چھوٹی اور بڑی
دونوں سہولتوں پر زور دیا ہے۔ چھوٹی آبپاشی میں سطحی پانی پر مبنی
آبپاشی کے امکانات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ زمین دوز پانی
کو بھی روبہ کار لانے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ اس لئے زمین دوز پانی
کے ذخیرے کی تلاش کے لئے اس ریاست کے ۲۱ بلاکوں میں سماجی
خرچ۔ فائدہ کے تجزیہ کے ساتھ معائنہ کیا گیا تاکہ ایک علاقہ میں زمین
سے پانی نکالنے کے لئے جس قسم کی مشینوں کی ضرورت ہو وہ وہاں نصب کی
جائیں۔ نتائج ظاہر ہیں کہ چند مخصوص علاقوں کے علاوہ، جہاں زیادہ
گہرے ٹیوب ویلوں کی ضرورت ہے، دیگر علاقوں میں ہلکے ٹیوب
ویل کھودے گئے۔ کنویں وغیرہ جیسی چھوٹی آبپاشی کی تنصیبات
سودمند ہوں گی۔ ایسے ٹیوب ویل بنانے میں، زیادہ مزدوروں کی ضرورت
ہوتی ہے اور یہ مقامی ذرائع پر مبنی ہوتے ہیں۔ تنصیب کی جگہوں کو
منتخب کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ان سے
زیادہ غریب لوگ مستفید ہوتے اور خاص طور پر وہ لوگ جو اصلاحات
آراضی کے اقدامات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اب ہم اس بات کی طرف
توجہ دے رہے ہیں کہ چھوٹی آبپاشی کے پروجیکٹوں کی دیکھ بھال کی ذمہ
داریاں مستفید ہونے والے لوگوں کو سونپ دی جائیں۔ پنچایتیں بھی
اپنے علاقوں میں ایسے پروجیکٹوں کی نگرانی کریں گی۔

آبپاشی کیلئے تیار کردہ ان سہولتوں کے ذریعہ اب اس
ریاست کے ۳۵ فیصد زرعی علاقوں میں آبپاشی کی سہولتیں فراہم
کرنا ممکن ہو سکا۔ آپ لوگوں نے ان کاغذات میں جو فیصد پیش کیا
ہے وہ میرے پیش کردہ اعداد و شمار سے کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ آپ لوگوں نے مضافاتی روزگار پروگرام کے تحت حال ہی میں پنچایتوں
کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہونچائے گئے چھوٹی آبپاشی پروجیکٹوں کو
اپنے اعداد و شمار میں شامل نہیں کیا ہے۔

چھوٹی آبپاشی کی فراہم سہولتیں ۲۵ فیصد سے بھی
زیادہ ہوتیں اگر ریاست کو آبپاشی کے چند بڑے پروجیکٹوں کی جلد از جلد
تکمیل کے لئے حسب خواہ وسائل فراہم ہوتے۔ وسائل کی کمی کا شکار
ایک بڑا پروجیکٹ تیستا پروجیکٹ ہے۔ یہ پروجیکٹ نہ صرف علاقائی

ہے بلکہ یہ قومی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ اس لئے ہم اپنے اس دعوے
میں حق بجانب ہیں کہ اس پروجیکٹ کے لئے مرکزی مالی امداد ملنی چاہئے
اب تک اس پروجیکٹ پر ۲۰۰ کروڑ روپئے خرچ کئے جا چکے ہیں اور ا
پروجیکٹ پر ریاستی حکومت نے چھوٹی آبپاشی کے پروجیکٹوں کیلئے
مختص رقم کی ۷۵ فی صد رقم خرچ کر دی۔ مرکزی حکومت نے صرف ۵ کر
روپئے بطور امداد فراہم کئے۔ اس سلسلہ میں جب ہم شمالی ہندستا
آبپاشی کے جال کے تعمیر کے لئے مرکزی حکومت کی تائید کو دیکھتے ہ
تو ہمیں اس مرکزی علاقہ سے مرکز کی برتی غفلت بھی نظر آتی ہے۔
ریاستی حکومت نے تیستا بیراج کے لئے امداد کے مسئلے کو بار بار اٹھا
گزشتہ ستمبر میں بھی وزیر اعظم کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت
کی گئی، لیکن اب تک اس سلسلے میں مرکزی حکومت کی طرف سے
کوئی مثبت قدم اٹھایا نہیں گیا۔

آبپاشی پروجیکٹوں کے ساتھ ساتھ زرعی پیداوار میں
بہتری اور پانی کے نکاسی کی اسکیمیں بھی کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہا
بھی ریاستی حکومت کو اپنے محدود وسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرقی
علاقہ میں زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے مرکز زیادہ سے زیادہ ا
فراہم کر سکتا ہے۔

زراعت کے اضافے میں جدید طریقہ کار کو بھی کافی اہم
حاصل ہے اور ہم لوگ اس سلسلے میں جدید ٹکنالوجی کے انتخاب
بہت احتیاط برتتے ہیں۔ ہم لوگ نہ صرف جدید ٹکنالوجی کو منتخب کر
میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ہم لوگ اس بات کی بھی کوشش
کرتے ہیں کہ ایسی ٹکنالوجی منتخب کی جائے جو سماجی لحاظ سے ا
اور بہتر ہو اور جن کے پورے استعمال میں زیادہ سے زیادہ مزدو
اور مقامی وسائل کی ضرورت ہو۔ اسی نقطہ کے پیش نظر مغربی بنگا
میں خاص طور پر اس بات پر زور دیا گیا کہ امن دھان کی فصل کے
توسیع کردہ علاقوں میں مقامی علاقوں کے لئے سودمند بہتر اناج
جائیں، تاکہ ان قطعات آراضی پر ربیع کے موسم میں دوسری فصلوں
تل کے بیج، دال، گیہوں وغیرہ کی کاشت کی جا سکے۔ مناسب
اچھے تخم اور آبپاشی کی سہولتوں کی فراہمی کا بنیاد پر ہم لوگ اس
ریاست میں ایک ہی کھیت میں سال میں دو بار فصل اگانے کے

جیسے قطعات آراضی کے رقبوں میں اضافہ کر دیئے ہیں۔ حیاتیاتی کھاد، سبز کھاد اور کیمیاوی اور حیاتیاتی کھاد کی آمیزش کے استعمال پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ نیز زیادہ سے زیادہ مقامی مزدوروں اور وسائل کے ساتھ ساتھ بہتر طریقہ کے استعمال پر بھی زور دیا جا رہا ہے۔

ریاستی حکومت کے محدود وسائل کے باوجود اصلاحات اراضی کے ساتھ ساتھ، زراعت کے لئے زمین کے علاوہ دیگر خام اشیاء اور ضروری سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں ترقی کی گئی ہے۔ حالیہ برسوں میں پیداوار میں اضافہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ریاست میں چاول کی اوسط پیداوار ۱۵۵۷ کیلوگرام فی ہیکٹر تک پہنچ گئی جو ایک ریکارڈ ہے۔ اسی طرح گیہوں کی پیداوار بڑھ کر ۲۳۱۸ کیلوگرام فی ایکڑ ہو گئی۔ یہ دونوں اعداد قومی اوسط پیداوار علی الترتیب ۲۴۵ اکیلوگرام فی ہیکٹر اور ۱۸۴۳ کیلوگرام فی ہیکٹر سے زیادہ ہے۔ پیداوار میں اضافہ سے اسی ریاست میں سنہ ۸۰-۱۹۸۴ء میں اناج کی کل پیداوار ۵۶ر۹۲ لاکھ ٹن ہوئی۔ گزشتہ سال یعنی سنہ ۸۳-۸۲ء میں اناج کی کل پیداوار ۰۰ر۹۱ لاکھ ٹن ہوئی تھی۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے مرکزی حکومت کی مرکزی اعداد و شمار کی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق مغربی بنگال میں ریاستی آمدنی میں اضافہ کی شرح دیگر ریاستوں کے مقابلے میں سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں سب سے زیادہ ہے۔

بہرحال ہم اس بات سے واقف ہیں کہ صرف زراعت میں اضافہ کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات بھی مساوی طور پر اہم ہے کہ عام پروڈیوسروں کے لئے مناسب قیمت بھی فراہم ہو اور وہ اپنی چیزوں کو مجبوراً اونے پونے دام پر فروخت نہ کریں۔ اس بات کے پیش نظر ہم ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں زرعی پیداوار کو اچھی طرح سے گوداموں میں رکھنے اور بازار میں فروخت کرنے کے جامع اور سماجی لحاظ سے مستفید پروگراموں کو روبہ عمل لانے کی گنجائش رکھی ہے۔ اس سلسلے میں مناسب دیہاتوں میں غلہ گودام تعمیر کئے جائیں گے اور انہیں عوامی نظام تقسیم سے منسلک کر دیا جائے گا۔ نیز ہم زرگوں نے زراعت سے وابستہ — جیسے زراعت کیلئے لازمی اشیاء کی فراہمی، باغات کی پیداوار سے صنعتوں کا ایک جال بچھا دیا جائے گا۔

آخر میں گزشتہ آٹھ برسوں میں زرعی ترقی کے پروگراموں میں عام لوگوں اور پنچایتوں کے کردار کا کچھ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ہم لوگ اپنی ریاست میں مضافاتی ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے کام میں عام لوگوں کو شریک کرتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر پنچایتوں کے انتخابات اب باضابطہ منعقد ہو رہے ہیں۔ (بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے ۱۵ سال قبل سے یہاں پنچایتی انتخابات نہیں ہوئے تھے) ان منتخب پنچایتوں کے ذریعہ مضافاتی ترقی کے تمام پروگراموں — اصلاحات آراضی، زرعی خام اشیاء کی فراہمی، بازار میں فروخت وغیرہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔

پنچایتوں اور منصوبہ میں لامرکزیت کے سلسلے میں ہمارے تجربے نے ایک نئی سمت اختیار کر لی۔ پنچایتوں اور مختلف شعبوں، خاص طور پر مضافاتی سیکٹر سے وابستہ شعبوں کے درمیان بہتر تال میل قائم رکھنے کے لئے ہم لوگوں نے گزشتہ سال ہر ضلع اور ہر بلاک سطح پر ضلع منصوبہ بندی کمیٹی اور بلاک منصوبہ بندی کمیٹی قائم کی اور سطح وار ان کمیٹیوں کے پنچایتوں کے نمائندے اور مختلف سرکاری شعبوں کے نمائندے ممبر ہیں۔ ان کمیٹیوں کے لئے مزید تکنیکی اور انتظامیہ کی تائید کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ریاستی سطح پر ترجیحات کے سلسلے میں ہدایات اور مختص مالی رقوم کے پیش نظر بلاک سطحوں پر تمام شعبوں کی اسکیموں کو یکجا کر کے بلاک منصوبہ کمیٹیوں نے بلاک منصوبے مرتب کئے۔ ان بلاک منصوبوں کو جامع ضلع منصوبہ میں مجموعی طور پر ضم کر لیا جاتا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے مجھے خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ گزشتہ سال سے ہر ضلع کے لئے بنیادی سطح سے تعاون اور تال میل کے ذریعہ ضلع منصوبہ تیار کیا جاتا ہے اور اب یہ منصوبہ زیر تکمیل ہے۔ منتخب پنچایتوں کے ذریعہ نچلی سطحوں پر عام لوگوں کی شرکت سے منصوبہ بندی کے کام کو لامرکوز بنا دینے کی سمت میں سارے ملک کے لئے یہ بہت ہی اہم شروعات ہے۔

مویشیوں کی پرورش اور علاج

مضافاتی معیشت میں مویشیوں کی پرورش اور علاج کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے لئے نہ صرف دودھ، انڈا، گوشت وغیرہ جیسی متوازن خوراک کی پیداوار میں اضافہ ہوگا بلکہ بے روزگار، بے زمین مزدوروں، چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کیلئے فاضل روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے۔ اس ریاست کے لئے اپنے ترقیاتی پروگرام میں بائیں محاذ حکومت نے اس پر کافی زور دیا ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں مویشیوں کی پرورش اور علاج کے لئے بجٹ میں ۳۲۶۲۶۲۰۰ روپیے کی اور ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۶۳۵۵۱۰۰۰ روپیے کی گنجائش رکھی گئی۔ اس شعبے کی خدمات کے معیار کو اور بھی اعلیٰ بنانے کے لئے سائنسی طریقہ کار پر مبنی بہت سارے پروگراموں کو اپنایا گیا۔ اسی سلسلے میں اس شعبہ کی کوشش اور اس کے نتائج درج ذیل ہیں۔

اسکیم	۷۷-۷۶ء	۸۶-۸۵ء
۱) مرکوز مویشی ترقیاتی پروجیکٹس	۴	۸
۲) مویشیوں کے مادۂ تولید کو حاصل کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کے مراکز	۲۲	۴۰
۳) مویشیوں کی سائنسی تولید کے مراکز / ذیلی مراکز	۹۱۵	۱۸۷۰
۴) مویشیوں کی خوراک تیار کرنے کے کارخانے	۳	۵
۵) ریاست میں مویشیوں کی خوراک کی روزانہ پیداوار	۴۰ میٹرک ٹن	۳۰۰ میٹرک ٹن
۶) انڈوں کی سالانہ پیداوار	۶۷٫۶۰ کروڑ	۱۶۵٫۶۰ کروڑ

چھٹے منصوبہ کے عرصے میں ۳۱٫۳۵ لاکھ گائے کو تولیدی پروگرام کے تحت لایا گیا اور ۲۱٫۹ لاکھ دو نسلی بچھڑے پیدا ہوئے۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں، چھوٹے اور حاشیائی کسانوں اور بے زمین زرعی مزدوروں کے لئے ایک خصوصی پروجیکٹ کو اپنایا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ کے تحت مویشی، بکریاں، سور اور مرغ مرغیاں ان لوگوں کے درمیان تقسیم کی گئیں۔ گرچہ اس کے بہت سارے پروجیکٹوں پر کام ۱۹۷۷ء کے بہت بعد کے عرصہ سے شروع ہوا تاہم اب تک ۱۲۷۱۵۴ خاندان ان اسکیموں کی تکمیل سے مستفید ہوئے۔

مویشیوں کی خوراک:

ویسٹ بنگال ڈیری اینڈ پولٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن اس ریاست میں مویشیوں کی خوراک کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مویشیوں کی خوراک تیار کر رہا ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مویشیوں کی خوراک تیار کرنے کے لئے دو پلانٹس نصب کئے گئے۔ ایک پلانٹ اس کارپوریشن کے تحت سلی گوڑی میں ہے اور دوسرا آپریشن فلڈ II یونٹ کے تحت ہے۔ سائنسی طور پر مصنوعی تولید کے طریقہ کار کو رائج کرنے کے لئے سلی گوڑی میں ۵۴ لیٹر رقیق نائٹروجن کی یونٹ میں مادۂ تولید کے اچھی حالت میں رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ مویشیوں کی بہتری کے لئے مختلف پروگراموں کی تکمیل سے اس ریاست میں دودھ کی سالانہ پیداوار دسمبر ۱۹۸۵ء میں ۴٫۲ لاکھ میٹرک لیٹر ہو گئی جبکہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں یہ پیداوار ۲٫۶۰ لاکھ میٹرک لیٹر تھی۔ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۱۰٫۳۶ لاکھ میٹرک لیٹر کا نشانہ مقرر کیا گیا۔

مویشیوں کا علاج:

گزشتہ ۹ برسوں میں مویشیوں کے علاج کے لئے بہت سارے ہسپتال، شفا خانے، معاون مراکز اور گشتی ہسپتال مضافاتی علا

ہیں قائم کئے گئے۔ ان شفاخانوں کی تفاصیل درج ذیل ہیں :

اسکیم	۷۶-۷۷ء	۸۵-۸۶ء
مویشیوں کے علاج کے لئے		
۱) ہسپتال	۷۶	۱۰۶
۲) شفاخانے	۳۳۵	۵۷۳
۳) گشتی مراکز	۳۰	۹۴
۴) معاون مراکز	۵۲۰	۵۲۹
۵) تجربہ گاہ مرضیات	۲۲	۳۵
۶) مرکزی میڈیکل اسٹورس کے تحت ڈپو	۹	۱۴
۷) لبسی کنٹرول مراکز	۱۳	۲۱
۸) بانجھ پن مراکز	۹	۱۰
۹) دق کنٹرول مراکز	۱۳	۲۱
۱۰) سمیاتی تجربہ گاہ	—	۱
۱۱) گشتی شفاخانے تیز رفتار ناؤ پر (سندربن علاقہ میں بسنتی بلاک کے تحت)	—	۱
۱۲) امراض کی تفتیش اور جانچ کے مراکز	—	۷
۱۳) امراض کی جانچ اور کنٹرول کے مراکز۔	—	۸
۱۴) بروسلوسس کنٹرول مراکز	—	۳
۱۵) مرسٹائیٹس کنٹرول مراکز	—	۱

بلیاگھاٹ میں حیاتیاتی پیداواری ڈویژن کے تحت مختلف یونٹوں میں بہت سارے ندار کی ٹیکے تیار کئے گئے۔ ۷۶-۷۷ء اور ۸۵-۸۶ء میں مختلف اقسام کے علی الترتیب ۹۶۳۴۵۲۹ اعدد اور ۱۹۸۹۹۸۰۵ عدد ٹیکے تیار کئے گئے۔

مویشیوں کے علاج کی خدمات کے پروگرام کو اور بھی زیادہ موثر بنانے کے لئے ایک خصوصی مہم چلائی گئی ہے۔ ۱۹۸۲ء سے ہرن

گھاٹا میں مویشیوں کے علاج کے لئے کمپاؤنڈر اور ڈریسر تربیتی کورس چالو کیا گیا اور اب تک ۳۰ افراد کو یہاں تربیت دی گئی۔

کیچوری ضلع مدناپور میں ۸۳-۸۴ء میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنے کے پیش نظر مویشیوں کے علاج کے لئے ایک ہسپتال قائم کیا گیا۔ ۸۵-۸۶ء میں حکومت نے اضلاع کوچ بہار، جنوبی ۲۴ پرگنہ اور بانکوڑا میں سے ہر ضلع میں مویشیوں کے علاج کے لئے ایک ایک ہسپتال کھولنے کی منظوری دے دی۔ سندربن میں ندیوں کے ساحلی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے مویشیوں کے علاج کے لئے بسنتی ترقیاتی بلاک میں ایک تیز رفتار کشتی پر گشتی شفاخانہ قائم کیا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ موجودہ مالی سال میں اسی طرح کا ایک اور گشتی شفاخانہ قائم کیا جائے گا۔

ڈیری ترقیات :

مغربی بنگال کے شہروں اور ترقیاتی علاقوں میں ریاست کے ڈیری پروجیکٹوں کے تحت صحت بخش دودھ سپلائی کیا جا رہا ہے۔ ہرن گھاٹا، بلگچھیا، درگاپور اور ماٹی گارا میں موجودہ ڈیریوں کے علاوہ بردوان میں بھی ایک اور ڈیری قائم کی جا رہی ہے۔ آپریشن فلڈ II کے تحت ڈانکونی میں ایک عظیم ڈیری کا یونٹ قائم کی گئی ہے۔ اس سال کرشن نگر میں بھی ایک ڈیری چالو ہو جائے گی۔ ڈانکونی اور دیگر ڈیریوں سے دودھ کی مجموعی سپلائی ۷۷ء میں ۲ر۲ لاکھ لیٹر سے بڑھکر اب ۳۱ر۵ لاکھ لیٹر ہو گئی یعنی سو فیصد سے بھی زیادہ کا اضافہ ہوا۔

مرکزی ڈیری سے روزانہ اوسطاً ۲۷ ہزار پیکٹ دودھ سپلائی کیا جاتا ہے۔ بردوان ڈیری سے پولیتھین پیکٹ میں روزانہ اوسطاً دس ہزار لیٹر دودھ سپلائی کیا جاتا ہے۔ آپریشن فلڈ اسکیم کے تحت دودھ کی سپلائی میں اضافہ کرنے کے لئے مرکوز مویشی ترقی کے پروگرام کو اپنایا گیا ہے۔ دارجلنگ (ایل) اور مرشد آباد (جیاگنج) میں ۲ کو آپریٹیو ملک پروڈیوسر س یونینوں کے علاوہ ہوگلی کے مدناپور اور ندیا (کلیانی) میں بھی دو ملک پروڈیوسرس یونین قائم کئے گئے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں مالدہ اور کوچ بہار میں ضلع سطح پر ایک کو آپریٹیو ملک پروڈیوسرس یونین اور اضلاع ہوڑہ اور دارجلنگ (دامودر) میں بھی ۲ کو آپریٹیو

باقی صفحہ ۱۵ پر

ڈیری کی ترقی

بائیں محاذ حکومت کے گزشتہ ۹ برسوں کے دوران ڈیری (دودھ، انڈے، مرغا، مرغیوں کی سپلائی کا فارم) کی ترقی کے لئے بہت ساری ترقیاتی اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا۔

سنٹرل ڈیری 'بیلگچھیا' کی جدت کاری:

جدت کاری کے پروگرام کے تحت سنٹرل ڈیری کی مشینوں کی جدت کاری اور تبدیلی کا کام بتدریج جاری ہے۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ روزانہ ۳ لاکھ لیٹر دودھ کی سپلائی کو برقرار رکھا جائے اور عظیم تر کلکتہ کے لوگوں کو سستی قیمت پر اچھا دودھ سپلائی کیا جائے۔ محدود مالی ذرائع کے عام لوگ اس قیمت پر اس دودھ کو خرید سکتے ہیں۔

دودھ کو چھوٹی تھیلیوں میں بھرنے اور پھر تھیلیوں کے منھ کو بند کردینے کی، تاکہ دودھ نہ گرے، دو مشینیں نصب کی گئی ہیں اور اب ان مشینوں کے ذریعہ صارفین کی ۳۰۰۰ لیٹر گائے کا دودھ اور ڈی۔ٹی۔ایم چھوٹی تھیلیوں میں سپلائی کیا جا رہا ہے۔ بوتلوں کو دودھ سے بھرنے والے پلانٹس بھی بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ یہ سنہ ۱۹۶۲ء سے کام کر رہے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دودھ کی پیداوار اور سپلائی کی سطح کو برقرار رکھا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک بہت ہی تیز مشین یو۔ڈی۔ای۔سی بٹھائی گئی ہے۔ اس مشین سے فی گھنٹہ ۲۰۰۰ دودھ بوتلوں میں کاگ لگایا جاتا ہے۔ یہ مشین سنٹرل ڈیری 'بیلگچھیا' میں بٹھائی گئی ہے۔ نیز اس سنٹرل ڈیری کی مذکورہ مشین کی یونٹ ع۵ کی مشین، جو بوتل صاف کرتی ہے، بہت پرانی ہو چکی ہے، کیوں کہ اسے سنہ ۱۹۷۲ء میں نصب کیا گیا تھا، اور اب اس کی مرمت کی جا رہی ہے۔

دودھ ڈپو میں دودھ لے جانے کے لئے ۱۵ دودھ گاڑیاں بہت ہی جلد حاصل کی جائیں گی۔ اور اس طرح پرانی گاڑیوں کو ہٹا دیا جائے گا۔

ہرن گھاٹا ڈیری کی جدت کاری

ہرن گھاٹا ڈیری پلانٹ جون سنہ ۱۹۵۰ء سے کام کر رہا ہے۔ یہ پلانٹ اب بہت پرانا ہو چکا ہے۔ اس پلانٹ کی پوری صلاحیت کو روبہ کار لانے کے لئے اس میں جگہ جگہ مرمت کے کام کئے گئے۔ اب بائیں محاذ حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس پلانٹ کی جدت کاری اور مرمت کرنی ضروری ہے تاکہ یہ اپنی پوری صلاحیت سے کام کر سکے۔ اس کارخانہ کے پلانٹ اور مشینری آہستہ آہستہ تبدیل کی جا رہی ہے۔ اس بات کے پیش نظر ریاستی حکومت نے میسرز لارنس اینڈ ٹوبرو لمیٹیڈ، کلکتہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ ۹۳ء۲۸ لاکھ روپئے کی قیمت کی ایک یو۔ڈی۔ای۔سی بوٹلنگ پلانٹ یونٹ سپلائی کرے۔ یہ پلانٹ مئی سنہ ۱۹۸۶ء سے چالو ہو گیا۔

ریاستی ڈیری، درگاپور:

اس ڈیری کا نے، جس کی یومیہ ۵۰۰۰ لیٹر دودھ سپلائی کرنے کی صلاحیت ہے، اکتوبر سنہ ۱۹۷۲ء میں یومیہ ۱۵۰۰۰ لیٹر دودھ کو پروسیس کرنے کے پروگرام کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ درگاپور شہر، رانی گنج اور آسنسول۔ جیسے صنعتی علاقوں کے لوگوں کو صحت بخش اور مقوی دودھ سپلائی کر رہا ہے۔ اس صنعتی علاقہ کے لوگوں کی، دودھ کے لئے، بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے حکومت نے موجودہ پنج سالہ منصوبہ کے مرحلے میں کارخانہ کی عمارت کی توسیع، نئی عمارتیں قائم کرنے، یہاں بوتل میں دودھ بھرنے کے لئے دو نئی مشینوں کی تنصیب، کارخانہ کی موجودہ پرانی مشینوں کی مرمت اور جدت کاری کے لئے حال ہی میں ایک پروگرام کو اپنایا ہے۔ اس کے لئے سال رواں کے بجٹ میں حسب ضرورت گنجائش رکھی گئی ہے۔

آئس کریم تیار کرنے والی مشینوں کی مرمت کا کام شروع کر دیا گیا ہے تاکہ صارفین کے بازاروں میں موسم گرما کے دوران آئس کریم کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے آئس کریم تیار کرنے کا کام شروع کر دیا جائے۔ بوتلوں میں دودھ بھرنے کی دو مشینوں کی تنصیب کا کام درگاپور میں جاری ہے۔

ریاستی ڈیری، بردوان:

دودھ کی سپلائی میں خود کفالت کی پالیسی کو روبہ عمل لاتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے جنوری سنہ ۱۹۸۲ء میں بردوان میں ایک ریاستی ڈیری قائم کی ہے۔ اس میں یومیہ ۲۰۰۰۰ لیٹر دودھ تیار کرنے اور تقسیم کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ یہ ڈیری اب روزانہ تقریباً ۱۰۰۰۰ لیٹر دودھ پروسیس کر رہی ہے۔ عظیم تر کلکتہ دودھ سپلائی اسکیم کی طرح، بردوان دودھ سپلائی اسکیم کے پاس صارفین کو براہ راست دودھ فروخت کرنے کے لئے اپنا کوئی نظام نہیں ہے۔ یہاں پولی پیک میں دودھ بردوان شہر اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں کمیشن کی بنیاد پر مقامی کوآپریٹو تنظیموں کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہے۔

ایسے علاقوں میں لوگوں کے لئے دودھ کی فروخت کو پورا کرنے کے لئے اس طریقہ کار کو زیر عمل لایا جا رہا ہے کہ اس ڈیری کی تنصیب شدہ صلاحیت میں اضافی بہتری لائی جائے تاکہ یہ روزانہ [illegible] لیٹر کی جگہ ۵۰۰۰۰ لیٹر دودھ کا پروسیسنگ کر سکے۔ اس مقصد کے پیش نظر موجودہ پانچ سالہ منصوبہ کے عرصہ [illegible] کارخانہ کی عمارت میں توسیع، نئی مشینوں کی تنصیب اور موجودہ مشینوں کی مرمت کا کام بتدریج شروع کیا جائے گا۔ اس کے لئے منصوبہ بجٹ میں حسب ضرورت فنڈ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

کرشنگر دودھ سپلائی اسکیم

موجودہ حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ کرشنگر ندیا دودھ سپلائی کرنے کی ایک اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس سلسلے میں ایک ڈیری کارخانہ کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ یہاں روزانہ ۲۰۰۰۰ لیٹر دودھ حاصل کر کے اور فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ نیز یومیہ ۱۰۰۰۰ لیٹر دودھ کی پروسیسنگ کرنے کا کام یہاں بہت جلد شروع ہو جائے گا۔ یہاں سے کرشنگر شہر اور اس کے آس پاس کے علاقوں کے لوگوں کو دودھ فراہم کیا جا سکے گا۔

گھی، آئس کریم وغیرہ کی تیاری:

چند موجودہ ڈیریاں محدود مقدار میں گھی اور میٹھا دودھ تیار کرتی ہیں اور انہیں لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرتی ہیں۔ ہرن گھاٹا ڈیری میں فاضل دودھ سے بسکٹ، ٹوفی اور صنعتی کیسین تیار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ گھی، آئس کریم اور چاکلیٹ دودھ وغیرہ کی عوامی مانگ کو پورا کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے سالٹ لیک، کلکتہ میں ایک پراڈکٹ فیکٹری قائم کرنے کے پروگرام کو اپنایا ہے۔ اس کارخانہ میں یومیہ ۲۰۰۰ لیٹر آئس کریم، ۳۰۰۰ کیلوگرام پنیر اور کچھ مقدار میں صنعتی کیسین اور میٹھا دودھ تیار کرنے کی صلاحیت ہے۔

ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے عرصہ میں کارخانوں کی تعمیر اور مشین وغیرہ بٹھانے کا کام بتدریج شروع کیا جائے گا۔ سنہ ۱۹۸۶-۹۰ء کے لئے بجٹ میں اس مقصد کے لئے حسب ضرورت فنڈ فراہم کئے گئے۔

مضافاتی ڈیری توسیع:

اس توسیعی پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ دودھ حاصل کرنے اور اسے ٹھنڈا رکھنے کے اسٹیشن قائم کئے جائیں۔ اس سلسلے میں مضافاتی بنگال میں دودھ پروڈیوسروں کی ہمت افزائی کی جائے کہ وہ اپنے نزدیک کے دودھ ٹھنڈا گھر میں دودھ سپلائی کر سکیں۔ فی الحال اس ریاست میں ایسے اسٹیشنوں (دودھ ٹھنڈا گھر) سے ڈیری پلانٹس کو کچا دودھ [illegible] تیار کیا جا رہا ہے۔ اس ریاست کے دور دراز علاقوں میں واقع ٹھنڈا گھروں سے ڈیری پلانٹس کو پروسیسنگ کے لئے کچا دودھ حاصل کرنے کے لئے دودھ گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز اگر راستہ میں دودھ گاڑی خراب ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ ہیڈ آفس کو مطلع کر سکے، اس بات کے پیش نظر مناسب رسل و رسائل کے لئے وائرلیس کی ضرورت ناگزیر ہو گئی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے پروگرام تیار کیا گیا ہے اور اسے موجودہ پنج سالہ منصوبہ کے دوران بتدریج پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

قرض اور عطیات:

مویشیوں کے مالکوں کو جو اپنی مویشیوں کو ہرن گھاٹا کی دودھ کالونی میں رکھتے ہیں، اپنی خشک گائے اور بھینسوں کی جگہ دودھ دینے والی گائے اور بھینسیں خریدنے کے لئے قرض دئے جاتے ہیں تاکہ ڈیری کی

باقی صفحہ [illegible] پر

بچوں کی لوک کلا

بی رویندرن نائر

(دوسری اور آخری قسط)

لوک کلا کا جادو :

لوک کلا کی دنیا کی ہر بچے سے فوری اپیل ہوتی ہے اور لوک کلا کے ذریعہ کا، تحریری مواد کی نسبت بچے پر کہیں زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لوک کلاؤں کے ذرائع میں کئی صورتیں جیسے کہ لوک تمثیل، لوک گیت، لوک رقص اور لوک تصویریں شامل ہو سکتی ہیں۔ بچے رام لیلا کے میلے میں رامائن کے لوک کھیلوں میں جو دیہی دیہی پیشہ ورانہ اثرات قبول کرتے ہیں وہ انہیں ان پورے ڈراموں کے دوران مبہوت رکھتے ہیں اور وہ رات گئے تک جاگتے رہتے ہیں اور یہ کھیل دیکھتے رہتے ہیں۔

لیکن ایک بچے کے لئے پتلیوں کے تماشے سے زیادہ دلکش کوئی اور چیز نہیں ہوتی جو فن کی ایک جاندار شکل ہے اور بھارت کے مختلف حصوں میں اب بھی زندہ ہے۔ اس لوک کلا کی بے پناہ صلاحیت آج بھی برقرار ہے حالانکہ کہیں زیادہ طاقت اور الیکٹرانی ذرائع اس دنیا میں داخل ہو گئے ہیں۔ راجستھان کی کٹھ پتلیوں کے ڈراموں میں رومان اور جنگ و جدل سے بھرپور [illegible] دکھائے جاتے ہیں بچے ان میں بہہ جاتے ہیں۔ کٹھ پتلیاں انہیں اکبر اعظم کے دربار کی شان و شوکت یا راجہ امر سنگھ راٹھور کی لڑائی کے دور میں لے جاتی ہیں۔

راجستھان کی کٹھ پتلیاں قریب دو فٹ لمبی ہوتی ہیں۔ ان کے سر بڑی خوبصورتی سے لکڑی میں سے تراشے گئے ہوتے ہیں جن پر بڑی بڑی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ان کے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ صرف لمبے گھاگرے پہنے ہوتے ہیں جن سے ان کی حرکت [illegible] پیدا کی جاتی ہے۔ ان کے ہاتھ مشکل سے حرکت میں آتے ہیں کیوں کہ وہ کپڑے کے بنے ہوتے ہیں اور ان میں جوڑ نہیں ہوتے۔

لیکن تامل ناڈو کی کٹھ پتلیاں کہیں زیادہ رنگین اور دلکش ہوتی ہیں۔ بچے انہیں دیکھنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جاتے ہیں۔ یہ پتلیاں قریب تین فٹ لمبی ہوتی ہیں۔ وہ بہت اچھی تراشی گئی ہوتی ہیں، ان کے ملبوسات بہت خوبصورت ہوتے ہیں اور وہ زندگی کے حیران کن انداز سے بھارت ناٹیم کے رقص کر سکتی ہیں۔ انہیں بوما لاٹم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جہاں تک بچوں کا تعلق ہے۔ بوما لاٹم کے ذریعہ ان کی پورانوں رامائن اور مہابھارت کے بارے میں واقفیت میں اضافہ ہوتا ہے جو انہیں دادی ماں سے ملی ہوتی ہے۔ عالم اور تربیت یافتہ پتلیوں والے ماضی کے مناظر میں جان ڈال کر بچوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح آندھرا پردیش میں "تولو بوما لاٹ" اور بنگال میں پتلی گھر ہیں جو کرشن کے بچپن یا رزمیہ داستانوں کے قصے کے رنگین موضوعات سے بچوں کو مسحور کر دیتے ہیں۔

گیتوں سے تحصیل علم :

لوک گیت جو ایک کے بعد دوسری نسل کو ورثہ میں ملتے ہیں، جو بچوں کو اپنے آبائی گرد و پیش سے آگاہ رکھتے ہیں اور ان میں اپنی مخصوص وراثت کے بارے میں فخر کا احساس پیدا کرتے ہیں لوک گیت ہماری لوک وراثت کا ایک عظیم حصہ ہیں۔ گیت، موسیقی کی مانند بچوں کو تسکین دیتے ہیں، انہیں خوش کرتے ہیں اور زندگی کے گرم و سرد سے آسانی سے برداشت کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں موسیقی کے بچوں پر بھاری اثرات کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے۔ کیا کوئی شخص ان لوریوں کے اثرات کو بھلا سکتا ہے جو ایک والدہ اپنے بچے کو سلاتے وقت گاتی ہے۔ موسیقی انسان کے وجود میں موجود ہے جو اس میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ اس میں طاقت اور مضبوطی پیدا کرتی ہے۔ ایک بچہ بھی موسیقی کے سُر سے متاثر ہوتا ہے اور جب موسیقی اپنا سکون بخش اثر اس پر چھوڑتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ موسیقی خوشی دیتی ہے اور اس طرح سُروں کا جو ملاپ پیدا ہوتا ہے اس کا داخلی انسان پر اثر پڑتا ہے۔

خوشی کا مقام ہے کہ آج اسکولوں اور بال بھون جیسے اداروں میں لوک کلاؤں کو پھر سے زندہ کیا جا رہا ہے اور وہاں بچوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ان فنون کو سیکھیں اور

(باقی صفحہ [illegible] پر)

قومی استحکام کو اور بھی مستحکم بنائیں۔ بلا روک ٹوک رفتار ترقی کو جاری رکھیں

یوم جمہوریہ کی پکار

ہندوستان کی ریاست، مغربی بنگال کو، اپنی پیش رفتاری کے شروع میں جہاں آزادی کی نعمتیں میسر ہوئیں وہاں اسے تقسیم کی لعنت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت اسے بہت سارے مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اب اس کی رفتارِ ترقی مستحکم ہو گئی ہے۔ گزشتہ دس برسوں میں تمام شعبوں میں جیسے آبپاشی، زرعی پیداوار، متوازن خوراک کی تقسیم، چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی توسیع، صحت عامہ کا تحفظ، مضافاتی معیشت کی ترقی اور بجلی کی پیداوار، ماہی پروری، سماجی رفاہ، رسل و رسائل میں بہتری وغیرہ، مغربی بنگال نے نمایاں ترقی کی ہے۔ نئی صنعتی پالیسی نے بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کے بند دروازے کھول دئے اور اس کی وجہ سے ریاستی معیشت اور روزگار کے امکانات بہت روشن ہو گئے۔ تعلیم کے میدان میں مختص مالی رقوم اور کامیابیوں میں مغربی بنگال ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں سب سے اول ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور قبائیلی لوگوں کے معیارِ زندگی میں بہتری لائی گئی اور یہ بات بلاشبہ قابلِ افتخار ہے۔ اس ریاست میں بڑی بڑی لسانی جماعتوں کی زبان اور ثقافت کی افزائش اور ترقی بھی بے نظیر ہے۔

مغربی بنگال سارے ہندستان کی ایک چھوٹی سی تصویر ہے۔ یہاں تمام لوگوں کے، بلا لحاظ مذہب، فرقہ اور زبان، جمہوری حقوق کی اچھی طرح حفاظت کی جاتی ہے اور سب لوگ اس ریاست میں سادگی وقار، امن اور خوشی کے ساتھ رہائش کرتے ہیں۔ حال ہی میں عوام کے اس اتحاد اور استحکام کو توڑنے اور اس ریاست کی ترقی اور امن کے میدانوں میں عدم استحکام پیدا کرنے کی شر انگیز کوششیں کی گئیں۔ ان کالی طاقتوں کے شر انگیز ارادوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زندگی کے تمام شعبوں کے لوگوں کو متحد ہو جانا چاہئے۔ آئیے اس یوم جمہوریہ کے موقع پر ہم اسی بات کا عہد کریں۔

حکومتِ مغربی بنگال



ایک کتاب میلہ میں بچوں کی کتابیں



جسمانی لحاظ سے معذور لڑکے سلائی کے کام میں مشغول



بیتھواڈھری میں ہرن پارک



گوڑ مالدہ میں آثار قدیمہ

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Asst. Editor Md. Asan
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T
Printers, 23, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری

سالانہ : ۳ روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ :
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور۔ حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ فروری اور یکم مارچ ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۴ اور ۵



رائٹرس بلڈنگس کلکتہ کے روٹنڈا میں انتخابی کمیٹی کی میٹنگ

پریم چند کی افسانہ نگاری

شمس الہدیٰ

پریم چند اردو افسانہ نگاری کے موجد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اردو افسانہ نگاری کے معیار کو بلند کیا۔ پریم چند کے افسانوں کی خوبیاں، ان کی زبان کی حلاوت، شیرینی، سادگی اور صفائی ان کے نیک جذبات و احساسات، ان کی صداقت بیانی، ان کا خلوص، ان کی حب الوطنی، ان کی انسانیت دوستی، دیہات اور دیہاتیوں سے ان کی بے پایاں محبت، غریبوں کی ہمدردی شاید کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو سکے۔ کم از کم اب تک یہ تمام خوبیاں کسی ایک فنکار کو نصیب نہ ہو سکی ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے پریم چند کا ادبی مقام متعین کرتے ہوئے میر کا نام لیا ہے اور بتایا ہے کہ دونوں اپنے فن میں یگانہ روزگار ہیں۔ میر ایک شاعر کا نام ہے، پریم چند ایک کہانی کار کا۔ ہونا یہ چاہئے کہ کسی افسانہ نگار یا ناولسٹ کا نام لیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو فکشن کی تاریخ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے پریم چند کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ پریم چند کے افسانوں کی ہر دلعزیزی کا دائرہ صرف اردو ہی کی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ ہندی والے بھی اتنی ہی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اردو والے غالباً افسانہ لکھتے وقت پریم چند لکھتے ہیں:

ہاتھ جو بیں گے مرے گبرو مسلمان دونوں

ہم اردو کے بے شمار افسانہ نگاروں کو شہروں میں رہتے پارک کی سیر کرتے، لمبی اور چوڑی سڑکوں پر چہل قدمی کرتے، ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں قہقہے لگاتے تو دیکھتے ہیں مگر پریم چند کی طرح کسی کو دیہات اور دیہاتیوں میں رہتے، دیہات کی پگڈنڈیوں پر چلتے، اساڑھ ساون کے کھیتوں میں دیہاتیوں کے ساتھ ہل بیل چلاتے، جاڑے کی کپکپاتی راتوں میں اور جیٹھ بیساکھ کی چلچلاتی دھوپ میں دیہاتیوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے کسی کو نہیں دیکھتے ہیں۔

پریم چند کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان گاؤں میں بستا ہے۔ یہ دیہات اور دیہاتیوں کا ملک ہے لہٰذا جب تک دیہات اور دیہاتیوں کی حالت بہتر نہیں بنائی جاتی ہندوستان اس وقت تک ترقی کی منزل کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے پریم چند اپنی تمام حیات دیہات اور دیہاتیوں کی اصلاح میں صرف کر دیتے ہیں۔ پریم چند کی یاد آتے ہی آنکھوں کے سامنے دیہات کا منظر گھومنے لگتا ہے۔ "بدھو" "شنکر" جیسے زندہ اور متحرک کردار نگاہ و تصور میں ابھرنے لگتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی بھی اپنے افسانوں میں پنجاب کے دیہاتی کردار اور دیہاتی واقعات کو ہی پیش کرتے ہیں لیکن ان کی کہانی سنی سنائی معلوم ہوتی ہے۔ راجندر سنگھ بیدی بھی اپنے افسانے کا موضوع دیہات اور دیہاتیوں کو ہی بناتے ہیں لیکن ان کی زبان اس درجہ ناقص ہے کہ وہ کسی طرح بھی پریم چند کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پریم چند کے بعد اگر کوئی شخصیت اپنی اتنی کامیابی کے ساتھ دیہات اور دیہاتیوں پر قلم اٹھانے والی ملتی ہے تو وہ علی عباس حسینی کی ہے۔

پریم چند کو جو الفت دیہات اور دیہاتیوں سے تھی اس کا اظہار وہ اکثر ناولوں اور افسانوں میں کرتے رہے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ "... میاں اگر انسان کا بس ہو تو وہ دیہات میں جا بسے، دو چار جانور پال لے اور اپنی تمام عمر دیہاتیوں کی خدمت میں گزار دے۔"

یہ حقیقت ہے کہ دیہات میں جا کر ہی [illegible]

اظہار کرتے ہوئے پریم چند نے اپنی تمام عمر دیہاتیوں کی اصلاح اور خدمت میں گزار دی۔ ایک جگہ وہ دیہات کا منظر کھینچتے ہیں "جب اساڑھ آیا ہر طرف دھان لہلہانے لگی، دیہات میں خوشی کا دور دورہ ہو گیا، بچے اپنے گھروں کے دروازے پر گھروندے بنانے لگے۔ عورتوں کے بلند نغمے چکیوں پر سنائی دینے لگے اور مردوں کے گیت کھیتوں پر۔" پریم چند نے دیہات اور دیہاتی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور وہ معمولی سی معمولی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ جذبات پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ مختلف قسم کے جذبات اور نفسیات پر ان کی نگاہ بہت تیز پڑتی ہے۔ پریم چند نے دیہات اور دیہاتیوں کے متعلق بیسیوں کہانیاں لکھی ہیں۔ "نمک کا داروغہ" "راہ نجات" "پنچ پرمیشور" "ایمان کا فیصلہ" ان کے بہتر افسانے ہیں۔ جن میں پریم چند نے اپنے دیہاتوں کے مناظر کو بحسن و خوبی پیش کیا ہے۔

پریم چند صحیح معنوں میں ایک سچے وطن پرست، ہمدرد اور مصلح قوم اور محب وطن تھے۔ اپنے ادب کے ذریعہ انہوں نے سوسائٹی اور ملک کی اصلاح کی کوشش کی۔ غریب کسانوں اور افلاس زدہ مزدور اور سماج سے گرے ہوئے بدنصیبوں نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچی اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے شہروں کے متوسط طبقے کلرکوں اور اخبار نویسوں کی حمایت میں بھی اپنا قلم اٹھایا۔ اخبار نویس اور ادب کی حمایت میں انہوں نے کئی افسانے لکھے۔ پریم چند ہر طبقہ کے لوگوں کی ترجمانی کرتے ہیں لیکن ان کے کردار خاص طور سے دیہاتی کسانوں، افلاس زدہ مزدوروں مفلس شہریوں اور کلرکوں کی زندگی کو زیادہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پریم چند درس عبرت کی غرض سے اور اپنے نخوت و غرور کا مزہ چکھنے کے لئے سیٹھ ساہوکاروں، راجہ مہاراجہ، زمین داروں اور سرمایہ داروں کو بھی پیش کرتے ہیں۔ افسانہ "نیک بختی کے تازیانے" میں بے جا غرور اور ظلم کی حد تک پہنچے والے احساس شرافت کا انجام دکھایا گیا ہے۔ پریم چند کو کسانوں سے بہت زیادہ ہمدردی تھی۔ انہوں نے کسانوں کے حقوق کی نگہداشت کا پرچار اپنے بہت سے افسانوں میں کیا ہے۔ پریم چند نے سماجی اصلاح کی بھی کوشش کی۔ انہیں بچپن کی شادی پسند نہ تھی علاوہ ازیں وہ جوان اور بوڑھے کی شادی کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ بوڑھے اور جوان کی شادی کے متعلق ان کا افسانہ "نئی بیوی" بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ پریم چند اپنے افسانوں کے ذریعہ تاحیات ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست خواہاں تھے۔ انہوں نے اسلام کی عظمت اور مسلمانوں سے محبت اور ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بہت سے افسانے لکھے۔ ان کا افسانہ "معوذ" اور "پنچایت" اسی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

پریم چند کی زبان سیدھی سادی، صاف ستھری، سلیس اور رواں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پریم چند کی زبان میں ایک خاص تازگی ملتی ہے۔

پریم چند اردو افسانے کا نقطۂ آغاز بھی ہیں اور اس کی ابتدائی پیش رفت کی تاریخ بھی۔ ان کے اور اردو کے شاید پہلے افسانے "دنیا کا سب سے انمول رتن" سے لے کر ان کے شاہکار افسانے "کفن" تک ان کا افسانوی فن کئی نشیب و فراز سے گزرا ہے۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ "سوز وطن" ہے۔ ان کے اس مجموعے کے تمام افسانے بجز ایک افسانہ "صلۂ ماتم" کے جذبۂ حب الوطنی کو ابھارنے اور سیاسی غلامی سے نجات کی خواہش کے تحت لکھی گئی ہے۔ مجموعے کا پہلا افسانہ "دنیا کا سب سے انمول رتن" ان کے قلم سے نکلا ہوا اردو کا غالباً پہلا افسانہ ہے۔ اس مجموعے کا دوسرا اہم افسانہ حب وطن اور عشق دنیا ہے۔ پریم چند کے بعد افسانوں میں حقیقت و مثالیت کچھ اس طرح گھل مل گئی ہے کہ حقیقت مثالیت کے رنگ و روغن سے چمک اٹھی ہے۔ انہوں نے کچھ افسانے تفریح طبع کے لئے بھی لکھے ہیں لیکن پریم چند کے دو افسانے "دودھ کی قیمت" اور "کفن" اردو افسانے کو اس موڑ پر لے جاتے ہیں جہاں وہ مثالیت سے رشتہ توڑ کر اپنی من مانی ڈگر پر چل پڑتا ہے۔ یہ افسانہ تکنیک کے اعتبار سے مکمل ہے۔ اس کا پلاٹ سیدھا سادا ہے لیکن پیچ پینس، اتفاقی حادثات نہیں اور نہ کہیں سسپنس پیدا کرنے کے لئے معنوی صورت حال کا سہارا لیا گیا ہے۔ یہ افسانہ ایسے سماج پر زبردست چوٹ ہے جو چھوت چھات کو روا رکھ کر ایسے افراد پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں جو انسانی قدروں کا احترام کھو چکے ہیں۔ "کفن" نہ صرف پریم چند کے افسانوں کا نقطۂ عروج ہے بلکہ اردو افسانے کا ایک اہم موڑ بھی ہے۔ پریم چند نے اپنی مختصر سی زندگی میں اتنے اچھے اور زیادہ افسانے دنیا کے سامنے پیش کر دئے ہیں کہ اردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔***

پہلی قسط

کل ہند کسان سبھا

اس کا تاریخی پس منظر اور کارکردگی

از: ہرکشن سنگھ سرجیت

آج کل ہند کسان سبھا ایک بڑی تنظیم ہے۔ اس کی رکنیت لاکھوں میں ہے اور اس کی اکائیاں ملک کی ہر ریاست میں موجود ہیں۔

پچاس برس قبل ۱۱ اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں ایک کانفرنس   کے دوران اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس وقت سے اب تک کئی سرفروش لڑائیاں لڑی اور جیتی گئیں۔ بہت سا خون بہایا گیا ہے۔ کسانوں کے جمہوری حقوق کے لئے لڑتے ہوئے بہت سے شہیدوں نے اپنی زندگیاں نثار کی ہیں۔ گزشتہ ۵۰ برس کی تاریخ اس تنظیم اور اس کے کارکنوں پر شدید جبر و ستم سے بھی عبارت ہے۔

۱۹۳۰ء کی دہائی میں سرمایہ دار ملکوں میں جو عالم گیر اقتصادی کساد بازاری پیدا ہوئی تھی، وہ ہندوستان کے کسانوں پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں کسان تنظیمیں ملک کے مختلف حصوں میں رونما ہوئی تھیں۔ ان تنظیموں کا بنیادی مقصد کسانوں کو بے دخلی، کرائے میں اضافہ، جبری محنت اور لوٹ کھسوٹ کی دیگر صورتوں سے بچانا اور انہیں موزوں قانونی درجہ دلانا تھا۔

ریاستی سطح کی تنظیموں کے تجربے نے انہیں ایک کل ہند تنظیم کی ضرورت کا احساس دلایا۔ جس کے پاس ایک وسیع تر پالیسی اور پروگرام موجود ہو۔

کانگریس سے بددلی:

کل ہند کسان سبھا کی تشکیل میں بائیں بازو کے کانگریسیوں نے ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ قومی کانگریسی قیادت کے زمین داروں سے سمجھوتے کے کردار نے سوامی سہجانند جیسے بیشتر کسان لیڈروں کو بددل کر دیا تھا۔ انہیں ایک آزاد کسان تنظیم کے قیام کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا۔ ۱۹۳۴ء تک ایک کانگریسی سوشلسٹ پارٹی رونما ہو چکی تھی جس نے ساتھ ہی ایک سوشلزم کے تئیں رغبت کا اظہار کرتے ہوئے کانگریس کے اندر سرگرم عمل رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ حقیقی سیاسی آزادی کی جدوجہد کو زمین داری کے خاتمے اور دیہاتی سماج کی ترقی پسند تشکیل نو کے لئے کسانوں کی جدوجہد سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کمیونسٹ پہلے ہی طبقاتی تنظیمیں قائم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ بائیں بازو کے کانگریسی، کانگریسی سوشلسٹ اور کمیونسٹ تھے جنہوں نے کل ہند کسان سبھا کی تنظیم کے لئے پہل کی۔

کل ہند کسان سبھا کے پہلے اجلاس میں شرکت کرنے والوں کی فہرست بڑی ہی معنی خیز ہے۔ ای ایم ایس نمبودری پد، دنکر مہتا، کمل سرکار، سوہن سنگھ جوش، لال بہادر شاستری، کے ڈی مالویہ، موہن لال گوتم، پی سمپورنانند، جے پرکاش نرائن، سوامی سہجانند، بنے کرشن چودھری، ہری کرشن مہتاب، این جی رنگا، اندو لال یاگنک، آر کے کھاڈلکر، بشنو رام میدھی، مسرت سنہا۔ ان میں سے بہت سے بعد کے برسوں میں قومی یا ریاستی سطح کی ممتاز شخصیتیں بن گئے۔ اس حقیقت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسان سبھا اپنے آغاز سے ہی کتنا وسیع

[illegible] قرارداد :

کل ہند کسان سبھا کی تشکیل سے قبل جنوری ۱۹۳۶ء میں میرٹھ
[illegible] ایک اجلاس ہوا تھا جس کے دوران ضروری تیاریاں کی گئی تھیں اور ایک
[illegible] کو واضح فیصلہ کیا گیا تھا ۔ اور یہ بھی کہ اس کا ایک
[illegible] پروگرام اور رکنیت ہوگی ۔ اسے آزادی کی قومی تحریک
[illegible] منظم کیا جائے گا اور سامراجیت کے خلاف لڑائی کو جاگیردار سماجی
نظام کے خلاف لڑائی کا ایک اٹوٹ حصہ سمجھا جائے گا کیونکہ سامراجیت جاگیردار
[illegible] نظام کی سرپرستی کرتا ہے اور اسے سیاسی حمایت فراہم کرتی ہے ۔

انسان آج ماضی پر نظر ڈالتے ہوئے اس سادگی اور براہ
راست انداز سے متاثر ہو کر رہ جاتا ہے جو پہلے اجلاس نے اپنی
بنیادی قرارداد میں اپنے فریضے متعین کرتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ اس
میں یہ کہا گیا تھا کہ :

"کسان تحریک کا مقصد اقتصادی استحصال سے مکمل نجات
اور کسانوں اور مزدوروں اور استحصال کے شکار دیگر تمام طبقوں کے لئے مکمل
اقتصادی اور سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے ۔"

"کسان تحریک کا بنیادی فریضہ کسانوں کو ان کے فوری اور
اقتصادی مطالبات کی لڑائی کے لئے منظم کرنا ہوگا تاکہ انہیں ہر قسم کے
استحصال سے نجات کے لئے تیار کیا جا سکے ۔"

اس کے بعد قرارداد میں زمینداری نظام کی مذمت کی گئی
تھی جس کی "ہندوستان کی برطانوی سرکار حمایت کر رہی تھی۔ اسے "غیر مساوی،
غیر منصفانہ اور کسانوں کے لئے جابرانہ" قرار دیا گیا تھا اور یہ اعلان کیا
گیا تھا کہ" زمینداری کے اس سارے نظام کو ختم کیا جائے گا اور ایسی
زمینوں پر تمام حقوق کاشتکاروں کو دے دیئے جائیں گے ۔"

یہ بات ملاحظہ کی جانی چاہئے کہ کل ہند کسان سبھا نے اپنے
ابتدائی دنوں میں جو معاملات اٹھائے تھے ان میں سے بہت سے آج بھی طے
ہونے باقی ہیں ۔

کل ہند کسان سبھا کا اگست ۱۹۳۶ء میں بمبئی میں جو اجلاس
ہوا تھا، اس کے دوران بہت سے نکتوں کی وضاحت کی گئی تھی جو کل ہند
کسان سبھا کے تاسیسی اجلاس کے دوران اٹھائے گئے تھے ۔

سامراجیت کی مخالفت سے وابستگی

کل ہند کسان سبھا اپنی ابتدا ہی سے چوکس رہی اور اس
نے بڑے قومی اور بین الاقوامی معاملات کے تئیں ردعمل کا اظہار کیا۔
ملک کی آزادی کی کاوش کرتے ہوئے کل ہند کسان سبھا آزادی کا ایک
مخصوص تصور رکھتی تھی جو بہت سی قراردادوں میں ظاہر ہوا جن میں
سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ سماجی - اقتصادی آزادی پر زور
دیا گیا تھا ۔

سامراجیت کی مخالفت سے اس کی وابستگی ان قراردادوں
میں ظاہر ہوئی جو ابتدائی برسوں کے دوران منظور کی گئیں۔ ان میں حبشہ پر
اطالوی حملے اور چین پر جاپانی حملے کی مذمت اور ہسپانوی خانہ جنگی میں
ری پبلکن فریق کی حمایت کی گئی تھی ۔

کل ہند کسان سبھا کی تشکیل کی کئی جانب سے مخالفت
ہوئی تھی ۔ مفاد پرستوں نے کل ہند کسان سبھا کی مخالفت میں ہاتھ ملا لئے
تھے ۔ انہوں نے کسانوں کو دہشت زدہ کرتے ہوئے اور فرقہ وارانہ پرچار
کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے کسان سبھا کے کام میں خلل پیدا کرنے کی
اپنی سی ہر ممکن کوشش کی تھی ۔ برطانوی سرکار نے کسانوں پر کسان
سبھا کی بڑھتی ہوئی گرفت سے خوفزدہ ہو کر اپنے جبر و ستم کو شدید تر کر دیا
تھا ۔ اس نے کلیدی لیڈروں کو بار بار گرفتار کیا تھا اور دیگر بہت سے
لیڈروں کو روپوشی ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا ۔

کانگریس کے دائیں بازو نے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور
ڈاکٹر راجندر پرشاد کے زیر قیادت انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ
کل ہند کسان سبھا کے اجتماعی الحاق کے خلاف لڑائی لڑی اور کسان
تنظیموں کے آزادانہ وجود کی زبردست مخالفت کی ۔ کل ہند کسان سبھا پر
اس لئے زبردست نکتہ چینی کی گئی کہ اس مہم نے "ملک میں تشدد کا ایک
ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ کسی بھی لمحے دھماکہ ہو سکتا ہے" ۔ کچھ صوبوں
میں کانگریسی لیڈروں نے کھلا ہوا زمیندار نواز موقف اختیار کیا اور
۱۹۳۰ء کے دہائی کے اواخر میں تشکیل شدہ سرکاروں میں اپنا اختیار کسانوں
کے ایجی ٹیشن کچلنے کے لئے استعمال کیا ۔ بہار میں انہوں نے کل ہند کسان
سبھا کے سرگرم کارکنوں سے لڑنے کی غرض سے زمینداروں کی لٹھیوں کے
ساتھ اشتراک قائم کیا ۔

انڈین نیشنل کانگریس کے اختیار کردہ راستے کے برخلاف جو زمین داروں اور دیگر مفاد پرستوں کے ساتھ سمجھوتہ کر رہا ہے اور اہنسا کے ذریعہ مزاحمت کی بات کر رہا تھا۔ کل ہند کسان سبھا نے کسانوں کو اس لئے مجتمع کیا تھا کہ وہ زمین داروں کے ہتھیار بند غنڈوں اور پولس کے حملوں کا سامنا کریں۔ کل ہند کسان سبھا کے ۱۹۳۹ء میں گیا میں منعقد ہوتے اجلاس میں بتایا گیا تھا کہ "پچھلے برس ہندوستان کے کسانوں میں غیر معمولی بیداری اور منظم طاقت میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔"

۱۹۳۶ء سے ۴۵ء تک بہت سی شاندار جدوجہدیں کی گئی تھیں۔

دوسرے عالمی جنگ کے ابتدائی برسوں میں کل ہند کسان سبھا کی قیادت کو بے مثال جبر و ستم کا شکار بنایا گیا تھا اور کھلے عام کام کرنا انتہائی مشکل ہو گیا تھا۔ بنگال اور دیگر کئی ریاستوں میں اس کے دفتروں پر چھاپے مارے گئے تھے اور اس کے بنیادی کارکنوں کو روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ کل ہند کسان سبھا نے برطانوی حکمرانوں اور ان کے تلوے چاٹنے والے ہندستانیوں کے خلاف جدوجہد کی پکار دی تھی اور ایک "نہ کرایہ اور نہ ٹیکس" تحریک چلائی تھی۔ لیکن جون ۱۹۴۱ء میں سوویت یونین پر جرمن فاشیوں کے حملے کے بعد اس نے بنی نوع انسان کو فاشی غلامی سے بچانے کی خاطر فاشیت کو شکست دینے کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ فاشیت پر فتح پر پہلی سوشلسٹ ریاست کی بقا اور ہمارے ملک سمیت، نو آبادیاتی ملکوں کی آزادی منحصر ہے۔ اس لئے کل ہند کسان سبھا نے اسے تنظیم کا ایک مقدس فرض سمجھا کہ سوشلسٹ ریاست کے دفاع اور فاشیت کی شکست کی حمایت کی جائے۔

فاشیت سے جنگ کو وہ ترجیح دیتے ہوئے جس کا وہ مستحق تھا، کل ہند کسان سبھا نے ۱۹۴۱ء میں اپنے اجلاس کے دوران اپنے اراکین کو یہ یاد دہانی کرائی کہ "ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں عارضی طور سے بھی ڈھیل نہیں دینی چاہئے۔"

۱۹۴۵ء میں نیترکونا میں کل ہند کسان سبھا کے اجلاس کے وقت اس کی رکنیت ۸ لاکھ ہو چکی تھی جبکہ ۱۹۴۲ء میں یہ ۲ لاکھ ۷۶ ہزار تھی۔ ۱۹۳۹ء - ۴۲ء کے دوران پولس کے شدید جبر و ستم کے سبب رکنیت میں زبردست کمی ہوئی تھی۔

شاندار جدوجہدیں

دوسری عالم گیر جنگ کے خاتمے اور ہندوستان کی آزادی کے درمیان دور [illegible] رہے کسان جدوجہدوں سے عبارت تھا۔ ان میں سے [illegible] وقت کی گئی جدوجہدوں سے طاقتور ترین تھیں۔ [illegible] سے کی جا رہی یہ جدوجہدیں شہروں اور صنعتی بستیوں میں بڑی جدوجہدوں کے ساتھ ساتھ ہو رہی تھیں۔ ان کا نقطۂ عروج ہندوستانی قومی فوج (آئی۔ این۔ اے) کے قیدیوں کی حمایت میں چلائی گئی تحریک، شاہی ہندستانی بحریہ کی بغاوت تھی جس نے برطانوی نوآبادیاتی حکمرانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فرانسیسی نوآبادیت کے خلاف ہند-چین کے لوگوں کی جدوجہد اور نجات کے لئے چینی عوام کی جدوجہد اور ان سب کے ساتھ ساتھ دیگر ملکوں کی نجات کی تحریکوں نے ہمارے ملک کے عوام کے لئے جوش و جذبہ کے سرچشموں کا کام کیا جو برطانوی سامراجیت کے خلاف آخری وار میں مصروف تھے۔

تیبھاگ تحریک

تیبھاگ تحریک بٹائی داروں کے بڑے مطالبات میں سے ایک مطالبے پر مبنی تھی ـــــ یہ کہ انہیں فصل کا دو تہائی حصہ دیا جائے۔

تیبھاگ میں ہندو اور مسلم دونوں ہی بٹائی داروں نے کندھے سے کندھا ملا کر لڑائی لڑی۔ اس بات کے کسی لحاظ کے بغیر کہ زمین دار ہندو تھا یا مسلمان، ایک اور اہم پہلو دوسرے حصوں خصوصاً کھیت مزدوروں اور غریب کسانوں کی شرکت تھی۔ تحریک جوں جوں پروان چڑھتی گئی، نعرے زیادہ لڑاکو اور زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ جنگ کا نعرہ تھا "جو زمین جوتتا ہے وہی زمین کا مالک ہوتا ہے"

۷۰ سے زائد سرگرم کارکن مار ڈالے گئے تھے اور بہت سے دیگر یا تو شدید زخمی ہوتے تھے یا پھر قید میں ڈال دئے گئے تھے لیکن پولس کا جبر و ستم اور زمینداروں کی دہشت گردی اس تحریک کے لئے عوامی جوش و خروش کو دبانے میں ناکام رہی تھی۔ اس تحریک کو بے اثر کرنے کی غرض سے اس وقت قائم مسلم لیگی وزارت نے بٹائی داروں کے لئے ایک قانون پیش کیا تھا، لیکن اسے بیچ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں بٹائی دار ایکٹ اس جدوجہد کا ایک بڑا حاصل تھا جس کے سبب بے

شامل ہوگئی تھی۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کے مابین جھگڑے طے کرنے کے لئے مصالحتی بورڈ قائم کئے گئے تھے اور اس شرط پر بٹائی کا حصہ دو تہائی کر دیا گیا تھا کہ وہ کھیتی میں کام آنے والی چیزیں جاگیردار سے فراہم کریں۔ جدوجہد کا دوسرا دور ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا۔ اس وقت بھی لوگ جان سے جاتے رہے تھے۔

ایک اور بڑی جدوجہد تری پورہ میں ہوئی تھی۔ وہاں کل ہند کسان سبھا سے وابستہ ایجاتی عوامی نجات پریشد نے قبائلی کسانوں کو انہیں زمین سے بے دخل کر دئے جانے اور جھوماؤں (جگہ بدل بدل کر کھیتی کرنے والے کسان) کے حقوق میں دخل اندازی کے خلاف سرگرم عمل کیا تھا۔ اس جدوجہد کے نتیجے آج تری پورہ ملک کی بائیں بازو کی تحریک کی ایک مضبوط چوکی بنا ہوا ہے جو قبائلی اور غیر قبائلی دونوں کسانوں کو متحد کر رہا ہے

تلنگانہ کی جدوجہد

ان تمام جدوجہد کی سرتاج تلنگانہ کے کسانوں کی رزمیہ جدوجہد تھی جس کی ہمارے ملک کی عصری تاریخ میں کوئی نظیر موجود نہیں۔ یہ تحریک ۱۹۴۶ء میں آندھرا مہاسبھا کے زیر قیادت شروع ہوئی تھی جو کل ہند کسان سبھا سے ملحق تھی۔ یہ ۱۹۵۱ء تک جاری رہی تھی۔ فوری مسئلہ زمینداروں کا جبر و ستم اور کرایہ داروں کو دھونس میں لینے کی غرض سے مسلح بند غنڈوں کا تعینات کیا جانا تھا۔

ہندوستان کی آزادی کے فوراً بعد جدوجہد نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اب مطالبہ تھا حیدرآباد ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا اور نظام کی جاگیردارانہ نوابی حکمرانی کا خاتمہ کرنا۔ آندھرا مہاسبھا کے پروگرام میں جبری محنت، کرائے کی ادائیگی اور زمینداروں کو اناج کی فراہمی کے خاتمہ کی پکار شامل تھی۔ اس کے ساتھ زمینداروں کی زور زبردستی حاصل کی ہوئی زمین پر قبضہ، اناج کے ذخیروں پر قبضہ اور ان کے مزارعوں کو تقسیم اور زمینداروں اور سود خوروں کے ریکارڈ جلانا بھی شامل تھا۔ بالآخر سرکار اور زمینداروں دونوں کی بے کار زمین پر قبضے کی پکار دی گئی اور زمینداروں پر ۱۰۰ ایکڑ بیکار زمین اور ایک سو ایکڑ خشک زمین کی حد لاگو کر دی گئی تھی۔

تحریک کے دوران گاؤں سے ضلع سطح تک چھاپہ مار دستے بنائے گئے تھے جنہوں نے رضاکاروں کی دہشت گردی کا سامنا کیا تھا اور کئی جگہوں پر زمینداروں کو ڈرا کر علاقے سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جدوجہد کے نقطۂ عروج کے وقت تقریباً ۳۰ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ۳ ہزار گاؤں آزاد کرا لئے گئے تھے۔ یہ آزاد علاقہ ۱۶ ہزار مربع میل پر محیط تھا اور وہاں گرام راج قائم کر دیا گیا تھا۔ ان علاقوں میں ۲ ہزار چھاپہ مار دستوں اور عوامی ملیشیا کے ۱۰ ہزار جاں نثار علاقے کی حفاظت کر رہے تھے۔ ۱۰ لاکھ ایکڑ زمین بے زمینوں میں تقسیم کر دی گئی تھی، سود کی شرح کم کر دی گئی تھی، جبری محنت ممنوع قرار دے دی گئی تھی اور کم سے کم اجرت مقرر کر دی گئی تھی۔ یہ تھیں وہ اصلاحات جو کسان انقلابیوں نے نافذ کی تھیں۔

لیکن ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد سیاسی صورت حال نے اس وقت ایک نیا موڑ لیا جب ہندوستانی فوج داخل ہوئی۔ انقلابی اب ۵۰ ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک بڑی فوج کا نشانہ بن گئے۔ یہ فوج منظم انداز میں تلاشیاں لے رہی تھی، اذیت پہنچا رہی تھی اور گاؤں والوں کا انقلابیوں سے رشتہ توڑنے کی غرض سے انہیں دیہات سے بے دخل کر رہی تھی۔

تحریک ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو واپس لے لی گئی تھی۔ اس وقت تک ۴ ہزار سرگرم کارکن اپنی جانیں نچھاور کر چکے تھے۔ ۱۰ ہزار کارکنوں کو ۳ سال سے ۴ سال کے وقفے تک قید کی سزا دی جا چکی تھی۔ ۵۰ ہزار کارکن پولس اور فوج کے کیمپوں میں نظر بند کئے جا چکے تھے۔ انہیں مارا پیٹا جا رہا تھا اور دہشت زدہ کیا جا رہا تھا۔

اگرچہ تحریک کو واپس لینا پڑا تھا، لیکن اس نے عوامی سوجھ بوجھ اور سرکاری پالیسی پر جو اثر ڈالا وہ کسی بھی قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ہے۔ ۱۹۵۲ء کے انتخابات میں عوامی جمہوری مورچے نے (اس میں کمیونسٹ سب سے بڑی طاقت تھے) ۳ ضلعوں نلگنڈہ، ورنگل اور کھمم میں ۲۶ میں سے ۲۳ نشستیں جیتی تھیں اور تلنگانہ کی جدوجہد انہی ضلعوں میں مرکوز تھی۔

اس وقفے کے دوران فسادات کے سبب کسان سبھا کے کام کو بڑا دھچکہ لگا۔ نہ صرف یہ کہ ۱۹۴۶ کی سالانہ کانفرنس کو ملتوی کرنا پڑا تھا

اور معمول کا تنظیمی کام بالکل درہم برہم ہوگیا تھا۔ ان جھگڑوں نے بہت سے
کسانوں کے ذہنوں کو زہر آلود کردیا تھا لیکن اس وقفے کی ایک اطمینان
بخش خصوصیت یہ تھی کہ جن علاقوں میں کسان تحریک مضبوط تھی، وہاں ان
دونوں فرقوں کے کسانوں کی مشترکہ کارروائیوں سے فسادات کو روکا جا سکا۔
ملک کو مجموعی اعتبار سے لیا جائے تو ملک کی آزادی کے
ابتدائی چھ برسوں کے دوران کسان سبھا کے سرگرم کارکنوں کو شدید سرکاری
جبر وستم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ نتیجے میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء کے مابین کل ہند
کسان سبھا کا کوئی اجلاس منعقد نہ ہو سکا تھا۔ تحریک کے بہت سے لیڈر یا
تو جیل میں تھے یا پھر روپوش اور تنظیم کی معمول کی کارکردگی میں بہت خلل آگیا
تھا

اپریل ۱۹۵۳ء میں کل ہند کسان سبھا کا اجلاس ۶ سال
کے وقفے کے بعد کنانور میں منعقد ہوا تھا۔ اس نے ایک وسیع تر اور مضبوط
تر کل ہند کسان سبھا کے بنئے ایک پالیسی بیان جاری کیا تھا۔
۱۹۵۴ء میں موگا میں جو اجلاس ہوا تھا اس میں تنظیمی معاملات
پر زیادہ بھر پور انداز میں غور کیا گیا تھا۔ اس کے دوران یہ بات ملاحظہ کی گئی
تھی کہ "زمین داری کے خلاف دیہاتی محنت کشوں کے تمام حصوں کو متحد کرنے
کا سب سے بڑا موقع پیدا ہوگیا ہے اور یہ کسان تحریک کا فریضہ ہے کہ اس
موقع سے فائدہ اٹھائے اور زمین کی جدوجہد کے لئے ان تمام حصوں کو متحد
کرے۔"

اس کے اگلے برس دہانو میں جو اجلاس ہوا، اس میں ایک بار
پھر تنظیم کا موضوع زیر غور رہا اور یہ کہا گیا کہ پرائمری اکائیاں "عملی اعتبار
سے موجود نہیں ہیں۔"
موگا اجلاس لاکھوں کسانوں کی بے دخلیوں کے پس منظر میں
منعقد ہوا تھا۔ اس نے کسانوں کو یہ نعرہ دیا تھا کہ "زمین سے چپکے رہو۔"
کل ہند کسان سبھا نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ بے دخلی کو روکنے کی خاطر فوراً
ایک آرڈی نینس جاری کیا جائے۔
۱۹۵۰ء کی دہائی میں کسان سبھا نے ایک معاملہ اور بھی اٹھایا
تھا۔ یہ تھا زمینی حد کا سوال اور اس کا نفاذ۔ ۱۹۵۶ء میں کل ہند کسان
سبھا کا امرتسر میں اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس نے مطالبہ کیا تھا کہ حد بندی کا
خاندان پر مبنی ہونا چاہئے ۔ فرد پر نہیں۔

اس وقفے کے دوران قیمت کا معاملہ بھی ایک بڑے معاملے
کے بطور رونما ہوا تھا۔ بہت سی ریاستوں میں بہت سے ایجی ٹیشن ہوئے
مطالبہ یہ تھا کہ کم سے کم قیمت متعین کی جائے۔
قیمتوں اور بھاری ٹیکسوں کا معاملہ اقتصادی ترقی کے
انداز سے وابستہ تھا جو حکومت ہند نے اختیار کیا تھا۔ کل ہند کسان
کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ سرکار ملک کے بنیادی مسائل کو حل کرنے میں ناکام
اقتصادی بحران کا بوجھ بھاری ٹیکسوں اور گھاٹے کی سرمایہ کاری کی صور
میں کسانوں اور دیگر محنت کش لوگوں کے کندھے پر منتقل کر رہی ہے۔
ہند کسان سبھا کے مختلف اجلاسوں نے منصوبہ بندی کے مختلف پہلو
اور کسانوں کے لئے ان کے نفاذ پر توجہ مرکوز کی۔
۱۹۵۵ء میں دہانو میں جو اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں
قرضداری کے سوال پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔

کسان سبھا کے سامنے معاملات:

اس عرصے کی اہم ترین عوامی تحریک ۱۹۵۹ء کی پنجاب
بیٹرمنٹ لیوی تحریک تھی۔ یہ تحریک عائد شدہ نہری کے سارے علاقے
ساری قابل کاشت زمین پر بیٹرمنٹ لیوی تھوپے جانے کے خلاف
میں آئی تھی۔ اس تحریک کی ایک اہم خصوصیت اس کا وسیع کردار تھا۔ کمیو
اکالیوں اور بہت سے کانگریسیوں نے ہاتھ ملا لئے تھے اور ۶ ہفتے کے
سے وقفے کے دوران ۱۹ ہزار سے زائد گرفتاریاں دی گئی تھیں۔ ریا
سرکار نے بے دھڑک بھڑ بازی اور گولی باری کا سہارا لیا تھا جس کے
میں ۳ خواتین سمیت ۱۱ سرگرم کارکن جان سے جاتے رہے تھے۔
۱۹۵۰ء کی دہائی کا ایک بڑا واقعہ ۱۹۵۷ء میں کیرالا میں کمیو
حکومت کا انتخاب تھا۔ برسر اقتدار آتے ہی نمبودری پاد حکومت نے
آرڈی نینس جاری کیا تھا جس کے تحت کرایہ داروں کی بے دخلی پر پابندی
دی گئی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ حکومت دیگر سرکا
سے مختلف اعتبار سے مختلف تھی۔ اس نے زرعی سدھار کے بارے میں
بل تیار کیا تھا اس میں حد بندی کا تعین، خاندان کو اکائی مان کر کیا
تھا۔ باغات، جھیلوں کے باغات، گنے کے کھیتوں وغیرہ کو کوئی چھوٹ
دی گئی تھی۔

لازمی طور سے اس بل نے مفاد پرستوں کی زبردست مخالف

وجہ دیا جنہوں نے دیہات کے عوام کا بٹوارہ کرنے کی غرض سے فرقہ وارانہ نعرے استعمال کئے تھے۔

۱۹۷۰ء کے چناؤ میں فرقہ وارانہ لب و لہجے کے ساتھ کانگریس پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آگئی تھی لیکن نئی سرکار کا جلد ہی بھرتہ بنا لیا تھا۔ جس مختصر سے وقفے کے لئے یہ برسر اقتدار رہی تھی، اس کے دوران اس نے زمیندار نواز ترمیمیں پیش کر کے زرعی سدھاروں کی نفی کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۷۲ء میں جمہوری حکومت دوبارہ قائم ہونے کے بعد ان کو قانون بنا دیا گیا تھا۔

ملک کے کئی حصوں میں بے جوڑ اور وقتی جدوجہدیں جاری تھیں لیکن پارٹی کے ایک حصے کی جانب سے سدھار وادی موقف اختیار کئے جانے کے سبب تنظیم کا جنگجو پن ختم ہو چکا تھا۔ جو لوگ سدھار وادی موقف کی مخالفت کر رہے تھے انہوں نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا تھا کہ ہندوستانی سرمایہ دار بورژوا درجہ کی سرمایہ دارانہ ترقی کے حصول کی اہلیت سے محروم ہیں۔ یوں کہ ان کا محدود طبقاتی نقطۂ نظر اور ان کی بقا انہیں اس بات پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ جاگیردار اور نیم جاگیردار عناصر کے ساتھ سمجھوتے کریں۔

بٹوارہ اس وقت ہوا تھا جب سدھار وادی افراد تنظیم سے باہر نکل گئے تھے اور ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط میں انہوں نے اپنی جداگانہ کل ہند کسان سبھا قائم کر لی تھی۔ اس سبب اگرچہ بظاہر تنظیم کمزور ہوئی تھی، لیکن درحقیقت اس سے دوبارہ جان پڑنے اور لڑاکو کسان کارروائیاں شروع کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا تھا۔

مغربی بنگال کا تجربہ:

۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں مغربی بنگال میں متحدہ مورچے کی حکومتیں وجود میں آئیں۔ دوسرے متحدہ مورچے کی حکومت کے سربراہ بھی مکھرجی تھے اور نائب وزیر اعلیٰ جیوتی باسو تھے۔ اس نے ۱۳ ماہ کی حکومت کے دوران بنامی زمین پر قبضہ کیا یعنی اس زمین کو قبضے میں لے لیا جو زمینی حد سے فاضل تھی اور جس پر زمیندار ناجائز طور سے قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ اس تحریک کے دوران کسان سبھا نے کسانوں خصوصاً کھیت مزدوروں اور غریب مزدوروں کو سرگرم عمل کیا اور ایسی ۳ لاکھ ایکڑ زمین کا پتہ لگا لیا گیا اسے قبضے میں لیا گیا اور گاؤں کی سطح کی کمیٹیوں کے ذریعہ جو

اسی مقصد کے تحت قائم کی گئی تھیں، یہ زمین بے زمینوں کو تقسیم کر دی گئی۔

مغربی بنگال میں ۱۹۷۲ء کے چناؤ میں ہیرا پھیری کے بعد بائیں بازو کے ۱۲ سو سرگرم کارکن مار ڈالے گئے۔ ان میں کل ہند کسان سبھا کے سرگرم کارکن بھی شامل تھے۔ ۲۰ ہزار کارکنوں کو اپنے گھر چھوڑنے پڑے تھے اور بہت سے دیگر کارکنوں کی گرفتاری کے لئے پولس وارنٹ جاری کئے گئے تھے۔

نیم فاشسٹی دہشت گردی کے اس وقفے کے دوران سازگار سیاسی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، مفاد پرستوں نے بڑے پیمانے پر بے دخلیاں کیں اور کسان کو ... میں لینے کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: جنگلات

میں اور دوسرا شمالی بنگال میں راجہ بھاٹ کھاوا میں قائم کئے گئے ہیں۔

مٹی کی کٹائی، سیلاب، ماحولیاتی گندگی، جنگلی جانوروں کی تباہی، جلاون کی لکڑی کی کمی وغیرہ میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے شعبہ جنگلات کے کردار کو وسیع پیمانے پر سراہا گیا۔

بقیہ: اردو اخبارات .....

مجموعی تعداد کے اعتبار سے ملک کا اردو پریس ہندی، انگریزی اور بنگالی کے بعد چوتھے نمبر پر ہے لیکن مجموعی سرکولیشن کے لحاظ سے یہ ہندی، انگریزی، ملیالم، تمل، بنگالی، گجراتی اور مراٹھی کے بعد تیسرے نمبر پر ہے۔ اکثر اخباروں اور وقفہ داری جریدوں کا فی ایڈیشن انفرادی سرکولیشن دو ہزار سے بھی کم ہے۔ ملک کے کل اخباروں کے سرکولیشن میں اردو اخباروں کا حصہ صرف ۴ء۲ فیصد ہے جو اخباروں کی تعداد اور زبان کی مقبولیت سے میل نہیں کھاتا خاص طور پر جبکہ ہماری دوسری کئی زبانوں کے روزنامے فی ایڈیشن ایک ایک لاکھ کا سرکولیشن حاصل کر چکے ہیں گو کہ ان کی پہنچ محض علاقائی ہے۔ ...

جنگلات

مغربی بنگال کے مندرجہ ذیل تین علاقوں میں جنگلاتی دولت کی نامساوی افزائش ہوتی ہے : شمال کے پہاڑی اور ترائی کے علاقے، جنوب میں گنگا کے ڈیلٹائی علاقے اور اس ریاست کے جنوب ۔ مغرب کے جیتل لال مٹی کے علاقے ۔ مغربی بنگال کے کل رقبہ کے صرف ۴ر۱۳ فیصد علاقے رجسٹرڈ جنگلاتی علاقے ہیں ۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں شمالی بنگال اور سندربن میں جنگلات حکومت کی نگرانی میں تھے ۔ سنہ ۵۶-۱۹۵۵ء کے دوران اور اس کے بعد کے عرصہ میں غیر سرکاری جنگلات کو بھی ریاست کے شعبۂ جنگلات کے دائرۂ عمل میں لایا گیا ۔

سنہ ۱۹۵۲ء میں پنج سالہ منصوبے کے شروع سے ہی جنگلات اور جنگل کے جانوروں کے تحفظ کے موضوع پر کافی گفت و شنید ہو چکی ہے لیکن اس سلسلہ میں کوئی مثبتی اقدام نہیں کیا گیا ۔ جنگلات کے رقبہ میں اضافہ سے بھی کچھ بہتری نہیں ہوئی ۔ برخلاف اس کے سنہ ۸۵-۱۹۷۷ء کے عرصہ میں جنگلات کے علاقے رقبہ میں کچھ کم ہو گئے ۔

سنہ ۱۹۷۷ء میں جنگلات کی نظامت میں تبدیلی لانے کے لئے پہل کی گئی ۔ مختلف پروجیکٹوں کو روبہ عمل لا کر جنگلات کے علاقے میں اضافہ کرنے، پچھڑے جنگلات کو یکجا کرنے اور موجودہ جنگلات کو اچھی حالت میں محفوظ رکھنے کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے ۔ چھوٹے اور حاشیائی کسان اپنے اپنے کھیتوں کے ارد گرد درخت کے پودے لگانے کے پروگرام کو روبہ عمل لا رہے ہیں ۔

مخصوص طبقوں کے لوگوں کے لئے خصوصی پروجیکٹوں کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں ۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل پروجیکٹوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے :

اضلاع پرولیا، بانکوڑا اور مدناپور کے خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں میں جنگلات تیار کرنے اور ان کے رقبہ میں اضافہ کرنے نیز مٹی کو محفوظ رکھنے کے لئے ڈی ۔ پی ۔ اے ۔ پی جیسی اسکیموں کو، جن کے لئے زیادہ سے زیادہ مزدور کی ضرورت ہوتی ہے، پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا ۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں اس اسکیم پر ۴ر۳۱ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے اور سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں اس کام کے لئے اخراجات کے سلسلے میں ۱۴۹ر۷۶ لاکھ روپئے مختص کئے گئے ۔ جنگلاتی دولت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ مرکزی قبائلی ترقیاتی پروگرام کے تحت قبائلیوں کی گنجان آبادی کے علاقوں میں تلہن کے اور دیگر سودمند پودے اگانے کے پروگرام کو بھی روبہ عمل لایا جائے ۔ اس پروجیکٹ کے تحت قبائلیوں کی رفاہ کے لئے گشتی مراکز صحت کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے ۔ اس پروجیکٹ کے لئے سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۸۸ر۱۲ لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔ یہ رقم اس مد کے تحت ۱۹۷۷ء کی مختص کردہ رقم سے ۱۵ گنا زیادہ ہے ۔

جنگلاتی علاقوں میں آبپاشی اور پینے کے پانی کی سہولتیں فراہم کرنے کی گنجائش کے ساتھ ساتھ سڑکوں کی بہتری، انسر کے لئے شہتوت اور ارجن درخت اگانا اور تلہن کے پودوں کی کاشت کی اسکیموں کو خصوصی لازمی پروگرام میں شامل کیا جا رہا ہے ۔

پہاڑی علاقوں کی ترقی کے پروجیکٹ میں مٹی کے تحفظ، سڑکوں کی بہتری اور جنگلات اگانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ اس پروجیکٹ پر سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۶۳ر۶۸ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے ۔ یہ رقم سنہ ۱۹۷۷ء میں اس مد کے تحت منظور کردہ رقم کی دوگنی ہے ۔

جھاڑگرام اور رگھوناتھپور ترقیاتی پروجیکٹوں میں شجرکاری اور پودوں کی تقسیم کو شامل کر لیا گیا ہے ۔

این آر ای پی اور آر ایل ای جی پروجیکٹوں میں بھی جنگل بانی کے سلسلے میں شجرکاری کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں ۔ علاوہ ان پروجیکٹوں کے لئے سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ۹۰ر۷۴۹ لاکھ روپئے مختص کئے گئے جبکہ سنہ ۱۹۷۷ء میں اسی مد کے تحت صرف ۴۸ر۳۰ لاکھ روپئے مختص کئے گئے تھے ۔ زرعی ۔ جنگلاتی پیداوار کے تحت کپاس، تلہن، ارہر دال وغیرہ جیسے زر نقد غلّوں کی کاشتکاری

شمالی بنگال میں شجرکاری کے پروگراموں کے ساتھ ساتھ کام جاری ہے۔ جنگلاتی ماہی گیری پروجیکٹ کے تحت سندربن کے علاوہ کچھ بڑے جنگلاتی علاقوں میں جھینگا، مچھلی اور دیگر مچھلیوں کی پرورش کی جا رہی ہے۔

جنگلات کے کنارے کے علاقوں میں آباد قبائلیوں کو سنہ ۱۹۸۱ء میں جاری کردہ ایک حکم نامہ کے ذریعہ مفت پتے اور لکڑیاں اکٹھا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ انہیں اپنے مکانات تعمیر کرنے کے لئے لکڑیوں کے کھمبے دینے کے سلسلے میں بھی انتظامات کئے گئے ہیں۔

ریاستی حکومت نے پودوں کی مفت تقسیم کے لئے کئی پرورش گاہ قائم کی ہے۔ شہتیر کے پودے اگانے کے لئے شعبہ جاتی شہتیر اسکیم جاری کی گئی ہے۔ اس اسکیم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تحت جنگلاتی علاقوں میں رہنے والے نوجوانوں کو دیسی کلہاڑی اور بجلی آرے سے شہتیر کے بڑے بڑے درختوں کو کاٹنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ جنوبی اور شمالی بنگال کے علاقوں میں اس طریقہ کار کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

تیستا اور [illegible] پروجیکٹ [illegible] تمام کے اقدامات ۸۶-۱۹۸۵ء اور ۸۷-۱۹۸۶ء [illegible] تاکہ تیستا ندی کے ساحلی علاقے اور ساحلی مٹی کٹاؤ سے محفوظ رہے۔ [illegible] کنارے کے نشیبی علاقوں کو سیلاب سے محفوظ رکھنے اور ان علاقوں میں سیلاب پر کنٹرول کرنے کے لئے ۸۱-۱۹۸۰ء سے [illegible] کے ایک پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ۱۹۸۰-۸۱ء [illegible] پروجیکٹ کے تحت [illegible] اور [illegible] ندیوں کے [illegible] علاقوں میں مٹی کے تحفظ کے پروگرام پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ [illegible] کے تحفظ کے لئے [illegible] پروجیکٹس جیسے کنگسابتی وادی پروجیکٹ، خشک سالی سے متاثرہ علاقہ پروجیکٹ، پہاڑی ترقیاتی پروجیکٹ وغیرہ [illegible] مٹی کے تحفظ کے لئے مختلف پروگراموں میں ۱۰۱۰۵ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ ۸۷-۱۹۸۶ء [illegible] اسی مد پر بجٹ میں ۲۹۱.۰۳۵ لاکھ روپئے مختص کئے گئے۔

جنگلی جانوروں کی حفاظت: اب تک مجموعی طور پر ۴۸۴۰۰ مربع کیلومیٹر کے علاقے (جو ریاست میں مغربی بنگال کے جنگلاتی علاقوں کا تقریباً ۳۲ فیصد ہے) کو جنگلی جانوروں کے تحفظ کا علاقہ قرار دیا گیا۔ ایک شمار کے مطابق مغربی بنگال میں شیروں کی تعداد ۱۹۷۲ء میں ۲۱۷ سے بڑھ کر ۱۹۸۴ء میں ۳۵۲ ہو گئی ہے۔ قدرتی ماحول میں گھڑیالوں کی پرورش اور پرداخت کے ایک پروگرام کو ۱۹۸۱ء سے روبہ عمل لایا گیا۔ بکسا میں شیر ریزرو کے ایک پروجیکٹ پر کام شروع ہو گیا ہے۔ جانوروں کی تحفظ گاہوں میں رسل و رسائل اور دیگر سہولتوں میں اضافہ کیا گیا اور محافظوں کو وائرلیس سیٹ اور گاڑیاں وغیرہ دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں حسب ضرورت اقدامات کئے گئے کہ شیروں اور ہاتھیوں کی تعداد میں کمی نہ ہو۔ نیز شیر اور ہاتھیوں سے بری طرح متاثر ہونے والے لوگوں کو معاوضہ دینے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

پارکس اور باغات:

شہری علاقوں میں سیر و تفریح کے لئے بہت سارے پارک اور باغات قائم کئے گئے۔ اب تک اس شعبہ نے نئے پارکس اور باغات تیار کئے اور انہیں بہتر بنایا۔

جنگلات کاری:

مختلف پروجیکٹوں کی تکمیل کے ذریعہ جنگل کاری پروگرام کو مستحکم بنایا گیا۔ فی الحال سالانہ ۱۹۰۰۰ ہیکٹر رقبہ قطعات اراضی پر جنگل کاری کے پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ معاشی شجرکاری پروگرام کے تحت سال، ساگوان جیسے کارآمد لکڑیوں کے درخت لگائے جا رہے ہیں تاکہ لکڑی چیرنے کے کارخانوں، فرنیچر تیار کرنے کے کارخانوں کی خام اشیاء کی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔ کاغذ صنعت کے لئے پلپ ووڈ اور لوگوں کے لئے جلاون کی لکڑی کی مسلسل سپلائی کو برقرار رکھنے کے لئے تیزی سے اگنے والے پودے لگائے جا رہے ہیں۔ خاص طور پر بردوان، بانکوڑا، بیربھوم، مدناپور اور ۲۴ پرگنہ میں جلاون لکڑی کی مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مختلف اقسام کے جنگلی پودے لگائے جا رہے ہیں۔ مٹی کے تحفظ کے مختلف

پروگراموں کی تکمیل کے ذریعہ جنگل کاری پروگرام جاری ہے۔

شجرکاری:

پہلے چار پنج سالہ منصوبوں کے عرصے میں ۸۸۲۱۶ ہیکٹرس علاقوں کی شجرکاری کی گئی۔ آئندہ دو پنج سالہ منصوبے کے عرصے میں ۱۳۵ اسکیم کے تحت ۱۵۹۱م ۱ ہیکٹرس قطعات اراضی پر شجرکاری کی گئی۔ ساتویں پنج سالہ منصوبے میں شجرکاری پروگرام کے تحت مزید ۱۹۵۰۶ ہیکٹرس قطعات آراضی کو بویا گیا ہے۔

درختوں کے پودوں کی تقسیم:

۱۹۷۵ء میں ۱۲ لاکھ پودوں کی تقسیم کے ذریعہ تقریباً ۶۰۰ لاکھ ہیکٹرس میں جنگل اگانے کے پروگرام کے تحت شجرکاری کی گئی۔ ۱۹۸۵ء میں اس پروگرام کے تحت ۳۶۲۵۰ ہیکٹرس قطعات آراضی میں ۲۵ء۷ لاکھ پودے اگائے گئے۔

لکڑی کے غیر قانونی کاروبار کو روکنے کے لئے اور جنگلاتی دولت کے تحفظ کے لئے ایک جنگلاتی تحفظ فورس قائم کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں ایک قانون کے ذریعہ بلا روک ٹوک لکڑی چیرنے کے کارخانوں کے قیام کو بھی روک دیا گیا ہے۔

مغربی بنگال جنگلات ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ:

مغربی بنگال جنگلات ترقیات کارپوریشن لمیٹڈ شہتیر کے درخت کاٹنے، اس درخت کے پودے لگانے، جنگل کاری، پہاڑی ترائی میں سڑکوں کی تعمیر، لکڑیاں چیرنے کے آرہ ملوں کو چلانے اور کھا شہتیر کی فروخت وغیرہ جیسی سرگرمیوں کو کامیابی کے ساتھ نبھا رہا ہے۔ ان کے علاوہ یہ کارپوریشن سلی گوڑی میں آلوک یودیوگ وناسپتی اور ریلوے کی روڈ اور ایک ووڈ ٹریٹمنٹ پلانٹ کی دیکھ بھال اور انتظام کر رہا ہے۔ اس کارپوریشن نے مدناپور میں کاجو بادام کے پودے اگانے کے پروجیکٹ کے تحت ۱۰۰ ہیکٹرس سے زیادہ رقبہ آراضی میں کاجو بادام کے پودے اگائے ہے۔ اس کارپوریشن نے بہتر مشینوں کے لکڑی چیرنے کے تین مل، آفتاب کی توانائی سے لکڑی کو خشک کرنے کے لئے ایک پلانٹ، ایک کیمیر کارخانہ اور چائے کے صندوق تیار کرنے والی ایک یونٹ قائم کی ہے۔ شعبۂ جنگلات کے ذریعہ پودے اگانے اور پودوں کی تقسیم کے سلسلے میں حسب ضرورتی پولی تھین ٹیوب کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے حکومت نے مدناپور میں ایک کارخانہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مغربی بنگال لکڑی گودا ترقیاتی کارپوریشن:

یہ کارپوریشن اس ریاست کے کاغذ کی ملوں کے لئے خام اشیاء کی سپلائی کے کام میں مصروف عمل ہے۔ لکڑی کا گودا حاصل کرنے کے لئے ابھی تقریباً ۷۶۰ ہیکٹرس قطعات آراضی پر بانس اور دیگر لکڑیوں کے پودوں کی شجرکاری کی گئی۔

نظامت جنگلات کی آمدنی اور اخراجات:

بائیں محاذ کے برسر اقتدار آنے سے قبل نظامت جنگلات کی آمدنی ۷۹۰ لاکھ روپئے تھی اور اخراجات ۴۹۸ لاکھ روپئے تھی۔ ۱۹۸۵-۸۶ء میں اس نظامت کی آمدنی اور اخراجات بڑھ کر علی الترتیب ۲۱۱۱ لاکھ روپئے اور ۱۹۹۹ لاکھ روپئے ہو گئے۔ مغربی بنگال جنگلات ترقیات کارپوریشن کی آمدنی ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۱۲۵ لاکھ روپئے سے بڑھ کر ۱۹۸۵-۸۶ء میں ۷۱۰ لاکھ روپئے ہو گئی۔

مستقبل میں ترقیاتی پروگرام اور منصوبہ: ۱۹۸۵-۸۶ء میں خام لکڑیوں کی مانگ اور سپلائی کا جائزہ کی رپورٹ کے مطابق مرتب کیا جائے گا۔ شعبۂ جنگلات نے ۱۹۷۸ء میں سیلاب زدگان کو اور ۱۹۸۲ء میں خشک سالی سے متاثر ہونے والے لوگوں کو بحال کرنے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔

شعبۂ جنگلات کے یومیہ اجرت پر کام کرنے والے ملازمین کی ملازمتوں کو باضابطہ بنایا گیا ہے اور ان کے روزگار کے تحفظ کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں۔ اب جنگلاتی ملازمین کا ایک طبقہ کو راشن میں غذائی اجناس سپلائی کی جا رہی ہیں۔ شعبۂ جنگلات کے سب آرڈینیٹ ملازمین کی تربیت کے لئے انتظامات کو مستحکم بنایا گیا ہے۔ وہ ایسے تربیتی مراکز کا ایک جنوب بنگال میں جھارگرام

ملک کے اخبارات میں اردو کا چوتھا مقام

از: ــــــ جی۔ڈی۔چندن

پریس رجسٹرار کی ۲۸ ویں سالانہ رپورٹ کے مطابق ہندستان کے اردو اخباروں کی تعداد اور مجموعی اشاعت دونوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اشاعت یعنی سرکولیشن میں یہ اضافہ دو لاکھ ۷۰ ہزار ہے۔ اس اضافے کے ساتھ ان اخباروں کا سرکولیشن سابقہ ۲۲ لاکھ ۶۹ ہزار سے بڑھکر ۲۵ لاکھ ۳۶ ہزار ہوگیا ہے۔

ان اخباروں کی تعداد سابقہ ۱۳۳۰ سے بڑھکر ۱۳۷۸ ہوگئی ہے اس تعداد کی بدولت ملک کے اردو صحافت کو ان پانچ زبانوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے جن کے اخباروں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

اس رپورٹ میں جو پارلیمنٹ کے مونسون اجلاس میں پیش کی گئی۔ ۱۹۸۳ء کے اعداد پیش کئے گئے ہیں اور اس کے مطابق ملک کی کل سولہ ریاستوں اور مرکزی زیر انتظام علاقوں سے اردو اخبارات شائع ہو رہے ہیں۔

صحافت کے ہر جائزے میں اس کا سرکولیشن ایک نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ اس تازہ ترین رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ زیر جائزہ سال میں اردو اخبارات کی ایک لاکھ سے زیادہ اشاعت رکھنے والی ریاستوں کی تعداد بڑھکر نو ہوگئی ہے۔ پچھلے سال یعنی ۱۹۸۲ء میں یہ آٹھ تھی۔ اس سلسلے کی نویں ریاست جموں کشمیر ہے جس کے اردو پریس کے سرکولیشن نے پہلی بار ایک لاکھ سے تجاوز کیا ہے۔ گو یہ کوئی مثالی یا متاثر کن تعداد نہیں لیکن اردو صحافت کے گوناگوں مسائل کو دیکھتے ہوئے یہ قابل توجہ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں جب اس ریاست میں اخباروں کے سروے کا کام شروع ہوا تو اس کے اردو اخباروں کا مجموعی سرکولیشن صرف ۲۴ ہزار تھا۔

بہرحال، کچھ دیگر ریاستوں میں جہاں اردو جموں کشمیر کی طرح اولین علاقائی زبان نہیں اور جہاں اردو اخباروں کی مجموعی تعداد بھی جموں کشمیر کی مجموعی تعداد سے کم ہے اردو پریس کا سرکولیشن ایک ایک اور دو دو لاکھ سے بھی تجاوز کر چکا ہے۔ مثلاً زیر جائزہ سال میں مغربی بنگال کے ۵۷ اردو اخباروں کا سرکولیشن دو لاکھ ۱۱ ہزار اور کرناٹک کے ۷۴ اردو اخباروں کا سرکولیشن ایک لاکھ ۶۷ ہزار تھا۔ ایک اور قابل ذکر ریاست بہار ہے جس کے ۹۱ اردو اخبارات کا سرکولیشن ۳ لاکھ ۱۵ ہزار تھا۔

تاہم سرکولیشن کے باب میں اولیت دہلی ہی کے حصے میں رہی جہاں اردو صحافت نے نہ صرف اپنا سابقہ امتیاز برقرار رکھا بلکہ اس کا سرکولیشن پچھلے سال کے چار لاکھ ۸۰ ہزار سے بڑھکر پانچ لاکھ ۷۹ ہزار ہوگیا۔ گویا اس میں تقریباً ایک لاکھ کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۸۳ء کا ایک اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس سال اردو میں ۳۳ نئے اخبار شروع ہوئے جن میں ۹ روزنامے تھے۔ اس کے علاوہ سال مذکورہ میں بیس مزید اخبار پریس رجسٹرار کے ریکارڈ پر آئے اور پانچ اخبار ریکارڈ سے حذف کئے گئے۔

اضافے کا ایک حوصلہ افزا پہلو یہ ہے کہ مختلف ریاستوں کے روزناموں کا سرکولیشن بڑھ رہا ہے۔ اس کی مجموعی تعداد نو لاکھ پچاس ہزار ہو چکی ہے۔ پچھلے سال یہ سات لاکھ ۳۶ ہزار تھی۔ اس کے ساتھ ہی علاقائی روزناموں کا سرکولیشن دہلی کے کچھ پرانے مشاہیر کو مات دے رہا ہے۔ روزناموں کی تعداد بھی جو پچھلے سال ۱۴۰ (بشمول چوسہ روزہ) تھی اب ۱۵۲ (بشمول چوسہ روزہ) اور ہندستان کے اردو روزناموں کی تعداد پورے ملک میں ہندی کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

روزناموں کے ساتھ ساتھ وقفہ واری جریدوں (Periodicals) کی اشاعت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ہمارے پاس صرف چھ ایسے جریدے تھے جو اپنے سرکولیشن کی بدولت درمیانہ زمرے میں شمار ہو سکتے تھے۔ یعنی جن کی فی ایڈیشن اشاعت پندرہ اور ۵۰ ہزار کے درمیان تھی ۱۹۸۳ء میں ان جریدوں کی تعداد بڑھکر گیارہ ہوگئی۔ اردو میں ۶۷۲ ہفت روزہ، ۴۱۹ پندرہ روزہ، ۳۱۴ ماہنامہ اور ۲۴ دیگر جریدے تھے۔

باقی صفحہ ۱۰۱ پر

بائیں محاذ حکومت کے نو سال

چھوٹی آبپاشی

ریاست مغربی بنگال میں ندیاں بہت ہیں۔ اس کی بیشتر ندیاں بارش کے پانی سے قائم ہیں، ہمالیہ کے برفیلے چشموں سے نہیں۔ نتیجے کے طور پر پورے سال پانی کی فراہمی یکساں نہیں رہتی ہے۔ لہٰذا مغربی بنگال جیسی ریاست میں جسے خشک سالی کا اکثر و بیشتر سامنا کرنا پڑتا ہے چھوٹی آبپاشی ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کمانڈ علاقوں کے ۲۰۰۰ ہیکٹر علاقے چھوٹی آبپاشی کے دائرہ عمل میں آتے ہیں۔ یہاں کل ۹۱ لاکھ ہیکٹر علاقوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے امکانات ہیں۔ ان میں سے ۳۸ لاکھ ہیکٹر کو چھوٹی آبپاشی کے ذریعہ سیراب کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا چھوٹی آبپاشی پر کافی توجہ دی جا رہی ہے۔

سنہ ۱۹۴۷ء اور سنہ ۱۹۷۷ء کی مدت کے دوران آبپاشی کی سہولتیں ۱۳ر۵ لاکھ ہیکٹر قطعات اراضی فراہم کرنے کے امکانات تھے جبکہ ۹ برسوں کی مدت کے دوران سنہ ۱۹۷۷ء سے ۳۱ر۵ لاکھ ہیکٹر کیلئے چھوٹی آبپاشی کے امکانات پیدا کئے گئے۔ اسی لئے بالترتیب سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء، سنہ ۱۹۷۵-۷۶ء اور سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران ۳۴۰۴۰۰ ہیکٹرس میں ۸۵۷۴۰۰ ٹن، ۳۲۰۷۰۰ ہیکٹرس میں ۸۹۲۸۰۰ ٹن اور ۳۳۷۳۰۰ ہیکٹرس میں ۱۷۴۸۰۰ ٹن بورو دھان کی فصل اگائی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء سال کے دوران ۲۰ر۵ لاکھ ہیکٹرس میں بورو دھان کی فصل ۱۳ر۳ لاکھ ٹن اور سنہ ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران یہ فصل ۱۷ر۴ لاکھ ہیکٹرس میں ۱۲ر۷ لاکھ ٹن ہوئی۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء کے دوران بورو دھان کی پیداوار ۱۴ لاکھ ٹن سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔

کم گہرے ٹیوب ویل، کنویں وغیرہ کی تعمیر میں حکومت امدادی رقم فراہم کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں چھوٹی آبپاشی کے امکانات اور بھی زیادہ روشن ہو گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں کم گہرے ٹیوب ویلوں کی تعداد ۸۰۹۴۳ تھی جن میں ۳۳۰۹ ٹیوب ویل ریاستی حکومت کے تھے اور ان کی تعداد اب بڑھ کر ۲۲۴۶۸۷ ہو گئی ہے۔ کنویں کی تعداد سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران ۶۷۳۰۹ سے بڑھ کر ۷۵۳۰۹ ہو گئی (ان کی تعداد سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران بہت کم تھی)۔ مزید برآں تالاب کی کھدائی کی تعداد اور چھوٹی آبپاشی کی پروجیکٹوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ جہاں تک سرکاری گہرے ٹیوب ویل کی کل تعداد کا تعلق ہے وہ ۲۹۸۴ عدد ہے۔ ان میں سے کچھ مغربی بنگال ریاستی چھوٹی آبپاشی کارپوریشن کی ملکیت ہیں اور کچھ جامع علاقائی ترقیاتی کارپوریشن کی ہیں۔ اونچی لاگت والے گہرے ٹیوب ویل اور ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کے پروجیکٹوں کے سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا آبپاشی کے پروجیکٹوں کی تعداد میں ہی نہ صرف اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ ایک منصوبہ بند طریقہ پر ان نصب کردہ چھوٹی آبپاشی کے ذرائع کو زیادہ سے زیادہ استعمال میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ: (i) گہرے ٹیوب ویل اور ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کے پروجیکٹوں کی مدد سے چھوٹی آبپاشی کی اسکیموں کو وسیع طور پر استعمال میں لا کر بہتر نتائج کی قوی امید کی جا سکتی ہے (ii) ترقیاتی پروگرام کے تحت پہلے دور میں ایس۔ ڈبلیو۔ آئی۔ ڈی کے گہرے ٹیوب ویلوں کی جگہ کھدائی کر کے پھر گہرے ٹیوب ویل نصب کئے جا رہے ہیں (iii) ناکارہ اور بیکار گہرے ٹیوب ویلوں کی دوبارہ کھدائی کر کے انہیں کام کے لائق بنایا جا رہا ہے (iv) کم گہرے ٹیوب ویل پر پمپ نصب کر کے انہیں دوبارہ کام کے قابل بنایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں ڈیزل انجن کی جگہ الیکٹرک انجن بٹھا کر ترقیاتی کام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ سات برسوں کی طویل مدت کے بعد حکومت کی براہ راست نگرانی میں ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویلوں کو بٹھانے کا کام جاری ہے۔ خشک سالی کے موقع پر ۳۰۰ عدد عارضی طور پر ندی سے پانی اٹھا کر آبپاشی کی مشینیں بٹھائی گئی ہیں اور ۷۰۰ اسی طرح کی آبپاشی کی تنصیبات میں مستقل طور پر پمپ سیٹ لگا دیا گیا ہے۔ ۱۰۰ نئے کم گہرے ٹیوب ویل مع پمپ بٹھانے کیلئے جگہیں منتخب کی جا رہی ہیں۔

چھوٹی آبپاشی پروجیکٹ کے سلسلے میں عوام کی بڑھتی

دلانگ کو پیدا کرانے کے لئے پیش نظر عالمی بینک کی مدد سے ایک سیٹر پلان مرتب کیا گیا ہے۔ پانچ برسوں کے دوران اس اسکیم پر کل ۱۵۵ء۹۲۷ کروڑ روپئے خرچ ہونگے۔ نتیجہ کے طور پر ۳۸ء۱ لاکھ ہیکٹر قطعات آراضی کو چھوٹی آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اس اسکیم کے تحت درج ذیل چھوٹی آبپاشی کے وسائل تعمیر کئے جائیں گے۔

(الف) ۳۰۰۰ عدد بھاری ڈیوٹی ٹیوب ویل (ہر ایک کے ذریعہ ۱۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کی سینچائی ہوگی)۔

(ب) ۳۰۰ عدد متوسط ڈیوٹی ٹیوب ویل (ہر ایک کے ذریعہ ۵۰ ایکڑ قطعات آراضی کی سینچائی ہوگی)

(ج) ۱۸۰۰ عدد کم ہلکے ڈیوٹی ٹیوب ویل جن سے زمین دوز پمپ لگے ہوں گے (ہر ایک سے ۱۵ ایکڑ قطعات آراضی کی سینچائی ہوگی)

(د) ۵۰۰۰ عدد کم گہرے ٹیوب ویل جن کے ساتھ پمپ ہوں گے (ہر ایک کے ذریعہ ۱۵ ایکڑ قطعات آراضی کی سینچائی ہوگی)

(ہ) ۱۰۰۰۰ عدد کھلے کنوئیں۔

(و) آبی ترسیل کے انتظام اور ۲۰۰ عدد ندیوں سے پانی اٹھاکر آبپاشی کی اسکیموں کی تجدید کی تکمیل

دسمبر ۱۹۸۵ء میں یہ عظیم پروگرام عالمی بینک کی منظوری سے شروع کیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں زرعی شعبہ نے نیدرلینڈ کی حکومت کے تعاون سے جنوبی بنگال کے دریائی علاقوں کی ترقی کے لئے ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کا ایک اہم حصہ مختلف اقسام کے چھوٹی آبپاشی پروجیکٹ سے منسلک ہے۔

ساتویں منصوبہ کی مدت کے دوران ان تمام دیگر پروجیکٹس کی تکمیل پر ۴ لاکھ ۵ ہزار ۴ سو ہیکٹر رقبے کے مزید آبپاشی کے نئے ذرائع پیدا کر لیں گے۔

مغربی بنگال ریاستی چھوٹی آبپاشی کارپوریشن لمیٹڈ نے جو زرعی شعبہ (چھوٹی آبپاشی) شاخ کے تحت ہے، ۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء تک کی مدت تک [illegible] عدد گہرے ٹیوب ویل بنائے گئے جن میں سے ۱۴۵ عدد جامع علاقائی ترقی کارپوریشن کے لئے اور ۲ عدد کاشتکاروں کے امداد باہمی انجمنوں کے لئے ہیں۔ یعنی اپریل ۱۹۷۴ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء کی مدت کے دوران اس کارپوریشن نے ۴۵۴ عدد گہرے ٹیوب ویل بنائے گئے ہیں جن میں ۴۷ ریاستی آبی تفتیشی تنظیمات کے ٹیوب ویل ہیں جنہیں دوبارہ کھدائی کے بعد کارآمد بنایا گیا ہے۔ ۴۵۴ عدد گہرے ٹیوب ویلوں میں سے کل ۴۴۱ گہرے ٹیوب ویلوں کو برقایا گیا ہے۔ مزید برآں اب تک ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی کی کل ۱۵۰ اسکیموں کو ۴ ہزار ۴۹۰ ہیکٹر قطعات آراضی کی آبپاشی کے امکانات کے پیدا کرنے کے قابل بنایا گیا ہے۔

تین بڑی آبپاشی کی پروجیکٹوں جیسے دامودر وادی، میوراکشی اور کنگ سبتی کے علاوہ ترقیاتی پروگرام پر کام جاری ہیں۔ ان پروگراموں کے اہم کام کھیتوں کی نہروں کی کھدائی ہے۔ لیکن ان بڑے آبپاشی کے علاقوں میں جہاں نہر یا نالے نہیں کھودے جا سکتے ہیں، گہرے ٹیوب ویل، کم گہرے ٹیوب ویل، ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی کی اسکیم اور دستی پمپ لگے ہوئے کم گہرے ٹیوب ویل کی کھدائی کے کام کے لئے امداد دینے کی کوششیں کی جا چکی ہیں اور اب بھی کی جا رہی ہیں۔ یہ امداد چھوٹے اور حاشیائی کاشتکاروں کو اور مغربی بنگال چھوٹی متوسط آبپاشی کمپنی لمیٹڈ کو بھی دی جا رہی ہے۔ کھیت کے نالوں کی تعمیر میں پنچایتوں کا سرگرم تعاون شامل حال ہے۔ ***

بقیہ: آبپاشی و آب رسانی

بنگال سیلاب سے بری طرح متاثر ہوا۔

آبپاشی اور سیلاب کنٹرول سیکٹر کے تحت منہدم ساخت کی دوبارہ تعمیر کو اولیت دی گئی۔ آبپاشی ساخت اور نہروں کی تعمیر کے کام کو دسمبر ۱۹۷۸ء اور جنوری ۱۹۷۹ء کے درمیان پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا تاکہ ربیع اور بورو کی فصل بہتر ہو سکے۔

سنہ ۱۹۸۱ء کا طوفان:

۱۰ اور ۱۱ دسمبر ۱۹۸۱ء کو سندربن کے علاقے کو شدید طوفان سے دوچار ہونا پڑا۔ اس علاقے میں ڈھانچوں کی مرمت اور ان کی دوبارہ تعمیر کے اقدامات کئے گئے اور وقت پر ... انجام دئے گئے۔

آبپاشی و آب رسانی

آبپاشی سیکٹر:

مغربی بنگال میں زرعی اور کھیتی باڑی کے مجموعی طور پر تقریباً ۶۹ لاکھ ہیکٹرس علاقے ہیں۔ جن علاقوں کو استعمال میں لایا گیا ہے ان کا علاقہ تقریباً ۵۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔ ۶۱۱ لاکھ ہیکٹر علاقوں میں مختلف وسائل کے ذریعہ بشمول چھوٹی آبپاشی اسکیم اور زیریں پانی ذرائع سے پانی پہنچانا ہے تاکہ ہر سال ۵ر۱ فیصد بڑھتی آبادی کی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ وہ ذرائع حسب ذیل ہیں:

(۱) بڑے اور درمیانی آبپاشی پروجیکٹ	۲۳ر۱	لاکھ ہیکٹرس
چھوٹے آبپاشی پروجیکٹ	۳۸ر۰۰	" "
کل	۶۱ر۱	" "

بڑے اور درمیانی پروجیکٹ کے تحت، چھٹے منصوبے کے آخر تک ۸۶ر۱۱ لاکھ ہیکٹر کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ۸۵-۸۶ء کے دوران ۱۹ر لاکھ ہیکٹر مزید علاقوں کو آبپاشی کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ اس طرح مجموعی علاقے ۰۵ر۱۲ لاکھ ہیکٹر ہو جائیں گے جو ۲۳ر۱ لاکھ ہیکٹر نشانے کے مقابلے میں بڑے اور درمیانی آبپاشی اسکیم کے تحت ہو گی۔

۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۶ء شعبہ آبپاشی کے لئے فنڈ میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۷-۷۸ء میں یہ فنڈ ۷ر۵۲ کروڑ روپئے کا تھا اور ۱۹۸۵-۸۶ء میں یہ ۵۰ر۳۲۶ کروڑ روپئے کا تھا۔

اب یہ تجویز ہے کہ جاری بڑے اور درمیانی آبپاشی پروجیکٹ کی تکمیل پر زیادہ دھیان دیا جائے۔

تیستا بیراج پروجیکٹ:

یہ مغربی بنگال میں اہم ترین اور سب سے بڑا آبپاشی پروجیکٹ ہے۔ ۱۹۷۵ء میں یہ پروجیکٹ بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا گیا تھا اور ۱۹۷۷ء تک اس کے تحت کافی ترقی ہوئی۔ اس پروجیکٹ کے سب ۱ اسٹیج ۱ کی تکمیل پر ۳۰ر۳۴ کو ہیکٹر زائد علاقوں کی آب پاشی کی جائے گی۔

تیستا بیراج، مہانندا بیراج اور مہانندا ایکویڈکٹ کی تعمیر ۱۹۷۷ء میں شروع کی گئی تھی اور ۱۹۸۶ء میں مکمل کر لی گئی تھی۔ مذکورہ مدت میں مذکورہ پروجیکٹ مکمل طور پر اختتام پذیر ہوا اور ۱۹۸۶-۸۷ء کے دوران آبپاشی کی ابتدا کا امکان پیدا ہوا۔ مذکورہ تعمیرات کے علاوہ تیستا مہانندا کو ملانے والی نہر، مہانندا اڑی نہر اور ڈوک نگر ٹی نہر کی کھدائی کا کام تیزی سے جاری ہے اور یہ کام تکمیل کے قریب ہے۔

کنگسابتی ریزروائر پروجیکٹ:

اس پروجیکٹ کے تحت اہم تعمیر کا کام ۱۹۸۰ء تک مکمل کر لئے گئے تھے۔ اپنی صلاحیت کا اس پروجیکٹ نے ۲۵ فیصد کام مکمل کر لیا تھا۔ اب اس پروجیکٹ میں تیزی آئی ہے اور کام اختتام پذیر ہے۔ اس پروجیکٹ کے تحت ۰۲ر۳ لاکھ ہیکٹر علاقوں کے نشانے کے مقابلہ میں ۸۰ر۳ لاکھ ہیکٹر علاقوں میں آبپاشی کی جا رہی ہے۔

ڈی۔ وی۔ سی

۱۷۰۰ ڈھانچے اور ۹۰۰ کیلومیٹر لمبی نہر کے نشانے کے تکمیل کا تقریباً ۸۵ فیصد کام مکمل ہو چکا ہے۔ ان علاقوں میں ۱۹۸۵ء تک ۲۸ر۳ لاکھ ہیکٹر میں خریف فصل اور ۲۲ر۱ لاکھ ہیکٹر میں ربیع اور بورو فصل ہوتی۔ یہ تعداد کل ملاکر ۵ر۴ لاکھ ہیکٹر ہوتی ہے۔

اس پروجیکٹ کے تحت ۱۹۷۷ء سے اب تک ۱ر۱ لاکھ ہیکٹر علاقوں کو قابل کاشت بنایا گیا اور ۵۷ ہزار ہیکٹر کو سیراب کیا گیا۔

میور اکشی ریزروائر پروجیکٹ:

یہ پروجیکٹ اپنی قسم کے معدنی ذرائع کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے ۲۵۰۰۴ ہیکٹرس کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کریں گے۔

[illegible] ساتویں منصوبے ۱۹۸۵ء تک آبپاشی کے ان ذرائع کے استعمال کے امکانات روشن ہو گئے۔

درمیانی آبپاشی اسکیمیں :

پرولیا، بیربھوم اور بانکوڑہ کے خشک سالی سے متاثر علاقوں کے لئے درمیانی آبپاشی اسکیمیں شروع کی گئیں۔ سوائے تین اسکیموں کے تمام اسکیمیں چالو کر دی گئی ہیں اور ۵ اسکیمیں مکمل ہو گئی ہیں۔ ساتویں منصوبے کے دوران ان ساری جاری اسکیمیں مکمل کر لی جائیں گی۔ پرولیا میں ۶، بیربھوم میں ۳، اور بانکوڑا میں ۲ درمیانی آبپاشی اسکیمیں شروع کی گئی تھیں مکمل ہو گئی ہیں۔

سیلاب کنٹرول سیکٹر :

ریاست کے ۳۷ر۶۶ ہزار مربع کیلو میٹر علاقوں کو سیلابی علاقہ قرار دیا گیا ہے جن میں سے ۱۶ر۲۲ ہزار مربع کیلو میٹر علاقوں کو چھٹے منصوبہ کے آخر تک سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے تدابیر کی گئیں۔ چھٹے منصوبہ کے آخر تک پانی کی نکاسی کے لئے کھال اور بند بالترتیب ۴۴۶۵ کیلو میٹر اور ۱۰۶۷۶ کیلو میٹر کے علاقوں میں تعمیر کئے گئے۔ ساتویں منصوبہ کے تحت مزید ۷۵۰ مربع کلو میٹر علاقوں میں حفاظتی اقدامات کرنے کی تجویز زیر غور ہے جس پر ۱۰۵ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی۔

اس سیکٹر کی خاص جاری اسکیمیں یہ ہیں:
(۱) ماتا بھنگا بیسن ڈرینج اسکیمیں (۲) سندربن کے علاقوں کے لئے ضروری ترقی (۳) کیا گھلی ڈرینج اسکیم (۴) کالی نالہ کی دوبارہ کھدائی، (۵) بی۔ ایف۔ سی کے تحت سیلاب کنٹرول اسکیمیں۔

سیلاب کی تباہ کاری :

سیلاب کنٹرول اسکیموں کے علاوہ محکمہ آبپاشی و آب رسانی کو گزشتہ ۱۰ سالوں کے دوران سیلاب کی تباہ کاری اور سخت خشک سالی سے پیدا شدہ مسائل کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔
اگست تا اکتوبر ۱۹۷۸ء میں تین بار تقریباً سارا مغربی

(باقی ص ۱۷ پر)

مالدہ اسپتال

سرکاری حکم نامہ کے مطابق ضلع مالدہ کے مالدہ میں ۲۵۰ بستروں پر مشتمل ریاستی جنرل اسپتال" مالدہ سٹیٹ جنرل اسپتال کی جگہ اب "مالدہ اسپتال" کے نام سے جانا جائے گا۔

مرکزی اخبارات ایکٹ (۱۹۵۶ء) کی دفعہ ۸ کے تحت تفصیل درج ذیل ہیں :

۱: رسالہ کا نام — "مغربی بنگال"
۲: زبان — اردو
۳: اشاعت کا عرصہ — پندرہ روزہ
۴: جائے اشاعت — شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
۵: ناشر — پرتین کرشنا بھٹاچاریہ، ہندوستانی، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
۶: مدیر — دھریندر ناتھ دت، ہندوستانی، شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱
۷: مالک — شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ ۱
۸: طابع — تپن شکر، جی۔ آر۔ ٹی پرنٹرس، ۲۵- پنچانن تلہ روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۲۳

میں پرتین کرشنا بھٹاچاریہ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیان میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہے۔

یکم مارچ ۱۹۸۸ء
پرتین کرشنا بھٹاچاریہ
ناشر و مدیر اعلیٰ "مغربی بنگال"

ہتھ کرگھے
کے کپڑوں
کی نمائش





سجنا کھالی،
سندربن،
میں نیا جیٹی۔



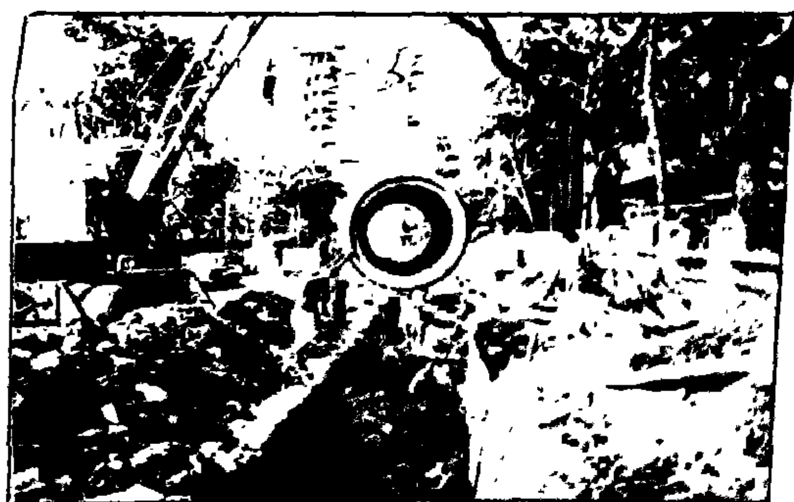


MAGHREBI BANGAL
1 March 1987

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol-34 No— 5
PRICE 15 Paise



کم آمدنی والے لوگوں کے لئے ریاستی حکومت کے تیار کردہ مکانات



کلکتہ میں پینے کے پانی کی سپلائی میں اضافہ کرنے کیلئے پائپ بٹھاتے جا رہے ہیں

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Asst. Editor Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers, [illegible] Road. Calcutta-700 048.



مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتیبن بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے

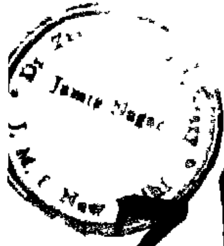
ترسیلِ زر کا پتہ :

بزنس منیجر :
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳ - آر - این - مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ / مارچ ۱۹۸۲ء ★ شمارہ نمبر ۶



مغربی بنگال کے ایک دیہی علاقہ میں این - آر - ای - پی اسکیم کے تحت ترقیاتی سرگرمیاں



ریاستی اسمبلی سیشن کا افتتاح

پروفیسر ایس۔ نور الحسن، گورنر مغربی بنگال نے ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء کو مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کا افتتاح کیا۔ انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت مغربی بنگال کے کئے گئے اقدامات کا ذکر کیا۔ گورنر کی تقریر کا متن، اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے —

مجھے نئے سال کے پہلے اجلاس میں آپ سبھوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ یہاں گورنر کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد آپ سبھوں سے ملنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ میں آپ لوگوں کو نئے سال کے لئے دلی مبارک بادی پیش کرتا ہوں۔ میں یہاں اعلیٰ تعلیم کے وزیر شری شمبھو چرن گھوش اور وزیر شعبہ داخلہ (شہری دفاع) کے وزیر ریاست شری رام چٹرجی کی اموات پر اپنے دلی افسوس کا اظہار کرتا ہوں۔

میری حکومت کے پانچ سال اب پورے ہونے کو ہیں اور انتخابی کمیشن نے اعلان کیا ہے کہ ۲۳ مارچ ۸۷ء کو اس اسمبلی کیلئے عام انتخابات ہوں گے تاکہ لوگوں کا فیصلہ حاصل کیا جاسکے کہ آئندہ پانچ برسوں میں ریاستی حکومت کے امور کو کس طرح روبہ عمل لایا جاسکے۔ میں یہاں یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ میری حکومت نے اعلیٰ انتخابی کمشنر سے یہ سفارش کی تھی کہ انتخابات فروری میں منعقد کئے جائیں اور اگر ایسا کیا جاتا تو نئی حکومت اسی مالی سال کے دوران سالانہ بجٹ پیش کرسکتی اور ایسا کرنا پارلیمانی جمہوریت کی بہترین روایت میں شامل ہوتا۔ بہرحال فی الحال میری حکومت چند دنوں کی آمدنی اور اخراجات کے لئے بذریعہ ووٹ منظوری حاصل کرنے کی متمنی ہے، اور اسی مقصد کے لئے اسمبلی کے اس مختصر مدت کے اجلاس کی نشست ہوئی ہے۔

اب میں اپنی حکومت کی، ۲۶ مئی ۱۹۸۲ء کو اس کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے کارگزاریوں کا ذکر کروں گا۔ میری حکومت نے لوگوں کے تمام طبقوں کے جمہوری حقوق کی پُرخلوص طریقے سے حفاظت کی اور جمہوری اداروں کے لئے انتخابات کے منعقد کرانے کو اعلیٰ ترجیح دی۔ میری حکومت قابلِ تعریف حد تک سیاسی استحکام کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ تحسین ہے کہ کیوں کہ ملک کے بہت سارے دیگر علاقوں میں ایسا کرنا ممکن نہ ہوسکا معیشت میں کافی بہتری ہوئی۔ زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ اصلاحاتِ آراضی کے پروگرام کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا۔ اس پروگرام کی رفتار میں تیزی لائی گئی اور فاضل قطعاتِ آراضی کو بے زمین مزدوروں اور چھوٹے کسانوں کے درمیان تقسیم کردیا گیا۔ اس پروگرام سے مستفید ہونے والوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کی تعداد وسیع تھی۔ "آپریشن برگا" کے ذریعہ برگداروں کو قانونی حقوق دینے کے اقدام کی کافی ہمت افزائی کی گئی اور تقریباً ۱۵ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کئے گئے۔ مضافاتی ترقی کے میدان میں روزگار پیدا کرنے والی اسکیموں کے انتظامیہ کو نئے ڈھانچہ میں ڈھالا گیا، اس سلسلے میں اثاثے کی تعمیر پر زیادہ زور دیا گیا۔

دیہاتوں میں ترقیاتی اسکیموں اور پروگراموں کی تکمیل کے میں پنچایتوں کو شریک کیا گیا، اور اس کے بہتر نتائج برآمد ہوئے۔ ترقی پروگراموں میں لامرکزی منصوبہ بندی کا انتظام رائج کیا گیا۔ معاشی منصوبے کے منصوبے بنفسِ خود لوگوں کے ذریعہ مرتب کرنے کے اقدامات پہل نے ترقی کی رفتار کو تیز کردیا ہے۔

اس عرصہ میں امن و امان کی صورت حال زیر کنٹرول رہی

جنہا پارٹی تضادات اور زرعی جھڑپوں کی تعداد میں کافی کمی ہوئی، اور فرقہ وارانہ عناصر کو موثر طور پر اپنے کنٹرول میں رکھا گیا۔ عزت مآب ممبران اس امر سے واقف ہیں کہ یہ ریاست شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے ممبروں اور سماج کے دیگر کمزور طبقوں پر ظلم سے آزاد رہی۔

میری حکومت کا یہ عزم مصمم ہے کہ وہ ہر قیمت پر منتشر اور منقسم کرنے والی طاقتوں کا مقابلہ کرے گی اور انہیں سر اٹھانے نہیں دے گی کیونکہ وہ ملک کی یکجہتی اور اتحاد کو توڑنے کے کام میں سرگرم عمل ہیں۔ ایک گمراہ جماعت کلمپونگ، کرسیانگ، دارجلنگ صدر اور پہاڑی علاقوں میں افتراقیت کو فروغ دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان علاقوں میں لوگوں کے جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ انہیں زندگی کی خوشیوں سے محروم رکھا گیا۔ ان علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے اور ترقیاتی اقدامات کو جاری رکھنے کے لئے، میری حکومت انتشار پھیلانے والی طاقتوں کو پنپنے کی اجازت نہیں دے گی۔

اب موجودہ مالی سال کے دوران اپنی حکومت کی اہم اہم سرگرمیوں اور کامرانیوں کا اور آنے والے سال کے لئے چند اسکیموں اور تجویزوں کا ذکر کروں گا۔ سنہ ۱۹۸۶-۸۷ء میں موسم خاص طور پر نامہربان رہا۔ اگست ۱۹۸۶ء میں معمول سے بہت کم بارش ہوئی۔ اس کی وجہ سے کاشتکاری کے علاقوں میں کمی ہوئی۔ پھر ستمبر کے آخری ہفتے میں بہت زیادہ بارش نے ۵ لاکھ ہیکٹائرس زیر کاشت علاقوں کو زیر آب کر دیا۔ اس کے بعد نومبر کے شروع میں آندھی اور طوفان نے موسم سرما کی فصلوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ کاشتکاری کی سالانہ پیداوار کی سطح کو برقرار رکھنے کے لئے میری حکومت نے ربیع موسم میں وسیع پیمانہ پر جدید پروگرام کو روبہ عمل لایا۔ مزید آئندہ سال کے لئے زرعی پیداوار میں مزید اضافے کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے زرعی علاقوں میں اور پیداوار دونوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

مضافاتی ترقیاتی پروگرام کا، اصلاحات آراضی ایک اہم جز ہے اور حکومت اس کی طرف خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ تقریباً ۱۲ر۳۵ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا ہے۔ ان میں سے ۸ر۳۳ لاکھ قطعات آراضی کو ۱۵ر۷ لاکھ بے زمین کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ سارے ملک میں ایسے ۱۲ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی، جن پر حکومت کا حق ملکیت حاصل ہو گیا تھا، تقسیم کئے گئے، اس طرح اصلاحات آراضی کے میدان میں مغربی بنگال کو تمام ریاستوں میں اول مقام حاصل ہے۔ اسی عرصے میں بے زمین کسانوں، کاریگروں اور ماہی گیروں کو رہائشی مکانات کی تعمیر کے لئے قطعات آراضی بھی فراہم کئے گئے۔ "آپریشن برگا" کے تحت سال رواں کے پہلے چھ مہینوں میں ۱۴۷۵۸ برگاداروں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔ ادارہ جاتی مالیاتی اسکیم کے تحت آنے والے برگاداروں اور ایسے قطعات آراضی، جس پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا ہے، کے نئے مالکوں کی تعداد گزشتہ خریف موسم میں بڑھ کر ۱ر۶ لاکھ ہو گئی۔

اصلاحات آراضی کے ساتھ ساتھ، زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے آبپاشی کے یقینی ذرائع کا کردار بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ تیستا بیراج پر تعمیراتی کام کی رفتار کو تیز بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ عزت مآب ممبروں کو یہ جان کر خوشی حاصل ہوگی کہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۷ء کو اس پروجیکٹ کے ایک حصہ کو آزمائشی طور پر چالو کر دیا گیا تھا۔ نیز دو اہم جاری پروجیکٹوں یعنی کنگسابتی ریزروائر پروجیکٹ اور ڈی۔ وی۔ سی (بی اور آئی) پروجیکٹ کی تعمیر کے کام ساتویں پنجسالہ منصوبہ کے عرصہ میں مکمل ہو جائیں گے۔ ۱۹۸۶-۸۷ء کے دوران آبپاشی کے بڑے اور درمیانی درجہ کے پروجیکٹوں کے ذریعہ مزید ۲۲ر۵۶ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی کی آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جانے کی امید ہے۔ ۱۹۸۸-۸۹ء میں ایک نیا بڑا پروجیکٹ "سوبرن ریکھا بیراج پروجیکٹ" کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اس پروجیکٹ کے ذریعہ ۷۵۰۰۰ ہیکٹائرس قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ چھوٹی آبپاشی کے سیکٹر میں عالمی بنک کی مدد سے ایک وسیع پروگرام پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس سے تقریباً ۱ر۳۸ لاکھ ہیکٹائرس قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں شدید اور مسلسل بارش کی وجہ سے ریاست کے بہت سارے علاقے معہ کلکتہ کا ایک بڑا علاقہ زیر آب ہو گیا۔ متاثر لوگوں کی مدد کے لئے دستیاب مالی وسائل سے وسیع پیمانہ پر امدادی اقدامات کئے گئے۔ بعض حالتوں میں امداد کی شرح میں اضافہ بھی کر دیا گیا۔ سیلاب زدگان کی امداد کے

لئے مرکزی حکومت سے حسبِ وعدہ ملنے والی امداد اب تک فراہم نہیں کی گئی۔

مضافاتی ترقی کے لئے سہ رخی پنچایتی ادارے بہت ہی موثر ایجنسیوں کی طرح رونما ہوئے۔ آئی، آر، ڈی، پی، این آر ای پی اور آر ایل ای جی پی جیسی اسکیموں کو مضافاتی غربت دور کرنے کے لئے پایۂ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ این آر ای پی کے تحت نومبر ۸۶ء تک ۶۰ر۲۴۳ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا اور اب تک اس اسکیم کے تحت ۴۸ر۱۳۳ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے (یعنی مقررہ نشانہ کا ۷۱ر۱۲۲ فیصد)۔ اسی طرح آر ایل ای جی پی میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء تک ۱۰ر۱۳۱ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے (یعنی مقررہ نشانہ کا ۵۷ر۱۵۷ فیصد)۔ مضافاتی مکانات اسکیموں کے تحت ۳۴۴۲ خاندانوں کو تعمیراتی امداد فراہم کی گئی۔ تکمیلی مضافاتی ترقیاتی پروگرام کے تحت نومبر ۸۶ء تک ۸۹۲۸۶ خاندانوں کو امداد فراہم کی گئی۔

زرعی آبادی کی معاشی ترقی میں کوآپریٹیو ادارے بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ میری حکومت اس حقیقت پر فخر کرتی ہے کہ اب تک کوآپریٹیو اداروں کے ۱۷ر۶ لاکھ افراد ممبر بن چکے ہیں۔ ان کوآپریٹیو اداروں نے ہندستان کے پاٹ کارپوریشن کے لئے قیمتوں کی تائید اسکیم کے تحت پاٹ کے ۶۸ر۳ لاکھ گانٹھ خریدے اور اس سے اس ریاست کے مضافاتی علاقوں میں پاٹ اگانے والے کافی مستفید ہوئے۔ ۳۰ر جون ۸۶ء کو کوآپریٹیو سال کے ختم ہونے پر ۸ لاکھ کسانوں کو پیداواری قرض اور ۵۰۰ر۱۷ ممبروں کو لمبے عرصے کے قرض فراہم کئے گئے۔

میری حکومت نے دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے اسکیموں کی تکمیل پر زور دیا۔ مویشی کی پرورش و پرداخت پروگرام کے تحت افزائش نسل کے لئے ۱۳ لاکھ مویشیوں کی پرورش کی جا رہی ہے۔ مویشیوں کی تعداد میں اضافہ پروگراموں سے تقریباً ایک لاکھ خاندان مستفید ہوتے ہیں۔ اس ریاست میں ۶ ڈیری پلانٹس روزانہ تقریباً ۵ر۲ لاکھ لیٹر دودھ سپلائی کر رہے ہیں۔ [illegible] دودھ کی مانگ اور سپلائی کے درمیان خلیج کو پاٹنے کیلئے اور بھی ڈیری پلانٹس قائم کرنے کے منصوبے زیر غور ہیں۔

ماہی گاہوں اور ماہی پروری کی ترقی اور ماہی گیروں اور ماہی پروروں کی معاشی حالت میں بہتری لانے کے لئے کافی اقدامات کئے گئے۔ سال رواں میں ماہی گیروں کی ترقی [illegible] کے تحت مجموعی طور پر ۷۵۰۰ ہیکٹر رقبہ پر پھیلے ہوئے تالابوں [illegible] بنایا گیا۔ یہاں تخم مچھلی کی پیداوار ۶۰۰ کروڑ سے زیادہ ہوئی۔ سمندری ماہی گیری سیکٹر میں دیگھا کے نزدیک ایک ماہی گیری بندرگاہ قائم کی گئی۔ مغربی بنگال ریاستی ماہی گیر کوآپریٹیو فیڈریشن لمیٹڈ قومی کوآپریٹیو ترقیاتی کارپوریشن کی مدد سے آئندہ ۵ برسوں میں ایک تکنیکی ماہی گیری ترقیاتی پروجیکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے گا۔ میری حکومت نے اندرون ملک اور سمندر میں ماہی گیری کرنے والوں کے لئے رفاہی اسکیمیں مرتب کی ہیں۔ ان اسکیموں میں پینے کے پانی کی سپلائی، رہائشی سہولتیں وغیرہ شامل ہیں۔ سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء میں سرگرم ماہی گیروں کے لئے جماعتی ذاتی بیمہ کے تحت ۵۰۰۰۰ سرگرم ماہی گیروں کو لایا گیا۔ سال رواں میں مزید ایک لاکھ ماہی گیروں کو اس اسکیم کے تحت لایا جائے گا۔

"سبھوں کے لئے صحت" مقصد کی برآوری کے لئے میری حکومت نے لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی اور چھوٹے خاندان میں تربیت دے کر ابتدائی صحت دیکھ بھال کی زچہ و بچہ طبی خدمات کی توسیع اور علاج اور تدارکی اقدامات کی تکمیل کی ضرورت پر کافی زور دیا۔ سال رواں میں ۷ ابتدائی مراکز [illegible] اور ۵ مضافاتی ہسپتال قائم کئے گئے۔ نیز اس مالی سال کے آخری عرصہ میں دو اور ابتدائی مراکز صحت اور دو مضافاتی ہسپتال قائم کئے جائیں گے۔ ہسپتالوں اور مراکز صحت میں کافی ڈاکٹروں اور نرسوں کی تقرری کی گئی اور ادویہ کی سپلائی میں کافی اضافہ کیا گیا۔ برہم پور میں ایک جامع نرسنگ اور قابلہ گری تربیتی اسکول کھولا گیا ہے۔ یہاں تیس نشستیں ہیں، اور آر جی کار اور نیل رتن سرکار ہسپتالوں میں ۴۰ نشستوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ سال رواں میں آیورویدک اسپتال اور ہومیوپیتھک فارمیسی کی طرف بھی کافی توجہ دی گئی۔ آیورویدک اسپتال میں موجودہ سہولتوں میں اور بھی اضافہ کیا گیا اور ۵۰ سے زائد ریاستی ہومیوپیتھک شفا خانے قائم کئے گئے۔

سالِ رواں میں صنعتی تعلقات میں گوناگوں بہتری ہوئی۔ اس سال ہڑتالوں کی تعداد میں کافی کمی ہوئی۔ میری حکومت نے صنعتی مزدوروں کی فلاح میں کافی دلچسپی لی ہے۔ مانک تلہ میں واقع ای۔ ایس۔ آئی ہسپتال میں ایک ای۔ ایس۔ آئی خون بنک قائم کیا گیا۔ نیز اس ہسپتال میں مزید ۱۵۱ بستروں کا اضافہ کیا گیا۔ خود روزگار اسکیم کے تحت ۱۶۷۱۷ کیسوں کے سلسلے میں سفارش کی گئی اور ان میں سے ۳۶۲۲ درخواست کنندگان مستفید ہوئے۔

اس ریاست میں صنعتی فضا میں بھی کافی بہتری ہوئی۔ اس کی بہت ساری وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ توانائی کی صورتِ حال میں بہتری لانے کے لئے میری حکومت نے مثبت اقدامات کئے اور مزدوروں نے بھی سماجی لحاظ سے ذمہ دارانہ کردار ادا کئے۔ عزت مآب ممبروں کو اس بات سے آگاہ کر کے مجھے خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ ۱۱۳ صنعتی منظوری موصول ہو چکی ہے، اس میں کل ۲۶۵ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔ گزشتہ سال کے آخری ۹ مہینوں میں ۲۰ پروجیکٹوں کو، جن کے لئے تقریباً ۲۱ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کی گئی، مغربی بنگال بڑھاوا اسکیم کے تحت پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ مغربی بنگال الیکٹرونک صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے بہت سارے الیکٹرونک پروجیکٹ قائم کئے۔ سالٹ لیک الیکٹرونک کمپلکس میں قائم کردہ تین یونٹوں میں کاروباری پیداوار کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اس سال کے باقی عرصے میں اسی طرح کی دو یونٹیں چالو ہو جائیں گی۔ سائیمن انڈیا لمیٹیڈ کے تعاون کے ساتھ مشترکہ سیکٹر میں ایک شاندار الیکٹرونکس ٹیلی پرنٹر پروجیکٹ پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ فالتا میں برآمدات پروسیسنگ علاقہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور یہاں قائم دو پروجیکٹوں نے گزشتہ سال سے جنہوں نے کاروباری پیداواری کام شروع کر دیا، سالِ رواں میں ۵ کروڑ سے زیادہ روپئے کی مالیت کی چیزیں برآمد کیں۔ جلپائی گوڑی کے جہاں کوئی صنعتی ادارہ قائم نہیں ہے، علاقائی فرق میں کمی کرنے کے لئے دابگرام میں ایک نیا مرکزِ افزائش قائم کیا گیا ہے۔

بچوں کی [illegible] کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ چھ سال سے کم عمر کے بچوں اور زچاؤں کے لئے معاون غذا، صحت دیکھ بھال اور قبل از اسکول تعلیم کی سہولتیں، تکمیلی بچہ ترقیاتی خدمات پروجیکٹ کے تحت فراہم کی جا رہی ہیں۔ آئندہ سال کے دوران اس اسکیم کے موجودہ ۴۷ پروجیکٹوں میں مزید ۲۰ پروجیکٹوں کا اضافہ کیا جائے گا۔ ماں بننے والی عورتوں کی طبی دیکھ بھال کی جا رہی ہے اور انہیں مقوی خوراک فراہم کی جا رہی ہے۔ سالِ رواں میں کیسوں پر مبنی تغذیہ پروگرام کے تحت ۱۶۰۰۰۰ عورتیں اور بچے مستفید ہو رہے ہیں۔

میری حکومت کی طرف سے دیہی علاقوں میں پانی کے وسائل کی فراہمی کیلئے ترجیحی طور پر اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ کم [illegible] پروگرام اور مربوط دیہاتی پانی سپلائی پروگرام کے تحت پائپ کے ذریعہ پانی کی سپلائی کی ۵۷ اسکیموں کو پورا کر دیا گیا ہے۔ حالیہ مالی سال کے دوران ان اسکیموں کے تحت ۱۲۵ [illegible] پانی کی [illegible] ٹیوب ویل بٹھائے گئے۔ دارجلنگ [illegible] میں ایک اعلان کردہ علاقہ میں گہرے پانی کے نکاس کی اسکیم کو مکمل [illegible] منظوری دی گئی ہے۔

ماحولیاتی بہتری اور جنگلی جانوروں کے تحفظ کی طرف زیادہ دھیان دیا جا رہا ہے۔ سماجی جنگلات پروجیکٹ، جسے [illegible] سے امداد فراہم کیا ہے، کے تحت [illegible] ہیکٹر سے زیادہ [illegible] اراضی پر شجرکاری [illegible] علاقوں کے لوگوں نے شجرکاری پروگرام میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا کیوں کہ ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جنگلات کی پیداوار سے وہ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ جنگلات میں غیر قانونی طور سے درختوں کو کاٹنے کی روک تھام کرنے کے لئے حکومت نے درمیانی لوگوں کو الگ کر دیا ہے اور اب شجر کے لئے متعلقہ شعبہ بذات خود بے زمین قبائلیوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعہ درختوں کو کاٹ رہا ہے۔ جنگلی جانوروں کے تحفظ کے اقدامات کو اور بھی مستحکم بنا دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ضلع دارجلنگ میں دو قومی پارک — ایک سنگالیلہ اور دوسرا نیورا وادی میں جنگلی جانوروں کے تحفظ کیلئے قائم کیے گئے

پبلک سیکٹر میں سندربن شوگر بیٹ پروسیسنگ کمپنی لمیٹڈ نے کاروباری پیمانہ پر کھانڈسری اور چقندر سے شیرہ تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ درگاپور پروجیکٹس پاور اسٹیشن میں ۱۲۰ میگاواٹ کے لئے چھٹی توانائی یونٹ کو چالو کر دیا گیا ہے۔ تیار پھل اور سبزی پروسیسنگ کمپنی لمیٹڈ نے شمالی بنگال میں چھوٹے پیمانہ کی پھل پروسیسنگ یونٹوں کے ذریعہ پھلوں کی مصنوعات کو بازاروں میں فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔

روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے میں دیہی اور چھوٹی صنعتیں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے لئے خود روزگار اسکیم کے تحت سال رواں میں ۲۲۳۰۰ افراد مستفید ہوں گے۔ اس مقصد کے پیش نظر کہ اس ریاست کے بنکروں کو بنائی کے لئے اچھے پیسے ملیں میری حکومت نے ان بنکروں کو کوآپریٹو سوسائٹیوں کی شکلوں میں منظم کر دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے انہیں قرض فراہم ہوں گے اور انہیں مہاجنوں کا شکار بننا نہیں پڑے گا۔ مغربی بنگال کی دستکاری ترقیاتی کارپوریشن (منجوشا) کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس سال ۳ کروڑ سے زیادہ روپے اسٹیارکی فروخت سے ایسے حاصل ہوں گے۔

آپ لوگوں کو یہ جان کر خوشی حاصل ہوگی کہ میری حکومت نے غیر روایتی ضلعوں میں شہتوت کی کاشت اور ریشم سازی کو مقبول عام بنانے کے لئے کافی اقدامات کئے ہیں۔ مزید ۱۲۰۰ ایکڑ قطعات اراضی کو شہتوت کے زیر کاشت لایا گیا۔ بین ریاستی ٹسر پروجیکٹ کے تحت اضلاع پرولیا، بانکوڑا، بیربھوم اور مدناپور میں قبائلی لوگوں کی معاشی ترقی کے لئے موثر اقدامات کئے گئے ہیں۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کے فائدے کے لئے ضلع مرشدآباد کے خوش باغ اور کرنیشوری میں اور ضلع کوچ بہار کے دین ہاٹا میں مظاہرتی فارم قائم کئے گئے۔

ستمبر ۱۹۸۶ء میں شدید سیلاب سے اس ریاست میں ۱۳۴ لاکھ افراد (یعنی کل آبادی کی تقریباً ۲۵ فیصد) بری طرح متاثر ہوئے اور ان کی مدد اور بحالی کے لئے وسیع پیمانہ پر فوری اقدامات کئے گئے۔ امداد اور بحالی کے لئے ۲۷ کروڑ روپے کی ضرورت تھی لیکن مرکز نے صرف ۳۸٫۳۵ کروڑ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ رواں سال کے لئے مرکزی حکومت کی منظور کردہ ۳۸٫۳۵ کروڑ روپے میں سے ۲۳٫۷۵ کروڑ روپے کیلئے تو آٹھویں مالیاتی کمیشن نے سفارش کی تھی، اور اس رقم کا نصف مرکزی حکومت نے اور نصف ریاستی حکومت نے فراہم کئے۔ اس طرح مرکزی حکومت نے فاضل ۱۱٫۶۳ کروڑ دینے کی منظوری دی۔ اس رقم میں سے تقریباً ۸٫۷۲ کروڑ روپے مرکزی حکومت فراہم کرے گی۔ اسے ضرورت کے پیش نظر ریاستی حکومت کو بہت ہی کم رقم فراہم کی گئی۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود ریاستی حکومت انتہائی ممکنہ حد تک امداد اور بحالی کے کام کو روبہ عمل لا رہی ہے۔ اس سال میں تقریباً مجموعی طور پر ۵۸ کیلومیٹر لمبی نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں اور کئی ایک بڑے اور چھوٹے پل بھی تعمیر کئے گئے۔ ایک تجویز کے مطابق آئندہ سال میری حکومت مجموعی طور پر ۹۳ کیلومیٹر لمبی نئی سڑکیں تعمیر کرے گی اور زیر تعمیر دس پلوں کی تعمیر کے کام کو مکمل کرلے گی اور عالمی بنک پروجیکٹ کے تحت درگاپور ایکسپریس وے کی تعمیر کا کام شروع کر دے گی۔

عزت مآب ممبران [illegible] ہیں کہ ۱۵ جون ۱۹۸۶ء [illegible] کے لئے عام انتخابات منعقد ہوئے۔ تین شہری کمیٹیوں یعنی ضلع کوچ بہار میں ماتھابھانگا، میکلی گنج اور ہلدی باڑی کو اس سال میونسپلٹی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ دو میونسپل شہروں یعنی [illegible] اور مرشدآباد کی سڑکوں اور گلیوں کو کوڑاکرکٹ سے پاک رکھا گیا اور پورلیا، شانتی پور، گھاٹال، اسلام پور، دواراہاٹ، میکلی گنج اور [illegible] میں ایسے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ چھوٹے اور متوسط درجہ کے شہروں کی تکمیلی ترقی اسکیم کے تحت ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں ۲۰ شہروں کی گوناگوں ترقی کے لئے اقدامات [illegible] گے۔ عورتوں اور بچوں کو کم از کم بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے ضلع دارجلنگ اور پرولیا کے شہروں میں شہری بنیادی خدمات پروگرام کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ شہری بستی کے علاقوں میں ماحولیاتی بہتری سے ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران شہری

شہری علاقوں کی بستیوں میں رہنے والے ۶۲،۰۰۰ افراد مستفید ہوں گے۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کی گوناگوں ترقی کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ سال رواں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے ۵ لاکھ سے زیادہ طلبا کو کتابوں کے لئے اور امتحان کی فیس بطور عطیات دی گئی۔ آمدنی میں اضافہ کرنے کی بہت ساری اسکیموں سے غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرنے والے ۱۳۹۱۲۱ شیڈولڈ کاسٹ اور ۴۴۰،۴۳ شیڈولڈ ٹرائب خاندانوں کو سہولتیں فراہم کی گئیں۔

غذائی اجناس، چینی، صاف کردہ ریپ سیڈ آئل اور کوئلہ کی بے قاعدہ اور ناکافی سپلائی کے باوجود عوامی نظام تقسیم کو مسلسل برقرار رکھا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں اس نظام کے ذریعہ ۲ء۱۶ لاکھ میٹرک ٹن اناج تقسیم کیا گیا۔ صاف کردہ ریپ سیڈ تیل کی کمی سال بھر برقرار رہی کیوں کہ ریاست کو فی ماہ ۱۰،۰۰۰ میٹرک ٹن کی جگہ ۷۰۰۰ میٹرک ٹن یہ تیل فراہم کیا گیا۔ اس ریاست کو فی ماہ ایک لاکھ میٹرک ٹن کراسن تیل کی ضرورت ہے اس کی جگہ اسے فی ماہ ۸۵،۰۰۰ میٹرک ٹن کراسن تیل فراہم کیا گیا۔ اسی طرح اس ریاست کو ہر ماہ ۵ء۱ لاکھ میٹرک ٹن کوئلہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کی جگہ اسے ہر ماہ ۵۱،۰۰۰ میٹرک ٹن کوئلہ فراہم کیا جاتا ہے۔ جلاون گیس کی سپلائی میں روزانہ تقریباً ۹۰ سیلنڈر کی کمی برقرار رہی۔

سلی گوڑی میں ریاستی سطح کا مرکز اطلاعات قائم کیا گیا۔ نیز یہاں ایک آڈی ٹوریم بھی قائم کیا گیا۔ کلکتہ مرکز اطلاعات میں ایک آرٹ گیلری اور ایک نمائش ہال کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ ستمبر ۸۶ء میں جامنی رائے آرٹ گیلری کا افتتاح کیا گیا۔ سالٹ لیک میں ایک رنگین فلم تجربہ گاہ کمپلکس کے قیام سے میری حکومت کے فلم ترقی پروگرام کی اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔

کھیل کود کے میدان میں یوبا بھارتی کریرنگن (سالٹ لیک اسٹیڈیم) کی تعمیر کے کام کا پہلا دور مکمل ہو چکا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ جان کر بڑی خوشی حاصل ہوگی کہ میری حکومت اب کلکتہ میں تیسرا جنوبی ایشیائی وفاقی کھیل کود کے انعقاد کے لئے تیاریاں کر رہی ہیں۔

عزت مآب ممبران، میں نے اپنی حکومت کی چند کارناموں کو اور مستقبل کے لئے ترقیاتی سرگرمیوں کے چند پروگراموں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ گزشتہ ایک سال میں میری حکومت نے اس ریاست میں معاشی افزائش کی رفتار میں تیزی لانے کے لئے اور غریب اور پسماندہ لوگوں، ان کی سماجی۔ معاشی زندگی میں بہتری لانے کے لئے، کے خصوصی مسائل پر خصوصی توجہ دینے کی بھرپور کوششیں کیں۔ ریاست کی گوناگوں ترقی کو فروغ دینے کے لئے اور ایک بہتر اور مساوی سماجی نظام کے قیام کے لئے ہم سب سوجھ بوجھ اور باہمی تعاون کے ساتھ فرائض کو انجام دیں۔ بلاشبہ مغربی بنگال کی رفاہ اور ترقی، ہندوستان کی گوناگوں ترقی اور استحکام میں معاون ثابت ہوگی۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور آپ لوگ اس پر بحث و مباحثہ کر سکتے ہیں۔ میں دعا گو ہوں کہ آپ کو کامیابی حاصل ہو ٭٭٭

سیاحوں کی دلچسپی کی چیزیں فروخت کرنے والی دکانوں کو حکومت کی منظوری

ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چند شرائط کے تحت ان مشہور دکانوں اور اداروں کو جو کلکتہ، دارجلنگ کے علاقے میں واقع ہیں اور جو زیورات، اپنے کمخواب کے کپڑے اور پوشاک، دستکاری کی مصنوعات، صناعی کے نادر نمونے کی چیزیں، ہاتھی دانت اور سینگ کی مصنوعات، قالین وغیرہ سیاحوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں، تسلیم کر لیا جائے۔ ایسی تسلیم کردہ دکانوں کے نام، شعبۂ سیاحت کے شائع کردہ کتابچہ، پمفلٹس وغیرہ میں چھاپ دئے جائیں گے، تاکہ یہاں آنے والے سیاحوں کو ایسی دکانوں کے سلسلے میں معلومات فراہم کی جا سکے۔ ایسے کتابچہ، پمفلٹس وغیرہ اندرون ملک اور ملک کے باہر کے علاقوں میں سیاحت کے دفتروں اور اداروں، سرکاری مشنوں کے دفتروں اور ایئر انڈیا کے دفتروں سے وسیع پیمانے پر تقسیم کئے جائیں گے ٭٭

کل ہند کسان سبھا

اس کا تاریخی پس منظر اور کارکردگی

دوسری اور آخری قسط

ہرکشن سنگھ سرجیت

کھوکھلی عوام دشمنی:

۱۹۷۵-۷۷ء کے دوران ایمرجنسی کے وقت حکومت ہند نے ۲۰ نکاتی پروگرام پیش کیا۔ ان سب کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ سرکار کو غریبوں کی حالتِ زار پر تشویش محسوس ہو رہی ہے اور وہ غریبی دور کرنے کی غرض سے کچھ نہ کچھ کر ڈالنے کا تہیہ کر چکی ہے۔

جیسا کہ ۱۹۷۹ء میں بنارس میں منعقد ہوئے کل ہند کسان سبھا اجلاس کی رپورٹ میں نشاندہی کی گئی تھی، ۱۹۷۰ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک کے برس نہ صرف اذیت پہنچانے اور جبر و ستم کرنے سے عبارت تھے، وہ "جھوٹے پرچار اور عوام دوست لفاظی سے بھی عبارت تھے تاکہ ملک کے اندر اور باہر دونوں جگہ سرکار کی ایک سازگار تصویر پیش کی جا سکے"۔ بنارس رپورٹ نے ۲۰ نکاتی پروگرام کے بڑے نکتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ بندھوا مزدوری کا نظام قانون کے ذریعہ نہیں ختم ہو گیا اور ان میں سے صرف چند ہی کو دوبارہ آباد کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ زمینی سدھار کے اقدامات کا دائرہ زمین کے ایک فیصد سے بھی زیادہ حصے پر محیط ہے۔ جیسا کہ چھٹے منصوبہ کے مسودے میں اعتراف کیا گیا ہے کہ "زمینی سدھار کے اقدامات کا دیہاتی غریبی کی تقسیم پر کوئی واضح اثر نہیں پڑا"۔ ۱۹۶۰-۱۹۷۷ء کے مابین غریبی کی سطح سے نیچے گزر بسر کرنے والوں کی تعداد ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ سے بڑھ کر ۳ کروڑ ۳۵ لاکھ ہو گئی، جب کہ حقیقی اجرتیں گھٹ گئیں۔

کل ہند کسان سبھا کا یہ نقطہ نظر ہے کہ دیہاتی ترقی کے پروگرام بس طفل تسلیوں سے زیادہ کچھ نہیں، جن کا غریبی، بے روزگاری اور نابرابری کے بنیادی مسائل پر مشکل ہی اثر پڑ رہا ہے۔

کل ہند کسان سبھا کے مدنا پور اجلاس میں ان پروگراموں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا اور ان کا کھوکھلا پن بے نقاب کیا گیا تھا۔

شریمتی گاندھی کی "دوبارہ واپسی" کی ایک مخصوص خصوصیت ان کی پالیسیوں کا سکّے کی قیمت میں کمی پیدا کرنے والا اثر تھا۔ اس سبب ان کی پالیسیوں کی ناکامی کا بوجھ کسانوں اور آبادی کے دیگر غریب حصوں کے کاندھوں پر منتقل کیا جانے لگا۔

بائیں بازو کے مورچے کی حکومت کا تجزیہ

موجودہ مرکزی حکومت کے تحت اگرچہ پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن اجارے دار گھرانوں کو زیادہ رعایتیں دی گئی ہیں اور ۲۱ ویں صدی کی جانب بڑھنے کے نام پر کثیر قومی کمپنیوں کے اقتصادیات میں داخلے کے لئے سیلابی دروازے کھول دئے گئے ہیں۔

دہلی سرکار کی کارکردگی کے برخلاف، مغربی بنگال اور تری پورہ کی بائیں بازو کی جمہوری حکومتوں (اور تھوڑے وقفے کے لئے کیرالا کی) نے خود کو حاصل محدود آئینی اختیارات کا کسانوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے بخوبی استعمال کیا ہے۔ مغربی بنگال میں ۱۲ لاکھ

بے زمین کھیت مزدوروں، بٹائی داروں کو بھی زمین دی گئی ہے۔ ۱۳ لاکھ بٹائی داروں کے نام رجسٹرڈ کئے گئے ہیں اور ان میں سے ۱۱ لاکھ کو بہ سال بینکوں سے قرضے حاصل ہو رہے ہیں۔ بے زمین کھیت مزدوروں کے نام ۱۱ لاکھ سے زائد رہائشی جگہیں ریکارڈ کر دی گئی ہیں۔ کھیت مزدوروں کی کم سے کم اجرتوں میں باقاعدگی کے ساتھ بار بار اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہ عوامی کاموں کے پروگراموں کے ذریعہ مزدوروں کی مانگ برقرار رکھی گئی ہے تاکہ انہیں بازار میں بہتر اجرتیں حاصل کرنے میں مدد دی جا سکے۔ چھوٹے کسانوں کو لگان کی ادائیگی کی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہ کھیتی میں استعمال کی چیزوں کی فراخدلی سے تقسیم اور استعمال کے لئے عام ملکیت کے ٹیوب ویلوں کی فراہمی نے یہ بات ممکن بنا دی ہے کہ وہ نئی ٹیکنولوجیاں استعمال کریں۔ تریپورہ میں ایک لاکھ سے زیادہ بے زمینوں کو زمین دی گئی ہے، غریب کسانوں اور دستکاروں کو قرضے سے راحت دی گئی ہے، کم سے کم اجرتیں متعین کی گئی ہیں اور بٹائی داروں کے نام ریکارڈ کئے گئے ہیں۔ کیرالا میں بائیں بازو کے جمہوری مورچے کے زیر حکومت ۲ ایکڑ سے کم کی ملکیت کو بالغات ٹیکس سے چھوٹ دے دی گئی تھی، ایک ہیکٹر تک ملکیتوں پر بقایا کرائے منسوخ کر دیے گئے تھے اور کھیتی میں استعمال کی چیزوں پر رعایتیں دی گئی ہیں۔ حال ہی میں دس سال کی تاخیر کے بعد مغربی بنگال اسمبلی کے منظور کردہ نئے بل کی صدر نے توثیق کی ہے۔ یہ کام اب بھی زمینداروں کے حق میں کئی ترمیمیں تجویز کر کے کیا گیا ہے۔

ان تمام اقدامات کے [illegible] سبب ان تین ریاستوں میں دیہات میں غریب آدمی کے رویے میں ایک قابل لحاظ تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ مغربی بنگال اور تریپورہ کے بائیں بازو کے مورچے کی حکومتوں کے تجربے سے یہ ظاہر ہے کہ یہ کسان تنظیم اور جدوجہد کی ضرورت اس وقت بھی باقی رہتی ہے جبکہ متعلقہ ریاستوں میں ایک بائیں بازو کی حکومت قائم ہو۔

بدلا ہوا تناظر اور تناسب

ان درمیانی برسوں کے درمیان کسان تحریک کا تناظر اور تناسب بھی بدل گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا، کل ہند کسان سبھا کے بٹوارے کے بعد کسان تحریک کی بنیادی سرگرمی زمین کے معاملے سے وابستہ رہی ہے۔ سبز انقلاب کی ٹیکنولوجی کو عملی روپ دئے جانے کے سبب زمین کے معاملے پر روشنی پڑی۔

زمین کا معاملہ ایک مرکزی بنا ہوا ہے۔ بے زمینی بڑھ رہی ہے اور کسان برابر مفلس اور معمولی سے معمولی ہوا جا رہا ہے۔ ۱۹۸۱ء تک کھیت مزدوروں کی تعداد ۵ کروڑ ۴۵ لاکھ ہو چکی تھی جبکہ مفلسوں کی تعداد ۵ کروڑ ۳۵ ہزار ہو گئی تھی۔ کسانوں کے پرولتاریہ اور معمولی بنائے جانے کے ساتھ ساتھ زمین کی ملکیت مرکوز ہو رہی ہے۔

اسی کے بارے میں کل ہند کسان سبھا کے بنارس اجلاس نے جن سوالات پر غور کیا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ: [illegible] دیہاتی عوام کی [illegible] اور [illegible] سے ان کے فیصلے کی وقتاً فوقتاً اظہار کے باوجود اس [illegible] کو آخر کیوں سرگرم عمل نہیں کیا جا رہا اور اسے موزوں رخ نہیں دیا جا رہا؟ کچھ علاقوں میں بڑی پیش قدمیوں کے باوجود ملک کا بڑا حصہ آخر کیوں کسان سبھا کے دائرہ اختیار سے باہر ہے؟

۱۹۸۶ء میں بنارس اجلاس نے جو جواب تلاش کیا وہ یہ تھا کہ جو نعرے تشکیل دئے جاتے ہیں اور جو پروگرام شروع کئے جاتے ہیں وہ ہمیشہ ان تبدیلیوں کی عکاسی نہیں کرتے جو ان برسوں کے دوران زرعی ڈھانچے میں ہو چکی ہیں۔

بنارس اجلاس نے بنیادی پر چار نعروں اور "فوری" نعروں کے بیچ ایک واضح امتیاز کیا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ زمین پر قبضہ اور اس کی تقسیم اب بھی بنیادی نعرے بنی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا تھا کہ "اس نعرے کی تکمیل کے بغیر دیہاتی غریبی اور بے روزگاری کا کوئی حل نہیں نکل سکتا۔" لیکن کل ہند کسان سبھا کے پروگرام میں اس بنیادی نعرے کے درج کئے جانے کے بعد سے طبقاتی قوتوں کا آپسی رشتہ تبدیل ہو گیا ہے۔ "فوری" نعروں کی تشکیل کے لئے اس تبدیلی کے موزوں مطالعے کی ضرورت ہے۔

آزادی سے قبل کے دنوں میں تمام کسانوں کو زمینداری

کے خلاف متحد کیا جا سکتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۵۰ء اور سنہ ۱۹۶۰ء کی دہائیوں کے زمینی اصلاحاتی قانونوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کسانوں کا ایک حصہ زمین داری کے خلاف لڑائی میں دلچسپی کھو بیٹھا ہے۔ ان قانونوں کے ذریعہ ایک نئی وضع کی زمینداری پیدا کر دی گئی ہے جس میں جاگیرداری اور سرمایہ داری دونوں کے عناصر بیک وقت موجود ہیں۔ مزید یہ کہ امیر کسانوں کا ایک حصہ پیدا کر دیا گیا ہے جو زمینداروں کے ساتھ دیہاتی علاقوں میں کانگریس پارٹی کی بڑی مددگار بنیاد بنا ہوا ہے۔ ۔۔ اور متوسط کسان جو دیہاتی آبادی کا تقریباً ۲۵ فیصد ہیں اور جنہوں نے بینکوں کے قرضوں سے جانور اور اصلی ٹیکنالوجی سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، اب زمین پر قبضے اور اس کی تقسیم میں ایسی دلچسپی نہیں رکھتے۔ دوسرے لفظوں میں زمینی اصلاحات اور ٹیکنالوجی کے تئیں سرکار کے موقف نے کسان اتحاد میں سنگین خلل پیدا کر دیا ہے۔

بنارس رپورٹ کا اختتام یہ رہا تھا: "ڈھانچے کی ان تبدیلیوں اور ان کے نوع بنوع نتیجوں کا خیال کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ زمین داری کے مکمل خاتمے اور بے زمینوں اور کم زمین والوں کو زمین کی تقسیم اب بھی زرعی انقلاب کا بنیادی نعرہ ہے۔ ایک نعرہ جس کی بنیاد پر ہم آج ملک کے بیشتر حصوں میں سرگرم عمل نہیں ہو سکتے۔"

فوری کارروائیوں کے لئے نعرے تشکیل دینے کی خاطر ٹھوس اقتصادی اور سماجی رجحانات کے مطالعے کی ضرورت ہے۔

بنارس اجلاس نے ایسے فوری معاملات کی ایک فہرست تیار کی تھی — کھیت مزدوروں کی اجرتیں، رہائشی جگہیں، کرائے میں کٹوتی، بٹائی داروں کو فصل کا ۷۵ فیصد، بے دخلی پر پابندی، زمینی قانونوں سے بچ نکلنے کی گنجائش دور کر کے فاضل زمین کی دوبارہ تقسیم، دیہاتی قرضوں میں کمی یا ان کا خاتمہ، زرعی پیداوار کی منافع بخش قیمتیں، سستی شرح پر قرضے، ٹیکس بوجھ میں کمی، پانی اور بجلی کی شرحوں میں کمی، زمین داروں کی جانب سے منظم کردہ غنڈوں کے حملے، ہریجنوں پر سماجی جبر و ستم، ظلم و تشدد میں کھیلے بازی وغیرہ۔ اس کے بعد آخر میں یہ کہا گیا تھا کہ "یہ ایسے معاملات

ہیں جو کسانوں کے تمام حصوں پر اثر انداز ہوں گے — غریب، متوسط اور امیر سب ہی پر — اور ان کی بنیاد پر ان سب ہی کو تحریک میں شامل کیا جا سکے گا۔ کسانوں کا امکانی زیادہ سے زیادہ اتحاد پروان چڑھانے کی خاطر ان تمام دھاروں کو یکجا کرنا پڑے گا۔"

کسان اتحاد کی تشکیل، کل ہند کسان سبھا کا ایک بار پھر بڑا فریضہ قرار دیا گیا تھا۔ مدناپور اجلاس میں اس نکتہ پر مزید زور دیا گیا تھا۔

قیمتوں کا معاملہ:

بنارس اجلاس کے فوراً بعد زرعی قیمتوں کا معاملہ آگے آ گیا۔ یہ بھی ایک ایسا معاملہ تھا جس کے بارے میں کل ہند کسان سبھا ماضی میں بار بار قرار دادیں منظور کر چکی تھی یا مہمیں چلا چکی تھی — لیکن سنہ ۱۹۸۰ء کے اوائل میں یہ معاملہ ایک نئی خصوصیت کے ساتھ رونما ہوا۔

زرعی پیداواروں کی قیمتوں کا معاملہ ایک بڑے معاملے کی حیثیت سے رونما ہوا جو کسانوں کے ایک بڑے حصے پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ نہ صرف امیر تر حصے، بلکہ متوسط اور غریب کسان پر بھی لیکن کل ہند کسان سبھا کی مضبوط قیادت موجود نہ ہونے کے سبب، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں وہ تنظیمی اعتبار سے کمزور تھی، زمین دار عناصر نے تحریک کی قیادت سنبھال لی ہے اور وہ اپنے آپ کو نظریاتی اعتبار سے کسانوں کے مفادات کے علمبردار کے طور پر پیش کرنے لگے۔ ۱۹۸۰ء کے اوائل میں یہ تحریک ملک کے کچھ حصوں، خصوصاً مہاراشٹر اور کرناٹک میں ایک خروج کی شکل اختیار کر گئی جہاں زمین داروں اور امیر کسانوں کے ساتھ ساتھ متوسط اور غریب کسانوں کے ایک بڑے حصے نے بھی اس میں شرکت کی۔ کل ہند کسان سبھا کی سنبھالنے والی اور سرگرم شرکت کے سبب ہی زمین دار عناصر کو بے اثر کیا جا سکا اور مارچ سنہ ۱۹۸۱ء میں سارے ملک کے کسانوں کا ایک زبردست اجتماع منعقد کیا جا سکا۔

مارچ سنہ ۱۹۸۲ء میں کل ہند کسان سبھا کے سلطان پور اجلاس میں ۱۲ نکاتی مطالبات کا جو منشور منظور ہوا تھا اس میں ایسے

کمی بھی شامل ہے جو اس تحریک کے اٹھائے ہوئے مسائل کو ظاہر کرتی ہے جسے ہندوستان کے کسان برابر چلا رہے ہیں۔ ان میں منافع بخش قیمتیں، کھیتی میں کام آنے والی چیزوں کی قیمتوں میں کمی اور قرضوں کی فراہمی وغیرہ شامل تھی۔

یہ بات ملاحظہ کی جانی چاہئے کہ قرضے سے راحت کسانوں کا ہمیشہ ایک اہم مطالبہ رہا ہے۔ حالیہ کانفرنسوں کے دوران غریب کسانوں کے لئے ادارہ جاتی سرچشموں سے سستے قرضے کی فراہمی ان تبدیلیوں کی مظہر ہے جو زرعی پیداوار کی نئی ٹیکنولوجی نے دیہاتی اقتصادیات میں پیدا کی ہیں۔

زرعی پیداوار کی منافع بخش قیمتوں کے مطالبے کا جڑواں مطالبہ ضروری چیزوں کی قیمتوں میں کمی کا مطالبہ ہے جنہیں سلطان پور کے مطالبات کے منشور میں پہلا درجہ حاصل ہے۔

منشور میں زمینی سدھار کا مطالبہ ضروری کارروائی کے نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل انداز میں پیش کیا گیا ہے:

موجودہ زمینی سدھاروں کو تیزی کے ساتھ اور کارگر طریقے سے لاگو کیا جائے۔ زمینی سدھار کے بارے میں مغربی بنگال کے ترمیم شدہ قانون کے خطوط پر اس سے بچ نکلنے کی گنجائشیں دور کرتے ہوئے جسے حال میں ہی صدارتی توثیق حاصل ہوئی ہے، بٹائی داروں سمیت ہر ضلع کے کرایہ داروں کو ایک سال کے اندر اندر رجسٹر کیا جائے اور بے دخلیاں ممنوع قرار دی جائیں۔ کسی کے کرایہ دار نہ ہونے کا ثبوت دینے کی ذمہ داری زمین دار کی ہونی چاہئے۔ ساری دستیاب بیکار پڑی زمین جیسے سدھار کے بعد یا سدھار کے بغیر کاشتکاری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے ایک متعینہ وقفے کے دوران بے زمین کھیت مزدوروں کو دوبارہ تقسیم کی جائے۔

اس منشور میں ان مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی جو خشک سالی، سیلاب اور دیگر فطری آفتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

کل ہند کسان سبھا کے نقطۂ نظر سے احتجاجی کارروائیوں میں سرگرم شرکت کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف ایسی راحت کو زیادہ کارگر بنانے میں مدد ملتی ہے اور یوں شکار بننے والوں کی حالت بہتر ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسانوں کا ایک بڑا حصہ کل ہند کسان سبھا سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیم بالغان کی مہم وغیرہ میں شرکت سے بھی کل ہند کسان سبھا دیہات کے عوام کے مفادات کی علمبردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔

یہاں جو نکتہ پیش کیا جا رہا ہے، وہ یہ ہے کہ کسان سبھا کو دیہاتی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سرگرمی کے ساتھ شامل کیا جانا چاہئے۔

کھیت مزدور:

مطالبات کے منشور میں کھیت مزدوروں کے سلسلے میں دو بڑے مطالبات اٹھائے گئے ہیں:۔

قومی دیہاتی روزگار پروگرام کی رقم بڑھائی جائے تاکہ کھیت مزدوروں کو روزگار اور ضمانت شدہ کم سے کم اجرتوں کے حصول میں مدد ملے۔ قومی دیہاتی روزگار پروگرام کے تحت اجرت کہیں بھی ۸ روپے روزانہ سے کم نہیں ہونی چاہئے اور کسی بھی حالت میں یہ اس کم سے کم اجرت سے کم نہیں ہونی چاہئے جو متعلقہ ریاست میں قانون کے تحت کھیت مزدوروں کے لئے متعین کی گئی ہو۔

کھیت مزدوروں کی کم سے کم اجرتیں اور کام کے بہتر حالات یقینی بنانے کے لئے فوری طور سے ایک مرکزی قانون بنایا جائے اور دیہاتی غریبوں کے رہن سہن کے حالات بہتر بنانے کی خاطر دیگر ضروری اقدامات کئے جائیں۔

یہ دونوں مطالبات کھیت مزدوروں سے متعلق معاملات کے زیادہ سے زیادہ اہم ہوتے جا رہے کردار کو ظاہر کرتے ہیں۔ انہیں آئندہ برسوں کے دوران کل ہند کسان سبھا کے پروگرام میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔

ان کھیت مزدوروں کی اکثریت درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کی اقتصادی پسماندگی بیشتر معاملوں میں سماجی محرومیوں کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔

درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں، مذہبی اقلیتوں اور عورتوں اور سماج کے دیگر حصوں پر جسمانی حملے روکنے کی خاطر سخت اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

تفریق پسند قوتوں کا مقابلہ کیجئے۔

آج کسان تحریک کو درپیش ایک بڑا معاملہ فرقہ پرست اور تفریق پسند قوتوں سے خطرہ ہے جو دیہات کے عوام کو منقسم کر رہی ہیں اور اپنے رہن سہن کے حالات پر ان کے غم و غصے کو غلط موڑ دے کر فرقہ وارانہ خطوط پر ڈال رہی ہیں۔

کل ہند کسان سبھا اور بائیں بازو کی پارٹیوں نے اس معاملے میں ایک اصولی موقف اختیار کیا ہے لیکن مرکز میں برسر اقتدار کانگریس پارٹی نے چناوی فائدوں کی غرض سے تفریق پسند اور فرقہ پرست قوتوں کے ساتھ بار بار سمجھوتہ کیا ہے۔

کل ہند کسان سبھا کے مدناپور اجلاس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ:۔

فرقہ پرست اور تفریق پسند قوتوں کو کسانوں کے اتحاد میں خلل پیدا کرنے کا کھیل ناکام بنا دیا جائے جو قومی وحدت کے تئیں بھی خطرہ پیدا کر رہی ہیں۔

جمہوری مطالبات

دیگر دو مطالبات جمہوری معاملات سے متعلق ہیں۔ ۱۱ویں نکتے میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ "قومی سلامتی ایکٹ اور ایسا کو واپس لیا جائے"۔

یوں کہ یہ ایسے جابرانہ اقدامات ہیں جن سے شہریوں اور کام کرنے والے لوگوں کے جمہوری حقوق کے تئیں خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ ۱۱ویں نکتے میں مرکز۔ ریاست تعلقات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ "مرکز۔ ریاست تعلقات کی ریاستوں کو وافر اختیارات دیتے ہوئے تشکیل نو کی جائے تاکہ وہ خصوصی، اقتصادی اور زرعی ترقی کے اپنے پروگرام نافذ کر سکیں"۔

اس جبلی برس ہمیں اپنی تنظیم کی شاندار سامراج۔ مخالف روایات پیش نظر رکھنا چاہئیں۔ کل ہند کسان سبھا کا کوئی ایسا اجلاس نہیں ہوا جس کے دوران قراردادوں اور کارروائی پروگراموں کے ذریعے سامراجیت سے لڑنے کا اپنا پیمان ظاہر نہ ہوا ہو۔

تنظیم کو مضبوط کیجئے:

کل ہند کسان سبھا کی سرگرمیوں کے جائزے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے ایک متحدہ کسان تحریک کی تشکیل کے طریقے پر بار بار زور دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی کہ تحریک کو اس کے درست راستے سے ہٹانے کی کوششوں کا مقابلہ کیا جائے اس سے کسان تحریک کی یہ انتہائی اہم ضرورت ظاہر ہوتی ہے کہ نوٹس تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جائے اور وسیع کسان عوام کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر وسیع معاملات میں مداخلت کی جائے، انہیں سبق پڑھایا جائے اور ان کے مطالبات کی حمایت میں انہیں لڑاکو کارروائیوں کے لئے تیار کیا جائے۔

ہندوستان کے کسانوں نے اس دور میں بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں۔ تلنگانہ، تبھاگ، ورلی، یکشت اور ان کے ساتھ ہی وہ جدوجہدیں جو پنجاب میں بیٹرمنٹ لیوی کے سلسلے میں اور تری پورہ میں قبائلی کسانوں کے حقوق کے سلسلے میں کی گئیں۔ اور وہ جدوجہدیں بھی جو سرمایہ داری میں بے دخلی روکنے کے لئے کی گئیں۔ اور ان سب کے ساتھ ہی وہ سرفروشی، وہ قربانیاں اور دلگن کے وہ مظاہرے جو ان جدوجہدوں میں شرکت کرنے والوں نے کئے۔ ان سب کو ہمارے ملک کی کسان تحریک کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ جبلی برس مناتے ہوئے ہمیں ماضی پر نگاہ ڈالنی چاہئے اور ان جدوجہدوں کو یاد کرنا چاہئے جنہوں نے کسان سبھا کو وہ مقام عطا کیا جو آج اسے حاصل ہے ٭٭٭ (بشکریہ: لوک لہر، دہلی)

سندربن کے نشیبی علاقوں کی بہتری

ریاستی حکومت کے شعبہ ترقیات و منصوبہ بندی کی شاخ برائے امور سندربن، نے ضلع ۲۴ پرگنہ (جنوبی) کے ساگر تھانہ کے علاقہ میں ہرن باڑی سے رام کار چار تک، ہرن باڑی کھال کی دوبارہ کھدائی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس تعمیراتی کام کے لئے سال ۹۱-۱۹۹۰ کے دوران ریاستی حکومت نے ۲۰۰۰۰... لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس تعمیراتی کام پر ایک تخمینہ کے مطابق ۵۶۶۲۵۲ روپئے خرچ ہوں گے ٭٭٭

مغربی بنگال اسمبلی انتخاب سنہ ۱۹۸۷ء

اِمسال مغربی بنگال اسمبلی کے لئے عام انتخابات ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۸۷ء کو منعقد ہوں گے۔ ان انتخابات میں ۲۹۴ اسمبلی نشستوں کے لئے ۱۸۶۷ افراد نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کئے۔ جانچ کرنے کے بعد ان میں سے ۳۵ کاغذاتِ نامزدگی مسترد کر دئے گئے۔ ۳۳۵ افراد نے اپنے کاغذات واپس لے لئے۔ اب اس طرح کل ۱۴۹۷ امیدوار جن میں ۳۵ عورتیں شامل ہیں، ان نشستوں کے لئے مقابلہ کر رہے ہیں۔

ان میں سے ۱۴ حلقہ ہائے انتخاب میں، جن میں سے دس شیڈولڈ کاسٹ کے لئے اور ایک شیڈولڈ ٹرائب کیلئے مختص ہے، دو پارٹیوں کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ ان میں سے ۱۱ حلقہ ہائے انتخاب کیلئے آئی۔ این سی (انڈین نیشنل کانگریس) اور سی پی آئی (ایم) کے مابین، دو میں آئی این سی اور فارورڈ بلاک کے مابین اور ایک میں آئی این سی اور آر ایس پی کے مابین مقابلہ ہوگا۔

سنہ ۱۹۸۲ء اسمبلی انتخابات میں ۱۴۲۵ افراد نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کئے تھے جن میں سے ۲۸ کاغذات جانچ کرنے کے بعد مسترد کر دئے گئے تھے۔ ۳۹۲ افراد نے اپنے کاغذات واپس لے لئے اور اس طرح اس انتخاب میں ۱۲۰۵ امیدواروں نے مقابلہ کیا تھا۔

اسمبلی انتخابات سنہ ۱۹۸۷ء میں ۲۹۴ حلقہ ہائے انتخاب میں سے بلگچیا (مشرق) میں سب سے زیادہ ووٹرس یعنی ۲۰۱۰۰۰ ہیں، اس کے بعد سلی گوڑی حلقۂ انتخاب میں ووٹروں کی تعداد ۱۹۱۰۰۰ اور شیب پور حلقۂ انتخاب میں ووٹروں کی تعداد ۱۸۶۰۰۰ ہے۔ سیالدہ حلقۂ انتخاب میں ووٹروں کی تعداد سب سے کم یعنی ۷۶۰۰۰ ہے۔ اس کے بعد ووٹروں کی تعداد جوڑاسانکو حلقۂ انتخاب میں ۸۰۰۰۰ اور شیام پوکھر میں ۸۳۰۰۰ ہے۔

مغربی بنگال کے لئے ہونے والے عام انتخابات میں ووٹروں کی تعداد ۳٫۵۴ کروڑ ہوگی۔ سنہ ۱۹۸۲ء کے لوک سبھا انتخابات میں یہاں ووٹروں کی تعداد ۳٫۳۰ کروڑ تھی۔ اس طرح سنہ ۱۹۸۲ء سے سنہ ۱۹۸۷ء کے درمیان ووٹروں کی تعداد میں ۲۴ لاکھ کا اضافہ ہوا۔

ووٹ ڈالنے کے لئے تقریباً ۲۸۰۰۴ پولنگ اسٹیشن ہوں گے، ان میں سے تقریباً ۲ لاکھ پولنگ افراد اپنے فرائض کو انجام دیں گے۔ آئی اے ایس اور آئی ایف ایس عہدوں کے ۳۵ افراد کو ان ۲۹۴ حلقہ ہائے انتخاب کے لئے انتخابی کمیشن کے طور پر تقرری دی گئی ہے ٭٭٭

شنکر نارائن پور میں واقع ندی کے کنارے ایک جیٹی

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Asst. Editor Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25. Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

15 March 1987

Regd. No. WB/CC-..

Vol.34 No—6

PRICE 12 Paise

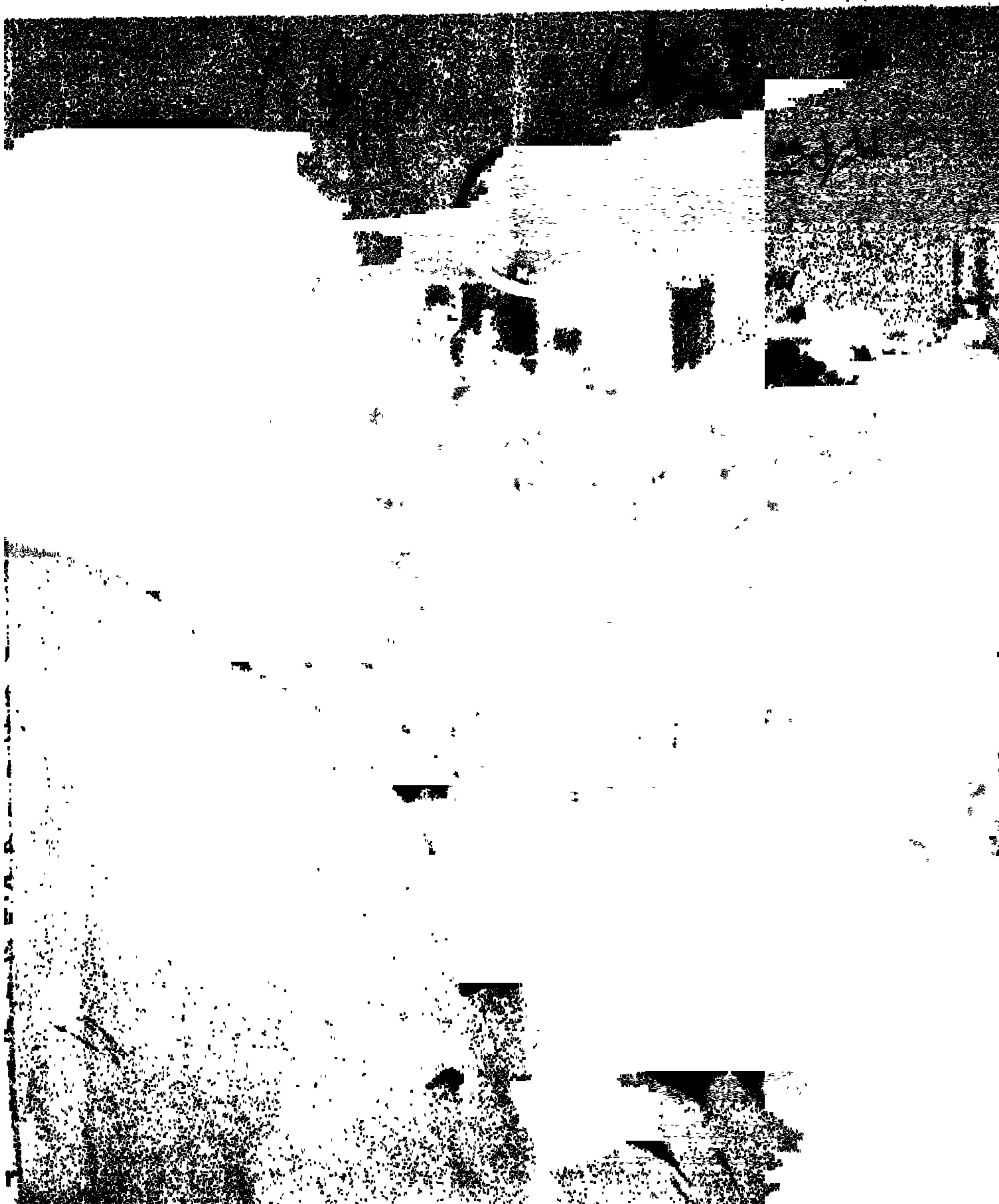


عورتوں کو خیاطی کی تربیت

عوام کی فلاح و بہبود کیلئے بائیں محاذ حکومت کے کئے گئے اقدامات

ایک دیہی علاقہ میں بچوں کی تعلیم





مغربی بنگال کلکتہ

[illegible] اشاعت ۹۸/۷ نمبر

مدیر اعلیٰ: پتر کرشنا بھٹاچاریہ
مدیر: دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون: محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ: تین روپے * اس خصوصی شمارہ کی قیمت ۲ روپے

ترسیل زر کا پتہ
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۳۲۔ آر۔ این۔ مکھرجی روڈ۔
کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۲ * یکم و ۱۵ اپریل ۱۹۸۷ء * شمارہ نمبر ۷ اور ۸

[illegible] شری آر۔ این۔ سین گپتا بھی دیکھے جا سکتے ہیں

سرورق: شری جیوتی باسو ۲۹ مارچ ۱۹۸۷ء کو کلکتہ کے بریگیڈ پریڈ میدان میں [illegible]

تصویریں از: [illegible]

عوام تاریخ بناتے ہیں، ہم عوام کی اس غیر معمولی تائید کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے

بائیں محاذ کی زبردست کامیابی ریاست کے محنت کش عوام کی حمایت کے بغیر ممکن نہ تھی

(وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو)

مغربی بنگال اور کیرالہ میں بائیں اور جمہوری طاقتوں کی فتح کا قومی سیاست پر دوررس اثر ہوگا۔ مجھے اس بات کی قوی امید ہے کہ انتخابات کے نتائج "ترقی پسند" طاقتوں کے اتحاد کو مستحکم بنانے میں دیگر ریاستوں میں لوگوں کو ترغیب دیں گے۔ وزیر اعظم نے مغربی بنگال میں لال قلعہ کو مسمار کرنے کی پکار دی تھی، کیونکہ وہ اس بات سے واقف تھے کہ بائیں بازو کی پارٹیوں کی فتح قومی سیاست میں کانگریس (آئی) کو اور بھی کمزور بنا دے گی۔"

بریگیڈ پیریڈ گراؤنڈ، کلکتہ میں ۲۹ مارچ ۱۹۸۷ء کو بائیں محاذ کے جشنِ فتح کی ایک ریلی کو خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مندرجہ بالا باتیں کہیں

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ محاذ کی فتح پر انہیں مبارکبادی کے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ یہ خطوط اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دیگر ریاستوں میں بھی لوگ مرکز میں کانگریس (آئی) کے بادل ایک متحدہ جمہوری طاقت کی تشکیل کے خواہاں ہیں۔ عوامی اتحاد لازمی بن چکا ہے کیونکہ راجیو گاندھی افتراق پسندوں اور انتشار پھیلانے والی دیگر طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور ملک کی معیشت کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے کے لئے مناسب پالیسیاں مرتب کرنے میں ناکام رہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بائیں محاذ کی زبردست کامیابی ریاست کے محنت کش عوام کی حمایت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ عوام تاریخ بناتے ہیں۔ ہم عوام کی اس غیر معمولی تائید کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ ہم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرنے والوں کو شکست ہوئی۔ عوام نے بائیں محاذ کو بھاری ووٹوں سے کامیاب کرکے ہمارا اعتماد بحال کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ یہاں حالیہ اسمبلی انتخاب میں کانگریس (آئی) کی انتخابی مہم کے لئے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو یہاں لایا گیا اور انہوں نے کانگریس (آئی) کے واحد ترجمان کی حیثیت سے بائیں محاذ کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا اور عوام سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے جھوٹے وعدے کئے۔ وزیر اعظم نے مغربی بنگال کے عوام کو نیچا دکھایا اور ان کی عزت کا مذاق اڑایا۔ آخر ملک کے سامنے وزیر اعظم کا کیا وقار رہا؟ وزیر اعظم نے کبھی ریاست کے عوام کی مشکلات کا خیال نہیں کیا۔ اسمبلی انتخاب کے دوران ریاست کے عوام کے وہ اچانک ہمدرد بن گئے۔ مرکز نے بائیں محاذ کی حکومت کیلئے کروڑوں روپئے منظور کئے لیکن اس نے عوام کی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔ دراصل عوام کو گمراہ کرنے کے لئے وزیر اعظم نے اس کا اعلان کیا تاکہ بائیں محاذ کی حکومت کو عوام کی نگاہوں میں نیچا کیا جائے۔ مرکز نے ریاست میں آج تک کوئی کارخانہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی کوئی سرمایہ لگایا۔ کانگریس (آئی) نے ریاست میں ۲۸ سال تک حکومت کی اور اس نے عوام کی بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔ عوام اس سے بدظن ہو گئے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ کانگریس (آئی) نے نیا بنگال بنانے کا وعدہ کیا جب کہ وہ خود یوپی، بہار، راجستھان اور گجرات کو نیا نہیں بنا سکی۔ نیا بنگال کا نعرہ ایک دھوکا تھا۔ ہم نے عوام کو اس فریب سے خبردار کیا۔ عوام نے وزیر اعظم کے گمراہ کن اور جھوٹے وعدوں کا منہ توڑ جواب دیا اور بائیں محاذ کو کامیاب بنایا۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ مغربی بنگال کے محنت کش عوام استحصالی قوت کے سامنے کبھی بھی سر نہیں جھکا سکتے۔ ایک طرف انہوں نے کانگریس (آئی) کو شکست دی تو دوسری طرف بڑے اخبارات کو بھی منہ کی کھانی پڑی۔ بنگلہ اور انگریزی کے علاوہ ہندی اور اردو اخبارات نے بھی عوام کے ذہنوں میں خوب زہر گھولا ہے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ اقلیتیں بائیں محاذ کو ووٹ نہیں دیں گی۔ لیکن دیہی علاقوں میں انہوں نے بھاری ووٹوں سے بائیں محاذ کو کامیاب بنایا۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے افسوس کیا کہ کانگریس (آئی) نے انتخاب کے دوران بائیں محاذ پر الزام لگایا کہ کمیونسٹ مذہب پر یقین نہیں رکھتے لہٰذا انہیں ووٹ دینا نہیں چاہئے۔ اس طرح کا پروپگنڈہ الیکشن کمیشن کے ضابطے کے خلاف ہے۔ وزیر اعظم یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جائے لیکن عملی طور پر وہ خود مذہب کو سیاست کے ساتھ ملا کر گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ ہماری پالیسی ووٹ حاصل کرنے کی نہیں ہے بلکہ ہم اپنی حکومت کی کارکردگی بہتر بنانے، اسے مضبوط بنانے اور نوجوانوں کے کردار کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم اور کانگریس (آئی) ہمارے سرخ قلعے کو مسمار کرنے میں ناکام رہی ہے۔ یہ عوام کا سرخ قلعہ ہے۔ اسے عوام نے تعمیر کیا ہے۔ وزیر اعظم تو کیا ان کی ماں بھی اس سرخ قلعہ کو مسمار نہیں کر سکی تھیں۔ ہٹلر اور گوئبلز نے تو دنیا کو تباہ کر دیا تھا۔ وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے اس طرح کی باتیں کر کے دلّی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ دلّی کا لال قلعہ اب خطرے میں پڑ گیا ہے۔ وزیر اعظم اب اس کا تحفظ کریں۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریاست کے عوام سے اپیل کی کہ وہ بائیں محاذ کی حکومت کو ایک مثالی حکومت بنائیں تاکہ ملک کی دیگر ریاستوں کے عوام ناکارہ کانگریس (آئی) حکومت کو اکھاڑ پھینکیں۔ کانگریس (آئی) کو مغربی بنگال اور کیرالا میں بھاری شکست ہوئی اور دیگر ریاستیں بھی اس کے ہاتھ سے نکل جا رہی ہیں جہاں وہ عرصے سے حکومت کر رہی تھی۔ ملک کے عوام بائیں محاذ کی حکومت کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے اپنی ریاستوں میں بھی اسی طرز کی حکومت قائم کرنے پر سوچنا شروع کر دیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ وزیر اعظم نے کلکتہ کو ایک مردہ شہر قرار دیا تھا لیکن آج وہ خود یہاں آئیں اور دیکھیں کہ یہ شہر کیا ہے۔ عوام نے ہمارے سرخ قلعے کو محفوظ رکھا ہے اور اسے کوئی مسمار نہیں کر سکتا۔

وزیر اعلیٰ شری باسو نے کہا کہ عوام نے بائیں محاذ کو تیسری مرتبہ برسر اقتدار لا کر اس کی ذمہ داریاں بڑھا دی ہیں۔ عوام کو ہم سے کافی توقعات ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں گے۔ ہم میں خامیاں اور کمزوریاں بھی ہیں۔ ہم انہیں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

سی پی آئی کی خاتون ممبر پارلیامنٹ شریمتی گیتا مکھرجی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ عجیب مضحکہ خیز بات تھی کہ وزیر اعظم مغربی بنگال کے لال قلعہ کو مسمار کرنا چاہتے تھے۔ اس قلعہ کو مسمار کرنا تو دور کی بات رہی وہ خود مالدہ میں اپنے قلعہ کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاست کے لوگوں نے بائیں محاذ پر اپنے جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کا ہمیں احترام کرنا چاہئے اور پیار و محبت اور خدمت کے ذریعہ اپنی کارگزاریوں سے خود کو اس اعتماد کا مستحق بنانا چاہئے۔

کل ہند فارورڈ بلاک کے جنرل سکریٹری شری چترو باسو نے اپنی تقریر میں کہا کہ بائیں محاذ کی فتح نے قومی سیاست میں نئے امکانات کی راہیں ہموار کر دی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مخالف پارٹی اپنی شکست کے بعد فرقہ واریت کو فروغ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس لئے بائیں محاذ کی پارٹیوں کے درمیان اتحاد کو اور مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

آر۔ ایس۔ پی کے سربراہ شری نکھیل داس نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ ہوشیار اور چوکنا رہیں کیوں کہ تفریق پسند تحریک جو ملک کی دیگر علاقوں میں سرگرم عمل ہے اب ہماری ریاست میں آ پہنچی ہے۔

متحدہ محاذ کے چیئرمین شری سروج مکھرجی نے جنھوں نے اس جلسے کی صدارت بھی کی، اپنی تقریر میں لوگوں کو انتباہ کیا کہ وہ سب محاذ کی فتح کی خوشی کی رو میں بہہ نہ جائیں۔ انھوں نے کہا کہ بائیں محاذ مرکز کے مصالحتی فارمولے اور مغربی بنگال کے ساتھ تفریق کی پالیسی کے خلاف اپنی جدوجہد کو جاری رکھے گا۔ انھوں نے علیحدگی پسند اور فرقہ پرست عناصر کے خلاف عوام کو متحد ہو جانے کی تلقین کی۔ انھوں نے اس انتخاب میں بائیں محاذ کی اس عظیم کامیابی کے لئے عوام کا شکریہ ادا کیا۔

اس جشن فتح میں لاکھوں افراد نے شرکت کی اور پٹاخے چھوڑ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔



جشن فتح کے موقع پر بریگیڈ پریڈ گراؤنڈ میں منعقدہ جلسے میں بائیں محاذ کے لیڈران آپس میں بات چیت کرتے ہوئے



۲۳ اپریل [illegible] کو تیسری بائیں محاذ حکومت کی پہلی کابینہ میٹنگ

مغربی بنگال کے اسمبلی انتخابات میں بائیں محاذ کی نمایاں کامیابی

ریاست میں پرامن انتخابات کیلئے عوام کو وزیراعلیٰ کی مبارک باد

مغربی بنگال میں گزشتہ ۲۳ مارچ کو ہونے والے دسویں اسمبلی انتخابات میں بائیں محاذ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کل ۲۹۴ سیٹوں میں بائیں محاذ کو ۲۵۱ سیٹ ملیں۔ مغربی بنگال میں اس طرح عوام کی بھرپور حمایت سے بایاں محاذ تیسری مرتبہ برسر اقتدار آگیا۔ اس بار کے الیکشن میں عوام میں بڑی گہما گہمی پائی گئی۔ تقریباً ہر پولنگ بوتھ پر لوگ قبل از وقت پہنچے ہوئے تھے۔ اپنے اپنے بوتھ میں لوگوں نے صبح ساڑھے نو بجے سے سہ پہر ساڑھے ۴ بجے تک ووٹ ڈالے۔ ریاست میں مجموعی طور پر ۷۵/۶۶ فیصد ووٹ پڑے۔ پوری ریاست میں اکا دکا واقعات کو چھوڑ کر انتخابات پرامن طور پر ہوگئے۔ وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے ریاست میں پرامن انتخابات کے لیے عوام کا شکریہ ادا کیا۔

اس انتخابات میں بھی کانگریس نے کل ۲۹۴ سیٹوں کیلئے مقابلہ کیا جبکہ بائیں محاذ میں سی پی آئی (ایم) نے ۲۱۳ سیٹوں، فارورڈ بلاک نے ۳۴ سیٹوں اور آر ایس پی نے ۲۳ سیٹوں، سی پی آئی نے ۱۲ سیٹوں، ڈبلیو بی ایس پی ۴ سیٹوں، ڈی ایس پی ۳، آر سی پی آئی ۳ سیٹوں اور فارورڈ بلاک (مارکسی) ۲ سیٹوں کے لئے مقابلہ کیا۔ اس انتخابی مقابلہ میں سی پی آئی (ایم) نے ۱۸۷ سیٹوں پر، فارورڈ بلاک نے ۲۶ سیٹوں پر، آر ایس پی نے ۱۸ سیٹوں پر، سی پی آئی نے ۱۱ سیٹوں پر، ڈبلیو بی ایس پی نے ۴ سیٹوں پر، ڈی ایس پی نے ۲ سیٹوں پر، آر سی پی آئی نے ایک سیٹ پر اور فارورڈ بلاک (مارکسی) نے ۲ سیٹوں پر نصرت و کامیابی حاصل کی۔

ووٹوں کی گنتی دوسرے دن صبح سے ہی شروع ہوگئی اور ۲۶ مارچ تک تقریباً تمام سیٹوں کے نتائج کا اعلان کردیا گیا۔ نتائج کے اعلان کے بعد شری جیوتی باسو نے اپنے ایک بیان میں بتایا کہ بائیں محاذ حکومت کی ذمہ داری اس لئے بھی اور بڑھ گئی ہے کہ عوام نے اس پر بھرپور اعتماد کیا اور نتائج اس کے شاہد ہیں۔ بائیں محاذ کی نمایاں



PARTYWISE POSITION

Party	Seats
B.J.P. —	
C.P.I. —	11
C.P.I. (M) —	187
I.C.(S) —	
I.N.C. —	[illegible]
J.P. —	
L.D. —	[illegible]
F.B. —	[illegible]
R.S.P. —	18
S.U.C.I. —	2
M.L. —	1
INDEPENDENTS	[illegible]
TOTAL	[illegible]

CALCUTTA INFORMATION CENTRE

کامیابی پر ملک کی ممتاز شخصیتوں اور رہنماؤں شری راجیو گاندھی، شری گیانی ذیل سنگھ، شری کارام کرشنا ہیگڑے، شری زین چکرورتی، شری

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

مغربی بنگال میں تیسری بار بائیں محاذ کی حکومت

شری جیوتی باسو کی قیادت میں بائیں محاذ کی نئی وزارت کی تشکیل

راج بھون میں منعقدہ پرشکوہ تقریب میں گورنر ڈاکٹر سید نورالحسن نے وزرار کو حلف دلایا

راج بھون کے وسیع لان پر ایک خوبصورت شامیانے کے نیچے منعقدہ تقریب حلف برداری میں مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر سید نورالحسن نے کابینہ درجہ کے ۲۲ وزرار بشمول وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور مملکت درجہ کے ۹ وزرار کو عہدے اور رازداری کا حلف دلایا۔ شری جیوتی باسو اور ۱۵ دیگر وزرار جن میں بنوئے چودھری بھی شامل ہیں، نے ۳۱ رمارچ کو حلف اٹھایا اور باقی ۱۶ وزرار نے ۳ راپریل کو اپنے عہدے اور رازداری کا حلف اٹھایا۔

۳۱ رمارچ کی صبح رسم حلف برداری کی اس تقریب میں تقریباً دو ہزار مدعوئین جن میں بڑے صنعت کاروں، کونسلروں، دفاعی سروسوں کے اعلیٰ حکام، پولس اور نیم فوجی فورس کے اعلیٰ حکام، کلکتہ ہائی کورٹ کے ججوں، کلکتہ کارپوریشن کے میئر، مغربی بنگال کے ایڈووکیٹ جنرل، مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے افسران اور نومنتخب ممبران اسمبلی کے علاوہ اخبارات کے مدیران بھی تھے نے شرکت کی۔ بائیں محاذ کے چیئرمین شری سروج مکھرجی بھی تقریب میں موجود تھے۔ تقریب کی شروعات صبح دس بجے قومی ترانہ سے ہوئی اس کے بعد چیف سکریٹری رتھن سین گپتا جو نقابت کے فرائض انجام دے رہے تھے نے گورنر ڈاکٹر سید نورالحسن کو رسم حلف برداری ادا کرانے کی دعوت دی۔ سب سے پہلے شری جیوتی باسو نے عہدے اور رازداری کا حلف اٹھایا اس کے بعد شری جیوتی باسو کی قیادت میں دیگر ۱۶ وزرار کو حلف دلایا گیا۔ حلف برداری کا سلسلہ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اس تقریب میں حلف لینے والے ۱۶ وزرار کے نام یہ ہیں:

شری جیوتی باسو، شری بنوئے چودھری، شری بدھادیب بھٹاچاریہ، شری اشیم داس گپتا، شری پرسنتا سور، شری پرابیر سین گپتا، شری تا مانگ دادا لاما (تمام سی پی آئی-ایم)، شری کنائی بھومک، جناب سید واحد رضا (دونوں سی پی آئی)، شری کرن موئے نندا (ویسٹ بنگال سوشلسٹ پارٹی)، جاتن چکرورتی، شری دیبا براتا بندوپادھیہ، شری وشوا ناتھ چودھری (تمام آر ایس پی)، شری نرمل کمار بوس، شری کمل کانتی گوہا اور شری بھکتی بھوشن منڈل (تمام فارورڈ بلاک)۔

اسی طرح ۳ راپریل ۸۷ء کی سہ پہر کو گورنر ڈاکٹر سید نورالحسن نے راج بھون کی ایک خصوصی تقریب میں دیگر ۱۶ وزرار کو عہدے اور رازداری کا حلف دلایا۔ ۵۰ منٹ تک جاری رہنے والی اس تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور ان کی کابینہ کے کئی ایک اراکین بھی موجود تھے۔ جن ۱۶ وزرار نے حلف اٹھایا انکے نام حسب ذیل ہیں:

شری شیامل چکرورتی، شری سبھاش چکرورتی، جناب عبدالرزاق ملا، جناب عبدالقیوم ملا، شری پرد بھاش بھودیکار، شریمتی چھایا بیرا، شری اچنتا کرشنا رائے، جناب محمد عبدالباری، شری بن مالی رائے، شری شانتی گھٹک، شری رمانی کانتا دیب شرما، شری کانتی بسواس، شری مہیشور مرمو، ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیہ، شری دینیش چندر ڈاکوا (تمام سی پی آئی ایم) اور شری سرل دیب (فارورڈ بلاک)۔

۳۲ وزرار پر مشتمل نئی وزارت میں ۲۲-۱ اراکین جن میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بھی شامل ہیں، سی پی آئی (ایم) کے ہیں۔ ان میں

(باقی صفحہ 56 پر)

ریاست مغربی بنگال کے وزرا

۱: شری جیوتی باسو، وزیراعلیٰ اور وزیرانچارج۔
شعبۂ داخلہ (اس میں جیل شاخ، پارلیمانی امور شاخ اور امور اقلیت اور حج سے وابستہ شاخ شامل نہیں ہیں) شعبۂ ترقیات اور منصوبہ بندی کی پہاڑی امور شاخ اور سائنس اور ٹکنالوجی سے وابستہ امور، شعبۂ عوامی ادارے (ان میں مغربی بنگال زراعت ۔ صنعت کارپوریشن لمیٹڈ سے وابستہ امور شامل نہیں ہیں)، شعبۂ صنعت و حرفت، شعبۂ مکانات، شعبۂ صنعتی تعمیر اور شعبۂ تعلیم (اس شعبہ میں یہ شاخیں شامل نہیں ہیں: ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی شاخیں، مدرسہ تعلیم، غیر رسمی تعلیم، تعلیم بالغان، لبعری یسماجی تعلیم اور معذوروں کے لئے تعلیم، سماجی رفاہ ہومس، ضلع سماجی تعلیم افسروں اور توسیعی افسروں، سماجی تعلیم سے وابستہ تمام امور، لائبریری خدمات اور اعلیٰ تر تعلیم سے غیر وابستہ نمائش کتب)

۲: شری بینوئے کرشنا چودھری، وزیرانچارج۔
شعبہ آراضیات اور اصلاحات آراضی، شعبہ پنچایت اور اجتماعی ترقیات اور شعبہ مضافاتی ترقیات

۳: شری بدھادیب بھٹاچارجی، وزیرانچارج۔
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، شعبہ مقامی و شہری ترقیات اور شعبہ عظیم تر شہر ترقیات۔

۴۔ شری اشیم کمار داس گپتا، وزیرانچارج۔
شعبۂ مالیات، شعبۂ آبکاری اور شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی (اس شعبہ میں پہاڑی امور شاخ، سندربن امور شاخ، جھاڑ گرام امور شاخ اور سائنس اور ٹکنالوجی سے وابستہ امور شامل نہیں ہیں)۔

۵: شری پرستا کمار سور، وزیرانچارج۔
شعبہ صحت عامہ اور خاندانی رفاہ (اس شعبے میں شہری پانی سپلائی اور گندے پانی کا نکاس، اور مضافاتی پانی سپلائی اور گندے پانی کا نکاس شامل نہیں ہیں) اور پناہ گزینوں کی امداد و بحالی کا شعبہ۔

۶: شری پرابیر سین گپتا، وزیرانچارج۔
شعبہ توانائی اور شعبہ صحت عامہ اور خاندانی رفاہ میں شہری پانی سپلائی اور گندے پانی کا نکاس اور مضافاتی پانی سپلائی اور گندے پانی کا نکاس۔

۷: شری کنائی بھومک، وزیرانچارج
شعبہ زراعت کی چھوٹی آبپاشی شاخ اور کمانڈ علاقہ ترقیات شاخ اور عوامی ادارہ کے شعبہ میں مغربی بنگال زراعت ۔ صنعت کارپوریشن لمیٹڈ سے وابستہ امور۔

۸: شری کیرنموئے نندا، وزیرانچارج شعبہ ماہی گیری و ماہی پروری۔

۹: شری جاتن چکرورتی، وزیرانچارج، شعبۂ تعمیرات عامہ

۱۰: شری دیبابراتا بندوپادھیہ، وزیرانچارج شعبہ آبپاشی اور آبی گزرگاہ۔

۱۱: شری وشوانا تھ چودھری، وزیرانچارج۔
امداد و رفاہ شعبہ کی رفاہی شاخ اور شعبہ داخلہ کی جیل شاخ۔

۱۲: شری نرمل کمار بوس، وزیرانچارج شعبہ خوراک و رسد۔

۱۳: شری کمل کانتی گوہا، وزیرانچارج۔
شعبہ زراعت (اس میں اس شعبہ کے چھوٹی آبپاشی اور کمانڈ علاقہ ترقیات شاخیں شامل نہیں ہیں)۔

۱۴: **شری بھکتی بھوشن منڈل**، وزیر انچارج شعبہ تعاون۔

۱۵: **شری کانتی بسواس**، وزیر انچارج۔
شعبہ تعلیم کی ابتدائی اور ثانوی شاخیں (ان میں مدرسہ تعلیم، غیر رسمی تعلیم، تعلیم بالغان، سماجی بصری تعلیم اور معذوروں کی تعلیم شامل نہیں ہیں)۔

۱۶: **شری سبھاش چکرورتی**، وزیر انچارج:
شعبۂ کھیل کود و خدمات نوجوان اور شعبۂ سیاحت۔

۱۷: **شری شیامل چکرورتی**، وزیر انچارج شعبہ نقل و حمل

۱۸: **جناب عبدالقیوم ملّا**، وزیر انچارج،
شعبہ قانون ساز اور شعبہ عدلیہ (اس میں وقف سے وابستہ امور شامل نہیں ہیں) اور شعبہ داخلہ کی پارلیمانی امور شاخ۔

۱۹: **شری دینیش چندر ڈاکوا**، وزیر انچارج
شعبہ رفاہ شیڈیولڈ کاسٹ و ٹرائب اور شعبہ ترقیات و منصوبہ بندی کی جھاڑگرام امور شاخ۔

۲۰: **ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیہ**، وزیر انچارج۔
شعبۂ ماحولیات اور شعبہ جنگلات۔

۲۱: **جناب عبدالستار محمد**، وزیر انچارج،
شعبہ تعلیم کی غیر رسمی تعلیم، تعلیم بالغان، مدرسہ تعلیم مع کلکتہ مدرسہ، سماجی بصری تعلیم، معذوروں کی تعلیم (سماجی رفاہ ہومس، ضلع سماجی تعلیم افسروں اور توسیعی افسروں (سماجی تعلیم) سے وابستہ تمام امور، شعبہ عدلیہ میں وقف سے وابستہ امور اور شعبہ داخلہ میں اقلیتوں کے مسائل اور حج سے وابستہ امور۔

۲۲: **شری اچینتا کرشنا رائے**، وزیر انچارج،
شعبہ دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں۔

۲۳: **شری شانتی رنجن گھٹک**، وزیر انچارج شعبہ محنت۔

۲۴: **شری داوا لاما**، وزیر ریاست
وزیر اعلیٰ کے تحت شعبہ ترقیات اور منصوبہ بندی کی پہاڑی امور شاخ اور وزیر انچارج شعبہ ترقیات اور منصوبہ بندی کی پہاڑی امور شاخ۔

۲۵: **جناب سید واحد رضا**، وزیر ریاست،
وزیر اعلیٰ کے تحت شعبہ داخلہ کی شہری دفاع شاخ اور وزیر انچارج شعبہ داخلہ (جیل شاخ کو چھوڑ کر)

۲۶: **شری پربھاش پھودیکار**، وزیر ریاست،
شعبہ پرورش اور علاج مویشی کے انچارج۔

۲۷: **شری مہیشور مرمو**، وزیر ریاست،
شعبہ رفاہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب، اور شعبہ ترقیات اور منصوبہ بندی کی جھاڑگرام امور شاخ کے وزیر انچارج کے تحت شعبہ رفاہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور شعبہ ترقیات اور منصوبہ بندی کی جھاڑگرام امور شاخ۔

۲۸: **شریمتی چھایا بیرا**، وزیر ریاست،
شعبہ امداد و رفاہ کی امداد شاخ کی انچارج۔

۲۹: **شری بونامالی رائے**، وزیر ریاست،
شعبہ جات ماحولیات اور جنگلات کے وزیر انچارج کے تحت، شعبہ جات ماحولیات و جنگلات۔

۳۰: **ڈاکٹر عبدالرزاق ملا**، وزیر ریاست۔
شعبہ ترقیات و منصوبہ بندی کی سندربن امور شاخ کے انچارج

۳۱: **شری رماکانتا دیب شرما**، وزیر ریاست،
شعبہ جات آراضی اور اصلاحات آراضی، پنچایت و اجتماعی ترقیات اور مضافاتی ترقیات کے وزیر انچارج کے تحت، شعبہ آراضی و اصلاحات آراضی، شعبہ پنچایت و اجتماعی ترقیات اور شعبہ مضافاتی ترقیات۔

۳۲: **شری سرل دیب**، وزیر ریاست،
شعبۂ تعلیم میں لائبریری خدمات اور اعلیٰ تعلیم سے وابستہ نمائش کتب کے انچارج ٭٭٭



بائیں محاذ کے وزرار کی حلف برداری



پروفیسر سید نورالحسن، گورنر مغربی بنگال وزرار کو حلف دلاتے ہوئے ۔



شری جیوتی باسو



شری بینوئے کرشنا چودھری



شری بدھا دیب بھٹاچاریہ



شری اشیم کمار داس گپتا



شری پرستا کمار سور



شری پروبیر سین گپتا



شری کنائی بھومک



شری جاتن چکرورتی



شری کرن موئے نندا



سید واحد رضا



شری نرمل کمار بوس



شری وشوا ناتھ چودھری



شری دیبابراتا بندوپادھیہ



شری دلوالاما



شری بھکتی بھوشن منڈل



شری کمل کانتی گوہا



شری تپ مل چکرورتی



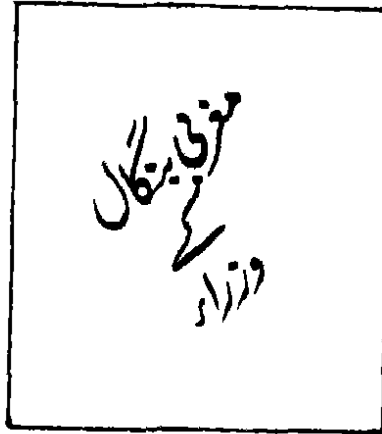
شری ست تس چکرورتی



شری کانتی بسواس



شری دینیش چندر ڈاکوا





عبدالقیوم ملا



شری اچنتا کرشنا رائے



محمد عبدالباری



شری امبریش مکھرجی



شری مہیشور مرمو



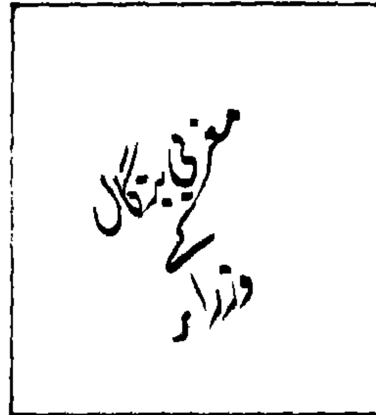
شری پرد بھاش بھودیکار



شری شانتی رنجن گھٹک



شری بن مالی رائے



مغربی بنگال کے وزراء



شریمتی چھایا بیرا



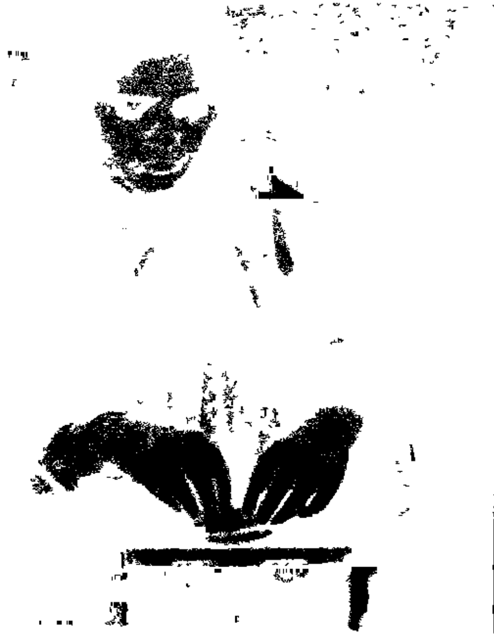
شری سرل دیب



شری جانی کانتا دیب شرما



ڈاکٹر عبدالرزاق ملاّ





پولنگ

مغربی بنگال میں
۱۰ ویں اسمبلی انتخابات سنہ ۱۹۹۱ء



ووٹوں کی گنتی

ووٹوں کے نتائج کا اعلان





مغربی بنگال ریاستی اسمبلی کیلئے عام انتخابات ۱۹۸۷ء کے نتائج

ضلع کوچ بہار

حلقۂ انتخاب ۱ میکھلی گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدواروں اور انکی پارٹیوں کے نام -	ووٹ حاصل کئے
۱- ابی رام رائے - ایس یو سی آئی -	۱۶۸۳
۲- گوپال چندر رائے - آزاد	۲۲۸۱
۳- مدھو سدن رائے - آئی این سی	۳۹۰۳۴
۴- جوردنا تھو سرکار - بی جے پی	۹۶۱
۵- سدا کانتا رائے - اے آئی ایف بی	۴۸۰۷۱
ووٹروں کی کل تعداد -	۱۱۸۶۰۱
ووٹ ڈالے گئے	۹۲۷۷۷
رد کردہ ووٹ	۱۶۲۷

منتخب ہوئے - سدا کانتا رائے (اے آئی ایف بی)

حلقۂ انتخاب ۲ سیتل کوچی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- سچندرا ناتھ برمن - آزاد	۵۱۲
۲- سوتیا رائے، آئی این سی	۴۷۲۰۹
۳- سدھیر پرامانک سی پی آئی (ایم)	۵۰۶۸۰
ووٹروں کی کل تعداد :	۱۱۶۸۷۷
ووٹ ڈالے گئے	۱۰۰۱۷۵
رد کردہ ووٹ :	۱۷۷۴

منتخب ہوئے : سدھیر پرامانک (سی پی آئی ایم)

حلقۂ انتخاب ۳ ماتھا بھانگا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- کرشنو ر برمن - آزاد	۷۰۹
۲- دینیش چندر ڈاکوا، سی پی آئی (ایم)	۴۹۰۹۳
۳- جتیندرا ناتھ برمن - آئی این سی	۴۲۷۲۳
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۵۷۸۷
ووٹ ڈالے گئے	۹۵۲۰۴
رد کردہ ووٹ	۱۶۷۹

منتخب ہوئے - دینیش چندر ڈاکوا - (سی پی آئی ایم)

حلقۂ انتخاب ۴ - کوچ بہار شمالی

۱- اپرجیت گوپی - اے آئی ایف بی -	۴۹۱۷۲
۲- کملیشور سرکار - آزاد	۴۱۹
۳- پرکاش رگو سوامی، آئی این سی	۳۹۳۹۲
۴- شیامل کرشنا سرکار، بی جے پی -	۶۱۵
۵- سنتوش کمار سندی، آزاد	۲۳۴
ووٹروں کی کل تعداد :	۱۱۶۸۵۵
ووٹ ڈالے گئے	۹۱۲۰۸
رد کردہ ووٹ	۱۲۷۶

منتخب ہوئے - اپرجیت گوپی (اے آئی ایف بی)

حلقۂ انتخاب ۵ - کوچ بہار مغربی

۱- نریندر اپرشاد کرجی، آزاد	۳۲۱
۲- بمل کانتی باسو - اے آئی ایف بی	۵۹۳۴۳
۳- شیامل چودھری، آئی این سی	۴۵۱۶۳
۴- سید عثمان غنی - آزاد	۵۳۶
ووٹروں کی کل تعداد -	۱۲۹۲۴۰
ووٹ ڈالے گئے -	۱۰۶۸۵۳
رد کردہ ووٹ -	۱۴۹۳

منتخب ہوئے : بمل کانتی گھوش (اے آئی ایف بی)

حلقۂ انتخاب ۶ - سیتائی

۱- دیپک سین گپتا، اے آئی ایف بی	۵۳۵۹۲
۲- بابلو برمن - آزاد	۷۵۵
۳- ڈاکٹر محمد فضل حق، آئی این سی	۴۸۹۳۸
ووٹروں کی کل تعداد -	۱۲۲۵۹۹
ووٹ ڈالے گئے	۱۰۵۰۰۶

نوٹ : پارٹی کے نام : (۱) ایس یو سی آئی - سوشلسٹ یونٹی سنٹر آف انڈیا، (۲) آئی۔این سی - انڈین نیشنل کانگریس یعنی کانگریس (آئی)، (۳) بی۔جے۔پی، بھارتیہ جنتا پارٹی (۴) اے آئی ایف بی، آل انڈیا فارورڈ بلاک، (۵) آر ایس پی، ریولیوشنری سوشلسٹ پارٹی (۶) سی پی آئی، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا، (۷) سی پی آئی (ایم)، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسسٹ)۔

ردکردہ ووٹ ۱۷۲۱

منتخب ہوئے: دیپک سین گپتا (اے آئی ایف بی)

حلقہ انتخاب ۷، دین ہاٹا

۱۔ اشوک کمار منڈل، آئی این سی ۔ ۴۶۴۲۵
۲۔ کمل گوہا ۔ اے آئی ایف بی ۵۷۴۳۹
۳۔ منوہری برمن ۔ آزاد ۳۰۴
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۲۵۴۳۵
ووٹ ڈالے گئے ۔ ۱۰۵۶۱۸
ردکردہ ووٹ ۔ ۱۴۵۰

منتخب ہوئے: کمل گوہا (اے آئی ایف بی)۔

حلقہ انتخاب ۸، ناٹا باری

۱۔ املیندو دیب (ڈلال)، آزاد ۹۸۳
۲۔ منی بھوشن سنگھ سرکار، آزاد ۸۸۸
۳۔ سبندر ناراین چودھری ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۵۶۴
۴۔ سنتوش کمار رائے، آئی این سی، ۴۱۴۸۷
۵۔ ہری بالا رائے ۔ آزاد ۲۱۸
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۰۷۳۵
ووٹ ڈالے گئے ۔ ۹۴۷۲۸
ردکردہ ووٹ ۔ ۱۵۸۸

منتخب ہوئے: سبندر ناراین چودھری (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب ۹، طوفان گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ایشور شنشیر، آئی این سی ۔ ۳۷۱۶۸
۲۔ دلیندرا رائے، آزاد ۲۰۹۱
۳۔ منندر ناتھ برمن، سی پی آئی (ایم) ۔ ۵۰۷۴۸
۴۔ سریندر ناتھ رائے کاکو، بی جے پی ۱۰۳۶
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۰۶۹۴۵
ووٹ ڈالے گئے ۔ ۹۰۶۲۸

ردکردہ ووٹ ۔ ۱۳۸۵

منتخب ہوئے: منندر ناتھ برمن (سی پی آئی ایم)

ضلع جلپائی گوڑی

حلقہ انتخاب ۱۰، کمار گرام (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ کمگیندرا ناتھ ٹھاکر، آئی این سی ۔ ۳۴۵۱۴
۲۔ سوبودھ برا ۔ آر ایس پی ۴۸۰۸۱
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۰۳۹۸
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۵۳۲۵
ردکردہ ووٹ ۔ ۲۷۳۰

منتخب ہوئے: سوبودھ برا ۔ آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۱۱، کالچینی (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ کھودی رام پاہان، آئی این سی، ۳۳۶۶۸
۲۔ بلورام پردھان، آزاد ۳۳۸۹
۳۔ منوہر ٹرکے، آر ایس پی ۳۱۰۵۸
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۰۸۱۸۱
ووٹ ڈالے گئے ۔ ۷۱۴۵۴
ردکردہ ووٹ ۔ ۳۳۳۹

منتخب ہوئے: کھودی رام پاہان، آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۲، علی پور دوار

۱۔ جگناتھ سواسی، آزاد ۔ ۹۳۵
۲۔ دیبو برتا چٹو پادھیہ، آئی این سی ۳۸۹۳۴
۳۔ نونی بھٹاچاریہ ۔ آر ایس پی ۵۵۱۰۰
۴۔ پربھات ادھیکاری، آزاد ۲۹۸
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۲۸۹۰۱
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۷۲۶۴
ردکردہ ووٹ ۱۹۹۶

منتخب ہوئے: نونی بھٹاچاریہ (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب ۱۳، فالاکاٹا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ جوگیندر ناتھ سنگھا رائے، سی پی آئی ایم ۴۳۴۹۴
۲۔ بولت موہن رائے، آئی این سی ۳۷۱۸۴
۳۔ سدانند رائے ۔ آزاد ۸۷۷
۴۔ سنتوش برمن ۔ آزاد ۹۸۷
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۰۵۱۸
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۴۴۹۰
ردکردہ ووٹ ۔ ۱۹۵۸

منتخب ہوئے: جوگیندر ناتھ سنگھا رائے سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۴، مداری ہاٹ (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ ٹونا ٹوپو ۔ آئی این سی ۲۸۹۶۶
۲۔ سبھاش کرجی، آزاد ۱۶۴۵
۳۔ سوشیل کوجر، آر ایس پی ۳۶۴۷۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۰۳۹۵۴
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۷۰۴۶۴
ردکردہ ووٹ ۔ ۳۴۷۴

منتخب ہوئے: سوشیل کوجر (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب ۱۵، دھوپ گوڑی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ جیوان چندر سرکار، بی جے پی ۳۹۱
۲۔ نرپیندر ناتھ رائے، آئی این سی ۲۷۶۴۸
۳۔ پرادیپ رائے، آزاد ۲۵۹
۴۔ بنوالی رائے، سی پی آئی (ایم) ۔ ۴۱۶۰۰
۵۔ جوتیندر موہن منڈل ۔ آزاد ۲۲۵
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۹۹۸۴۰
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۷۱۳۸۴
ردکردہ ووٹ ۔ ۱۱۸۰

منتخب ہوئے: جونو مالی داسی (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب نمبر ۱۶ ناگرا کاٹا (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ وسریتہ اراؤں، جنتا ۵۴۹۶
۲۔ سجادیو اراؤں، آئی این سی ۳۵۰۹۸
۳۔ شکر اراؤں، سی پی آئی (ایم) ۴۶۲۹۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۶۸۰۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۲۸۵
ردکردہ ووٹ ۴۴۰۱
منتخب ہوئے: شکر اراؤں (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب نمبر ۱۷ میناگوڑی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ اتول رائے، آزاد ۸۴۷
۲۔ تارک بندھو رائے، آر ایس پی ۴۲۱۸۱
۳۔ وجے کرشنا مہانت، آزاد ۵۴۰
۴۔ بھوبن برمن، آزاد ۱۱۹۴
۵۔ من متھ رائے باسونیا، آئی این سی ۳۲۶۴۲
۶۔ شیامل باسونیا، آزاد ۳۸۴۲
۷۔ سنت چندر رائے، آزاد ۳۱۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۸۶۹
ڈالے گئے ووٹ ۸۲۲۰۱
ردکردہ ووٹ ۱۶۵۲
منتخب ہوئے: تارک بندھو رائے (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب نمبر ۱۸ مال (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ ارجن اوراؤں، آزاد ۲۰۱
۲۔ آیو کلاندی، آئی این سی ۲۳۸۶۹
۳۔ بریا لکڑا، آزاد ۲۸۶۶
۴۔ موہن لال اوراؤں، سی پی آئی (ایم) ۳۹۵۶۴
۵۔ سکھومن ڈوکی، آزاد ۵۷۸
۶۔ سومرا اوراؤں، آزاد ۲۳۲۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۹۳۲۸
ڈالے گئے ووٹ ۷۲۶۴۲
ردکردہ ووٹ ۳۳۴۰
منتخب ہوئے: موہن لال اوراؤں (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب نمبر ۱۹ کرانتی

۱۔ کمل بھومک، آزاد ۲۰۱۴
۲۔ کل لابو، آئی این سی ۲۵۴۴۲
۳۔ محمد نورالعالم، آزاد ۴۳۶
۴۔ شری کیتی مینو دیب، آزاد ۳۴۴
۵۔ سکھنے سدھان چندر رام، سی پی آئی (ایم) ۴۲۰۳۸
۶۔ سبل چندر داس، جنتا ۸۷۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۱۴۸۹
ڈالے گئے ووٹ ۷۲۶۰۳
ردکردہ ووٹ ۱۴۵۴
منتخب ہوئے: سدھان چندر رام (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب نمبر ۲۰ جلپائی گوڑی

۱۔ انوپم سین، آئی این سی ۲۷۶۵۳
۲۔ کھتیش چندر منڈل، آر ۲۲۵۵
۳۔ دلیپ بھٹاچاریہ، ایس یو سی آئی ۱۱۰۶
۴۔ نرمل کمار بوس، اے آئی ایف بی ۴۲۵۸۲
۵۔ بابو سرکار، آزاد ۱۷۹
۶۔ سچندر ناتھ رائے، آزاد ۳۷۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۹۳۵
ڈالے گئے ووٹ ۸۵۵۰۲
ردکردہ ووٹ ۱۳۵۰
منتخب ہوئے: نرمل کمار بوس (اے آئی ایف بی)

حلقہ انتخاب نمبر ۲۱ رائے گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ اجیت کمار رائے، آزاد ۱۸۸
۲۔ کالی چرن رائے، ایس یو سی آئی ۱۴۶۰
۳۔ دھریندرا ناتھ رائے، سی پی آئی (ایم) ۵۹۸۴۲
۴۔ بریندر داس، آئی این سی ۳۷۳۷۸
۵۔ ہری داس رائے سرکاری، آزاد ۹۱۷
۶۔ ہریندرا ناتھ رائے، آزاد ۴۷۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۵۹۵۳
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۲۵۲۸
ردکردہ ووٹ ۲۲۶۹
منتخب ہوئے: دھریندرا ناتھ رائے (سی پی آئی ایم)

ضلع دارجلنگ

حلقہ انتخاب نمبر ۲۲ کلمپونگ

۱۔ تاشی تشرنگ لیپچا، آئی این سی ۷۷
۲۔ موہن سنگھ رائی، سی پی آئی ۹۶۴
۳۔ رائی بھیم کمار، آزاد ۱۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۴۹۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۰۰
ردکردہ ووٹ ۴۸
منتخب ہوئے: موہن سنگھ رائی، سی پی آئی

حلقہ انتخاب نمبر ۲۳ دارجلنگ

۱۔ کشور گورنگ، آزاد ۲۷
۲۔ ڈاکٹر آنند موکھیا، آزاد ۱۷۵
۳۔ پی پی رائی، آئی این سی ۱۱۰۴
۴۔ داوا لاما، سی پی آئی (ایم) ۱۳۸۹۷
۵۔ راج گوپال بھنڈاری، آزاد ۸۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۹۷۶۲
ڈالے گئے ووٹ ۱۵۸۴۳

رد کردہ ووٹ - ۵۵۲

منتخب ہوئے: داوا لاما - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۴ - کرسیونگ

۱- تولارام رائی - آزاد ۳۷

۲- لساین پردھان - آئی این سی ۱۵۳۸

۳- ہرکا بہادر رائی - سی پی آئی (ایم) ۵۶۰۷

۴- منور رائی - آزاد ۱۶۵

ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۴۱۷

ڈالے گئے ووٹ - ۷۸۰۴

رد کردہ ووٹ ۴۶۰

منتخب ہوئے: ہرکا بہادر رائی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۵ - سلی گوڑی

۱- گور چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۵۴۳۰۱

۲- ناتھ تارک ناتھ - آزاد ۶۲۰

۳- پرسانت نندی - آئی این سی ۳۸۷۹۱

۴- ریندرا ناتھ گوش - ایس یو سی آئی ۷۹۲

۵- روبک مکرجی - آزاد ۱۵۵۵

۶- سریش چندر کنڈو - آزاد ۲۳۸

ووٹروں کی کل تعداد ۱۹۱۳۲۶

ڈالے گئے ووٹ - ۱۰۸۹۸۸

رد کردہ ووٹ - ۲۶۹۱

منتخب ہوئے: گور چکرورتی - (سی پی آئی (ایم))

حلقۂ انتخاب ۲۶ - پھانسی دیوا (شیڈولڈ ٹرائب)

۱- ایشور چندر ٹرکی - آئی این سی ۴۴۳۷۴

۲- ارادن ماتو رام (ارون ماتورام) آزاد ۵۶۹

۳- پتراس منج - آزاد ۲۰۴۵

۴- پانڈو برائیک - آزاد ۱۰۵۴

۵- پرکاش منج - سی پی آئی (ایم) ۵۲۶۸۵

۶- رشانتی سرکار (منڈا) آزاد ۳۲۵۴

۷- بندھان اراؤن - آزاد ۶۳۰

ووٹروں کی کل تعداد - ۱۶۸۳۴۳

ڈالے گئے ووٹ - ۱۱۲۱۲۷

رد کردہ ووٹ ۳۴۴۶

منتخب ہوئے: پرکاش منج - سی پی آئی (ایم)

ضلع مغربی دیناجپور

حلقۂ انتخاب ۲۷ - چوپڑا

۱- ادھیر چیٹرجی - آزاد - ۲۲۸

۲- بریندرا ناتھ رائے - آزاد ۱۱۷۸

۳- محمود دین - سی پی آئی (ایم) ۳۱۵۴۳

۴- شیخ صلاح الدین احمد - آئی این سی ۳۵۰۳۶

ووٹروں کی کل تعداد - ۱۰۱۲۵۰

ڈالے گئے ووٹ - ۷۹۵۱۸

رد کردہ ووٹ - ۱۵۳۴

منتخب ہوئے: محمود دین - سی پی آئی (ایم) -

حلقۂ انتخاب ۲۸ - اسلام پور

۱- اگروال جیادتل، بی جے پی ۱۳۴۶

۲- محمد عبد الکریم چودھری - آئی این سی ۳۵۲۶۳

۳- محمد دین احمد - لوک دل ۴۴۳

۴- محمد فاروق اعظم - سی پی آئی (ایم) ۳۶۲۰۸

۵- ترافی کانت سنگھ - آزاد ۶۳۹

ووٹروں کی کل تعداد - ۱۱۳۸۵۵

ڈالے گئے ووٹ - ۷۵۴۸۱

رد کردہ ووٹ - ۱۵۷۵

منتخب ہوئے: محمد فاروق اعظم سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۹ - گول پوکھر

۱- سالی پیدو گھوش - جنتا پارٹی ۲۸۹

۲- نظام الدین احمد - آئی این سی ۴۴۷۲۰

۳- پورن مل جیشوری - بی جے پی ۱۶۵۸۴

۴- محمد شمس الہدیٰ - آزاد ۲۱۶

۵- محمد رمضان علی - اے آئی ایف بی ۴۷۶۹۱

ووٹروں کی کل تعداد - ۱۲۱۷۶۶

ڈالے گئے ووٹ - ۷۰۸۷۹

رد کردہ ووٹ - ۱۴۰۹

منتخب ہوئے: محمد رمضان علی - اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب ۳۰ - کرن دیگھی

۱- اربندرا ناتھ سنگھ - بی جے پی ۵۹۱

۲- کمل گریا - آزاد ۱۶۶

۳- چودھری رتن کمار - آئی این سی ۱۷۵۶

۴- بانکا سنگھ - آزاد ۸۰

۵- محمد فاروق عادل - مسلم لیگ ۳۲۵

۶- سریش چندر سنگھ - اے آئی ایف بی ۷۲۰

۷- حبیب الرحمٰن - آزاد ۰۸

۸- حاجی سجاد حسین - آزاد ۱۲۱۳

ووٹروں کی کل تعداد - ۹۷۹۳

ڈالے گئے ووٹ - ۵۱۱۶

رد کردہ ووٹ - ۸۷

منتخب ہوئے: سریش چندر سنگھا (اے ایف بی

حلقۂ انتخاب ۳۱ رائے گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- اپنار کن رائے - آزاد ۲

۲- کھگیندرا ناتھ سنہا - سی پی آئی (ایم) ۹

۳- جیتے نندا دیب شرما، بی جے پی ۴

۴- برمن دینیندرا - آئی این سی ۵۰۲

ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۴۳۸۷۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۹۴۸۸
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۸۴۱
منتخب ہوئے: کھگیندر ناتھ سنہا ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۳۲ کلیہ گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ گورہاری برمن، آزاد ۳۰۹
۲۔ نیا کمسار رائے، آئی این سی ۴۰۷۱۶
۳۔ بیانند برمن ۔ آزاد ۲۱۷۲
۴۔ دبیندر ناتھ رائے ۔ آزاد ۹۵۹
۵۔ راجنی کانت سرکار، آزاد ۲۵۹
۶۔ رامنی کانت، دیب شرما ۔ سی پی آئی (ایم)
۴۲۲۴۳
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۲۲۵۷
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۸۳۲۱
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۶۶۳
منتخب ہوئے: رامنی کانت دیب شرما، سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۳۳، کشمنڈی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ا ما رائے ۔ آزاد ۲۵۳
۲۔ نرمدا رائے ۔ آر ایس پی ۴۸۵۰۰
۳۔ پربھات رنجن رائے ۔ آزاد ۲۴۴۱
۴۔ سکھدیو چندر ناتھ ۔ آئی این سی ۳۸۶۴۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۱۱۱۵
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۱۲۲۶
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۳۸۳
منتخب ہوئے: نرمدا رائے (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب ۳۴ ۔ اتیاہار

۱۔ ڈاکٹر زین العابدین ۔ آئی این سی ۴۳۰۲۱

۲۔ سوارش چکی ۔ سی پی آئی ۴۷۵۴۲
۳۔ چندر ناتھ سرکار ۔ لوک دل ۷۴۵
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۴۵۵۳
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۲۹۲۲
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۶۱۴
منتخب ہوئے: سوارش چکی، سی پی آئی

حلقہ انتخاب ۳۵، گنگا رام پور

۱۔ مصلح الدین احمد، آئی این سی ۴۴۲۷۶
۲۔ اشیش کمار مجمدار، بی جے پی ۲۲۸۶
۳۔ پرملادس سرکار ۔ آزاد ۳۸۷
۴۔ میناتی گھوش ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۶۳۰۶
۵۔ رابندر ناتھ مرمو ۔ آزاد ۳۸۴
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۳۱۷۵۵
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۰۵۳۷۵
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۶۳۶
منتخب ہوئیں: میناتی گھوش ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۳۶، تپن (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ کھارا سورین ۔ آر ایس پی ۵۵۶۲۹
۲۔ تپن ہانسدا ۔ آئی این سی ۲۶۰۶۶
۳۔ بینوئے چندر پاہان ۔ آزاد ۳۴۶
۴۔ بھوبنی لاکسکو ۔ بی جے پی ۱۸۶۲
۵۔ بھولا ہیمبرم ۔ آزاد ۴۰۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۶۶۲۳
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۵۶۵۹
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۳۴۹
منتخب ہوئے: کھارا سورین (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب ۳۷ ۔ کمار گنج

۱۔ آفتاب الدین منڈل ۔ آئی این سی ۔ ۲۴۰۰۸
۲۔ ابوالخیر سرکار ۔ آزاد ۲۸۶
۳۔ کالی پدر گھوش ۔ آزاد ۶۴۵
۴۔ گوبندر ناتھ رائے ۔ آزاد ۳۴۵
۵۔ دوجیندر ناتھ رائے، سی پی آئی (ایم)
۵۳۶۳۴
۶۔ پرنابیش چودھری ۔ ایس یو سی آئی ۱۶۶
۷۔ پرفلا سرکار، آزاد ۳۵۶۰
ووٹروں کی کل تعداد ۲۷۹۴۴
ڈالے گئے ووٹ ۰۴۴۴۰
رد کردہ ووٹ ۱۲۹۶
منتخب ہوئے: دوجیندر ناتھ رائے، سی پی آئی (ا

حلقہ انتخاب ۳۸ ۔ بلورگھاٹ

۱۔ جوہر لال مہاتو ۔ آزاد ۴۵
۲۔ نیتا نند برمن ۔ آزاد ۶۷۱
۳۔ وشوا ناتھ چودھری، آر ایس پی ۸۰۶۶
۴۔ مادھب چندر رائے ۔ آئی این سی ۴۶۶۴۷
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۰۷۳۷۱
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۷۷۷۵
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۰۴۹
منتخب ہوئے: وشوا ناتھ چودھری، آر ایس پی

ضلع مالدہ

حلقہ انتخاب ۳۹، حبیب پور (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ نیمائی چندر مرمو ۔ آزاد ۱۸۶
۲۔ متی چرن ٹوڈو، آئی این سی ۰۵۰۹
۳۔ سرکار مرمو، سی پی آئی (ایم) ۴۲۸۶
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۳۹۲
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۶۰۹

ردکردہ ووٹ ۔ ۱۴۴۸

منتخب ہوئے : سرکار مرمو ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۰ گجول (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ جگا ٹوڈو ۔ مسلم لیگ	۱۸۷۰
۲۔ نیکھا رہیم ۔ آئی این سی	۳۶۶۸۲
۳۔ شیام مرمو ۔ بی جے پی	۵۸۸۸
۴۔ سوفل مرمو ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۷۱۴۸
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۵۵۹۹
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۸۲۴۶
ردکردہ ووٹ ۔	۱۶۶۸

منتخب ہوئے : سوفل مرمو ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۱ کھربا

۱۔ عبدالستار ، مسلم لیگ	۴۵۷۱
۲۔ نجم الحق ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۴۰۴۰
۳۔ محبوب الحق ۔ آئی این سی	۳۷۸۰۳
۴۔ سنیل چکرورتی ۔ بی جے پی	۶۶۴۷
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۳۲۱۵
ڈالے گئے ووٹ ۔	۹۴۳۲۵
ردکردہ ووٹ ۔	۱۲۶۴

منتخب ہوئے : نجم الحق ۔ سی پی آئی (ایم) ۔

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۲ ۔ ہریش چندر پور

۱۔ عبدالواحد ۔ آئی این سی ۔	۲۱۶۱۸
۲۔ الیاس رضی ۔ آزاد	۱۶۹۵۴
۳۔ عمر علی ۔ مسلم لیگ	۵۷۰۹
۴۔ بل کیڈیا ۔ آزاد	۵۵۶
۵۔ بریندر کمار موئترا ۔ اے آئی ایف بی	۳۵۴۷۷
۶۔ دھیریندر داس ۔ آزاد	۱۹۴۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۰۶۵۳۲
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۳۶۱۳
ردکردہ ووٹ ۔	۱۴۵۱

منتخب ہوئے : بریندر کمار موئترا ۔ اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۳ ۔ رتوا

۱۔ نیرین چندر سنگھ ۔ آئی این سی	۲۲۶۳۷
۲۔ محترمہ ممتاز بیگم ۔ سی پی آئی (ایم)	۳۹۷۶۰
۳۔ سمر مکھرجی ۔ آزاد	۵۲۴۱
۴۔ سلیمان ۔ مسلم لیگ	۱۱۴۱۴
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۰۲۷۵۱
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۰۴۹۴
ردکردہ ووٹ ۔	۱۳۴۲

منتخب ہوئے : محترمہ ممتاز بیگم ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۴ ۔ اڑائی ڈانگہ

۱۔ اجیت کمار منڈل ۔ آزاد	۱۴۴
۲۔ عبدالحنان ۔ آئی این سی	۳۳۳۴۱
۳۔ اتم مسرا ۔ بی جے پی	۱۴۱۶
۴۔ عبدالوہاب ۔ مسلم لیگ	۲۸۹۳
۵۔ پربھاکر داس ۔ آزاد ۔	۱۹۶
۶۔ حبیب مصطفیٰ ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۰۱۶۰
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۹۶۰۲۶
ڈالے گئے ووٹ ۔	۷۹۴۹۸
ردکردہ ووٹ ۔	۱۲۴۸

منتخب ہوئے : حبیب مصطفیٰ ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۵ ۔ مالدہ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ درگا چندر بسواس ۔ آزاد	۲۷۰
۲۔ سبودھ بھوشن رائے ۔ آئی این سی	۳۷۷۰۴
۳۔ سبھیندو چودھری ، سی پی آئی (ایم)	۵۳۴۷۷
۴۔ شیامل کانتی بسواس ۔ آزاد	۲۶۳
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۷۰۴
ڈالے گئے ووٹ ۔	۹۳۰۳۱
ردکردہ ووٹ	۱۳۱۷

منتخب ہوئے : سبھیندو چودھری ، سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۶ ۔ انگلش بازار

۱۔ اشوک کنڈو ۔ آئی این سی	۳۴۰۴۰
۲۔ اسدل سردار ۔ آزاد	۴۷۸
۳۔ نرمل داس (ببرو) آزاد	۳۶۷
۴۔ جتیندر ناتھ گھوش ۔ بی جے پی	۳۱۹۸
۵۔ سیلن سرکار ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۵۳۱۶
۶۔ سجاد ۔ آزاد ۔	۱۳۸
۷۔ سکھیندو سرکار رائے ۔ آزاد	۲۰۸۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۳۵۰۷
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۶۸۴۹
ردکردہ ووٹ	۱۳۲۵

منتخب ہوئے : سیلن سرکار ۔ سی پی آئی (ایم) ۔

حلقۂ انتخاب نمبر ۴۷ ۔ مانک چک

۱۔ تفضل علی ۔ آزاد	۳۱۰
۲۔ بھوتی بھوشن بھٹاچاریہ ۔ بی جے پی	۱۴۱۹
۳۔ مہتاب الدین ۔ آزاد ۔	۴۶۳
۴۔ جرکلی لال منڈل ۔ آئی این سی	۳۱۳۱۹
۵۔ سبودھ چودھری ، سی پی آئی (ایم)	۳۵۵۸۴
ووٹروں کی کل تعداد	۹۹۷۶۳
ڈالے گئے ووٹ ۔	۷۷۴۶۹
ردکردہ ووٹ ۔	۱۴[illegible]

منتخب ہوئے : سبودھ چودھری ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۴۸ شجاع پور

۱۔ عبدالقدوس۔ مسلم لیگ	۱۰۰۵۹
۲۔ کوثر علی ۔ سی پی آئی (ایم)	۲۹۳۴۵
۳۔ جہانگیر ۔ آزاد	۱۸۱۲
۴۔ ہمایوں چودھری ۔ آئی این سی	۳۲۵۵۱
ووٹروں کی کل تعداد	۹۷۰۶۸
ڈالے گئے ووٹ ۔	۷۵۷۱۳
ردکردہ ووٹ ۔	۹۴۶

منتخب ہوئے : ہمایوں چودھری ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۴۹ کالیہ چک

۱۔ شمس الدین احمد، آئی این سی	۳۷۶۸۱
۲۔ گھنشیام منڈل ۔ بی جے پی	۲۸۱۴
۳۔ دینیش جوردار ۔ سی پی آئی (ایم)	۵۰۹۳۹
۴۔ ناکل چندرا منڈل ۔ آزاد	۵۱۶
۵۔ سرکار کا بجوئے ۔ آزاد	۲۵۷
۶۔ شیخ فاروق ۔ مسلم لیگ	۲۸۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۰۷۰۴
ڈالے گئے ووٹ ۔	[illegible]
ردکردہ ووٹ ۔	۱۱۹۶

منتخب ہوئے : دینیش جوردار ۔ سی پی آئی (ایم)

ضلع مرشد آباد

حلقہ انتخاب ۵۰ . فراکاہ

۱۔ مولانا عزیز الرحمٰن ۔ مسلم لیگ	۳۲۸۱
۲۔ ابوالحسنت خاں ، سی پی آئی (ایم)	۳۵۲۱۶
۳۔ زیارت علی ۔ آزاد	۵۴۷۱
۴۔ معین الشیخ ۔ آئی این سی	۲۶۱۱۲
۵۔ سستی چرن گھوش ۔ بی جے پی	۱۰۲۳۹
ووٹروں کی کل تعداد	۱۰۳۹۴۰
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۱۷۰۱
ردکردہ ووٹ ۔	۱۳۸۲

منتخب ہوئے : ابوالحسنت خاں ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۵۱ ۔ اورنگ آباد

۱۔ اشوک کمار داس ۔ بی جے پی	۱۸۰۲
۲۔ یاد علی ۔ آزاد	۹۹۳
۳۔ طیب علی ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۰۶۵۳
۴۔ مرتضیٰ علی ۔ مسلم لیگ	۵۱۹۸
۵۔ ہمایوں رضا ۔ آئی این سی	۳۵۰۶۳
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۰۶۱۷
ڈالے گئے ووٹ	۸۴۸۰۷
ردکردہ ووٹ ۔	۱۰۹۸

منتخب ہوئے : طیب علی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۵۲ ۔ سوتی

۱۔ گوپال داس ۔ بی جے پی ۔	۶۷۵۳
۲۔ بجے کمار داس ۔ ایس یو سی آئی	۱۸۳۲
۳۔ واجد علی لسواکس ۔ مسلم لیگ	۱۰۰۴
۴۔ شیش محمد ۔ آر ایس پی	۳۸۲۲۹
۵۔ محمد سہراب ۔ آئی این سی	۲۵۰۵۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۴۶۱۲
ڈالے گئے ووٹ	۸۴۳۸۰
ردکردہ ووٹ	۱۴۰۵

منتخب ہوئے : شیش محمد ۔ آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۵۳ ۔ ساگردیگھی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ نری سنہا کار منڈل ، آئی این سی	۳۸۱۴۲
۲۔ پرشن ناتھ داس ، سی پی آئی (ایم)	۴۷۰۷۴
۳۔ مل میگھناد ۔ آزاد	۶۰۲
ووٹروں کی کل تعداد ۔	۱۱۵۸۳۹
ڈالے گئے ووٹ ۔	۸۷۲۶۹
ردکردہ ووٹ ۔	۱۴۷۱

منتخب ہوئے : پرشن ناتھ داس ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۵۴ ۔ جنگی پور

۱۔ اچنتیہ سنگھا ۔ ایس یو سی آئی	۶۳۲۴
۲۔ عبدالحق ۔ آر ایس پی	۳۶۹۴۸
۳۔ علی خالد ۔ مسلم لیگ	۷۶۳
۴۔ مرینال کانتی گھوش ۔ آزاد	۷۲۸
۵۔ حبیب الرحمٰن ۔ آئی این سی ۔	۳۸۴۶۳
ووٹروں کی کل تعداد	۱۲۵۴۲۵
ڈالے گئے ووٹ	۸۴۵۸۹
ردکردہ ووٹ ۔	۱۳۶۴

منتخب ہوئے : حبیب الرحمٰن ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۵۵ ۔ لال گولہ

۱۔ عبدالستار ۔ آئی این سی	۴۵۳۴۰
۲۔ عیان علی ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۲۷۳۷
۳۔ رمیش چندر سنہا ۔ بی جے پی	۲۰۶۲
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۳۹۶۲
ڈالے گئے ووٹ	۹۲۴۲۶
ردکردہ ووٹ ۔	۱۲۹۷

منتخب ہوئے : عبدالستار ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۵۶ ۔ بھگوان گولہ

۱۔ اجیت کمار داس ۔ آزاد	۹۷۵
۲۔ احمد کاظم الدین ۔ آزاد	۲۹۲
۳۔ جالب حسینا ۔ آزاد	۱۵۹
۴۔ مجیب الرحمٰن ۔ آئی این سی	۲۷۵۳۲

۵۔ سادھن رائے ۔ ایس یو سی آئی ۔ ۲۰۴۲
۶۔ سید نواب جانی مرزا ۔ آزاد ۴۴۷۶۲
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۰۶۴۶
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۷۶۱۲
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۱۶۲
منتخب ہوئے : سید نواب جانی مرزا ۔ آزاد

حلقہ انتخاب ۵۷ ۔ ناگرام

۱۔ امیہ سنگھ رائے ۔ آزاد ۱۷۶۳
۲۔ شمس العالم ۔ آزاد ۱۲۹۰
۳۔ پروفیسر پردیپ مجمدار ۔ آئی این سی ۴۰۹۵۶
۴۔ برندرا نارائن رائے ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۰۲۹۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۲۴۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۵۷۹۵
رد کردہ ووٹ ۱۵۱۸
منتخب ہوئے : برندرا نارائن رائے ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۵۸ ۔ مرشد آباد

۱۔ عباس علی ۔ مسلم لیگ ۱۷۵۳
۲۔ چھایا گھوش ۔ اے آئی ایف بی ۲۵۲۲۲
۳۔ ترون کانتی سرکار ۔ آزاد ۳۶۷
۴۔ ناگیندر علی منڈل ۔ آئی سی ایس سی ۸۷۹
۵۔ منان حسین ۔ آئی این سی ۴۱۸۷۸
۶۔ مدن موہن رائے ۔ آزاد ۳۸۱۹۷
۷۔ ساجد علی ۔ ایس یو سی آئی ۷۶۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۳۵۷۴
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۰۴۱۶
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۳۵۱
منتخب ہوئے : منان حسین (آئی این سی)

حلقہ انتخاب ۵۹ جنگی

۱۔ اطہر رحمٰن ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۸۳۲۴
۲۔ عبدالباری بسواس ۔ آئی این سی ۴۵۱۵۶
۳۔ عبدالرشید ۔ مسلم لیگ ۷۲۱
۴۔ یحییٰ منڈل ۔ ایس یو سی آئی ۲۰۴۹
۵۔ عبدالغنی ۔ آزاد ۷۴۷
۶۔ بانکار سرکار ۔ بی جے پی ۱۸۶۳
۷۔ مادھب چندرا سرکار ۔ آزاد ۱۶۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۰۸۴۹
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۰۴۰۰
رد کردہ ووٹ ۱۳۶۲
منتخب ہوئے : اطہر رحمٰن ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۶۰ ژسکل

۱۔ محمد عبدالباری ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۸۴۷۲
۲۔ اکرام الحق بسواس ۔ آئی این سی ۴۸۲۹۶
۳۔ نریندرا ناتھ بسواس ۔ آزاد ۳۱۳
۴۔ منڈل اسرائیل ۔ آزاد ۶۲۳
۵۔ مشرف حسین ۔ ایس یو سی آئی ۱۵۳۶
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۳۰۹۱۹
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۰۹۹۶
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۷۴۶
منتخب ہوئے : محمد عبدالباری ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۶۱ ناودا

۱۔ ادھیکاری دیبیش چندرا ۔ بی جے پی ۲۷۴۰
۲۔ عزیزل منڈل ۔ آزاد ۹۸۸
۳۔ جینتا کار بسواس ۔ آر ایس پی ۴۸۶۰۵
۴۔ کاشی ناتھ دت ۔ آزاد ۶۰۴
۵۔ نصیر الدین خان ۔ آزاد ۵۷۲
۶۔ ہارون الرشید ۔ آئی این سی ۳۶۳۷۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۶۲۷۰
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۲۲۲۷
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۳۴۴
منتخب ہوئے : جینتا کار بسواس ۔ آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۶۲ ۔ ہری ہر پاڑہ

۱۔ خندکار محمد حسین ۔ آزاد ۸۵
۲۔ بناکر ادھیکاری ۔ آزاد ۲۷۶
۳۔ سمیندو بسواس ۔ بی جے پی ۳۸۴۶
۴۔ مدن سرکار ۔ ایس یو سی آئی ۱۵۹۰۵
۵۔ مزمل حق ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۸۵۹۲
۶۔ شیخ امتیاز الدین ۔ آئی این سی ۲۸۵۰۶
۷۔ اے کے ایم ہدایت عالم ۔ مسلم لیگ ۱۰۶۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۵۹۸۴
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۹۲۳۹
رد کردہ ووٹ ۱۴۲۶
منتخب ہوئے : مزمل حق ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۶۳ ۔ برامپور

۱۔ دیبابراتو بندوپادھیا ۔ آر ایس پی ۸۱۱۸
۲۔ پرونب کمار بندوپادھیا ۔ بی جے پی ۷۲۷
۳۔ مینانی سرکار ۔ آزاد ۷۶
۴۔ شنکر داس پال ۔ آئی این سی ۷۱۳
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۹۴۴۵
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۴۲۸
رد کردہ ووٹ ۹۴
منتخب ہوئے : دیبابراتو بندوپادھیا (آر ایس پی)

حلقہ انتخاب ۶۴ - بیل ڈانگہ

۱- تیمیر برن بھادری - آزاد ۲۳۰۷۴
۲- نوشاد علی شیخ - آر ایس پی ۳۳۱۶۴
۳- نور الاسلام چودھری - آئی این سی ۴۲۲۱۷
۴- پران کمار ساہا - بی جے پی ۲۴۰۷
۵- میاں عبد الشکور - مسلم لیگ ۱۵۷۵
۶- لے بی محمد علی جناح - آزاد ۳۱۸
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۳۳۹۱۰
ڈالے گئے ووٹ - ۱۰۴۵۲۸
ردکردہ ووٹ - ۱۷۷۳
منتخب ہوئے : نور الاسلام چودھری - آئی این سی۔

حلقہ انتخاب ۶۵، کاندی

۱- اردھیندو ساہا - بی جے پی ۲۹۹۸
۲- ابوالقاسم - مسلم لیگ ۱۶۸۹
۳- بنکم تریویدی - آئی این سی ۴۰۰۷۲
۴- سنہا دیباشیش - آزاد ۱۱۵۸۶
۵- سید واحد رضا - سی پی آئی ۴۱۷۵۳
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۳۲۱۹۳
ڈالے گئے ووٹ - ۹۹۳۷۱
ردکردہ ووٹ - ۱۲۷۱
منتخب ہوئے : سید واحد رضا - سی پی آئی۔

حلقہ انتخاب ۶۶ - کھارگرام (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- اجیت کمار منڈل - آزاد ۹۹۰
۲- اشوک ساہا - آئی این سی ۴۰۳۴۸
۳- ناراتی کمار داس - آزاد ۸۰۴
۴- وشوا ناتھ منڈل - سی پی آئی (ایم) ۵۲۹۸۱
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۱۲۱۳۱
ڈالے گئے ووٹ - ۹۶۸۶۵

ردکردہ ووٹ - ۱۷۴۲
منتخب ہوئے : وشوا ناتھ منڈل - سی پی آئی (ایم)۔

حلقہ انتخاب ۶۷ بروان

۱- املیندو رائے - آر ایس پی ۵۱۹۶۶
۲- شیخ عبد المتین - آزاد ۵۰۷
۳- غلام کبیر خندکار - لوک دل ۶۳۳
۴- گرادھر گھوش - آئی این سی ۳۳۴۳۲
۵- جیتن داس - آزاد ۱۱۸۲
۶- شستی چرن مال - بی جے پی ۱۴۸۹
۷- سجیت کمار گھوش - آزاد ۷۸
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۳۰۶۲۶
ڈالے گئے ووٹ - ۹۰۶۱۳
ردکردہ ووٹ - ۱۵۲۶
منتخب ہوئے : املیندو رائے - آر ایس پی۔

حلقہ انتخاب ۶۸ - بھرت پور

۱- عبد المنان - آزاد ۱۴۶۳۹
۲- خیرل خندکار - آئی این سی ۲۲۱۲۶
۳- جہانگیر حسین - لوک دل ۴۷۱
۴- جیتندر ناتھ رائے - آزاد ۶۶۷
۵- دلال چندر گھوش - آزاد ۳۲۰
۶- پرفل کمار بنرجی - بی جے پی ۲۴۲۷
۷- بھرابندر ناراتن رائے - آزاد ۱۰۴۰
۸- رادھا موہن دے - آزاد ۱۲۸۴
۹- ستیہ پدو بھٹاچاریہ - آر ایس پی ۴۱۱۳۴
۱۰- شیخ ساہاز الدین - مسلم لیگ ۱۵۱۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۱۲۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۶۶۸۱
ردکردہ ووٹ ۱۳۶۲

منتخب ہوئے : ستیہ پدو بھٹاچاریہ - آر ایس پی

ضلع ندیا

حلقہ انتخاب ۶۹ کریم پور

۱- اربندو منڈل - آئی این سی ۴۱۸۶۵
۲- چترنجن بسواس (رحمت پور کالونی کے) آزاد ۵۵۶
۳- چترنجن بسواس (آنندا پالی کے) سی پی آئی (ایم) ۵۱۹۴۱
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۱۳۱۹۰
ڈالے گئے ووٹ - ۹۶۳۰۳
ردکردہ ووٹ - ۱۹۴۱
منتخب ہوئے : چترنجن بسواس (آنندا پالی کے) سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۰ - پلاشی پاڑہ

۱- وشوا ناتھ اگروال - آزاد ۲۱۰۳
۲- مولانا جابر علی - مسلم لیگ ۸۲۸
۳- کمار شیش چندر بسواس - آئی این سی ۳۳۰۷۷
۴- شیخ خدا بخش - ایس یو سی آئی ۷۶۶۶
۵- پریشی رائے - آزاد ۱۴۲
۶- مدھابندو جانا - سی پی آئی (ایم) ۴۷۳۷۵
۷- رنجیت کمار باسو - آزاد ۹۶۱
۸- شیخ عبد القدوس - آزاد ۲۶۶
۹- ہلادھر پرامانک - آزاد ۲۸۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۶۸۵۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۱۶۹
ردکردہ ووٹ ۱۳۷۰
منتخب ہوئے : مدھابندو جانا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۱ - پلاسی پاڑہ

۱- قاضی انوار خان - آئی این سی ۳۴۳۳۲
۲- دلیپ چناک - آزاد ۱۷۵۵
۳- نیرا پید بسواس - آزاد ۲۰۸
۴- بپن کشن سرکار - آزاد ۴۶۱
۵- پیر فقیر محمد - آزاد ۲۰۵۷۴
۶- سنہا سنتوش کمار - سی پی آئی (ایم) ۳۴۷۲۱
۷- شیخ قربان علی - ایس یو سی آئی - ۱۱۲۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۰۸۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۶۹۳۱
رد کردہ ووٹ ۱۶۵۶
منتخب ہوئے - سنہا سنتوش کمار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۲ - کالی گنج

۱- اجیت کمار سیل - آزاد ۲۰۰۷
۲- بیگم فضل الرحمٰن - آئی این سی ۴۳۹۲۸
۳- دیب سرن گھوش - آر ایس پی ۴۳۰۳۰
۴- شیخ شروسا چاند علی - آزاد ۳۰۷
۵- شیخ حامد علی - ایس یو سی آئی ۲۰۰۴
۶- شیخ ہارون الرشید - مسلم لیگ ۷۵۵
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۱۹۹۱۹
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۶۸۸
رد کردہ ووٹ ۱۶۳۷
منتخب ہوئے: بیگم فضل الرحمٰن - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۷۳ - چاپڑا

۱- ڈاکٹر کرشنا چندرا ہالدار - آزاد ۲۵۸
۲- عبدالرحمٰن خان - لوک دل ۴۳۱
۳- گوپی ناتھ ادھیکاری - آزاد ۶۰۹
۴- دلیپ دت - آئی این سی ۳۵۹۵۶
۵- میر قاسم منڈل - سی پی آئی ایم ۵۱۱۰۳
۶- شانتی رنجن منڈل - آزاد ۲۴۷
۷- شانتی کرشن دت (عرف لالو) - بی جے پی ۱۸۹۷
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۰۸۶۰۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۰۴۵
رد کردہ ووٹ ۱۵۴۴
منتخب ہوئے: میر قاسم منڈل - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۴ - کرشنا گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- ارون منڈل - آزاد ۲۰۲
۲- نین چندرا سرکار - سی پی آئی (ایم) ۴۷۹۵۷
۳- پالن ہلدار - آزاد ۱۱۴۰
۴- بیکاش بسواس - آزاد ۶۸۳
۵- مرنال کانتی بسواس - آئی این سی ۲۶۰۹۹
۶- شری بجی آنجن چودھری - آزاد ۱۹۹۶
۷- ڈاکٹر سوبراوات بسواس - بی جے پی ۱۹۱۱
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۰۰۴۴۱
ڈالے گئے ووٹ۔ ۸۱۰۹۹
رد کردہ ووٹ۔ ۱۱۱۱
منتخب ہوئے: نین چندرا سرکار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۵ - کرشنگر (مشرق)

۱- امل طرفدار - آزاد ۲۶۵۳
۲- درگا داس برال - آزاد ۴۱۲
۳- رودیکانند بسواس - آزاد ۴۲۹
۴- بسواروپ مکھوپادھیے - آزاد ۲۳۵۰
۵- شیبو داس مکھرجی - آئی این سی ۳۸۸۲۷
۶- سادھن چٹو پادھیے - سی پی آئی (ایم) ۴۰۷۶۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۶۰۹۰
ڈالے گئے ووٹ - ۸۷۳۰۷
رد کردہ ووٹ - ۱۷۶۷
منتخب ہوئے: سادھن چٹو پادھیے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۶ - کرشنگر (مغرب)

۱- امرتیندو مکھو پادھیے - سی پی آئی (ایم) ۴۱۷۰۱
۲- الوک گھوشال - آزاد ۶۸۳
۳- انجلی رودرا - آزاد ۹۴۸
۴- گتوری شنکر دت - آئی این سی ۳۲۸۱۱
۵- میر خواجہ علی - مسلم لیگ ۳۵۶
۶- سوبودھ مجمدار - آزاد - ۳۹۴۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۰۴۶۲
ڈالے گئے ووٹ ۸۱۹۲۶
رد کردہ ووٹ - ۱۴۸۷
منتخب ہوئے: امرتیندو مکھو پادھیے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۷ - نوادیپ

۱- بسوا ناتھ مترا - سی پی آئی (ایم) ۴۷۵۵۲
۲- رادھا رمن ساہا - آزاد ۱۵۱۸
۳- ستیش دیب ناتھ - آئی این سی ۳۸۴۱۱
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۱۲۷۶۵
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۰۰۵
رد کردہ ووٹ - ۱۵۲۴
منتخب ہوئے: بسوا ناتھ مترا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۷۸ - شانتی پور

۱- اجوئے دے - آئی این سی ۴۵۶۳۳
۲- کنو گھوش - آزاد ۲۷۳۴
۳- بمالانند مکھرجی - آزاد ۵۳۹۱
۴- مہادیو مکھرجی - آزاد ۹۷۱
ووٹروں کی کل تعداد - ۱۲۳۶۷۹

ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۰۱۲۹۷
ردکردہ ووٹ۔ ۱۴۹۸
منتخب ہوئے: بمالانندا مکھرجی - آزاد

حلقہ انتخاب ۷۹ - ہنس کھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- آنند موہن بسواس - آزاد ۸۲۱۵
۲- سنکا شیکھو بسواس - آئی این سی ۳۶۷۷۳
۳- ستیہ رنجن رائے - آزاد ۱۹۷۷
۴- سوکمار منڈل - سی پی آئی (ایم) ۵۲۲۵۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۵۲۸۷
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۵۲۱
ردکردہ ووٹ ۱۳۰۴
منتخب ہوئے: سوکمار منڈل - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۸۰ - راناگھاٹ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- بنوئے کرشنا بسواس - سی پی آئی (ایم) ۵۳۹۹۹
۲- چید بھجن بسواس - آزاد ۳۲۷
۳- سری منگل بسواس - آزاد ۲۶۲۲
۴- اسیندر ناتھ بسواس - آئی این سی ۴۰۴۹۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۰۸۱
ڈالے گئے ووٹ ۹۸۸۲۸
ردکردہ ووٹ ۱۳۸۱
منتخب ہوئے: بنوئے کرشنا بسواس - (سی پی آئی (ایم))

حلقہ انتخاب ۸۱ - راناگھاٹ مغرب

۱- کنند گھور چندرا - سی پی آئی (ایم) ۵۴۷۰۶
۲- پراتیہ چندرا - آزاد ۳۶۸
۳- سرادنندو بسواس - آئی این سی ۴۵۶۸۶
۴- سبھاش چندر سرکار - آزاد ۱۲۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۹۳۵
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۰۳۶۵۸
ردکردہ ووٹ۔ ۱۶۹۵
منتخب ہوئے: کنند گھور چندرا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۸۲ چکداہ

۱- گوری شنکر داس - آزاد ۱۸۵
۲- بنوئے بسواس - آزاد ۳۳۱۱
۳- شانتو بھومک - آئی این سی ۴۷۷۰۰
۴- سبھاش باسو - سی پی آئی (ایم) ۶۷۶۳۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۸۳۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۰۴۷۲
ردکردہ ووٹ ۱۶۴۴
منتخب ہوئے: سبھاش باسو - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۸۳ - ہرن گھاٹا

۱- زین العابدین میاں - آزاد ۷۸۵
۲- دلیپ رائے - آئی این سی ۳۷۲۶۲
۳- نونی گوپال ملاکار - سی پی آئی (ایم) ۵۸۴۱۳
۴- نرنجن پال - ایس یو سی آئی ۱۰۲۹
۵- بولائی منڈل - آزاد ۲۵۶
۶- ڈاکٹر این کے بسواس - آزاد ۱۰۵۷۶
۷- ڈاکٹر رنجیت کمار گھوش - بی جے پی ۲۳۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۲۶۲۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۰۳۸۸
ردکردہ ووٹ ۱۶۲۹
منتخب ہوئے: نونی گوپال ملاکار - سی پی آئی (ایم)

ضلع ۲۴ - پرگنہ

حلقہ انتخاب ۸۴ - باگدہ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- اپوربو لال مجمدار - آئی این سی ۴۴۵۱۷
۲- اسوتوش مجمدار - آزاد ۷۴۰
۳- کملا لکشمی بسواس - اے آئی ایف بی ۴۳۹۳۱
۴- جادو مہیر سرکار - آزاد ۲۷۷
۵- پرادت بسواس - آزاد ۹۲۶
۶- سبھاش چندر بوس - آزاد ۱۲۵
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۰۴۱۹۳
ڈالے گئے ووٹ۔ ۹۱۲۴۷
ردکردہ ووٹ۔ ۶۹۱
منتخب ہوئے: اپوربو لال مجمدار - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۸۵ - بنگاؤں

۱- اجیت بسواس - آزاد ۷۵۵
۲- ڈاکٹر پرامندا پالدار - آزاد ۳۸۲
۳- بشیشور منڈل - آزاد ۷۵۹
۴- بھوپین سیٹھ - آئی این سی ۴۹۵۵۴
۵- رنجیت مترا - سی پی آئی (ایم) ۵۲۰۶۱
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۲۴۱۰۸
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۰۴۵۰۶
ردکردہ ووٹ۔ ۹۹۵
منتخب ہوئے: رنجیت مترا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۸۶ - گائیگھاٹا

۱- کانتی بسواس - سی پی آئی (ایم) ۵۹۰۷۲
۲- گوپال منڈل - آزاد ۵۰۸
۳- پرنب چودھری - آزاد ۸۰۳
۴- رادھا پدو بسواس - آئی این سی ۲۹۶۵۶
۵- سبرتو چٹرجی - آزاد ۶۳۶
۲۵

ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۳۱۰۴۶
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۱۵۹۲
رد کردہ ووٹ ۹۱۷
منتخب ہوئے: کانتی بسواس، سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۸۷ ۔ ہابرا

۱۔ کمل [illegible] (رجن) ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۱۲۶
۲۔ [illegible] مترا ۔ آزاد ۶۸۴
۳۔ دلیپ رائے ۔ بی جے پی ۱۲۰۵
۴۔ دیپا [illegible] دھر ۔ آزاد ۲۰۲
۵۔ [illegible] دت ۔ آئی این سی ۳۱۰۸۶
۶۔ باسودیو منڈل ۔ آزاد ۷۸۷۴
۷۔ [illegible] گھوش ۔ ایس یو سی آئی ۸۸۰
۸۔ شیخ محمد ضیاء الاسلام ۔ مسلم لیگ ۱۲۴۴۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۴۴۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۸۶۵
رد کردہ ووٹ ۱۳۶۰
منتخب ہوئے: کمل [illegible] (رجن) ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۸۸ ۔ اشوک نگر

۱۔ گوردی رام منڈل ۔ لوک دل ۵۵۰
۲۔ کیشو چندر بھٹاچاریہ ۔ آئی این سی ۴۱۱۲۳
۳۔ دو جیش چٹرجی ۔ آزاد ۸۳۲
۴۔ نرلا کور ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۶۷۶
۵۔ نیشی کانت ہلدار ۔ آزاد ۲۲۲
۶۔ سوردھی رنجن داس گپتا ۔ آزاد ۱۳۹۶
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۶۹۶۰
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۴۸۶۶
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۰۶۷
منتخب ہوئے: نرلا کور ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۸۹ ۔ آم ڈانگا

۱۔ اشوک کرشنا دت ۔ آئی این سی ۳۸۰۲۸
۲۔ دُلال بسواس ۔ آزاد ۲۲۴
۳۔ محمد شفیع الدین منڈل ۔ آزاد ۳۴۲
۴۔ مُلا مطلب حسین ۔ آزاد ۲۵۴
۵۔ سنتوش کمار گھوش ۔ آزاد ۶۵۰
۶۔ شیخ رفیق علی ۔ مسلم لیگ ۳۲۰۶
۷۔ ہاشم عبدالحلیم ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۸۹۳۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۲۱۳
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۳۱۱۵
رد کردہ ووٹ ۱۳۷۷
منتخب ہوئے: ہاشم عبدالحلیم (سی پی آئی ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۹۰ ۔ باراسات

۱۔ اجیت باسو ۔ آزاد ۶۸۹
۲۔ امر چند دے ۔ آئی این سی ۴۹۴۴۴
۳۔ رشوپد داس (ڈاکٹر) آزاد ۳۸۳
۴۔ سرل دیب ۔ اے آئی ایف بی ۷۲۶۹۴
۵۔ سوکمار چکرورتی ۔ آزاد ۴۸۷
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۶۳۲۴۲
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۵۵۳۹
رد کردہ ووٹ ۱۸۴۲
منتخب ہوئے: سرل دیب ۔ اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب نمبر ۹۱ ۔ راجرہاٹ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ جتن بسواس ۔ آزاد ۲۱۱
۲۔ پنچانن برمن ۔ آزاد ۷۸۹
۳۔ وشوانند لشکر ۔ آئی این سی ۴۷۲۶۰
۴۔ رنجیت لشکر ۔ آزاد ۲۱۸۰
۵۔ ربندر ناتھ منڈل ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۹۰۲۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۸۸۱۵
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۱۳۲۱
رد کردہ ووٹ ۱۸۵۴
منتخب ہوئے ۔ ربندر ناتھ منڈل سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۹۲ ۔ دیگنگا

۱۔ عبدالمقتدر چودھری ۔ آئی این سی ۱۱۳۹۴
۲۔ اے کے ایم حسن الزماں ۔ مسلم لیگ ۳۸۶۴۹
۳۔ ڈاکٹر مرتضیٰ حسین ۔ اے آئی ایف بی ۳۵۹۲۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۵۴۳۷
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۴۷۷
رد کردہ ووٹ ۔ ۱۵۱۰
منتخب ہوئے: اے کے ایم حسن الزماں (مسلم لیگ)

حلقۂ انتخاب نمبر ۹۳ ۔ منزبی سروپ نگر

۱۔ اجیت منڈل ۔ آزاد ۶۰۹
۲۔ انیس الرحمن بسواس ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۸۱۵۰
۳۔ عبدالحق صدیقی ۔ آئی این سی ۴۰۰۹۴
۴۔ کارتک دت ۔ آزاد ۲۵۲
۵۔ کرشنا پرشاد سرکار ۔ آزاد ۲۴۳
۶۔ محمد صورت علی ملک ۔ مسلم لیگ ۸۳۱
۷۔ ستیندر ناتھ منڈل ۔ بی جے پی ۳۰۴۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۷۰۳
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۲۰۸
رد کردہ ووٹ ۹۸۷
منتخب ہوئے: انیس الرحمن بسواس، سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب نمبر ۹۴ ۔ باڈوریہ

۱۔ اردن گھوشی ۔ آزاد ۳۶۴

۲۔ قاضی عبدالغفار۔ آئی این سی ۴۱۶۷۷
۳۔ دیپک کمار سرکار۔ آزاد ۲۹۰
۴۔ محمد عبیدالرحمٰن۔ مسلم لیگ ۵۷۳۸
۵۔ محمد سلیم۔ سی پی آئی (ایم) ۴۳۱۰۲
۶۔ رادھارمن منڈل۔ آزاد ۸۸۴
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۱۱۴۱۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۰۳۵
ردکردہ ووٹ ۹۸۰
منتخب ہوئے: محمد سلیم۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۹۵۔ بشیر ہاٹ

۱۔ تارانی سنگھ۔ آزاد۔ ۲۱۵
۲۔ دلیپ مجمدار۔ آئی این سی ۴۲۹۲۲
۳۔ نارائن مکھرجی۔ سی پی آئی۔ ایم ۵۰۱۴۳
۴۔ سردار عبدالرشید۔ مسلم لیگ ۱۲۶۷۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۲۹۰۰
ڈالے گئے ووٹ۔ ۱۰۷۶۱۵
ردکردہ ووٹ ۱۶۵۹
منتخب ہوئے: نارائن مکھرجی۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۹۶۔ حسن آباد

۱۔ آنند رائے۔ آئی این سی ۳۳۹۸۳
۲۔ گوتم دیو۔ سی پی آئی (ایم) ۴۴۸۲۹
۳۔ پرامیشور منڈل۔ آزاد ۳۵۰
۴۔ پیار علی ملا۔ مسلم لیگ ۲۹۸۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۲۰۹۹
ڈالے گئے ووٹ۔ ۸۳۴۵۲
ردکردہ ووٹ ۱۳۰۱
منتخب ہوئے: گوتم دیو۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۹۷۔ ہرودا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کھیتی رنجن منڈل۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۹۲۹
۲۔ رام کرشنا سردار۔ آزاد ۵۲۳
۳۔ لکشمی کانت منڈل۔ آئی این سی ۴۴۰۴۹
۴۔ سودھو کار ٹیکا دار۔ آزاد ۲۰۹۴
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۲۲۷۴۰
ڈالے گئے ووٹ۔ ۹۸۵۰۰
ردکردہ ووٹ۔ ۱۹۰۵
منتخب ہوئے: کھیتی رنجن منڈل۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۹۸۔ سندیش کھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کمود رنجن بسواس۔ سی پی آئی (ایم) ۵۴۲۱۷
۲۔ جگدیش چندر کرتانیا۔ آزاد ۵۱۹
۳۔ ابھی مانیہ داس۔ آزاد ۱۵۹۰
۴۔ رنجیت کمار داس۔ آئی این سی۔ ۳۸۲۰۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۲۳۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۶۵۱۹
ردکردہ ووٹ ۱۹۸۴
منتخب ہوئے: کمود رنجن بسواس۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۹۹۔ ہنگل گنج (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ادیتیہ منڈل۔ آئی این سی ۳۷۷۵۰
۲۔ ربندر ناتھ منڈل۔ آزاد ۴۱۳
۳۔ رنجیت گائین۔ آزاد ۴۰۳۷
۴۔ سدھانشو منڈل۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۷۴۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۳۳۱۷
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۴۳۱
ردکردہ ووٹ۔ ۱۴۹۰
منتخب ہوئے: سدھانشو منڈل۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۰۰۔ گوسابہ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ گنیش چندر منڈل۔ آر ایس پی۔ ۴۲۱۱۱
۲۔ تاپس سرکار۔ ایس یو سی آئی ۲۰۳۰
۳۔ پرمیلا بسواس۔ آئی این سی ۳۳۰۵۲
۴۔ جادیور رائے منڈل۔ آزاد ۵۵۳
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۹۷۵۸۸
ڈالے گئے ووٹ۔ ۷۸۹۸۵
ردکردہ ووٹ ۱۲۳۹
منتخب ہوئے: گنیش چندر منڈل۔ آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۱۰۱۔ بسنتی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ چندر کانت سرکار۔ آزاد ۵۱
۲۔ گنیندر ناتھ مجمدار۔ آئی این سی ۳۸۷۳۵
۳۔ نیمائی منڈل۔ ایس یو سی آئی ۱۵۹۹
۴۔ پارس اوجھا۔ آزاد ۵۹۵
۵۔ سبھاش نسکر۔ آر ایس پی ۵۰۶۷۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۶۴۴۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۴۴۶
ردکردہ ووٹ ۱۷۹۲
منتخب ہوئے: سبھاش نسکر۔ آر ایس پی۔

حلقہ انتخاب ۱۰۲۔ کلتلی۔ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ اربند نسکر۔ آئی این سی۔ ۳۹۴۹
۲۔ پروبودھ پرکائیت۔ ایس یو سی آئی ۵۷۹۰
۳۔ بمل مریدھا۔ سی پی آئی (ایم) ۰۳۸
۴۔ بشیر رنجن ہالدار۔ آزاد ۸۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۹۲۸
ڈالے گئے ووٹ۔ ۲۳۶۶
ردکردہ ووٹ ۴۰۵
منتخب ہوئے: پروبودھ پرکائیت۔ ایس یو سی آئی

حلقۂ انتخاب ۱۰۳ جوئے نگر

امیدوار	ووٹ
۱۔ گوبند [illegible] – آئی این سی	۳۴۵۲۶
۲۔ دیاکر نسکر – آزاد	۲۴۶
۳۔ دیا پرشاد سرکار ایس یو سی آئی	۴۳۰۸۷
۴۔ مہادیب پال – آزاد	۳۱۴
۵۔ محمد رفیق الحسن – آزاد	۱۷۳
۶۔ سمبھو [illegible] – سی پی آئی (ایم)	۱۷۵۱۸
۷۔ [illegible] – آزاد	۳۸۳
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۸۵۱۴۰
ڈالے گئے ووٹ	۹۷۹۴۰
ردکردہ ووٹ	۱۶۹۳

منتخب ہوئے: دیا پرشاد سرکار۔ ایس یو سی آئی

حلقۂ انتخاب ۱۰۴ – بروئی پور

امیدوار	ووٹ
۱۔ اروپ بھادرا – آئی این سی	۳۰۳۵۷
۲۔ تلسی ادھیکاری – آزاد	۱۵۸۲
۳۔ [illegible] داس – جنتا	۱۱۹۷
۴۔ ہیمن مجمدار – سی پی آئی (ایم)	۵۳۳۴۸
ووٹروں کی کل تعداد	۱۲۶۰۲۲
ڈالے گئے ووٹ	۹۹۳۱۰
ردکردہ ووٹ	۱۸۲۶

منتخب ہوئے: ہیمن مجمدار۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۰۵ کیننگ مغرب (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدوار	ووٹ
۱۔ گگیندرا ناتھ رائے۔ آزاد	۸۶
۲۔ گوبندا چندر نسکر۔ آئی این سی	۴۴۳۶۲
۳۔ چترنجن مربھا۔ سی پی آئی (ایم)	۴۳۸۵۶
۴۔ ورگا نسکر۔ آزاد	۴۱۰
۵۔ رنجیت [illegible]۔ ایس یو سی آئی	۸۵۶۰
ووٹروں کی کل تعداد	۱۲۷۳۱۵
ڈالے گئے ووٹ	۹۹۰۷۹
ردکردہ ووٹ	۱۸۰۵

منتخب ہوئے: گوبندا چندر نسکر۔ آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۰۶ کیننگ مشرق

امیدوار	ووٹ
۱۔ امرناتھ بندیاپادھیائے۔ آئی این سی	۳۱۳۲۴
۲۔ عبدالرزاق ملا۔ سی پی آئی (ایم)	۵۲۸۱۱
۳۔ شیخ دین محمد۔ آزاد	۴۴۵
ووٹروں کی کل تعداد	۱۰۸۹۱۳
ڈالے گئے تعداد	۸۶۰۳۶
ردکردہ ووٹ	۱۴۵۶

منتخب ہوئے: عبدالرزاق ملا۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۰۷ – بھانگر

امیدوار	ووٹ
۱۔ ڈاکٹر عبدالرزاق ملا۔ سی پی آئی (ایم)	۵۱۴۶۶
۲۔ نورالامین – آزاد	۸۹۶
۳۔ محمد ابراہیم خان، مسلم لیگ	۵۷۲
۴۔ مانیندرا منڈل۔ آزاد	۲۲۸۳
۵۔ شیخ شہیار الرحمٰن۔ آئی این سی	۳۸۸۰۹
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۴۶۱۷
ڈالے گئے ووٹ	۹۵۳۵۷
ردکردہ ووٹ	۱۵۳۱

منتخب ہوئے: ڈاکٹر عبدالرزاق ملا۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۰۸ – جادب پور

امیدوار	ووٹ
۱۔ پرلنے دھر، آزاد	۹۶۶
۲۔ پروبھات چٹرجی۔ آئی این سی	۴۰۰۲۳
۳۔ بدھادیب بھٹاچاریہ۔ سی پی آئی (ایم)	۷۶۴۴۵
۴۔ سنیل چندر رائے۔ آزاد	۴۷۳
ووٹروں کی کل تعداد	۱۶۲۱۹۰
ڈالے گئے ووٹ	۱۱۹۸۴۹
ردکردہ ووٹ	۱۹۴۴

منتخب ہوئے: بدھادیب بھٹاچاریہ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۰۹ سونار پور (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدوار	ووٹ
۱۔ انجلی منڈل۔ آزاد	۴۱۸
۲۔ بدھیشور منڈل۔ سی پی آئی (ایم)	۶۵۷۲۸
۳۔ بودھن منڈل۔ آزاد	۸۳۸
۴۔ سوارنجی سردار۔ آئی این سی	۴۱۸۱۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۴۶۸۸۵
ڈالے گئے ووٹ	۱۱۱۱۴۴
ردکردہ ووٹ	۲۱۲۳

منتخب ہوئے: بدھیشور منڈل۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۱۰ – وشنو پور مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدوار	ووٹ
۱۔ اردھیندو شیکھر نسکر۔ آئی این سی	۳۰۲۶۷
۲۔ رنجیت کمار منڈل۔ آزاد	۶۸۰
۳۔ سندر نسکر۔ سی پی آئی (ایم)	۴۳۵۷۸
ووٹروں کی کل تعداد	۹۳۴۸۶
ڈالے گئے ووٹ	۷۶۰۱۴
ردکردہ ووٹ	۱۴۸۷

منتخب ہوئے: سندر نسکر۔ سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۱۱، وشنو پور مغرب

امیدوار	ووٹ
۱۔ کاشی ناتھ ادک۔ سی پی آئی (ایم)	۹۳۶۷
۲۔ لوکان سنگھ۔ آزاد	۰۴
۳۔ سیلا دیتا بھٹاچارجی۔ آزاد	۷۳
۴۔ سنیل چندر رگھو رائے۔ آزاد	۶۳

۵۔ ایڈووکیٹ شیخ معقیب الحق ۔ آئی این سی ۔ ۳۸۷۱۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۲۶۶۶
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۹۱۱۴۲
رد کردہ ووٹ ۱۵۱۶
منتخب ہوئے : کاشی ناتھ ادک ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۲ ، بہالا شرق

۱۔ امولیہ داس ۔ آزاد ۳۶۰
۲۔ اشوک مکھرجی ۔ آزاد ۶۴۳
۳۔ دیباشیش بھٹاچاریہ ۔ آئی این سی ۵۰۴۴۰
۴۔ نرنجن مکھرجی، سی پی آئی (ایم) ۷۱۰۲۷
۵۔ راجندر پرشاد ہوریہ ۔ آزاد ۱۶۴
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۶۶۷۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۴۷۳۱
رد کردہ ووٹ ۔ ۲۰۹۷
منتخب ہوئے : نرنجن مکھرجی، سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۳ ، بہالا مغرب

۱۔ امریش رائے ۔ آزاد ۴۶۸
۲۔ گنیش برہماچاری ۔ بی جے پی ۹۱۵
۳۔ ربن مکھرجی ۔ سی پی آئی ایم ۔ ۶۴۷۹۴
۴۔ لکشمی کانت باسو ۔ آئی این سی ۵۰۵۳۹
۵۔ شنکاری دھوبے ۔ آزاد ۱۳۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۶۰۵۵۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۷۵۷۰
رد کردہ ووٹ ۱۷۲۰
منتخب ہوئے : ربن مکھرجی ۔
سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۴ ۔ گارڈن ریچ

۱۔ ایس ایم ظفر اللہ ۔ آزاد ۵۷
۲۔ صادق ۔ آزاد ۴۷۲
۳۔ منفعل عظیم ملا ۔ آئی این سی ۴۵۲۱۳
۴۔ محمد امین ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۵۴۵۷
۵۔ راج کمل تیواری ۔ آزاد ۲۲۲۵
۶۔ راماشن شاہ ۔ آزاد ۲۰۵
۷۔ سید غلام ۔ آزاد ۱۲۲۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۲۲۸۲
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۹۳۶
رد کردہ ووٹ ۱۸۷۳
منتخب ہوئے : منفعل عظیم ملا ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۱۱۵ ، مہیش تلہ

۱۔ ابوالبشر ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۱۲۱۳
۲۔ جوہر ملک ۔ آزاد ۳۲۰
۳۔ دلال داس ۔ آزاد ۱۴۰۲
۴۔ حبیب الرحمٰن ۔ آئی این سی ۳۹۴۲۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۳۴۳
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۳۸۹
رد کردہ ووٹ ۲۰۰۳
منتخب ہوئے : ابوالبشر ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۶ ۔ بج بج

۱۔ کوثر علی ملک ۔ مسلم لیگ ۳۵۱۶
۲۔ کیتی بھوشن رائے برمن ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۳۳۵۰
۳۔ گنگا دھر سنگھ ۔ آزاد ۶۷۰
۴۔ برتھا پرتم چٹرجی ۔ آزاد ۱۹۷
۵۔ لال بہادر سنگھ ۔ آئی این سی ۴۱۰۲۶
ووٹروں کی کل تعداد ۲۱۵۸۳
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۲۸۳
رد کردہ ووٹ ۵۸۷
منتخب ہوئے : کیتی بھوشن رائے برمن
(سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۷ ۔ ست گچھیا

۱۔ انیل ہلدار ۔ آزاد ۷۹
۲۔ جیوتی باسو ۔ سی پی آئی (ایم) ۱۱۳۵
۳۔ سنتوش رانا ۔ آزاد ۶۶۷
۴۔ سردار امجد علی ۔ آئی این سی ۵۳۳۱
۵۔ سشیل ماجی ۔ آزاد ۱۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۴۲۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۰۹۹
رد کردہ ووٹ ۱۵۸۲
منتخب ہوئے : جیوتی باسو ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۸ ۔ فالتا

۱۔ عبدالحئی لشکر ۔ مسلم لیگ ۵۰
۲۔ اراتی داس گپتا ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۰۸۴
۳۔ اشرف علی ۔ آزاد ۲۴۶
۴۔ دینا بندھو ہلدار ۔ آئی این سی ۶۹۷۳
ووٹروں کی کل تعداد ۷۵۹۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۶۲۶
رد کردہ ووٹ ۷۳
منتخب ہوئے : اراتی داس گپتا ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۱۹ ۔ ڈائمنڈ ہاربر

۱۔ عبدالقیوم ملا ۔ سی پی آئی ایم ۔ ۸۶۸
۲۔ قطب الدین خان ۔ مسلم لیگ ۶

۳۔ منورنجن کرمل ۔ آئی این سی ۳۰۹۲۲
۴۔ شیخ [illegible] علی ۔ آزاد ۸۴۹۸
۵۔ [illegible] شنکر ۔ آزاد ۴۳۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۴۶۴۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۰۰۷۹
ردکردہ ووٹ ۱۵۴۰
منتخب ہوئے: عبدالقیوم منڈل ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۔ ۱۳۰ ۔ منگل ہاٹ ۔ مغرب

۱۔ عزیز الاسلام خان ۔ مسلم لیگ ۳۴۷۹
۲۔ عبدالسلام رحیمی ۔ آزاد ۷۸
۳۔ عبدالرؤف بیدیا ۔ ایس یو سی آئی ۱۱۹۱
۴۔ عبدالحنان خان ۔ آزاد ۳۲۱
۵۔ عبدالسبحان غازی ۔ سی پی آئی ایم ۔ ۴۵۳۶۷
۶۔ کرشنا مرتے دیب ۔ آئی این سی ۳۳۷۶۲
۷۔ فیروز حسین شکر ۔ آزاد ۲۰۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۱۲۹۴۶
ڈالے گئے ووٹ ۸۵۸۲۱
ردکردہ ووٹ ۱۴۱۴
منتخب ہوئے، عبدالسبحان غازی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۔ ۱۳۱ ۔ منگل ہاٹ ۔ مشرق (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ بیتوئے منڈل ۔ آزاد ۷۲۴
۲۔ منورنجن ہلدار ۔ آئی این سی ۳۸۵۷۱
۳۔ رادھیکا رنجن پرامانک ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۱۰۸۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۳۶۲۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۹۵۲
ردکردہ ووٹ ۱۵۷۵
منتخب ہوئے: رادھیکا رنجن پرامانک ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۲۲ ۔ مندر بازار (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ درگا پدو منڈل ۔ آئی این سی ۳۲۷۱۰
۲۔ درگا پدو ہلدار ۔ آزاد ۹۱۱
۳۔ مکھن چندر بیدیا ۔ آزاد ۲۱۱
۴۔ رینو پدو ہلدار ۔ ایس یو سی آئی ۔ ۱۳۸۶۲
۵۔ سبھاش رائے ۔ سی پی آئی ۔ ایم ۴۰۷۰۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۰۰۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۰۶۳۲
ردکردہ ووٹ ۱۲۳۰
منتخب ہوئے: سبھاش رائے ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۲۳ ۔ متھورا پور

۱۔ انیل کمار داس ۔ آزاد ۳۷۱
۲۔ پریتیش کور ۔ ایس یو سی آئی ۱۲۷۹۸
۳۔ باپلی ستیہ رنجن ۔ آئی این سی ۴۶۷۲۷
۴۔ برندابن بھنڈاری ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۹۹۴۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۲۲۱۶
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۱۱۲۱
ردکردہ ووٹ ۱۲۸۵
منتخب ہوئے: باپلی ستیہ رنجن ۔ آئی این سی۔

حلقہ انتخاب ۔ ۱۲۴ ۔ کلپی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کرتیباس سردار ۔ آئی این سی ۳۱۳۷۷
۲۔ کرشنا دھن ہلدار ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۹۰۰۲
۳۔ سری شیکھر نیتا ۔ ایس یو سی آئی ۲۶۴۹
۴۔ سجیت رائے ۔ مسلم لیگ ۱۷۸۱
۵۔ پنچانن ہلدار ۔ آزاد ۳۰۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۶۶۵۸
ڈالے گئے ووٹ ۷۰۹۲۶۲
ردکردہ ووٹ ۱۱۵۲
منتخب ہوئے، کرشنا دھن ہلدار ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۲۵ ۔ پتھر پرتیما

۱۔ اخترا بیرا ۔ آئی این سی ۳۵۳۵۶
۲۔ گنگا دھر نائتی ۔ سی پی آئی ایم ۔ ۳۹۷۷۰
۳۔ روبن منڈل ۔ ایس یو سی آئی ۔ ۴۹۹۸
۴۔ سیبابرتا ناگ چودھری ۔ آزاد ۵۵۶
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۱۰۱۵۳۴
ڈالے گئے ووٹ ۸۱۶۴۴
ردکردہ ووٹ ۹۶۴
منتخب ہوئے، گنگا دھر نائتی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۲۶ ۔ کاکدویپ

۱۔ گوری شنکر بنرجی ۔ آئی این سی ۳۵۷۴۱
۲۔ رابندرا ناتھ رائے ۔ آزاد ۶۶۷
۳۔ شکتی پدو پرامانک ۔ آزاد ۳۹۲
۴۔ رشی کیش مائتی ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۵۵۵۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۱۴۸۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۳۴۵۲
ردکردہ ووٹ ۱۰۹۸
منتخب ہوئے، رشی کیش مائتی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۲۷ ۔ ساگر

۱۔ امل پانا ۔ ایس یو سی آئی ۳۸۷
۲۔ عبدالستار شاہ ۔ آزاد ۴۱۰
۳۔ پرانجن منڈل ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۳۴۶۸
۴۔ پربھنجن کیش مائتی ۔ آئی این سی ۴۲۴۳۹
۵۔ رنجیت کمار موہن ۔ آزاد ۳۰۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۳۹۰۶

ڈالے گئے ووٹ ۹۸۰۴۷
ردکردہ ووٹ ۱۰۴۹
منتخب ہوئے: پرانجن منڈل - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب - ۱۲۸ - بیج پور

۱- جگدیش چندر داس - سی پی آئی (ایم) ۴۷۲۴۲
۲- تپن بوس - جنتا ۹۲۳
۳- بمالنندا دت - آئی این سی ۴۵۴۰۶
۴- سچندر لال چودھری - آزاد ۱۹۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۸۰۰۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۵۳۶۸
ردکردہ ووٹ ۱۵۸۸
منتخب ہوئے: جگدیش چندرا داس - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۲۹ - نئی ہاٹی

۱- گوپال باسو - سی پی آئی (ایم) ۴۶۲۵۳
۲- نورون ادھیکاری - آئی این سی ۴۹۲۵۶
۳- رنجیت کنڈو - آزاد ۵۳۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۸۰۶۱
ڈالے گئے ووٹ ۹۷۷۱۷
ردکردہ ووٹ ۱۶۷۱
منتخب ہوئے: نورون ادھیکاری - آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۳۰ - بھاٹ پاڑہ

۱- کرشنا نندی تیواری - بی جے پی ۵۷۹
۲- نریش سرکار - آزاد ۶۸۸
۳- ناتھونی رائے - آزاد ۲۲۸
۴- سیوا پرشاد بھٹاچاریہ - سی پی آئی (ایم) ۴۲۱۲۱
۵- ستیہ نارائن سنگھ - آئی این سی ۴۷۲۲۹
۶- سیتا سیٹھو - آزاد ۶۹۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۸۵۱۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۳۲۱
ردکردہ ووٹ ۱۷۵۹
منتخب ہوئے: ستیہ نارائن سنگھ - آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۳۱ - جگتدل

۱- گنیش منڈل - آزاد ۲۰۹
۲- نونی گوپال سرکار - آئی این سی ۳۹۴۱۲
۳- نہار باسو - اے آئی ایف بی ۵۴۲۰۶
۴- نہار رنجن سرکار - جنتا ۸۵۷
۵- بادل گھوش - آزاد ۲۰۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۸۶۹۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۶۲۵۳
ردکردہ ووٹ ۱۴۶۴
منتخب ہوئے: نہار باسو - اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب ۱۳۲ - نواپاڑہ

۱- گرودیو سنگھ - آزاد ۵۰۵
۲- جامنی بھوشن ساہا - سی پی آئی (ایم) ۴۰۸۰۱
۳- پریش داس - آئی این سی ۳۵۴۱۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۳۶۷۹
ڈالے گئے ووٹ ۷۷۹۲۲
ردکردہ ووٹ ۱۱۹۹
منتخب ہوئے: جامنی بھوشن ساہا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۳۳ - ٹیٹا گڑھ

۱- اشوک اگروال - آزاد ۹۶
۲- اودے ناتھ مسرا - لوک دل ۲۸۴
۳- گنگا پرشاد شاہ - آئی این سی ۳۹۹۶۹
۴- دینا ناتھ شاہ - آزاد ۳۲۲
۵- محمد امین (سی پی آئی (ایم)) ۳۳۸۶۴
۶- مرینال مجمدار - آزاد ۲۸۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۶۸۵
ڈالے گئے ووٹ ۷۶۴۲۵
ردکردہ ووٹ ۱۶۰۱
منتخب ہوئے: گنگا پرشاد شاہ - آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۳۴ - کھردہ

۱- اسیم کمار داس گپتا - سی پی آئی (ایم) ۳۲۸۹
۲- سدھیر بندو پادھیہ - آئی این سی ۲۸۸۱۷
۳- سوان سنگھا رائے - جنتا ۸۳۴
ووٹروں کی کل تعداد ۴۱۷۸۹
ڈالے گئے ووٹ ۰۵۷۴۰
ردکردہ ووٹ ۸۰۰
منتخب ہوئے: اسیم کمار داس - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۳۵ - پانی ہاٹی

۱- کرشنا کانتا رائے - آزاد ۹۳
۲- گوپال کرشن بھٹاچاریہ - سی پی آئی (ایم)
۱۸۶۳
۳- نوین چندر پادھیہ - آئی این سی ۴۶۵
۴- درگیش بندو پادھیہ - آزاد ۷۲
۵- سومناتھ گھوش - جنتا ۳۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۵۰۹۷
ڈالے گئے ووٹ ۲۷۰
ردکردہ ووٹ ۷۴
منتخب ہوئے: گوپال کرشنا بھٹاچاریہ
(سی پی آئی - ایم)

حلقہ انتخاب ۱۳۶ - کمرہٹی

۱۔ اجوئے گھوشال - آئی این سی	۴۴۶۷۱
۲۔ رادھیکا رنجن بنرجی - سی پی آئی ایم	۵۷۴۳۰
ووٹروں کی کل تعداد	۱۴۸۹۹۹
ڈالے گئے ووٹ	۱۰۴۴۶۹
رد کردہ ووٹ	۳۳۷۸

منتخب ہوئے: رادھیکا رنجن بنرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۳۷ - بارانگر

۱۔ پروفیسر کانتی گھوش، آئی این سی	۵۴۳۷۷
۲۔ پربودھ رنجن رائے - آزاد	۳۶۰۵
۳۔ بابو مکھرجی - آزاد	۲۱۵
۴۔ ہیتیش رائے - آر ایس پی	۶۱۴۵۶
۵۔ شمبھو ناتھ دت - آزاد	۱۵۰۷
۶۔ شری پتی رنجن مجمدار - آزاد	۱۷۷
۷۔ سوابن بارک - آزاد	۲۱۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۷۱۵۶۰
ڈالے گئے ووٹ	۱۲۳۵۴۹
رد کردہ ووٹ	۲۰۹۵

منتخب ہوئے: ہیتیش رائے - آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۱۳۸ - دمدم

۱۔ کمل لوچن چٹوپادھیہ - آزاد	۶۳۷
۲۔ شانتی گنگ - سی پی آئی (ایم)	۷۴۲۱۲
۳۔ پراشیت گھوش - آئی این سی	۴۴۳۶۴
ووٹروں کی کل تعداد	۱۶۴۰۷۳
ڈالے گئے ووٹ	۱۲۳۲۱۵
رد کردہ ووٹ	۱۹۳۰

منتخب ہوئے: شانتی گنگ (سی پی آئی - ایم)

کلکتہ

حلقہ انتخاب ۱۳۹ - بلگچیا مشرق

۱۔ پرنسپل کماریش باسو - آئی این سی	۴۴۰۱۹
۲۔ دلیپ کمار داس - آزاد	۳۱۴۳
۳۔ سبھاش چکرورتی - سی پی آئی (ایم)	۷۲۵۸۴
ووٹروں کی کل تعداد	۲۰۰۴۶۰
ڈالے گئے ووٹ	۱۴۱۲۵۸
رد کردہ ووٹ	۲۵۱۳

منتخب ہوئے: سبھاش چکرورتی (سی پی آئی ایم)

حلقہ انتخاب ۱۴۰ - کاشی پور

۱۔ امر چٹرجی - آزاد	۲۱۴
۲۔ گنیش دت	۲۴۳
۳۔ ڈاکٹر دیپک چندا - سی پی آئی ایم	۳۱۹۳۹
۴۔ دیباشیش کنڈو - آزاد	۲۵۲
۵۔ پدماراج رائے - جنتا	۵۹۷
۶۔ پرفل کمار کانتی گھوش - آئی این سی	۳۱۵۱۴
۷۔ رگھونندن سنگھ - آزاد	۵۲
۸۔ رام جنم سنگھ - آزاد	۱۴۶
۹۔ سمیر کمار پال - آزاد	۳۳
۱۰۔ سبرتو کمار بوس - آزاد	۷۹
ووٹروں کی کل تعداد	۹۶۹۰۱
ڈالے گئے ووٹ	۶۶۳۳۴
رد کردہ ووٹ	۱۱۶۶

منتخب ہوئے: ڈاکٹر دیپک چندا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۴۱ - شیام پکر

۱۔ اشوک کمار چنڈک - آزاد	۴۵
۲۔ اشوک لاہری - آزاد	۴۶
۳۔ اتپل پانڈے - آزاد	۴۴۶
۴۔ ڈاکٹر کرن چودھری - آئی این سی	۳۷۸۸۲
۵۔ نیتی گوہا - اے آئی ایف بی	۲۶۳۳۷
۶۔ پریتوش بوس - آزاد	۱۵۳
۷۔ پردیوت داس - آزاد	۱۱۰
۸۔ بنارسی رائے - آزاد	۱۰۲
۹۔ موہن راؤ دتو - آزاد	۴۰
۱۰۔ سنت لال ہریجن - آزاد	۸۳
ووٹروں کی کل تعداد	۸۳۷۴۷
ڈالے گئے ووٹ	۵۶۰۹۸
رد کردہ ووٹ	۹۵۴

منتخب ہوئے: ڈاکٹر کرن چودھری - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۲ - جوڑا بگان

۱۔ اشوک کالانوریہ - آزاد	۱۹۰
۲۔ کنہیا لال کلوار - آزاد	۴۱
۳۔ تپن سکدر - بی جے پی	۶۷۳۴
۴۔ پرانتوش سین - آزاد	۱۳۲
۵۔ بنکم چندر گھوشال - آزاد	۱۳۰
۶۔ بھیکا پرشاد یادو - آزاد	۲۷
۷۔ مہیش کمار بنگالا - آزاد	۵۱
۸۔ سرلا مہیشوری - سی پی آئی (ایم)	۲۰۷۴۸
۹۔ سبرتو مکھرجی - آزاد	۱۳۷
۱۰۔ سبرتو مکھرجی - آئی این سی	۳۱۴۳۴
ووٹروں کی کل تعداد	۱۰۴۰۲۱
ڈالے گئے ووٹ	۶۰۵۴۰
رد کردہ ووٹ	۹۴۶

منتخب ہوئے: سبرتو مکھرجی - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۳ - جوڑا سانکو

۱۔ اختر عالم - آزاد	۱۶۰

۲۔ کرشنا گوپال سنگھی ۔ جنتا ۲۰۲۲
۳۔ درگا پرشاد نھتانی ۔ بی جے پی ۳۷۷۷
۴۔ دیوکی نندن پودار ۔ آئی این سی ۲۵۵۱۹
۵۔ گوکل سونی ۔ آزاد ۷۹
۶۔ میر اصغر علی ۔ آزاد ۱۷
۷۔ رادھے شیام جالان ۔ آزاد ۲۲
۸۔ راحت اللہ خاں ۔ آزاد ۱۰۳
۹۔ ستیش چندر رودیاس ۔ آزاد ۱۰۷
۱۰۔ شو کمار داس ۔ اے آئی ایف بی ۱۲۷۶۲
ووٹروں کی کل تعداد ۸۰۱۹۴
ڈالے گئے ووٹ ۴۷۲۸۳
رد کردہ ووٹ ۱۰۷
منتخب ہوئے: دیوکی نندن پودار ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۴ ۔ بڑا بازار

۱۔ محمد اختر ۔ آزاد ۲۰۹
۲۔ جگت رام اگروال ۔ بی جے پی ۳۱۹۲
۳۔ کشور جاویری ۔ آزاد ۱۸۱
۴۔ دیابتی سکسینہ ۔ آزاد ۶۴۱
۵۔ بابا سنگھ ۔ آزاد ۱۱۵
۶۔ بینود کمار تیواری ۔ لوک دل ۴۲۴
۷۔ بمل سنگھ بنگانی ۔ آزاد ۴۱۱
۸۔ منیرالدین ۔ آزاد ۱۴۳
۹۔ محمد الیاس ۔ آزاد ۱۵
۱۰۔ رتن لال اگروال ۔ ڈی ایس پی ۵۵۳۰
۱۱۔ ربل شنکر پانڈے ۔ آزاد ۶۸۴
۱۲۔ راجیش کھیتان ۔ آئی این سی ۲۲۹۰۹
۱۳۔ لال بہادر سنگھ ۔ آزاد ۷۶
۱۴۔ شوکت رحمانی ۔ آزاد ۶۴۹۶
۱۵۔ ستیہ نارائن بزاز ۔ آزاد ۹۳
۱۶۔ ستیہ نارائن شرما ۔ آزاد ۲۵
۱۷۔ سریندر شرما ۔ آزاد ۱۳۷
ووٹروں کی کل تعداد ۸۵۸۲۷
ڈالے گئے ووٹ ۴۳۲۶۳
رد کردہ ووٹ ۸۶۲
منتخب ہوئے: راجیش کھیتان ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۵ ۔ بو بازار

۱۔ آنند یہ گوپال مشرا ۔ بی جے پی ۶۹۴
۲۔ انیل کمار سین ۔ آزاد ۴۹
۳۔ اشوک چکرورتی ۔ آزاد ۱۲۰
۴۔ محمد اسمٰعیل ۔ سی پی آئی ۔ ایم ۱۹۵۹۱
۵۔ چندرا دیب گیری ۔ جنتا ۵۵۳
۶۔ منیرالدین ۔ آزاد ۶۸
۷۔ محمد موسیٰ ۔ آزاد ۱۴۳
۸۔ شاکر حسین ۔ آزاد ۳۶
۹۔ بشیر دیب مشرا ۔ آزاد ۸۲
۱۰۔ ایس ایم شہاب الدین ہلدار ۔ آزاد ۱۸۷۱
۱۱۔ سودیپ بندوپادھیہ ۔ آئی این سی ۳۰۲۳۳
ووٹروں کی کل تعداد ۹۰۸۰۱
ڈالے گئے ووٹ ۵۴۷۹۱
رد کردہ ووٹ ۱۲۵۱
منتخب ہوئے: سودیپ بندوپادھیہ ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۶ چورنگی

۱۔ گوپال گھوش ۔ آزاد ۱۵۷
۲۔ دیبی پرشاد چٹوپادھیہ ۔ آئی این سی ۳۹۳۶۱
۳۔ بادشاہ عالم ۔ سی پی آئی (ایم) ۲۱۸۶۷
۴۔ رام مورتی سنگھ ۔ آزاد ۱۲۳
۵۔ سمیر کمار بوس ۔ آر ایس سی ۱۶۴۸
۶۔ سبرتا داس ۔ آزاد ۸۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۷۹۰۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۴۴۰۸
رد کردہ ووٹ ۱۱۷۲
منتخب ہوئے: دیبی پرشاد چٹوپادھیہ ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۷ ۔ کوی تیرتھ

۱۔ کلیم الدین شمس ۔ اے آئی ایف بی ۳۸۹۳۶
۲۔ نگیندرا پرشاد گپتا ۔ آزاد ۲۲۴
۳۔ مینا سنگھ ۔ آزاد ۳۵۴
۴۔ رتیش بھٹاچارجی ۔ آئی ایس ایس سی ۱۵۲۶
۵۔ راج ناتھ پرشاد ۔ آزاد ۱۱۴
۶۔ رام پیارے رام ۔ آئی این سی ۴۵۹۱۳
۷۔ رام چندر جیسوال ۔ بی جے پی ۷۴۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۱۰۲۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۷۲۶
رد کردہ ووٹ ۱۹۰۲
منتخب ہوئے: رام پیارے رام ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۴۸ ۔ علی پور

۱۔ ایم ۔ پی اگروال ۔ آزاد ۲۹
۲۔ اشوک بوس ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۲۴۸۱
۳۔ درگا دت اگروال ۔ آزاد ۵۵
۴۔ نیما آدیب دت ۔ آزاد ۷۸
۵۔ رجیت کمار چکرورتی ۔ آزاد ۹۹
۶۔ سوگتا رائے ۔ آئی این سی ۶۵۰۷
۷۔ سوپن کمار دے ۔ آزاد ۷
۸۔ سکھیندو شیکھر رائے ۔ آزاد ۷
۹۔ سوریندر کمار بردھن ۔ آزاد ۲۰
ووٹروں کی کل تعداد ۰۹۱۴۵

لے گئے ووٹ ۷۲۰۶۴
ردہ ووٹ ۱۲۴۱
ب ہوئے، سوگتا رائے - آئی این سی

ۂ انتخاب - ۱۴۹ - راش بہاری ایونیو

اینل کمار بنرجی - آزاد ۱۳۵
اروند پرکاش چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۲۹۸۰۲
کلیان ہلدار - آزاد ۲۷۹
دیپیندو بسواس - آزاد ۱۲۰۸
ٹی ایس نرسمہا داس - آزاد ۴۶۶
ڈاکٹر ہوئمنتی باسو - آئی این سی ۳۸۱۸۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۶۹۸
ڈالے گئے ووٹ ۷۱۱۳۳
رد کردہ ووٹ ۱۰۶۳
منتخب ہوئے: ڈاکٹر ہوئمنتی باسو - آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۵۰ - ٹالی گنج

۱- اندرا گوہا ٹھاکرتا - آزاد ۷۷
۲- گرو پدو سین گپتا - آزاد ۶۶۱
۳- پنکج بنرجی - آئی این سی ۴۰۶۰۳
۴- پرسانتو کمار سور - سی پی آئی (ایم) ۴۵۴۹۷
۵- کملے سانیال - آزاد ۲۳۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۲۹۶
ڈالے گئے ووٹ ۸۸۴۸۵
رد کردہ ووٹ ۱۳۱۶
منتخب ہوئے: پرسانتو کمار سور - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۵۱ - ڈھکوریا

۱- اریجیت مترا - آزاد ۱۹۰۱
۲- باسودیب چٹرجی - آزاد ۹۴۵
۳- جاتن چکرورتی - آر ایس پی ۵۳۳۶۱
۴- جتیندرا ناتھ بسواس - آزاد ۳۲۰
۵- شنکر کانتی بھومک - آئی این سی ۴۳۰۴۳
۶- سنہاموئے چودھری - آزاد ۵۶۴
۷- ہری ہر سرکار - آزاد ۳۶۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۴۳۸۵
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۱۸۰۸
رد کردہ ووٹ ۱۳۱۰
منتخب ہوئے: جاتن چکرورتی - آر ایس پی

حلقۂ انتخاب ۱۵۲ بالی گنج

۱- پرونیتی نیوگی - آزاد ۱۴۲
۲- مسٹر عارف - آزاد ۲۸۳
۳- محمد جمشید - آزاد ۶۰۴
۴- رتیندرا ناتھ گھوش - آزاد ۳۰۲
۵- سچن سین - سی پی آئی (ایم) ۵۰۰۱۷
۶- سنتوش بوس - آئی این سی ۴۴۲۳۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۵۸۸۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۷۴۹۹
رد کردہ ووٹ ۱۹۱۳
منتخب ہوئے: سچن سین - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۵۳ - انٹالی

۱- اشوک دے - آزاد ۱۰۵
۲- امجد حسین - آزاد ۱۲۳
۳- محمد نظام الدین - سی پی آئی (ایم) ۳۲۵۲۶
۴- ربی چودھری - آزاد ۲۴۲
۵- رام ادھار رائے کرنکار - آزاد ۳۶۵
۶- سلطان احمد - آئی این سی ۳۲۸۵۴
۷- سلطان احمد طرفدار - آزاد ۲۲۰
۸- شیخ سلطان - آزاد ۲۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۹۵۵۰
ڈالے گئے ووٹ ۶۹۲۱۷
رد کردہ ووٹ ۱۵۶۹
منتخب ہوئے، سلطان احمد، آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۵۴ - تالتلہ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- انیل شاؤ - آئی این سی ۲۳۰۳۱
۲- بپن پنڈت - آزاد ۳۲۳
۳- پرادیپ پنڈت - آزاد ۳۲۲
۴- سدھانند ادھوسیا - لوک دل ۶۴۳
۵- سمنت کمار ہیرا - سی پی آئی (ایم) ۳۴۶۲۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۱۲۹۳
ڈالے گئے ووٹ ۷۰۶۱۱
رد کردہ ووٹ ۱۶۵۶
منتخب ہوئے: سمنت کمار ہیرا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۵۵ - بلیا گھاٹ

۱- جوسوارا سوم - آزاد ۲۳۰
۲- پرفلا گھوش - آزاد ۲۰۳
۳- بیریش بوس - آئی این سی ۳۷۳۵۲
۴- نابیندرا مکھرجی (سی پی آئی (ایم)) ۴۵۸۷۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۲۷۴۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۵۵۵۶
رد کردہ ووٹ ۱۷۹۲
منتخب ہوئے: نابیندرا مکھرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۵۶ سیالدہ (دیکھئے صفحہ ۵۱)

حلقۂ انتخاب ۱۵۷ - ودیا ساگر

۱- الوک بھومک - آزاد ۱۰۲
۲- اشم کمار گھوش - آزاد ۷۲

۳۔ کپل دیو داس ۔ آزاد ۲۵۳
۴۔ چھیدی لال پودار ۔ آزاد ۳۵۵
۵۔ جوتش رائے ۔ آزاد ۲۱۶
۶۔ نورالدین ۔ آزاد ۱۰۸
۷۔ پرابندھا رائے ۔ آزاد ۱۴۷۹
۸۔ لکشمی کانتا دے ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۲۱۴۹
۹۔ شنکر پانک ۔ آزاد ۵۰۱
۱۰۔ شیفالی ساہا ۔ آزاد ۸۸
۱۱۔ سمیر چکرورتی ۔ آئی این سی ۲۸۱۴۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۱۸۰۱
ڈالے گئے ووٹ ۶۵۸۳۰
ردکردہ ووٹ ۱۳۶۲
منتخب ہوئے: لکشمی کانتا دے ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۵۸ ۔ بڑتلہ

۱۔ سادھن پانڈے ۔ آئی این سی ۔ ۴۲۴۵۷
۲۔ سنیل سین گپتا ۔ آر ایس پی ۲۷۶۵۹
۳۔ سبھاش موتترا ۔ آزاد ۔ ۱۵۸۷
۴۔ سونت نوداس ۔ آزاد ۲۹۷
۵۔ سوضاتو چٹرجی ۔ آزاد ۱۵۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۰۱۷
ڈالے گئے ووٹ ۷۴۷۲۱
ردکردہ ووٹ ۱۴۶۷
منتخب ہوئے: سادھن پانڈے ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۱۵۹ ۔ مانک تلہ

۱۔ اشیم بنرجی ۔ جنتا ۵۳۸
۲۔ گنیش سنگھ ۔ آزاد ۴۵۷
۳۔ تاراپدو کور رائے ۔ آزاد ۶۰
۴۔ مانی گوپال سرکار ۔ آزاد ۹۹

۵۔ بنچانن منڈل ۔ آزاد ۱۲۵
۶۔ بانگے دودھوبی ۔ آزاد ۱۳۹
۷۔ بالیندو رائے ۔ آئی این سی ۳۹۴۰۴
۸۔ شیامل چکرورتی ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۵۹۹
۹۔ لکشمی کانت متّا ۔ آزاد ۳۰۳۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۸۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۱۸۴
ردکردہ ووٹ ۱۴۶۰
منتخب ہوئے: شیامل چکرورتی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۱۶۰ ۔ بیلگچھیا مغرب

۱۔ کنائی لال دھر ۔ آزاد ۴۳
۲۔ جگدیش پرشاد پانڈے ۔ آزاد ۱۰۱
۳۔ بھگوان دین ۔ آزاد ۲۳۳
۴۔ مانی پرشاد سنگھ ۔ آزاد ۴۳۰
۵۔ رام جنک سنگھ ۔ آزاد ۱۰۰
۶۔ لکشمی چرن سین ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۸۲۷۶
۷۔ شیبو چکرورتی ۔ آزاد ۲۸۹
۸۔ سودیپتو رائے ۔ آئی این سی ۴۱۲۷۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۴۳۰۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۲۱۵۲
ردکردہ ووٹ ۱۳۱۰
منتخب ہوئے: سودیپتو رائے ۔ آئی این سی

ضلع ہوڑہ

حلقہ انتخاب ع ۱۶۱ ۔ بالی

۱۔ کاشی ناتھ چودھری ۔ آزاد ۱۲۷
۲۔ پتت پاون پاٹھک ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۱۸۳۱
۳۔ راج رام مترا ۔ آزاد ۱۵۶
۴۔ شیب شنکر ساہا ۔ آزاد ۵۵۷

۵۔ سنیل گھوش ۔ آزاد ۲۳۵
۶۔ سوپریہ باسو ۔ آئی این سی ۴۳۵۷۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۱۱۸
ڈالے گئے ووٹ ۸۸۰۸۰
ردکردہ ووٹ ۱۵۸۹
منتخب ہوئے: سوپریہ باسو ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۱۶۲ ۔ ہوڑہ شمال

۱۔ اجئے سنگھ ۔ آزاد ۰۰
۲۔ انیل برن داس ۔ آزاد ۳۸۷
۳۔ اشوک گھوش ۔ آئی این سی ۶۶۸۷
۴۔ چترنجن دے ۔ آزاد ۵۴۵
۵۔ لگن دیو سنگھ ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۳۷۰
۶۔ لالتا پرشاد استھانہ ۔ جنتا ۷۶۲
۷۔ شیب بہادر چودھری ۔ آزاد ۶۰
ووٹروں کی کل تعداد ۳۴۵۵۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۸۶۷
ردکردہ ووٹ ۹۵۶
منتخب ہوئے: اشوک گھوش ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۱۶۳ ۔ ہوڑہ مرکز

۱۔ امیہ دت ۔ آزاد ۲۷۳
۲۔ امبیکا بنرجی ۔ آئی این سی ۵۹۵۵
۳۔ درگا داس کنکر ۔ آزاد ۰۲
۴۔ نمائی منشی ۔ آزاد ۶۵
۵۔ شنکر لال منڈل ۔ آزاد ۷۹۴
۶۔ سبرتو رائے ۔ آزاد ۷۹
ووٹروں کی کل تعداد ۵۶۱۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۱۶
ردکردہ ووٹ ۶۴۸
منتخب ہوئے: امبیکا بنرجی ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۷۴ - ہوڑہ جنوب

۱۔ جینتو بنرجی - آئی سی ایس سی ۵۷۲
۲۔ پرلے تالکدار - سی پی آئی (ایم) ۳۶۸۹۵
۳۔ مرتیونجے بنرجی - آئی این سی ۴۱۱۳۹
۴۔ رنجیت کمار چٹرجی - آزاد ۲۹۳
۵۔ سومیا بندو پادھیہ - آزاد ۲۷۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۹۵۲۷
ڈالے گئے ووٹ ۸۰۹۵۴
رد کردہ ووٹ ۱۷۷۷
منتخب ہوئے: مرتیونجے بنرجی - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۷۵ - شیب پور

۱۔ اردھیندرا باجرا - آزاد ۹۵۷
۲۔ گھوری شنکر گانگولی - آزاد ۱۴۲
۳۔ دھرمالال سنگھ - آزاد ۲۷۵
۴۔ چرابیر پال - آزاد ۳۵۵
۵۔ بینوئے کرو مجدار - آزاد ۵۱۸
۶۔ بھاب سیبی گوپال دے - آزاد ۳۱۴
۷۔ مرگین مکھرجی - آئی این سی ۶۲۵۴۲
۸۔ ستیندر ناتھ گھوش - اے آئی ایف بی ۶۹۵۰۷
۹۔ سومن چودھری - آزاد ۲۷۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۸۶۲۲۵
ڈالے گئے ووٹ ۱۳۶۹۰۹
رد کردہ ووٹ ۲۰۲۹
منتخب ہوئے: ستیندر ناتھ گھوش - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۱۷۶ دومجور

۱۔ امر مجدار - آزاد ۵۲۳
۲۔ جوئے کیش مکھرجی - سی پی آئی (ایم) ۴۵۴۷۷
۳۔ سجن رائے - آئی این سی ۴۹۷۶۳
۴۔ سدھیشور مکھرجی - آزاد ۲۰۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۲۷۹۲
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۷۸۳۶
رد کردہ ووٹ ۱۸۷۱
منتخب ہوئے: جوئے کیش مکھرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۷۷ جگت بلو پور

۱۔ ادیناتھ چٹرجی - آزاد ۲۱۰
۲۔ محمد انصار الدین - سی پی آئی (ایم) ۵۵۵۴۵
۳۔ بمائی پورل - آزاد ۴۲۹
۴۔ بینودانندا بنرجی - آئی این سی ۴۴۷۵۲
۵۔ شاہینہ یاسمین زکریا - آزاد ۲۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۸۵۵
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۲۷۶۳
رد کردہ ووٹ ۱۶۲۴
منتخب ہوئے: محمد انصار الدین سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۶۸ - پانچلہ

۱۔ اجوئے سیل - آزاد ۳۱۹
۲۔ شیخ انور علی - آئی این سی ۴۲۶۶۳
۳۔ بجوئے چاند خان - آزاد ۱۵۷۶
۴۔ سیلندر ناتھ منڈل - اے آئی ایف بی ۴۷۸۸۱
۵۔ سوفل شاؤ - آزاد ۲۰۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۹۱۹
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۵۹۰
رد کردہ ووٹ ۱۴۴۹
منتخب ہوئے: سیلندر ناتھ منڈل - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۱۶۹ سنکریل (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ اینتا سنتا بھونیا - آئی این سی ۴۴۸۸۰
۲۔ نیرپما جرہ - سی پی آئی (ایم) ۵۳۱۷۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۰۰۳۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۹۵۹۶
رد کردہ ووٹ ۱۵۴۰
منتخب ہوئے: نیرپما جرہ - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۷۰ - الوبیڑیا شمال (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ گوبند اسنا - آئی این سی ۴۴۶۸۹
۲۔ دشوا ناتھ باگ - آزاد ۸۶۲
۳۔ راج کمار منڈل - سی پی آئی (ایم) ۴۶۸۴۶
۴۔ راجندر ناتھ بارک - آزاد ۲۰۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۳۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۱۸۷
رد کردہ ووٹ ۱۵۸۶
منتخب ہوئے: راجکمار منڈل - سی پی آئی ایم

حلقہ انتخاب ۱۷۱، الوبیڑیا جنوب

۱۔ اچھوتا نندن منڈل - آزاد ۲۸۰
۲۔ امر بنرجی (چھوبی) آئی این سی ۳۴۰۷۱
۳۔ شیخ علی احمد - آزاد ۲۷۰۰۰
۴۔ کمل دت - بی جے پی ۶۵۹
۵۔ چندرا بابش کیال - آزاد ۱۳۷
۶۔ جتنا بنرجی - آئی سی ایس سی ۳۵۸
۷۔ نرشی چندرا کارن - آزاد ۲۱۷
۸۔ ربندرا گھوش - اے آئی ایف بی ۲۸۴۸۸
۹۔ سدھیشور پاٹھک - آزاد ۱۴۰
۱۰۔ شیخ اسرافیل - آزاد ۴۰۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۸۶۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۷۶۰

رد کردہ ووٹ ۱۰۰۴
منتخب ہوئے: امر بنرجی (مچو بل) - آئی این سی

حلقۂ انتخاب ۱۷۲ - شیامپور

۱۔ گوتم ہری ادک - اے آئی ایف بی ۸۴۴۴۸
۲۔ جئے دیب گھولائی - آزاد ۴۲۹
۳۔ دیبائن بیرا - جنتا ۱۴۶۰
۴۔ شیشر کمار سین - آئی این سی ۴۲۱۴۵
۵۔ ستیہ براتو داس - آزاد ۱۳۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۳۳۳
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۷۹۲
رد کردہ ووٹ ۱۱۷۵
منتخب ہوئے: گوتم ہری ادک - اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب ۱۷۳ - باگنان

۱۔ انیل سامنتا - آزاد ۲۶۵
۲۔ نیروپما چٹرجی - سی پی آئی ایم ۵۱۸۰۰
۳۔ بدوت کمار گھوش - آزاد ۱۸۷
۴۔ شیام سندر رائے - آزاد ۴۴۹
۵۔ سوشانتو بھٹاچاریہ - آئی این سی ۴۶۳۳۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۳۴۲۸
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۲۴۴
رد کردہ ووٹ ۱۲۰۴
منتخب ہوئے: نیروپما چٹرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۷۴ - کلیان پور

۱۔ اسیت مترا - آئی این سی ۳۷۹۳۸
۲۔ درگا پدو پرامانک - آزاد ۱۸۱
۳۔ نبا کمار کا پیرا - آزاد ۳۷۲
۴۔ نیتائی چرن ادک - سی پی آئی (ایم) ۴۷۲۷۲
۵۔ پرتاپ چندر رائے - آزاد ۳۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۰۰۳
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۱۷۵
رد کردہ ووٹ ۱۱۰۹
منتخب ہوئے: نیتائی چرن ادک - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۷۵ - آمتہ

۱۔ آفتاب الدین منڈل - آئی این سی ۳۹۸۰۴
۲۔ تلسی نارائن داس - آزاد ۷۸۸
۳۔ بریندرا ناتھ کولے - سی پی آئی (ایم) ۵۰۷۵۱
۴۔ سوشانتو چوندر - آزاد ۲۸۱
۵۔ شیخ عبدالرشید - لوک دل ۴۴۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۷۸۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۳۱۷
رد کردہ ووٹ ۱۲۵۲
منتخب ہوئے: بریندرا ناتھ کولے - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۷۶ - اروپ نارائن پور

۱۔ سروج کرار - آئی این سی ۴۳۷۹۵
۲۔ چترنجن باگ - آزاد ۴۷۴
۳۔ پنالال ماجی - سی پی آئی (ایم) ۴۶۷۳۶
۴۔ بادل باگ - آزاد ۱۶۳
۵۔ سارول بھوشن ماجرا - جنتا ۷۲۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۸۴۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۸۸۴
رد کردہ ووٹ ۹۹۶
منتخب ہوئے: پنالال ماجی - سی پی آئی (ایم)

ضلع ہگلی

حلقۂ انتخاب ۱۷۷ - جنگی پاڑہ

۱۔ گوپی ناتھ دے - بی جے پی ۹۰۶
۲۔ درگا پدا مکھرجی - آئی این سی ۱۵۰۶
۳۔ منندرا ناتھ جانا - سی پی آئی (ایم) ۳۱۸۱
ووٹروں کی کل تعداد ۲۰۷۱۹
ڈالے گئے ووٹ ۱۶۸۸۷
رد کردہ ووٹ ۲۹۴
منتخب ہوئے: منندرا ناتھ جانا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۷۸ - چنڈی تلہ

۱۔ امریندرا ناتھ ادک - آزاد ۱۳
۲۔ علی حسین جمعدار - آئی این سی ۴۰۴۴۷
۳۔ مالن گھوش - سی پی آئی (ایم) ۵۵۴۴۳
۴۔ بھیرانی دوارکا پرشاد - بی جے پی ۷۷۶
۵۔ سبیہ ساچی ماننا - آزاد ۱۹۰۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۴۱۰۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۷۰۰
رد کردہ ووٹ ۱۹۱۷
منتخب ہوئے: مالن گھوش - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۷۹ - اتر پاڑہ

۱۔ جگت چٹرجی - آئی این سی ۴۹۷۵۷
۲۔ بیانی مکھرجی - آزاد ۸۸۷
۳۔ وشنو دیب ترپاٹھی - آزاد ۵۱۶
۴۔ سنتا شری چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۷۱۸۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۱۷۶۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۰۳۸۱
رد کردہ ووٹ ۲۰۳۹
منتخب ہوئے: سنتا شری چٹرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۸۰ - سیرام پور

۱۔ اجیت باگ - سی پی آئی (ایم) ۴۱۴۵۲

...رچودھری - آزاد ۷۳۲
...ارون کمار گوسوامی - آئی این سی ۵۱۹۵۸
...رما شنکر دھما - آزاد ۵۵۲
...مدھوسودن داس - آزاد ۴۰۹
...رام چھبی لال شاہی - آزاد ۱۴۷
...ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۷۶۲۸
...ڈالے گئے ووٹ ۹۶۸۴۴
...ردکردہ ووٹ ۱۶۰۴
...منتخب ہوئے: ارون کمار گوسوامی - آئی این سی

...حلقہ انتخاب - ۱۸۱ - چامپدانی

...اشوک چکرورتی - آزاد ۱۸۹
...گھوری شنکر بنرجی - آئی این سی ۴۸۲۴۶
...پرادیپ کمار گھوش - آزاد ۱۱۴۵
...شرادگوتم - آزاد ۸۲۶
...شانتی مکھوپادھیہ - آزاد ۲۵۰
...سنیل سرکار - سی پی آئی (ایم) ۵۳۷۴۷
...ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۰۴۹۴
...ڈالے گئے ووٹ ۱۰۶۲۸۰
ردکردہ ووٹ ۱۸۷۷
منتخب ہوئے: سنیل سرکار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۲ - چندرنگر

۱- کمل کمار مکھرجی - آئی این سی ۴۷۷۴۳
۲- سندھیہ چٹوپادھیہ - سی پی آئی (ایم) ۵۳۸۱۶
۳- سومناتھ سینٹھ - آزاد ۵۱۹
۴- سنجے موئے دت - آزاد ۳۴۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۵۸۱۶
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۳۹۷۲
ردکردہ ووٹ ۱۵۵۰
منتخب ہوئے: سندھیہ چٹوپادھیہ - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۳ - سنگور

۱- اشیم کمار گھوش - آزاد ۲۲۵
۲- تلدانی داس - آزاد ۷۸۷
۳- تاراپدو سادھوخان - آئی این سی ۳۹۸۴۳
۴- دروگا پرشاد بھاچاریہ - آزاد ۲۱۴۸
۵- بدوت کمار داس - سی پی آئی (ایم) ۵۲۴۸۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۹۹۱
ڈالے گئے ووٹ ۹۷۲۶۲
ردکردہ ووٹ ۱۷۷۴
منتخب ہوئے: بدوت کمار داس - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۴ - ہری پال

۱- توسر سنہا رائے - آئی این سی ۳۶۳۸۴
۲- پرسانتا سرکار - آزاد ۲۹۹
۳- بولائی بنرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۴۴۸۰
۴- محمد نصیرالدین - آزاد ۱۲۳
۵- ستیش مال - آزاد ۶۱۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۹۰۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۰۸۹
ردکردہ ووٹ ۱۱۹۱
منتخب ہوئے: بولائی بنرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۵ - تارکیشور

۱- اشیم کمار پال - بی جے پی ۳۳۳
۲- تارک چندر ساؤ - آزاد ۱۰۰
۳- بولائی لال سیٹھی - آئی این سی ۳۲۶۳۵
۴- شانتی چٹرجی - فارورڈ بلاک (مارکسی) ۴۹۲۵۲
۵- شیام لال اچارجی - آزاد ۷۷۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۳۳۸۷
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۱۴۲
ردکردہ ووٹ ۱۰۴۳
منتخب ہوئے: شانتی چٹرجی - فارورڈ بلاک (مارکسی)

حلقہ انتخاب ۱۸۶ - چنسورہ

۱- چندر کمار دے - آئی این سی ۴۳۹۴۰
۲- دلیپ داس - آزاد ۹۲۹
۳- دیپیندرا ناتھ ماتی - آزاد ۵۲۰
۴- نریندرا ناتھ دے - اے آئی ایف بی ۵۲۰۳۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۱۲۴۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۸۹۳۵
ردکردہ ووٹ ۱۵۰۷
منتخب ہوئے: نریندرا ناتھ دے - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۱۸۷ - بانسبیریہ

۱- پریش ناتھ مکھرجی - آزاد ۱۱۸
۲- پرابیر سین گپتا - سی پی آئی (ایم) ۴۷۱۷۵
۳- روبن مکھرجی - آئی این سی ۴۳۴۰۴
۴- روبیندرا دت - آزاد ۱۱۳۶
۵- سنت مجمدار - جنتا ۱۱۸۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۷۲۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۳۹۵
ردکردہ ووٹ ۱۳۷۶
منتخب ہوئے: پرابیر سین گپتا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۸ - بلاگڑھ
شیڈولڈ کاسٹ

۱- ابیناش پرامانک - سی پی آئی (ایم) ۵۵۰۶۸
۲- گوپال کرشنا دھر - آئی این سی ۳۸۲۷۵
۳- جتیندرا ناتھ برال - آزاد ۵۷۹

ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۲۸۷
ڈالے گئے ووٹ ۹۵۷۶۵
ردکردہ ووٹ ۱۸۴۳
منتخب ہوئے: ابنیاش پرامانک۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۸۹۔ باندوا

۱۔ رشی کیش گھوش۔ آئی این سی ۴۱۰۴۶
۲۔ دیب نارائن چکرورتی سی پی آئی (ایم) ۶۲۳۱۶
۳۔ نیتائی بھٹاچاریہ۔ آزاد ۶۶۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۲۷۴
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۵۶۲۹
ردکردہ ووٹ ۱۶۰۹
منتخب ہوئے: دیب نارائن چکرورتی۔
سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۹۰ پوربا

۱۔ تپن داس گپتا۔ آئی این سی ۴۰۴۵۶
۲۔ بروجو گوپال نیوگی۔ سی پی آئی (ایم) ۵۱۸۶۴
۳۔ بھاربنرجی۔ آزاد ۲۳۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۳۹۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۷۰۳
ردکردہ ووٹ ۱۱۴۷
منتخب ہوئے: بروجو گوپال نیوگی۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب۔ ۱۹۱۔ دھنیاکھالی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کاشی ناتھ پاترا۔ آئی این سی ۴۰۱۸۸
۲۔ کرپیا سندھو ساہا۔ لے آئی ایف بی۔
۵۵۹۰۰
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۱۲۵۵۳
ردکردہ ووٹ۔ ۹۷۲۳۸

ردکردہ ووٹ۔ ۱۱۵۰
منتخب ہوئے: کرپیا سندھو ساہا
(لے آئی ایف بی)

حلقہ انتخاب ۱۹۲۔ پرسورہ

۱۔ کالی کرشنا گھوش۔ آزاد ۲۲۵
۲۔ ڈاکٹر تپن بیرا۔ آزاد ۲۶۷
۳۔ وشنو پدو بیرا۔ سی پی آئی (ایم) ۵۱۶۷۷
۴۔ شانتی رائے۔ آئی این سی ۳۷۸۷۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۷۵۶۹
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۰۶۲
ردکردہ ووٹ ۱۰۲۰
منتخب ہوئے: وشنو پدو بیرا۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۹۳۔ کھاناکل (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ باسودیب باجرہ۔ آئی این سی ۴۰۸۵۹
۲۔ شنکر مائیتی۔ آزاد ۱۰۱۷
۳۔ سچیندرا ناتھ باجرہ۔ سی پی آئی (ایم) ۵۶۲۶۳
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۲۰۵۰۱
ڈالے گئے ووٹ ۹۹۵۸۱
ردکردہ ووٹ ۱۴۴۲
منتخب ہوئے۔ سچیندرا ناتھ باجرہ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۹۴۔ آرام باغ

۱۔ عبدالمنان۔ آئی این سی ۴۷۷۹۹
۲۔ ڈاکٹر نیکنج تا۔ آزاد ۳۰۹
۳۔ بنود داس۔ سی پی آئی (ایم) ۶۰۰۹۷
۴۔ مدن ہالدار۔ بی جے پی ۱۲۴۴
۵۔ شیخ محمد زکریا۔ آزاد ۳۲۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۴۷۹۳

ڈالے گئے ووٹ ۱۱۱۰۰۵
ردکردہ ووٹ ۱۲۳۱
منتخب ہوئے: بنود داس۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۹۵۔ گوگھاٹ
(شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ نانورلے۔ آئی این سی ۳۴۴۳۲
۲۔ ملک شیبا پرشاد۔ لے آئی ایف بی ۵۷۱۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۶۶۳
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۱۸۵۱
ردکردہ ووٹ ۱۷۰۱
منتخب ہوئے: ملک شیبا پرشاد۔ لے آئی ایف بی

ضلع مدناپور

حلقہ انتخاب ۱۹۶۔ چندراکونہ

۱۔ اوماپتی چکرورتی سی پی آئی (ایم) ۶۲۶۱
۲۔ بیمانن سنگھا۔ آزاد ۱۲۰
۳۔ شیخ خلیل الرحمٰن۔ آئی این سی ۰۹۱۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۸۹۹
ڈالے گئے ووٹ۔ ۸۸۸۱
ردکردہ ووٹ ۰۹۸
منتخب ہوئے: اوماپتی چکرورتی۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۱۹۷۔ گھاٹال (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ بسوا ناتھ کلسار۔ آزاد ۳۲
۲۔ مدھو سودن دولائی۔ آئی این سی ۴۸۰۶
۳۔ موہن چندر دولوئی۔ بی جے پی ۹۲
۴۔ رتن چندرا پکھیرا۔ سی پی آئی (ایم) ۸۴۱۸
ووٹروں کی کل تعداد ۳۵۸۲
ڈالے گئے ووٹ۔ ۵۴۰۶

ردکردہ ووٹ ۔ ۱۱۵۸

منتخب ہوئے: رتن چند و بیرا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۹۸ - داس پور

۱۔ پریش منڈل - آئی این سی ۳۸۰۲۵
۲۔ پروبھاش پوردکار - سی پی آئی (ایم) ۵۰۲۳۳
۳۔ سانند گوراؤ - آزاد ۲۲۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۵۷۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۵۰۵
ردکردہ ووٹ ۹۱۴

منتخب ہوئے: پروبھاش پوردکار - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۱۹۹ - نندن پور

۱۔ چھایا بیرا - سی پی آئی (ایم) ۴۶۹۲۲
۲۔ نرمل مائیتی - آئی این سی ۳۶۳۴۱
ووٹروں کی کل تعداد ۹۹۸۹۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۴۶۹
ردکردہ ووٹ ۔ ۱۲۰۶

منتخب ہوئیں: چھایا بیرا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۰۰ - پانسکوڑہ مغرب

۱۔ اسیت برن سامنتا - آئی این سی ۳۰۹۷۴
۲۔ عمر علی - سی پی آئی ۵۲۴۱۶
۳۔ کرشنا پرشاد سامنتا - آزاد ۲۳۹
۴۔ جگدیشور پانجہ - آزاد ۳۶۴
۵۔ دلیپ کمار چکرورتی - آزاد ۵۷۶
۶۔ پتت پاون مائیتی - آزاد ۱۶۲
۷۔ شیخ نزر حسین - مسلم لیگ ۲۶۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۹۶۶۷
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۸۵۹۴۳
ردکردہ ووٹ ۔ ۹۴۹

منتخب ہوئے: عمر علی - سی پی آئی

حلقۂ انتخاب ۲۰۱ - پانسکوڑہ مشرق

۱۔ کلپنا داس - ایس یو سی آئی ۲۵۴۸
۲۔ نتائی مال - آزاد ۵۳۴
۳۔ بھبانی شنکر پرامانک - آزاد ۳۶۷
۴۔ ربیندر ابک - آئی این سی ۳۷۱۸۱
۵۔ سیتا رام باسو - سی پی آئی ایم ۴۶۴۳۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۶۷۰
ڈالے گئے ووٹ ۹۰۰۷۵
ردکردہ ووٹ ۱۰۰۹

منتخب ہوئے: سیتا رام باسو - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۰۲ - تملوک

۱۔ انل چندرا مودی - آئی این سی ۳۹۸۸۸
۲۔ اہندرا مسرا - آزاد ۳۱۳
۳۔ استوتوش سامنتا - ایس یو سی آئی ۴۴۸۵
۴۔ نگیندرا ناتھ پٹنائک - آزاد ۶۳۲
۵۔ سراجیت سارن باگی - سی پی آئی ۴۸۲۷۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۳۸۵۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۹۹۰
ردکردہ ووٹ ۱۳۹۳

منتخب ہوئے: سراجیت سارن باگی - سی پی آئی

حلقۂ انتخاب ۲۰۳ - موئنا

۱۔ گوبری گھرش - آزاد ۸۲۰۲
۲۔ ناکل جانا - ایس یو سی آئی ۲۲۳۶
۳۔ پولن بیرا - سی پی آئی (ایم) ۵۱۲۴۴
۴۔ مانسی رنجن پال - آزاد ۱۷۶
۵۔ ریکھا رانی دیب - آئی این سی ۲۹۹۹۷
۶۔ سیتل برمن - آزاد ۲۹۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۷۴۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۲۶۸
ردکردہ ووٹ ۱۱۲۱

منتخب ہوئے: پولن بیرا - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۰۴ - مہیش دل

۱۔ بدھا دیب بھومک - آزاد ۱۷۳۱
۲۔ شوکمار داس - آئی این سی ۳۹۱۷۹
۳۔ ستیہ پا چکرورتی - سی پی آئی (ایم) ۴۰۱۱۹
ووٹروں کی کل تعداد ۔ ۹۸۸۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۸۲۰۶۵
ردکردہ ووٹ ۱۰۳۶

منتخب ہوئے: ستیہ پا چکرورتی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۰۵ - سوتاہاٹا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ نریندرا ناتھ پاترا - آئی این سی ۵۰۴۳۸
۲۔ لکشمن چندرا سیٹھ - سی پی آئی (ایم) ۶۲۴۷۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۸۸۷۲
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۴۲۵۱
ردکردہ ووٹ ۱۳۳۶

منتخب ہوئے: لکشمن چندرا سیٹھ - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۰۶ - نندی گرام

۱۔ دیوی شنکر پانڈا - آئی این سی ۴۱۹۱۴
۲۔ پرتوش کانتی بھونیہ - ایس یو سی آئی ۱۱۱۳
۳۔ شکتی پرشاد پال - سی پی آئی ۷۷۸۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۵۹۱
ڈالے گئے ووٹ ۔ ۱۱۹۸۵

رد کردہ ووٹ ۱۱۶۲

منتخب ہوئے: شکتی پرشاد پال سی پی آئی

حلقہ انتخاب ۲۰۷ نرگھاٹ

۱۔ اہندرا مسرا - آزاد ۸۲۹
۲۔ بنکم بہاری مائیتی - ڈبلیو بی ایس پی ۵۰۲۴۱
۳۔ بھولا ناتھ دینا دا - بی جے پی ۷۵۸
۴۔ سوویندو بیرا - آئی این سی ۴۰۴۳۸
۵۔ بانگو شنکھو مائیتی - آزاد ۴۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۵۶۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۸۳۸
رد کردہ ووٹ ۱۲۲۶

منتخب ہوئے: بنکم بہاری مائیتی - ڈبلیو بی ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۰۸ بھگوان پور

۱۔ جانا ہریپدو - آئی این سی ۳۴۰۹۳
۲۔ نوئی گوپال مائیتی - آزاد ۳۲۴
۳۔ نیترا داس مہا پاترا - ایس یو سی آئی ۱۷۱۴
۴۔ پرادھان پراسانتا - سی پی آئی (ایم) ۴۱۷۶۷
۵۔ ہری ہر مسرا - آزاد ۸۶
ووٹروں کی کل تعداد ۹۶۲۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۷۸۷۱۹
رد کردہ ووٹ ۷۳۵

منتخب ہوئے: پرادھان پرسانتا - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۰۹ کھجوری (اسٹینڈرڈ کاسٹ)

۔ ایسیش کمار پاترا - آزاد ۱۲۵۲
۔ سانتو منڈل - آئی این سی ۲۱۰۳۲
۱۔ مانک چند منڈل - آزاد ۲۹۱
- جتندرا ناتھ پاترا ۸۰۳

۵۔ سنیرمل پائیک - ڈبلیو بی ایس پی ۴۶۳۹۷
ووٹروں کی کل تعداد ۹۹۹۹۸
ڈالے گئے ووٹ ۸۰۷۲۱
رد کردہ ووٹ ۹۲۶

منتخب ہوئے: سنیرمل پائیک - ڈبلیو بی ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۱۰ - کونٹائی شمال

۱۔ انیل کمار نندا - جنتا ۱۲۶۷
۲۔ تورون پردھان - آزاد ۳۸۳
۳۔ دوجیندرا مائیتی - آئی این سی ۳۸۷۸۸
۴۔ رام شنکر کور - سی پی آئی (ایم) ۴۲۰۷۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۳۹۸۲
ڈالے گئے ووٹ ۸۳۴۴۱
رد کردہ ووٹ ۹۲۶

منتخب ہوئے: رام شنکر کور - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۱۱ کونٹائی جنوب

۱۔ سیسیرادھیکاری - آزاد ۴۴۷۷
۲۔ کنال داس - آزاد ۱۳۹
۳۔ پریتوش داس - آزاد ۲۲۱
۴۔ بمل پردھان - آزاد ۲۱۰
۵۔ مرینال کانتی پانڈا - بی جے پی ۶۰۱
۶۔ سیلاجا کمار داس - آئی این سی ۳۳۹۱۶
۷۔ سنتوش کمار رانا - آزاد ۱۸۷
۸۔ سکھیندو مائیتی - سی پی آئی ۳۷۵۷۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۵۰۱۲
ڈالے گئے ووٹ ۷۸۴۸۷
رد کردہ ووٹ ۱۱۵۶

منتخب ہوئے: سکھیندو مائیتی - سی پی آئی

حلقہ انتخاب ۲۱۲ رام نگر

۱۔ ہمنتو دت - آئی این سی ۳۵۷۹۸
۲۔ بلائی لال داس مہا پاترا - جنتا ۱۶۶۲
۳۔ سدھیر کمار گیری - سی پی آئی (ایم) ۵۱۸۲۷
۴۔ سوادیش دے - آزاد ۳۹۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۹۷۵۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۰۴۹
رد کردہ ووٹ ۱۳۶۴

منتخب ہوئے: سدھیر کمار گیری - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۱۳ - اگرا

۱۔ ادھر چندرا ہال - بی جے پی ۲۲۹
۲۔ امولیہ داس - آزاد ۷۵
۳۔ کیتندرا موہن ساؤ - آئی این سی ۳۶۷۹۵
۴۔ شمس العالم خان - آزاد ۸۹۳
۵۔ پربودھ داس مہا پاترا - جنتا ۹۹۲
۶۔ پرابودھ چندر سنہا - ڈی ایس پی ۴۴۰۹۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۰۸۸
ڈالے گئے ووٹ ۸۳۹۷۱
رد کردہ ووٹ ۸۸۹

منتخب ہوئے: پرابودھ چندرا سنہا - ڈی ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۱۴ مگبیریہ

۱۔ ارون کمار داس - آزاد ۱۵۵
۲۔ کرن موئے نندا - ڈبلیو بی ایس پی ۴۷۸۹۸
۳۔ کرشنا چیتنیہ موئے نندا - آئی این سی ۳۲۰۹۵
۴۔ جوتی رائے - آزاد ۱۴۰۳
۵۔ سدرشن رائے - جنتا ۲۴۱
۶۔ سدانند دے - بی جے پی ۲۲۵
ووٹروں کی کل تعداد - ۹۸۲۳۷

ے گئے ووٹ۔ ۸۲۷۱۲

دہ ووٹ ۷۲۵

ب ہوئے: کرن موئے سینا - ڈبلیو ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۱۵ پٹاش پور

اوجا مانجھے - جنتا ۳۱۸۵

۔ ککن نندن داس مہاپاترا سی پی آئی ۴۷۹۱۵

۔ پردیوت کمار مہانتی - آئی این سی ۳۷۹۵۵

۔ برجے کرشن داس مہاپاترا - آزاد ۱۹۵

ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۰۶۲۷۰

ڈالے گئے ووٹ ۹۰۱۹۶

ردکردہ ووٹ۔ ۹۴۶

منتخب ہوئے: ککن نندن داس مہاپاترا (سی پی آئی)

حلقہ انتخاب ۲۱۶ سبنگ

۱۔ بینود بہاری مائتی - آزاد ۲۷۵

۲۔ بھوشن چندرا منڈل - ایس یو سی آئی ۱۳۵۰

۳۔ منش رنجن بھونیہ - آئی این سی ۴۵۲۷۶

۴۔ ہرے کرشنا سامنتا - سی پی آئی (ایم) ۴۳۲۶۱

ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۱۰۰۰

ڈالے گئے ووٹ ۹۰۰۹۶

ردکردہ ووٹ ۷۳۴

منتخب ہوئے: منش رنجن بھونیہ - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۲۱۷ پنگلا

۱۔ رشی کیش گھورئی - آزاد ۱۱۹

۲۔ دوئی جیندرا ناتھ مائتی - جنتا ۴۱۹

۳۔ دشنو پدو سائی - آزاد ۱۵۶

۴۔ سوکی رداس - آئی این سی ۲۰۳۸۳

۵۔ ہری پد جانا - ڈی ایس پی ۵۰۰۲۱

ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۵۹۲۸

ڈالے گئے ووٹ ۸۸۸۹۵

ردکردہ ووٹ ۷۹۷

منتخب ہوئے: ہری پد جانا - ڈی ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۱۸ دیبرا

۱۔ شیخ احمد محی الدین - آزاد ۳۲۷

۲۔ بھابا دیب منڈل - آزاد ۷۲۸

۳۔ شیخ جہانگیر کریم - سی پی آئی (ایم) ۴۷۸۸۰

۴۔ شیخ محمد داؤد - آئی این سی ۴۰۴۰۶

ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۰۳۲

ڈالے گئے ووٹ ۹۰۶۲۵

ردکردہ ووٹ ۱۲۸۴

منتخب ہوئے: شیخ جہانگیر کریم - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۱۹ کیشپور (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ہمانگشو کونار - سی پی آئی (ایم) ۵۵۷۷۶

۲۔ کماندو رام دھل - آزاد ۳۱۴

۳۔ بھوت ناتھ دولوئی - آزاد ۵۷۶

۴۔ راجانی کانت دولوئی - آئی این سی ۴۲۵۵۰

ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۵۲۴۴

ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۴۲۹

ردکردہ ووٹ ۱۲۱۳

منتخب ہوئے: ہمانگشو کونار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۲۰ گاربیتا مشرق

۱۔ اریندو گھورا - آزاد ۳۶۹

۲۔ سورت نو گھوش - سی پی آئی (ایم) ۴۸۳۵۰

۳۔ پرودیوت رائے - آئی این سی ۳۶۹۴۶

ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۰۵۹۱۲

ڈالے گئے ووٹ ۸۹۵۱۷

ردکردہ ووٹ ۱۰۵۲

منتخب ہوئے: سوساتو گھوش - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۲۱ گاربیتا مغرب (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ اجیت دولے - آزاد ۲۰۸۶

۲۔ کنکر روئی داس - آئی این سی ۳۵۲۷۴

۳۔ کرشنا پرشاد دولے - سی پی آئی (ایم) ۵۰۸۰۸

ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۲۹۷

ڈالے گئے ووٹ ۸۹۳۸۹

ردکردہ ووٹ ۱۲۲۱

منتخب ہوئے: کرشنا پرشاد دولے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۲۲ سلبونی

۱۔ اجیت کمار خان - آزاد ۵۹۸

۲۔ جگت ساؤ - آزاد ۱۴۵

۳۔ ٹھاکر داس مہاتو - آزاد ۷۱۳۸

۴۔ بسنتی مہاتو - آئی این سی ۲۳۸۷۳

۵۔ سوسنکا پترا - آزاد ۴۷۱

۶۔ سندر ہاجرا - سی پی آئی (ایم) ۴۹۱۴۴

ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۶۹۹۵

ڈالے گئے ووٹ ۱۲۷۳۴

ردکردہ ووٹ ۳۶۵

منتخب ہوئے: سندر ہاجرا - سی پی آئی ایم

حلقہ انتخاب ۲۲۳ - مدناپور

۱۔ اجیت کمار کھارا - آزاد ۱۲

۲۔ کمکم چون گھوش - سی پی آئی۔۔ ۳۷۳

۳۔ پدمالوچن چندر رائے۔ آزاد ۲۵۷
۴۔ بھوتی بھوشن گھوش۔ آزاد ۳۳۹
۵۔ بریندرا ہیمرن۔ آزاد ۴۷۵
۶۔ لکشمی کانت سین۔ بی جے پی ۵۸۵
۷۔ ستیہ نارائن کوتوال۔ آزاد ۱۱۱
۸۔ سمیر رائے۔ آئی این سی ۴۶۹۴۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۰۵۲۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۵۴۳۶
رد کردہ ووٹ ۱۳۸۵
منتخب ہوئے: مکھیا چرن گھوش۔ سی پی آئی

حلقہ انتخاب ع ۲۲۴۔ کھڑگپور شہر

۱۔ اندرا کشور مشرا۔ آزاد ۱۰۳
۲۔ گیان سنگھ سوہن پال۔ آئی این سی ۳۷۸۵۰
۳۔ پرادیپ کمار پٹنائک۔ بی جے پی ۲۲۴۶
۴۔ پریم کمار شرما۔ آزاد ۲۰۲
۵۔ چندر امشرا۔ سی پی آئی (ایم) ۲۷۰۸۰
۶۔ راجندر کشور تیواری۔ جنتا ۴۸۵
۷۔ سجیندو مکھو بادھیہ۔ آزاد ۱۳۴
۸۔ سوگاندھی مسرا۔ آزاد ۲۲۶
۹۔ سوہن مائتی۔ آزاد ۱۳۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۶۶۵۵
ڈالے گئے ووٹ ۶۹۵۸۱
رد کردہ ووٹ ۱۱۲۴
منتخب ہوئے: گیان سنگھ سوہن پال۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۲۲۵۔ کھڑگپور۔ مضافات

۱۔ گوتال جمشور۔ آزاد ۵۹۳
۲۔ تپن دے۔ آزاد ۲۷۵
۳۔ نجم الحق۔ سی پی آئی (ایم) ۵۴۵۴۲
۴۔ رنجیت باسو۔ آئی این سی۔ ۳۵۳۶۲
۵۔ ہری ناتھ سنگھ۔ آزاد ۹۵۰
۶۔ شیخ محمود۔ آزاد ۳۸۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۲۵۱۷
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۵۳۵
رد کردہ ووٹ ۱۵۳۳
منتخب ہوئے: نجم الحق۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۲۶ کیشیاری (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ دمن ہانسدا۔ آزاد ۱۳۹۰
۲۔ بدھان چندر ٹوڈو۔ آئی این سی ۳۱۶۴۰
۳۔ مہیشور مرمو۔ سی پی آئی (ایم) ۵۶۴۹۸
۴۔ ساگر ہمبرم۔ آزاد ۶۹۲
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۱۴۱۸۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۴۶۸
رد کردہ ووٹ ۱۲۴۸
منتخب ہوئے: مہیشور مرمو۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۲۷۔ نارائن گڑھ

۱۔ تمیر برن پہاڑی۔ آئی این سی ۳۳۶۴۷
۲۔ دیپ سنگھ۔ آزاد ۸
۳۔ پنچانن پردھان۔ ایس یو سی آئی [illegible]
۴۔ بینوئے رنجن ملک۔ آزاد
۵۔ بھوتی بھوشن دے۔ سی پی آئی (ایم) [illegible]۲۰۹۴
۶۔ مہیر کمار کولا۔ آزاد ۲۵[illegible]
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱[illegible]
ڈالے گئے ووٹ ۹۲[illegible]
رد کردہ ووٹ ۱۰۴۰
منتخب [illegible] بھوتی بھوشن دے
سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۲۸۔ دانتن

۱۔ اپندر ناتھ سنگھ۔ آزاد ۳۳۷
۲۔ کنائی بھومک۔ سی پی آئی ۵۷۳۷۸
۳۔ دلیپ کمار داس۔ آئی این سی ۲۷۴۶۷
۴۔ بسنت داس۔ آزاد ۱۰۵۶
۵۔ سوگندی مسرا۔ آزاد ۱۶۷
ووٹروں کی کل تعداد۔ ۱۱۳۰۹۳
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۶۰۹
رد کردہ ووٹ ۱۲۰۴
منتخب ہوئے: کنائی بھومک۔ سی پی آئی

حلقہ انتخاب ع ۲۲۹۔ نیاگرام
(شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ اننتا سورین۔ سی پی آئی (ایم) ۲۷۰۶
۲۔ ککلو [illegible]۔ آزاد ۲۲۳۱
۳۔ [illegible] سورین۔ آئی این سی ۴۰۹۸
۴۔ [illegible] بانسدہ۔ آزاد ۶۵۲
[illegible] کی کل تعداد ۵۶۰۱
[illegible] گئے ووٹ ۷۷۳۴
[illegible] کردہ ووٹ ۴۷
منتخب ہوئے: اننتا سورین۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۳۰ گوپی بلبھ پور

۱۔ اشوک سیناپتی۔ آزاد ۸
۲۔ الوک ادھیکاری۔ آزاد ۱
۳۔ گوور ہری داس۔ آزاد ۰
۴۔ سنیل دے۔ سی پی آئی (ایم) ۲۷۶
۵۔ وجے کمار ساہو۔ آئی این سی ۰۹۸
۶۔ بھولا ناتھ جہانتو۔ آزاد ۹۸
۷۔ سوشیل نہاتا۔ آزاد ۶۵

رو شنکر مہاتو - آزاد ۶۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۸۲۳۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۳۲۲
رد کردہ ووٹ ۱۴۴۷
منتخب ہوئے: سنیل دے - سی پی آئی ایم

حلقہ انتخاب ۲۳۱ جھاڑگرام

۱۔ ابانی بھوشن ست پتھی - سی پی آئی (ایم) ۳۷۵۵۵
۲۔ دھننجے بیرا - آزاد ۱۰۴۱
۳۔ بیجے مہاتو - آزاد ۲۹۲۰
۴۔ بھوبیش مہاتو - آئی این سی ۳۶۰۶۵
۵۔ مدن ساؤ - آزاد ۳۶۵
۶۔ سورنجن مہاتو - آزاد ۶۳۸۵
۷۔ رام کرشن سرکار - آزاد ۲۸۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۷۵۷
ڈالے گئے ووٹ ۹۶۷۴۵
رد کردہ ووٹ ۲۱۵۱
منتخب ہوئے: ابانی بھوشن ست پتھی سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۳۲ - بن پور (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ دکھن مرمو - آزاد ۱۶۱
۲۔ درگا ٹوڈو - سی پی آئی (ایم) ۳۲۴۴۵
۳۔ نریندرا ناتھ ہانسدا - آزاد ۱۹۵۸۳
۴۔ پنچانن ہانسدا - آئی این سی ۲۲۳۶۱
۵۔ ملکی باسکے - آزاد ۱۹۶
۶۔ موہن ہیمبرم - آزاد ۴۶۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۲۴۷۹
ڈالے گئے ووٹ ۷۷۹۱۹
رد کردہ ووٹ ۱۷۱۰
منتخب ہوئے: درگا ٹوڈو - سی پی آئی (ایم)

ضلع پرولیا

حلقہ انتخاب ۲۳۳ بندوان (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ پنچانن سارن - آزاد ۱۲۴۰
۲۔ پران کرشن سنگھ سردار - آزاد ۳۸۴
۳۔ بیر سنگھ مرمو - آزاد ۷۰۹۹
۴۔ رام پرشاد ہانسدا - آئی این سی ۲۷۶۲۲
۵۔ لکشمی رام کسکو - سی پی آئی (ایم) ۴۳[illegible]
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۵۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۱۵۶۷
رد کردہ ووٹ ۱۷۶۸
منتخب ہوئے: لکشمی رام کسکو - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۳۴ مان بازار

۱۔ کمل کانت مہاتو - سی پی آئی (ایم) ۴۸۶۷۶
۲۔ دشرتھ مہاتو - آزاد ۵۵۸
۳۔ سیتا رام مہاتو - آئی این سی ۴۲۸۸۵
۴۔ سوکمار رائے - آزاد ۳۵۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۱۲۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۱۳۷
رد کردہ ووٹ ۱۶۶۳
منتخب ہوئے: کمل کانت مہاتو - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۳۵ بالارام پور (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ اجیتے ماجھی - آزاد ۳۶۱
۲۔ کالی پدو سنگھ سردار - آزاد ۳۶۱
۳۔ وکرم ٹوڈو - سی پی آئی (ایم) ۵۱۵۹۶
۴۔ بینود سنگھ سردار - آزاد ۲۷۶۲
۵۔ راسک چندر ماجھی - آئی این سی ۲۵۷۰۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۵۳۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۲۸۰۱
رد کردہ ووٹ ۲۰۱۲
منتخب ہوئے: وکرم ٹوڈو - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۳۶ - ارسا

۱۔ اجیت پرشاد مہاتو - آزاد ۲۷۰۱
۲۔ کارینڈب - اے آئی ایف بی [illegible]
۳۔ کارسو بارانا - ایس یو سی آئی [illegible]
۴۔ چندرا موہن مہاتو - آزاد ۳۹۴
۵۔ رمیش چندر مہاتو - آزاد ۷۴۴
۶۔ سریش کمار چکرورتی - آزاد ۴۵۹
۷۔ کے پی سنگھ دیو - آئی این سی ۳۲۹۹۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۵۵۹۴
ڈالے گئے ووٹ ۸۳۷۹۲
رد کردہ ووٹ ۲۰۸۳
منتخب ہوئے: کارینڈب - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۳۷ - جھالدا

۱۔ آدھم ترن مہاتو - آزاد ۵۷۳
۲۔ کومود رنجن مہاتو - آزاد ۶۷۶
۳۔ دھیریندرا مہاتو - آزاد ۲۲۷
۴۔ نریندرا ناتھ مہاتو - آزاد ۹۰۴
۵۔ بیدیا ناتھ کے بارتا - آزاد ۹۳۶
۶۔ للت کشور چودھری - آزاد ۲۷۱۰
۷۔ ستیہ رنجن مہاتو - اے آئی ایف بی ۴۳۱۷۹
۸۔ سبھاش چندر مہاتو - آئی این سی ۳۵۲۶۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۴۶۹
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۰۱۰
رد کردہ ووٹ ۱۹۷۹
منتخب ہوئے: ستیہ رنجن مہاتو - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۳۸ جے پور

۱۔ بندیشور مہاتو ۔ لے آئی ایف بی ۴۰۷۴۳
۲۔ بسوا منگل سنگھ دیو ۔ آزاد ۵۱۸
۳۔ بھیرب مہاتو ۔ آزاد ۱۲۵۶
۴۔ مہیر کمار گھوپادھیہ ۔ آزاد ۳۹۲
۵۔ شانتی رام مہاتو ۔ آئی این سی ۳۶۵۱۱
۶۔ بشیشور پرشاد مراجوار ۔ آزاد ۳۷۱
۷۔ بارود برن ۔ آزاد ۳۰۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۴۵۴۹
ڈالے گئے ووٹ ۸۲۴۷۱
ردکردہ ووٹ ۲۱۷۶
منتخب ہوئے: بندیشور مہاتو ۔ لے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۳۹ ۔ پرولیا

۱۔ چھیدی لال جالان ۔ آزاد ۲۹۹
۲۔ تاراپدو مکھرجی ۔ آزاد ۱۳۶۲
۳۔ پرفل کمار مہاتو ۔ آزاد ۲۶۶
۴۔ ماتا مکھرجی ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۷۵۳۰
۵۔ جامنی کانت مہاتو ۔ آزاد ۲۷۰
۶۔ بولائی نندی ۔ آزاد ۳۲۱
۷۔ شوکمار رائے ۔ آئی این سی ۴۲۰۰۴
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۵۹۷۳
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۵۱۰
ردکردہ ووٹ ۲۲۳۸
منتخب ہوئیں: ماتا مکھرجی (سی پی آئی ۔ ایم)

حلقہ انتخاب ۲۴۰ پارہ (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کاشی ناتھ باوری ۔ آئی این سی ۲۷۹۶۷
۲۔ گوبندا باوری ۔ سی پی آئی (ایم) ۴۹۵۶۶
۳۔ جیوتش باوری ۔ ایس یو سی آئی ۴۵۵۱
۴۔ ستیہ نارائن رجوار ۔ آزاد ۳۱۳۹
۵۔ سہادیب باوری ۔ آزاد ۲۴۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۰۶۷
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۱۸۸
ردکردہ ووٹ ۲۷۲۰
منتخب ہوئے: گوبندا باوری ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۴۱ رگھوناتھ پور (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کالا سونا باوری ۔ آزاد ۱۲۷۹
۲۔ گوپال داس ۔ آئی این سی ۲۵۱۶۷
۳۔ نتائی باگدی ۔ سی پی آئی (ایم) ۳۷۰۷۶
۴۔ نیمائی باوری ۔ ایس یو سی آئی ۱۰۰۷۶
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۸۸۲۶
ڈالے گئے ووٹ ۷۵۹۵۸
ردکردہ ووٹ ۲۳۴۰
منتخب ہوئے: نتائی باگدی ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۔ ۲۴۲ کاشی پور (شیڈولڈ ٹرائب)

۱۔ انیل برن مرمو ۔ آئی این سی ۲۶۴۹۵
۲۔ کرشنا مانجھی ۔ آزاد ۴۸۴
۳۔ نارائن چندر مرمو ۔ آزاد ۲۴۴۲
۴۔ بودھیشور مانجھی ۔ ایس یو سی آئی ۱۳۹۵
۵۔ سریندرا ناتھ مانجھی ۔ سی پی آئی ایم ۔ ۴۰۷۰۱۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۵۷۲۶
ڈالے گئے ووٹ ۷۳۴۷۹
ردکردہ ووٹ ۲۱۶۲
منتخب ہوئے: سریندرا ناتھ مانجھی (سی پی آئی (ایم))

حلقہ انتخاب ۲۴۳ ہورا

۱۔ ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیہ ۔ سی پی آئی ایم ۴۳۵۷۴
۲۔ نرنجن مہاتو ۔ آزاد ۳۰۹
۳۔ پرکشت مہاتو ۔ ایس یو سی آئی ۱۶۸۳
۴۔ باگھمبر مہاتو ۔ آئی این سی ۳۲۱۲
۵۔ بیکاش مہاتو ۔ آئی این سی ۳۳۳۹۸
۶۔ جھکشا کور مہاتو ۔ آزاد ۲۳۹
۷۔ شکتی پدو مکھرجی ۔ آزاد ۳۸۹
۸۔ ساگر چندر مہاتو ۔ آزاد ۲۹۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۰۷۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۵۳۸
ردکردہ ووٹ ۱۴۳۷
منتخب ہوئے: ڈاکٹر امبریش مکھوپادھیہ (سی پی آئی ۔ ایم)

ضلع بانکوڑا

حلقہ انتخاب ۲۴۴ تالڈانگرا

۱۔ امیت چٹرجی ۔ آئی این سی ۵۸۸۵
۲۔ امیہ پاترا ۔ سی پی آئی (ایم) ۹۸۸۳
۳۔ کلیانی پرشاد ڈنڈاپتھ ۔ آزاد ۸۰
۴۔ کالی پدو ہیمبرم ۔ آزاد ۷۷۵
۵۔ تلسی داس بنرجی ۔ جنتا ۲۴
۶۔ نندا گوپال مہاتو ۔ آزاد ۱۹
۷۔ بھیم سین منڈی ۔ آزاد ۴
ووٹروں کی کل تعداد ۴۹۴۰
ڈالے گئے ووٹ ۲۵۴۲
ردکردہ ووٹ ۶۳
منتخب ہوئے: امیہ پاترا (سی پی آئی ۔ ایم)

حلقہ انتخاب ۲۴۵۔ رائے پور (شیڈولڈ ٹرائب)

امیدوار	ووٹ
۱۔ اوپن کیسکو - سی پی آئی (ایم)	۵۲۹۵۳
۲۔ لابو مرمو - آزاد	۳۹۵۵
۳۔ لشکر چندر کیسکو - آزاد	۲۵۰۰
۴۔ سارن جبتریش - آئی این سی	۳۴۰۵۳
ووٹروں کی کل تعداد:	۱۳۳۹۷۷
ڈالے گئے ووٹ۔	۹۵۴۳۸
ردکردہ ووٹ۔	۱۹۷۷

منتخب ہوئے: اوپن کیسکو - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۴۶۔ رانی بندھ (شیڈولڈ ٹرائب)

امیدوار	ووٹ
۱۔ کانشی رام سارن - آزاد	۱۵۰۳
۲۔ چندر امون مرمو - آئی این سی	۳۱۸۱۸
۳۔ جتشور سارن - آزاد	۱۷۴۰
۴۔ رام کرشنا ہوی - آزاد	۳۸۷
۵۔ رام پدو منڈی - سی پی آئی (ایم)	۴۶۱۰۳
۶۔ ہیرا سکھو - آزاد	۱۳۱
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۷۸۳۶
ڈالے گئے ووٹ	۸۳۷۴۸
ردکردہ ووٹ	۱۹۹۰

منتخب ہوئے: رام پدو منڈی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۴۷۔ اندپور (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدوار	ووٹ
۱۔ نرمل چندر امنڈل - آزاد	۳۴۰
۲۔ بھوری بادن - سی پی آئی	۵۱۸۸۹
۳۔ ڈاکٹر جیند بساری مانجی - آئی این سی	۳۴۰۸۶
۵۔ مہادیو منڈل - آزاد	۲۹۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۲۰۳۸۹
ڈالے گئے ووٹ	۸۸۵۸۸
ردکردہ ووٹ	۱۹۷۶

منتخب ہوئے: بھوری بادن - سی پی آئی

حلقہ انتخاب ۲۴۸ چھتنا

امیدوار	ووٹ
۱۔ کنائی منڈل - ایس یو سی آئی	۱۲۳۷
۲۔ تپن بنرجی - آئی این سی	۲۶۳۶۰
۳۔ نالینی رنجن مرمو - آزاد	۴۲۶
۴۔ ڈاکٹر روپ لال کنڈو - آزاد	۶۲۸
۵۔ سبھاش گوسوامی - آر ایس پی	۴۰۵۲۴
۶۔ سومناتھ مسرا - آزاد	۷۱۸
۷۔ بانسدا پسوپتی - آزاد	۵۱۰۸
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۶۸۲۵
ڈالے گئے ووٹ	۷۶۷۲۵
ردکردہ ووٹ	۱۷۲۴

منتخب ہوئے: سبھاش گوسوامی - آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۴۹ گنگا جل گھاٹی (شیڈولڈ کاسٹ)

امیدوار	ووٹ
۱۔ نبانی باوری - سی پی آئی (ایم)	۵۱۸۲۵
۲۔ پھانک چندر امنڈل - آئی این سی	۳۲۹۶۸
ووٹروں کی کل تعداد	۱۳۱۲۳۹
ڈالے گئے ووٹ	۸۸۵۶۶
ردکردہ ووٹ	۳۷۷۳

منتخب ہوئے: نبانی باوری - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۵۰ بارجورا

امیدوار	ووٹ
۱۔ چھے شری مترا - سی پی آئی (ایم)	۵۶۲۷۳
۲۔ ربندر شیکھر تیواری - آئی این سی	۴۴۵۷۴
ووٹروں کی کل تعداد	۱۳۴۳۵۱
ڈالے گئے ووٹ	۱۰۳۳۳۶
ردکردہ ووٹ	۲۴۸۹

منتخب ہوئے: چھے شری مترا (سی پی آئی - ایم)

حلقہ انتخاب ۲۵۱۔ بانکورا

امیدوار	ووٹ
۱۔ کنائی لال ناگ - آزاد	۲۱۷
۲۔ کاشی ناتھ مسرا - آئی این سی	۳۸۴۱۸
۳۔ دلیپ گھوش - لوک دل	۷۴۲
۴۔ بشنو پتی پاتی - آزاد	۷۲۷
۵۔ پارتھو دے - سی پی آئی ایم	۵۰۰۲۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۳۶۹۳۰
ڈالے گئے ووٹ	۱۰۱۹۸۰
ردکردہ ووٹ	۲۴۸۹

منتخب ہوئے: پارتھو دے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۵۲ اونڈا

امیدوار	ووٹ
۱۔ انیل مکھرجی - اے آئی ایف بی	۵۳۷۸۲
۲۔ ابوحسین ملک - بی جے پی	۱۱۲۷
۳۔ گورانگو گوسوامی - ایس یو سی آئی	۸۳۰
۴۔ جیا چودھری - آزاد	۵۷۸
۵۔ ٹھاکر پریم ناتھ - آزاد	۲۵۴۶
۶۔ تپن بنرجی - آئی این سی	۳۴۱۱۵
۷۔ بھولا ناتھ سین - آزاد	۴۹۸۶
۸۔ ایڈووکیٹ ستیہ نارائن دت - آزاد	۲۵۱
ووٹروں کی کل تعداد	۱۳۰۴۹۷
ڈالے گئے ووٹ	۱۰۰۸۹۰
ردکردہ ووٹ	۲۵۴۵

منتخب ہوئے: انیل مکھرجی - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۵۳ وشنوپور

امیدوار	ووٹ
۱۔ اچنتیہ کرشنا رائے - سی پی آئی - ایم	۴۸۷۵۶
۲۔ ڈاکٹر اردھیندو مترا - آزاد	۱۰۸۹
۳۔ پرانند اگور - آزاد	۵۳۱
۴۔ شیاما پرساد مکھرجی - آئی این سی	۲۶۲۲۷

۵۔ سبیر مکھرجی ۔ آزاد	۳۸۱
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۱۲۶۵
ڈالے گئے ووٹ	۸۸۴۷۷
ردکردہ ووٹ	۱۴۹۳

منتخب ہوئے: اجیت کرسنا رائے ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۵۴ ۔ کٹلپور

۱۔ کولے سبو ۔ آئی این سی	۳۶۶۷۳
۲۔ ڈاکٹر گوری پدو دت ۔ سی پی آئی (ایم)	۵۹۰۴۶
۳۔ موہن لال پاترا ۔ آزاد ۔	۹۶۷
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۴۵۶۲
ڈالے گئے ووٹ	۹۷۷۵۷
ردکردہ ووٹ	۱۱۷۱

منتخب ہوئے: ڈاکٹر گوری پدو دت ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۵۵ ۔ اندس (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ بیرو چندرا پنڈت، آئی این سی	۲۲۲۶
۲۔ بادھن بورا ۔ سی پی آئی ایم	۵۷۸۰۵
۳۔ سکت ہری باگڑی ۔ آزاد	۷۳۲
۴۔ راہا تلسی چندن ۔ آزاد	۱۱۷۰
ووٹروں کی کل تعداد	۱۱۴۴۵۵
ڈالے گئے ووٹ	۹۳۴۱۲
ردکردہ ووٹ	۱۳۹۹

منتخب ہوئے: بادھن بورا ۔ سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ع ۲۵۶ سوناکھی (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ڈاکٹر کیول ساہا ۔ آئی این سی	۳۵۵۸۶
۲۔ سکھیندو خان ۔ سی پی آئی (ایم)	۵۰۷۱۳
ووٹروں کی کل تعداد	۱۰۹۵۰۱
ڈالے گئے ووٹ	۸۸۱۲۹
ردکردہ ووٹ	۱۸۳۰

منتخب ہوئے: سکھیندو خان ۔ سی پی آئی (ایم)

ضلع بردوان

حلقہ انتخاب ع ۲۵۷ ۔ کلنا

۱۔ کرونا موئے گوستال ۔ آزاد	۳۰۶
۲۔ چھوٹے لال جوشی (شاستری) آزاد	۴۱۹
۳۔ جوہر سنگھ ۔ آزاد	۴۵۹
۴۔ توہن سامنتو ۔ آئی این سی	۳۹۲۹۰
۵۔ نارائن چندرا دیو گوپا ۔ آزاد	۲۴۹
۶۔ چپل بین راوٹ ۔ آزاد	۱۳۳۳
۷۔ بھولا ناتھ سنگھ ۔ جنتا	۱۷۵۰
۸۔ مدھو بنرجی ۔ اے آئی ایف بی	۲۹۹۳۱
۹۔ ہیرا پادھیہ ۔ آزاد	۲۳۷
۱۰۔ شمبھو ناتھ راج بہر ۔ آزاد	۱۵۵۵
۱۱۔ سبر توسنا ۔ آزاد	۴۰۷
۱۲۔ ہریداس گوسوامی ۔ آزاد	۳۶۲
۱۳۔ ہیرالال یادب ۔ آزاد	۹۰۶
ووٹروں کی کل تعداد	۱۳۱۳۸۳
ڈالے گئے ووٹ	۷۹۵۰۰
ردکردہ ووٹ	۲۲۹۹

منتخب ہوئے: توہن سامنتا ۔ آئی این سی

حلقہ انتخاب ع ۲۵۸ ۔ بارابانی

۱۔ اجیت کمار چکرورتی ۔ سی پی آئی (ایم)	۴۳۳۴۸
۲۔ امیہ رکنی بسواس ۔ آزاد	۲۳۸
۳۔ آدکیل ماجھی ۔ آزاد	۲۲۷۱
۴۔ اوپادھیہ مانک ۔ آئی این سی	۴۱۹۸۹
۵۔ مرینال کانتی گھوش ۔ آزاد	۲۲۵
۶۔ نادر چند سین ۔ آزاد	۵۹۹
۷۔ مانک چندرا ماجی ۔ آزاد	۳۴
۸۔ سودک مرمو ۔ آزاد	۷۱
۹۔ سوہن داس ۔ آزاد	۶۹۱
ووٹروں کی کل تعداد	۳۲۲۵۹
ڈالے گئے ووٹ	۹۳۵۵۶
ردکردہ ووٹ	۲۴۱۰

منتخب ہوئے: اجیت کمار چکرورتی ۔ سی پی آئی (ای

حلقہ انتخاب ع ۲۵۹ ۔ ہیراپور

۱۔ مامبدر مکھرجی ۔ سی پی آئی ایم ۔	۶۸۵۶
۲۔ بھگوان دین ۔ آزاد	۶۸
۳۔ راج ناتھ کرمی ۔ آزاد	۷۶
۴۔ پروفیسر سہرید ما سومک ۔ آئی این سی	۳۲۴۹۰
۵۔ سید ممتاز احمد جنتا ۔	۲۲۴
۶۔ رنجیت سادھو ۔ آزاد	۷۲
ووٹروں کی کل تعداد	۲۶۳۷۰
ڈالے گئے ووٹ	۴۷۲۷
ردکردہ ووٹ	۰۴۱

منتخب ہوئے: پروفیسر سہرید ما سومک ۔ (آئی این سی)

حلقہ انتخاب ع ۲۶۰ آسنسول

۱۔ گوتم رائے چودھری ۔ سی پی آئی (ایم)	۶۵
۲۔ نورالاسلام چودھری ۔ آزاد	۳۶
۳۔ دیب داس ادھیکاری ۔ آزاد	۵۵
۴۔ پرابدھا لاہا آئی این سی	۱۴۳
۵۔ محمد صلاح الدین آزاد	۳۳
۶۔ مانک باگنی ۔ آزاد	۱۱
۷۔ میسر اوپادھیہ ۔ آزاد	۶

ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۴۷۴۷
ڈالے گئے ووٹ ۸۰۴۸۵
ردکردہ ووٹ ۲۱۶۱
منتخب ہوئے: پرابدھا لاہا - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۲۶۱ - رائی گنج

۱۔ امرناتھ کیشری - بی جے پی ۱۶۲۷
۲۔ کملی فی بسواس - آئی این سی ۲۸۵۹۲
۳۔ بنساگوپال چودھری - سی پی آئی (ایم) ۵۵۹۸۸
۴۔ بلیشور راوت - آزاد ۳۸۳
۵۔ سادھن گوشال - آر ایس پی ۲۸۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۳۱۸۵
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۱۶۶
ردکردہ ووٹ ۲۱۹۵
منتخب ہوئے: بنساگوپال چودھری - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۲ - جموریہ

۱۔ اوماشنکر مسرا - جنتا ۱۸۸۰
۲۔ پنڈت ناراین - آزاد ۱۴۷۴
۳۔ بیکاش چودھری - سی پی آئی (ایم) ۵۳۱۸۴
۴۔ وشواناتھ چکرورتی - آئی این سی ۳۱۵۰۶
۵۔ سنیل پال - آزاد ۲۷۱۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۲۳۳۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۹۵۲
ردکردہ ووٹ ۲۱۹۳
منتخب ہوئے: بیکاش چودھری - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۳ - اوکھرا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ ناراین بیوری - آزاد ۳۳۴۸
۲۔ لکشمن باگدی - سی پی آئی (ایم) ۵۲۸۷۹
۳۔ شانتی رنجن منڈل - آزاد ۲۰۶۲
۴۔ ہری پدمن منڈل - آئی این سی ۲۶۴۳۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۷۸۳۱۰
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۶۶۱۷
ردکردہ ووٹ ۲۸۹۳
منتخب ہوئے: لکشمن باگدی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۴ - درگاپور - I

۱۔ کستور چٹرجی - آزاد ۵۷۲
۲۔ دلیپ مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۴۶۱۷۰
۳۔ محمد بدرالدجی - ایس یو سی آئی ۲۱۵۲
۴۔ موکل ساہنتو - آزاد ۳۷۰
۵۔ رام اجاگر شکلا - جنتا ۶۱۹
۶۔ سدیپ رائے - آئی این سی ۳۹۰۵۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۳۶۴
ڈالے گئے ووٹ ۹۰۶۶۶
ردکردہ ووٹ ۱۷۴۱
منتخب ہوئے: دلیپ مجمدار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۵ - درگاپور - II

۱۔ اتل چندرا بنرجی - آزاد ۸۳۱
۲۔ تورن چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۶۷۱۰۷
۳۔ تشار کانتی گنگولی - آزاد ۳۷۴
۴۔ نارائن اجرہ چودھری - آئی این سی ۴۹۹۲۶
۵۔ پوریش ناتھ دھیبر - آزاد ۲۰۱
۶۔ سومر لال بنرجی - بی جے پی ۱۰۴۰
۷۔ سرت سیناپتی - آزاد ۵۳۹
۸۔ سیبک پنڈت - آزاد ۱۰۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۷۲۱۹۸
ڈالے گئے ووٹ ۱۲۲۶۱۶
ردکردہ ووٹ ۲۵۰۹
منتخب ہوئے: تورن چٹرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۶ - کانکسا (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ کرشنا چندر ہالدار - سی پی آئی (ایم) ۵۷۴۶۴
۲۔ سمیر کمار ساہا - آئی این سی ۳۰۲۶۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۵۹۶۵
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۶۱۲
ردکردہ ووٹ ۱۸۷۹
منتخب ہوئے: کرشنا چندر ہالدار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۷ - اوس گرام (شیڈولڈ کاسٹ)

۱۔ نہار باجرہ - آزاد ۵۹۴۸
۲۔ وسوامبھر منڈل - آئی این سی ۲۲۲۸۵
۳۔ سری دھر ملک - سی پی آئی (ایم) ۶۵۶۱۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۴۰۶۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۵۲۶۶
ردکردہ ووٹ ۱۴۲۲
منتخب ہوئے: سری دھر ملک - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۶۸ - بھاتار

۱۔ کاجل مکھرجی - آزاد ۱۸۷
۲۔ بنابالی باجرہ - آئی این سی ۳۸۴۹۳
۳۔ جیتو تکو بادھیہ - آزاد ۱۰۷۴
۴۔ سید محمد مسیح - سی پی آئی (ایم) ۵۵۹۵۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۳۷۸۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۷۴۱۳
ردکردہ ووٹ ۱۷۰۱
منتخب ہوئے: سید محمد مسیح - سی پی آئی - (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۶۹ - گلسی

۱- اجیت بندوپادھیے - آئی این سی ۳۰۵۶۵
۲- قاضی منور حسین - آزاد ۱۸۸۷
۳- درگاپد ونندی - آزاد ۴۹۱
۴- ربندرا ناتھ کونار - آزاد ۸۵۰
۵- دیب رنجن سین - اے آئی ایف بی ۵۷۳۰۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۹۳۲۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۹۸۹
ردکردہ ووٹ ۱۸۹۳
منتخب ہوئے: دیب رنجن سین - اے آئی ایف بی

حلقۂ انتخاب ۲۷۰ - بردوان شمال

۱- انیل کمار چودھری - لوک دل ۵۴۳
۲- بینوئے کرشنا چودھری - سی پی آئی (ایم) ۷۴۱۷۹
۳- سنتوش سادھو سکیدر - آئی این سی ۳۷۰۴۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۳۹۵۸۳
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۳۸۰۴
ردکردہ ووٹ ۲۰۳۶
منتخب ہوئے - بینوئے کرشنا چودھری
(سی پی آئی (ایم))

حلقۂ انتخاب ۲۷۱ - بردوان جنوب

۱- سادھن کمار گھوش - آزاد ۳۳۸۴
۲- پردیپ بھٹاچاریہ - آئی این سی ۴۸۰۶۹
۳- بسو پیر چودھری - آزاد ۵۱۰
۴- نیروپم سین - سی پی آئی (ایم) ۶۰۰۳۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۵۴۲۱۵
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۴۱۴۰
ردکردہ ووٹ ۲۱۵۰
منتخب ہوئے: نیروپم سین - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۲ - کھنڈا گھوش (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- پراناتھ دھیبر - آئی این سی ۳۰۹۸۴
۲- شیب پرشاد دولوئی - سی پی آئی (ایم) ۵۹۳۳۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۷۱۱
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۵۷۱
ردکردہ ووٹ ۱۲۵۴
منتخب ہوئے: شیب پرشاد دولوئی -
سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۳ - رینا

۱- ادے شنکر سائیں - آئی این سی ۳۰۰۲۴
۲- دھیندرا ناتھ چڑجی - سی پی آئی (ایم) ۵۹۵۶۵
۳- محمد جہانگیر عالم ملک - لوک دل ۶۰۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۵۷۱۲
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۵۵۲
ردکردہ ووٹ ۱۳۶۱
منتخب ہوئے: دھیندرا ناتھ چڑجی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۴ - جالپور (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- تارا پدو پاکڑے - آزاد ۲۷۱۶
۲- یورنجوے پرامانک - آئی این سی ۳۹۳۴۳
۳- سنیل سانترا - فارورڈ بلاک (مارکسی) ۵۸۴۷۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۲۵۲۴
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۲۱۸۸
ردکردہ ووٹ ۱۶۵۰
منتخب ہوئے: سنیل سانترا - فارورڈ بلاک (مارکسی)

حلقۂ انتخاب - ۲۷۵ - میماری

۱- کونار مہارانی - سی پی آئی (ایم) ۷۳۵۲۱
۲- بناکر چندر پادھیے - آئی این سی ۳۹۹۰۱
۳- سوپریا سامنتو - آزاد ۱۶۳۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۴۴۱۸۲
ڈالے گئے ووٹ ۱۱۶۶۸۴
ردکردہ ووٹ ۱۶۳۲
منتخب ہوئیں: کونار مہارانی - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۶ - کلنا

۱- انجو کار - سی پی آئی (ایم) ۵۹۰۹۲
۲- اجے کمار گھوش - آزاد ۷۷
۳- دھیندرا ناتھ چڑجی - آئی این سی ۳۶۹۷۸
۴- [illegible] سارن آزاد ۰۹۱
۵- [illegible] شنکر - آزاد ۱۹
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۹۹۶
ڈالے گئے ووٹ ۹۹۳۱۷
ردکردہ ووٹ ۱۴۴۰
منتخب ہوئے: انجو کار (سی پی آئی - ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۷ - نادن گھاٹ

۱- گووند پرشاد پال - آزاد ۸۱
۲- دلیپ کمار چودھری - لوک دل ۰۳
۳- منصور حبیب اللہ - سی پی آئی (ایم) ۰۹۳۶
۴- سواپن کمار دیبناتھ - آئی این سی ۳۱۳۱
ووٹروں کی کل تعداد ۳۶۹۴۹
ڈالے گئے ووٹ ۰۶۲۴۹
ردکردہ ووٹ ۶۹۸
منتخب ہوئے: منصور حبیب اللہ - سی پی آئی (ایم)

حلقۂ انتخاب ۲۷۸ منتیشور

۱- کنیز رسول ملک - لوک دل ۴۲

۱. گوروگوپال رائے - آئی این سی ۳۱۷۹۱
۲. شکتی گوپال گھوش - بی جے پی ۳۴۴۷
۳. ہمانتو رائے - سی پی آئی (ایم) ۵۵۲۳۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۳۴۲۸
ڈالے گئے ووٹ ۹۲۷۸۴
رد کردہ ووٹ ۱۷۵۱
منتخب ہوئے: ہمانتو رائے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۷۹ - پوربا استھلی

۱. شیخ عبدالوہاب - آزاد ۹۴۳
۲. پربھات کمار ... - بی جے پی ۲۲۳۷
۳. منورنجن ناتھ - سی پی آئی (ایم) ۵۱۰۳۸
۴. موکل بھٹاچاریہ - آئی این سی ۳۷۰۷۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۹۰۲۷
ڈالے گئے ووٹ ۹۳۳۲۵
رد کردہ ووٹ ۲۰۳۲
منتخب ہوئے: منورنجن ناتھ - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۰ - کٹوا

۱. اجیت چٹرجی - آزاد ۷۵۰
۲. انجن چٹرجی - سی پی آئی (ایم) ۵۳۲۳۳
۳. رابندرناتھ چٹرجی - آئی این سی ۴۳۷۴۱
۴. ہری گوپال گھوش - لوک دل ۱۵۳۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۸۹۷۷
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۰۰۹۱
رد کردہ ووٹ ۱۸۲۹
منتخب ہوئے: انجن چٹرجی - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۱ - منگل کوٹ

۱. اشوک کمار ملک - آزاد ۴۸۰۳
۲. جگدیش دت - آئی این سی ۲۷۳۷۰
۳. نکھیلانند سار - سی پی آئی (ایم) ۵۶۸۶۰
۴. سید امداد علی - آزاد ۷۵۳
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۲۵۹۳
ڈالے گئے ووٹ ۹۱۲۸۹
رد کردہ ووٹ ۱۵۰۳
منتخب ہوئے: نکھیلانند سار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۲ - کیتوگرام (شیڈولڈ کاسٹ)

۱. پربھاکر منڈل - آئی این سی ۳۳۵۸۸
۲. رائے چرن ماجھی - سی پی آئی (ایم) ۵۸۸۶۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۲۷۵
ڈالے گئے ووٹ ۹۴۰۴۰
رد کردہ ووٹ ۱۵۸۴
منتخب ہوئے: رائے چرن ماجھی - سی پی آئی (ایم)

ضلع بیر بھوم

حلقہ انتخاب ۲۸۳ - نانور (شیڈولڈ کاسٹ)

۱. ادھیر کمار سام - آئی این سی ۳۱۴۰۳
۲. آنند گوپال داس - سی پی آئی (ایم) ۵۴۳۱۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۹۴۶
ڈالے گئے ووٹ ۸۶۹۳۱
رد کردہ ووٹ ۱۲۱۳
منتخب ہوئے: آنند گوپال داس - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۴ - بول پور

۱. تارا پدو گھوش - آر ایس پی ۴۴۰۶۵
۲. ترن کرشنا رائے - جنتا ۵۱۸
۳. تپو دورگی کورا ... - آزاد ۹۸۴
۴. نارائن چندر منڈل - آزاد ۱۹۲
۵. رابندرناتھ گھوش - آزاد ۱۴۴۲
۶. سولین مسرا - آزاد ۴۷۹۹
۷. ڈاکٹر سشوبھن بنرجی - آئی این سی ۳۴۱۲۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۱۳۸
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۷۴۸
رد کردہ ووٹ ۱۹۵۰
منتخب ہوئے: تارا پدو گھوش - آر ایس پی

حلقہ انتخاب ۲۸۵ - لابھ پور

۱. یونس ملک - آئی این سی ۳۲۸۵۳
۲. نارائن دے - آزاد ۲۱۹
۳. سنیل مجمدار - سی پی آئی (ایم) ۵۱۵۱۲
۴. مانک بھٹاچاریہ - آزاد ۱۳۲۹
۵. مرتیونجے چیٹرجی - لوک دل ۲۷۰
۶. سمیر ودھندل - آزاد ۳۲۲
۷. رنجیت کمار دت - آزاد ۸۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۱۰۸۳
ڈالے گئے ووٹ ۸۷۷۴۶
رد کردہ ووٹ ۱۱۵۷
منتخب ہوئے: سنیل مجمدار - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۶ - دوبراجپور

۱. اشوک مکھوپادھیائے - آزاد ۲۱۳
۲. کمل پال - آزاد ۴۶۷
۳. گھوہاری چندرا - آئی این سی ۳۳۴۹۴
۴. جگتی بھوشن منڈل - اے آئی ایف بی ۴۸۶۳۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۸۲۰
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۱۲۰
رد کردہ ووٹ ۱۲۱۴
منتخب ہوئے: جگتی بھوشن منڈل - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۸۷ - راجنگر (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- انیل بوتری - آئی این سی ۲۸۳۳۵
۲- نباگوپال بوتری - آزاد ۴۳۰۲
۳- وجئے باگری - اے آئی ایف بی ۵۰۰۵۱
۴- سرت ہاتو - آزاد ۹۶۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۱۸۳۹
ڈالے گئے ووٹ ۸۵۱۲۷
ردکردہ ووٹ ۱۵۷۸
منتخب ہوئے: وجئے باگری - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۸۸ - سوری

۱- سنی چترراج - آئی این سی ۴۵۷۵۸
۲- تپن رائے - سی پی آئی (ایم) ۵۰۸۶۵
۳- پنالال گھوش - آزاد ۱۹۳
۴- یارتھا سین ا - آزاد ۲۱۱
۵- برجوگوپال ساہا - ایس یو سی آئی ۲۱۷۷
۶- منڈل گناپتی - آزاد ۳۴۸
۷- امیر مکھرجی - آزاد ۳۱۲
۸- شیخ احمد منظوم - مسلم لیگ ۵۵
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۹۵۴۹
ڈالے گئے ووٹ ۱۰۱۴۳۵
ردکردہ ووٹ ۱۵۱۶
منتخب ہوئے: تپن رائے - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۸۹ - محمد بازار

۱- اجئے منڈل - آزاد ۲۱۲
۲- چندرادھر پال - آزاد ۹۲۹
۳- تپن مکھرجی - آئی این سی ۳۴۹۹۵
۴- دھیرین سین - سی پی آئی (ایم) ۵۱۳۱۰
ووٹروں کی کل تعداد ۱۲۰۵۹۵
ڈالے گئے ووٹ ۸۹۱۲۴
ردکردہ ووٹ ۱۶۷۸
منتخب ہوئے: دھیرین سین - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۹۰ - مئوریشور (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- کمل کانت منڈل - آئی این سی ۲۴۴۹۰
۲- دھیرین لیٹ - سی پی آئی (ایم) ۴۴۶۶۶
۳- سدانند منڈل - آزاد ۳۳۷
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۴۰۱۲
ڈالے گئے ووٹ ۷۰۵۲۸
ردکردہ ووٹ ۱۰۳۵
منتخب ہوئے: دھیرین لیٹ - سی پی آئی (ایم)

حلقہ انتخاب ۲۹۱ - رامپور ہاٹ

۱- آنند گوپال رائے - آزاد ۶۷۸
۲- اتیش بنرجی - آئی این سی ۳۷۱۵۲
۳- ساتکو منڈل - اے آئی ایف بی ۴۴۸۹۵
۴- ستیہ رنجن دے - آزاد ۲۸۸
ووٹروں کی کل تعداد ۱۱۷۳۲۱
ڈالے گئے ووٹ ۸۴۴۳۰
ردکردہ ووٹ ۱۴۱۷
منتخب: ساتکو منڈل - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۹۲ - ہسن (شیڈولڈ کاسٹ)

۱- اسیت کمار مال - آئی این سی ۳۹۲۳۱
۲- تری لوچن داس آزاد ۳۶۹۳۰
۳- بیدیاناتھ مال - ایس یو سی آئی ۲۰۴۲
۴- موہن موہن منڈل - آزاد ۱۲۹۲
۵- رنجیت کمار مال - آزاد ۳۰۱
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۴۰۷۳
ڈالے گئے ووٹ ۸۱۱۰۲
ردکردہ ووٹ ۱۳۰۶
منتخب ہوئے: اسیت کمار مال - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۲۹۳ - نلہاٹی

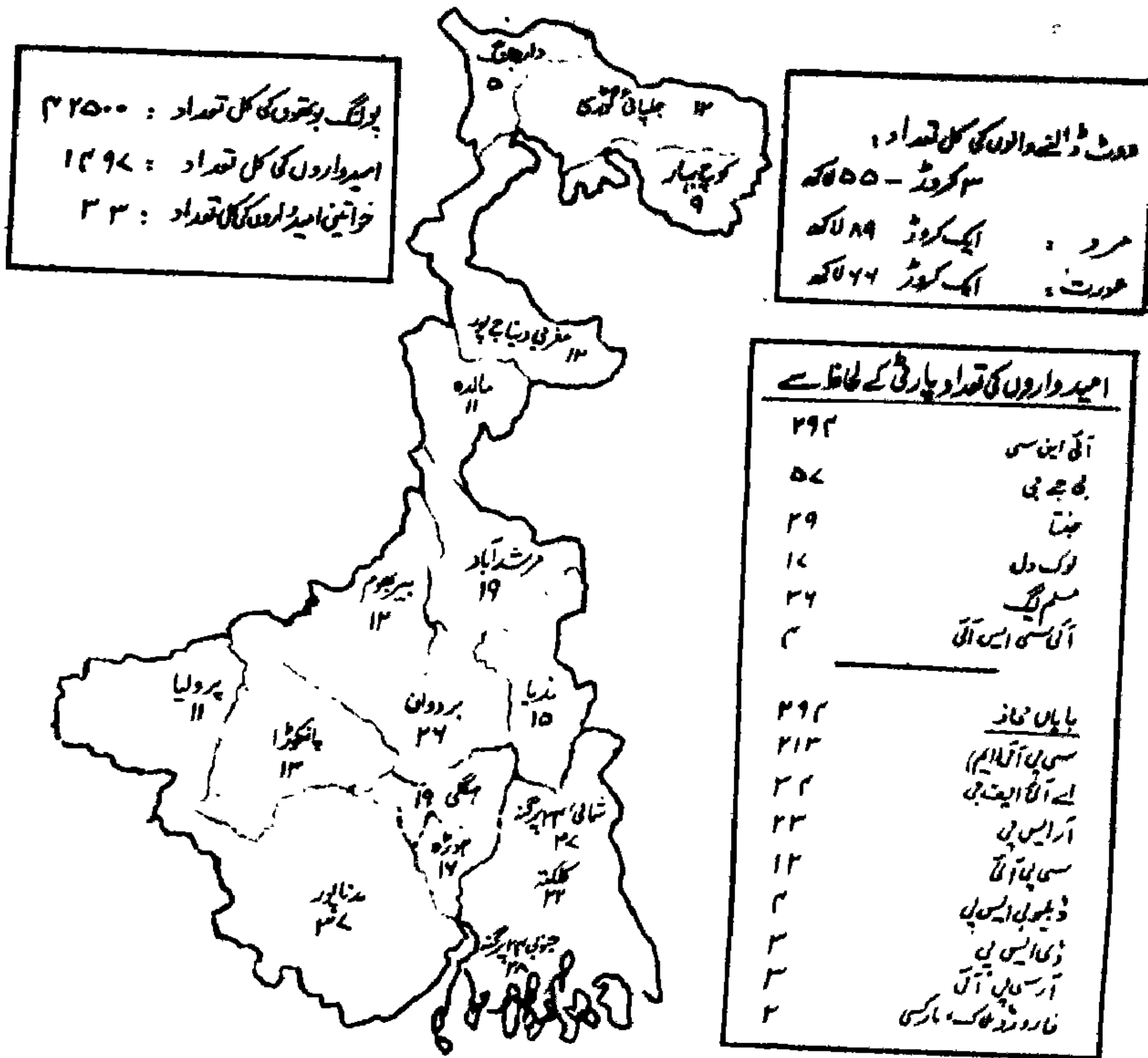
۱- سنیل کمار پرساد - آزاد ۱۱۲۷
۲- بالارام منڈل - آزاد ۴۵۳
۳- بربندابن ساہا - آئی این سی ۲۷۷۶۸
۴- محی الدین احمد - آزاد ۲۲۱۶
۵- ستیک کمار رائے - اے آئی ایف بی ۴۴۸۵۶
ووٹروں کی کل تعداد ۹۶۵۵۷
ڈالے گئے ووٹ ۶۷۶۸۵
ردکردہ ووٹ ۱۲۶۵
منتخب ہوئے: ستیک کمار رائے - اے آئی ایف بی

حلقہ انتخاب ۲۹۴ - مرارائی

۱- عبدالجلیل - جنتا ۱۸۷
۲- جلادھر دت - آزاد ۹۱
۳- زید بخشی - ایس یو سی آئی ۴۰۵۳
۴- درگا داس گھوش - سی پی آئی ایم ۳۷۲۸۳
۵- نمائی منڈل - آزاد ۴۰۷
۶- ڈاکٹر مطہر حسین - آئی این سی ۳۸۰۶۳
۷- محمد صداقت - لوک دل ۲۰۲
ووٹروں کی کل تعداد ۱۰۵۹۸۶
ڈالے گئے ووٹ ۸۱۵۴۵
ردکردہ ووٹ ۱۲۱۹
منتخب ہوئے: ڈاکٹر مطہر حسین - آئی این سی

حلقہ انتخاب ۱۵۶ - سیالدہ (سلسلہ [illegible])

۱- نندا گوپال بھٹاچاریہ - سی پی آئی ۱۹۳۰۸
۲- رگھوبیر یادو - آزاد ۳۷۶
۳- راجا موہن یادو - آزاد ۱۸۴
۴- سومیندرا ناتھ مترا - آئی این سی ۳۱۸۹۷
ووٹروں کی کل تعداد ۷۵۵۷۵
ڈالے گئے ووٹ ۴۹۷۹۳
ردکردہ ووٹ ۱۲۲۸
منتخب ہوئے: سومیندرا ناتھ مترا - آئی این سی



ضلع وار نشستوں کی تعداد

عام انتخابات سنہ ۱۹۸۷ء — ضلع وار پارٹی پوزیشن

اضلاع	سیٹوں کی کل تعداد	سی پی آئی-ایم	اے آئی ایف بی	آر ایس پی	سی پی آئی	بائیں محاذ کی دیگر تائید کردہ پارٹیاں	بایاں محاذ	آئی این سی	دیگر
کوچ بہار	۹	۴	۵	–	–	–	۹	–	–
جلپائی گوڑی	۱۲	۶	۱	۴	.	–	۱۱	۱	–
دارجلنگ	۵	۴	–	–	۱	–	۵	–	–
مغربی دیناجپور	۱۲	۶	۲	۲	۱	–	۱۲	–	–
مالدہ	۱۱	۹	۱	–		–	۱۰	۱	–
مرشدآباد	۱۹	۸	–	۵		۱ (ڈبلیو بی ایس پی)	۱۵	۴	–
ندیا	۱۵	۱۳	–	–	–	۱ (آر سی پی آئی)	۱۴	۱	–
شمالی ۲۴ پرگنہ	۲۷	۱۹	۲	۱	–	–	۲۲	۴	۱ مسلم لیگ
جنوبی ۲۴ پرگنہ	۲۸	۲۱	–	۲	–	–	۲۳	۳	۲ ایس یو سی آئی
کلکتہ	۲۲	۸	–	۱	–	–	۹	۱۳	–
ہوڑہ	۱۶	۸	۳	–	–	–	۱۱	۵	–
ہگلی	۱۹	۱۴	۳	–	–	۱ (فارورڈ بلاک مارکسی)	۱۸	۱	–
مدناپور	۳۷	۲۳	–	–	۷	۳ (ڈبلیو بی ایس پی) ۲ (ڈی ایس پی)	۳۵	۲	–
پرولیا	۱۱	۸	۳	–	–	–	۱۱	–	–
بانکوڑا	۱۳	۱۰	۱	۱	۱	–	۱۳	–	–
بردوان	۲۶	۲۱	۱	–	–	۱ (فارورڈ بلاک مارکسی)	۲۳	۳	–
بیربھوم	۱۲	۵	۴	۱	–	–	۱۰	۲	–
کل	۲۹۴	۱۸۷	۲۶	۱۸	۱۱	۹	۲۵۱	۴۰	۳

نئی وزارت کو خراجِ عقیدت

حکومتِ مغربی بنگال کے ملازمین کی تنظیموں کی کوآرڈی نیشن کمیٹی کی طرف سے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور بائیں محاذ وزارت کے اراکین کو ۳۱ر مارچ کو رسم حلف برداری کے فوراً بعد رائٹرس بلڈنگس کے سامنے ایک منعقدہ تقریب میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

اس تقریب میں کوآرڈی نیشن کمیٹی کے لیڈروں نے اپنی تقریروں میں نئی وزارت کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے محبوب حکومت قرار دیا ہزاروں کی تعداد میں جمع ہونے والے ملازمین کو شری جیوتی باسو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ عام لوگوں کی فلاح وبہبود سے متعلق مختلف سرکاری پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے میں ریاستی ملازمین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ شری جیوتی باسو نے امید ظاہر کی کہ آئندہ بھی حکومت کو اسکے فرائض کی ادائیگی میں سرکاری ملازمین کی تنظیموں کا وسیع طور پر تعاون حاصل رہے گا۔



۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۸۷ء کو کوآرڈی نیشن کمیٹی کے زیر اہتمام ایک تقریب میں سرکاری ملازمین کا اجتماع

بدعنوانی اور اقرباپروری کیخلاف سخت اقدامات کئیے جائینگے

سرکاری ملازمین کو خلوص اور مستعدی سے اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

"ہماری حکومت نے سرکاری ملازمین کو سابقہ حکومت کے مقابلے میں بہت ساری سہولتیں اور مراعات دینے کے ساتھ ساتھ ان کے جمہوری حقوق بحال کئے ہیں۔ اس ریاست کے عوام نے ریاستی اسمبلی کے حالیہ انتخابات میں بائیں محاذ کو بڑی اکثریت سے کامیاب بنایا ہے۔ ریاستی حکومت سے عوام نے بہت سارے توقعات وابستہ کر رکھے ہیں، اور انہیں پورا کرنے میں سرکاری ملازمین کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے سرکاری ملازمین کو، عوام کے لئے بہتر انتظامی خدمات فراہم کرنے اور حکومت وانتظامیہ کے درمیان بہتر رابطہ قائم رکھنے کے لئے اور بھی خلوص اور مستعدی سے اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں۔ حکومت بدعنوانی اور اقرباپروری کو کبھی برداشت نہیں کرے گی اور ان کے خلاف سخت اقدامات کرے گی۔"

نیتاجی انڈور اسٹیڈیم کلکتہ میں ۷ اپریل ۱۹۸۷ء کو سرکاری ملازمین کے ایک کثیر اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مندرجہ بالا باتیں کہیں۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت نے سرکاری ملازمین کو سابقہ حکومت کے مقابلہ میں بہت ساری سہولتیں اور مراعات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جمہوری حقوق بھی بحال کر دئے۔ سرکاری ملازمین پر سے سیاست میں حصہ لینے کی پابندی اٹھالی گئی اور پولس کو بھی ٹریڈ یونین قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں امید ہے کہ سرکاری ملازمین اور پولس کے افراد ان سہولتوں اور مراعات اور جمہوری حقوق کی بحالی کا لحاظ کریں گے اور اپنے فرائض کو اور بھی خوش اسلوبی سے انجام دیں گے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ انکی حکومت بدعنوانی اور اقرباپروری کو کبھی برداشت نہیں کرے گی۔ اس لئے اس طرح کی حرکتوں میں ملوث لوگوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے گی اور بدعنوانی اور اقرباپروری کے خلاف سخت اقدامات کئے جائیں گے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ہم سرکاری ملازمین اور حکومت کے درمیان قریبی رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری ملازمین اور عوام کے تعاون کے بغیر ہم انتظامیہ کو بہتر ڈھنگ سے نہیں چلا سکتے اور نہ ہی عوام کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ اسمبلی انتخاب سرکاری ملازمین کے تعاون کے بغیر پرامن طور پر کرانا ممکن نہیں تھا جب کہ کانگریس (آئی) یہ الزام لگا رہی تھی کہ یہاں بائیں محاذ کے دور میں انتخاب نہیں ہو سکتا۔ الیکشن کمیشن نے مشاہدین روانہ کئے اور انہوں نے انتخابات کے انتظامات پر اطمینان ظاہر کیا اور اعتراف کیا کہ انتخاب میں کوئی دھاندلی نہیں ہوئی۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ریاست کے عوام نے ہمارا وقار بلند کر دیا ہے۔ مرکز نے اور خاص کر وزیر اعظم نے انتخاب کے دوران ہمارے خلاف کافی پروپیگنڈہ کئے اور ہمیں نااہل قرار دیا لیکن سرکاری ملازمین اور عوام کی حمایت سے ہمیں بھاری کامیابی ہوئی۔ مرکزی وزراء تک اعلانیہ س[illegible]

بھی ہمارے خلاف پروپیگنڈے کئے۔ جمہوریت میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں۔ مرکز نے بائیں محاذ کو دنیا کی نگاہوں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی [illegible] کانگریس (آئی) خود ہی عوام سے دور ہو گئی۔ وزیر اعظم [illegible] نے عوام کو بیوقوف سمجھا تھا لیکن عوام نے ان کی اصلیت کو اچھا سمجھ لیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ہماری ذمہ داریاں دوگنی ہو گئی ہیں اور اس لئے ہر سرکاری ملازمین کو ذمہ داری، ایمانداری اور لگن سے کام کرنا ہوگا۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ کانگریس ایک رجعت پسند پارٹی ہے اور مرکز میں اسے زبردست بحران کا سامنا ہے۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ کا کوئی متبادل نہیں لیکن ہمارے لئے آرام کرنے کی گنجائش نہیں۔ مرکز نے ہمارے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی اور امتیازی سلوک کیا۔ انتخابی مہم کے دوران وزیر اعظم نے عوام سے جو بھی وعدے کئے ہیں ہم انہیں پورے کرنے کے لئے مرکز پر دباؤ ڈالیں گے۔ ہمیں ہر [illegible] کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمیں انتظامیہ کو موثر اور غیر جانبدار بنانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ سرکاری افسروں اور وزراء کے درمیان بھی قریبی رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ وزراء کو زیادہ ذمہ داریوں کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ہمیں عوام سے قریبی تعلقات قائم کرنے ہوں گے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حالیہ انتخاب میں کانگریس (آئی) نے شہروں اور صنعتی علاقوں میں اور اردو و ہندی بولنے والوں کے [illegible] ووٹ حاصل کئے۔ دیہی علاقوں کے مسلمانوں نے بائیں محاذ کو [illegible] دئے۔ کانگریس (آئی) نے انہیں گمراہ کر کے ووٹ حاصل کیا [illegible] انہیں ہمیں اپنی طرف لانا ہوگا۔ کانگریس (آئی) نے مذہب کے [illegible] پر ووٹ حاصل کئے۔ خود وزیر اعظم نے اپنے انتخابی مہم میں مذہب [illegible] کو استعمال کر کے الیکشن کمیشن کے ضابطے کی خلاف ورزی کی۔

اس جلسہ میں ڈاکٹر اشیم داس گپتا اور دیگر وزراء نے شرکت کی۔ کوآرڈینیشن کمیٹی کے سکریٹری اجے مکھو پادھیائے نے بھی صدارتی تقریر میں کہا کہ حقیقی بنیاد پر اگر کسی ملازم کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی مثلاً کسی کو معطل یا برخاست کر دیا جائے گا تو کوآرڈینیشن کمیٹی کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ ٭٭

بقیہ: مغربی بنگال بجٹ ۸۷-۱۹۸۶ء کے پیش ......

حصولیابی کے انتظامیہ میں بھی بہتری لائی جائے گی۔

موجودہ حکومت اور موجودہ اسمبلی اب ختم ہونے کو ہے۔ اس لئے یہ بات نہایت مناسب ہوگی کہ نئی حکومت سال ۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے بجٹ تخمینہ میں نئے سرے سے غور کرے، اور اس سلسلہ میں نئی اسمبلی کے سامنے مخصوص تجاویز پیش کریں اور اس کی منظوری کو حاصل کرے۔ ان حالات کے پیش نظر کہ حکومت یکم اپریل سے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے، میں آئندہ مالی سال کے پہلے چار مہینوں کے اخراجات کے لئے عطیات کو آپ لوگوں کے سامنے ووٹ کے ذریعہ پاس کرنے کی تجویز پیش کرتا ہوں ٭٭٭

بقیہ: مغربی بنگال میں تیسری بار بائیں محاذ کی حکومت ....

سات وزیر مملکت ہیں۔ گزشتہ دوسری بائیں محاذ وزارت کی طرح اس بار بھی نئی وزارت میں [illegible] تین چار ورڈ بلاک [illegible] ہیں۔ ان میں تین کابینہ درجہ کے وزراء [illegible] ایک وزیر مملکت [illegible] کابینہ درجہ کے تین عہدے آر ایس پی کو دئے [illegible] جبکہ سی پی آئی کو [illegible] دو عہدے دئے گئے — ایک کابینہ درجہ کا اور دوسرا مملکت درجہ کا۔ ان کے علاوہ بائیں محاذ کی تیسری وزارت میں ویسٹ بنگال سوشلسٹ پارٹی کے صرف ایک ممبر کو کابینہ درجہ کی وزارت میں شامل کیا گیا ہے۔

بائیں محاذ کی نئی وزارت میں ان ۳۲ وزراء میں شری اشیم داس گپتا، شری شیامل چکرورتی، جناب [illegible] حق، شری دینیش چندر ڈاکوا، شری مہیشور مرمو، شری ربانی [illegible] دیب مشرا (تمام سی پی آئی ایم)، جناب سید واحد رضا (سی پی آئی)، شری سرل دیب (اے آئی ایف بی) اور شری وشوناتھ چکرورتی (آر ایس پی) نئے چہرے ہیں ٭٭

بقیہ: مغربی بنگال کے اسمبلی انتخابات میں بائیں محاذ کی ....

ایچ۔ این۔ بہوگنا، شری بیجو پٹنائک وغیرہ نے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو دلی مبارکباد دی۔ سی پی آئی (ایم) کے پولٹ بیورو نے عوام کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ریاست میں بائیں محاذ کو تیسری مرتبہ برسر اقتدار لا کر بائیں محاذ کی شاندار فتح کا خیر مقدم کیا۔



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بدھان سبھا میں بجٹ پیش کرنے کیلئے جاتے ہوئے۔

مغربی بنگال بجٹ

سنہ ۱۹۸۷-۸۸ء کے پہلے چار مہینے کیلئے

جناب عالی، آپکی اجازت سے میں سنہ ۱۹۸۷-۸۸ء کے لئے حکومتِ مغربی بنگال کے سالانہ مالیاتی بیان (یعنی جمع وخرچ کا تخمینہ) پیش کرتا ہوں۔

عزت مآب ممبران ان حالات سے واقف ہیں جن کے تحت ہم لوگ انتخاب کی تاریخ اور نئی اسمبلی کی تشکیل کے درمیان کچھ حد تک نامناسب وقت میں یکجا ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں نے انتخابی کمیشن سے باربار درخواست کی کہ وہ فروری میں انتخابات منعقد کرے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگر انتخابی کمیشن ہماری بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتا تو ایک اچھے وقت میں نئی اسمبلی بجٹ تخمینوں پر غور کرتی۔ بہر حال انتخابات ۲۳ مارچ سنہ ۸۷ء کو ہوئے۔ اس لئے اسمبلی کے موجودہ ممبران کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کہ وہ چند دنوں کے اندر یکجا ہو جائیں اور دستورِ ہند کے مطابق معاون خال کے لئے بذریعہ ووٹ معاون عطیہ اور یکم اپریل سے اخراجات کو پورا کرنے کیلئے حکومت کو اختیار دے دیں۔ بجٹ کے کاغذات کے ساتھ ساتھ عزت مآب ممبروں کو سنہ ۸۶-۸۷ء کے لئے "معاشی جائزہ" کی کاپیاں بھی فراہم کی گئی ہیں۔ اس جائزہ میں اس ریاست کی معاشی حالت کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ میں اپنے مجوزہ بیان میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔

عزت مآب ممبروں کو یہ بات یاد ہوگی کہ رواں سال سنہ ۸۶-۸۷ء کے لئے بجٹ تخمینہ پیش کرتے ہوئے میں نے اپنے بیان میں یہ بتایا تھا کہ ۵۲۔۵۰ کروڑ روپئے کی جو بجٹ ہوگی وہ مزید مزدوری اخراجات مع مہنگائی بھتہ کی ادائیگی کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔ نظرثانی کردہ تخمینے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کل محاصل اخراجات بجٹ میں رکھے تخمینہ سے تقریباً ۱۵۰ کروڑ روپئے زیادہ ہوں گے۔

مہنگائی بھتہ کے تئیں ۵۰ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ اسکولوں کے اساتذہ کو تنخواہ دینے کے لئے مزید ۲۷ کروڑ روپئے اور سیلاب۔امداد اور عام انتخابات کے لئے تقریباً ۴۵ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔

سال رواں میں ذرائع کی استعانت اور ہندوستان کے ریزروبینک کی پیشگی رقوم بجٹ تخمینہ سے کم ہوں گی۔ اسی لئے ہوائی قرض اکاؤنٹس کے آمدنی اور خرچ کی مدوں میں نظرثانی کردہ تخمینوں میں مختص رقوم میں کمی کی گئی ہے۔

حکومت ہند کی پالیسیوں میں چند تبدیلیوں کی وجہ سے اس
بابت سرمایہ جاتی بجٹ کے تحت جمع کردہ رقوم میں کچھ کمی ہوئی ہے۔ بجٹ
میں اس سلسلہ میں ۳۴۳ کروڑ روپئے کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا، لیکن
اب نظرثانی کردہ بجٹ میں نشانہ ۲۵۷ کروڑ روپیہ کا مقرر کیا گیا ہے۔
پالیسی میں تبدیلی جس کی وجہ چھوٹی بچت کے تحت جمع کی جانے والی رقوم
میں کمی ہوئی ہے مستثنیٰ قرار دیے گئے اداروں کے ذریعہ پراویڈنٹ فنڈ
میں جمع کردہ رقوم کی سرمایہ کاری کے نظرثانی کردہ طریقہ کار سے وابستہ ہے۔
مجموعی طور پر ۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے نظرثانی کردہ تخمینہ میں
۴۴ کروڑ روپئے کی کمی دکھائی گئی ہے۔

۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے سالانہ منصوبہ، جسے منصوبہ بندی کمیشن
سے مشورہ کرنے کے بعد آخری شکل دی گئی ہے، ۸۹۲ کروڑ روپئے کا ہے۔
اس میں ۷۰۱ کروڑ روپئے کے لئے ریاست کے اپنے ذرائع ہیں اور مرکز
۱۹۱ کروڑ روپیہ بطور امداد فراہم کرے گا۔ اس رقم میں [illegible] کیلئے
۵ کروڑ روپئے کی پیشگی مرکزی منصوبہ امداد شامل ہے۔ اس طرح ۸۷-۱۹۸۶ء
کے لئے منصوبہ ۸۹۷ کروڑ روپئے کا ہوگا۔ سال رواں کے سالانہ منصوبہ
میں ۷۷۶ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس طرح ۸۷-۱۹۸۶ء کے
سالانہ منصوبہ میں مختص اس رقم سے ۱۲ فیصد زیادہ ہے۔ اس ریاست
کی خصوصی ضرورتوں اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر منصوبہ میں اضافہ
کی شرح بہت ہی کم ہے۔ ٹیکس کی حصولیابی میں اضافہ کرنے کے لئے
تفویضی ٹیکس کے لئے مناسب قانون لاگو کرنے کے لئے حکومت ہند سے
کی گئی ہماری درخواستیں بے ثمر ثابت ہوئیں۔

سالانہ منصوبہ میں توانائی کے سیکٹر پر (۲۴۱ کروڑ روپئے)
نقل و حمل پر (۵۸ کروڑ روپئے)، صنعت اور معدنیات پر (۸۷ کروڑ
روپئے)، سماجی خدمات پر (۲۱۱ کروڑ روپئے)، زراعت اور معاون خدمات
پر (۶۰ کروڑ روپئے) اور مضافاتی ترقی پر (۵۴ کروڑ روپئے) زور دیا
گیا ہے۔

حکومت ہند نے کمپٹرولر اور آڈیٹر جنرل سے مشورہ کرنے
کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ یکم اپریل ۱۹۸۶ء سے مرکز اور ریاست کے اکاؤنٹس کی
شکلوں پر نظرثانی کی جائے۔ اسی لئے ۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے ہماری بجٹ دستاویز
اس نئے طریقہ کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔

نظرثانی کردہ حساب و کتاب کی مدوں کے پیش نظر ہم نے
اس ایوان کی تخمینہ کمیٹی کی منظوری سے اس بجٹ کے کاغذات کے ساتھ ساتھ
۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے عطیات کے لئے مطالبات کا ایک مختصر اور جامع لب
لباب بھی پیش کیا ہے۔ اس سے نظرثانی کردہ ترتیب کے ڈھانچے کو سمجھنے
میں آسانی ہوگی، نیز اس میں عطیات کے لئے مطالبات کا مفصل طور پر حوالہ
دیا گیا ہے۔ نیز جیسا کہ تخمینہ کمیٹی نے تسلیم کیا ہے، عطیات کے لئے تفصیلی
مطالبات پر الگ الگ شائع کردہ کتابچے بھی اس ایوان میں بحث و مباحثہ
کے لئے دستیاب ہوں گے۔ بجٹ کو اور بھی معقول اصول پر مرتب کرنے کی
کوشش کی جا رہی ہے۔

دسمبر ۸۶ء میں صارفین قیمت اشاریہ ۶۰۸ کے مطابق
مزید مہنگائی بھتہ دینے کی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے میں نے یہ بھی کہا تھا
کہ آئندہ مالی سال میں مہنگائی بھتہ کی مزید قسطیں بھی دی جائیں گی۔ اس موقع
پر میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ یکم مارچ ۱۹۸۶ء سے قیمتوں کے اشاریہ ۶۰۸
کے حوالے سے بنیادی تنخواہ اور اس سے وابستہ مہنگائی تنخواہ کی ۴ فیصد
رقم بطور مہنگائی بھتہ دی جائے گی۔ اس شرح کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جن کی تنخواہ
اور مہنگائی تنخواہ دونوں ۳۵۰۰ روپئے فی ماہ سے زیادہ نہیں ہے۔ دیگر افراد
کے لئے بعد میں یہ اعلان کیا جائے گا۔ پنشن پانے والوں کو بھی مناسب امداد فراہم
کی جائے گی۔

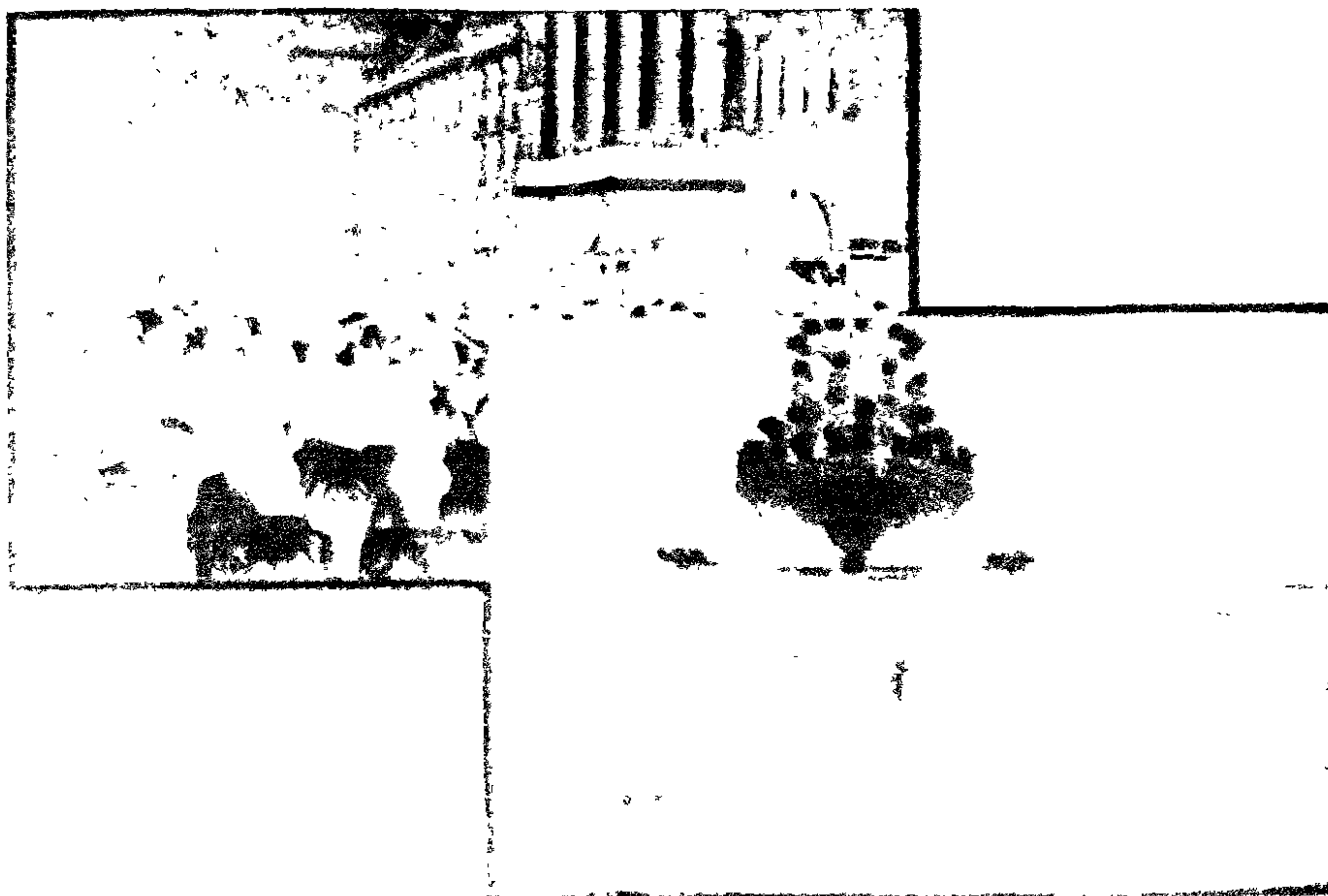
۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے بجٹ تخمینہ میں اس ریاست کے ملحق اور
منجمد فنڈ میں ۴۴ر۳۹ کروڑ روپئے کی کمی دکھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ میری
یہ تجویز ہے کہ مزید مہنگائی بھتہ کے لئے ۶۰ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی جائے۔
اسپتال خدمات میں مزید بہتری لانے کے لئے مزید ۴ کروڑ روپئے کی ضرورت
ہوگی۔ یہ بات ابھی زیر غور ہے اور اس میں ان ڈور مریضوں کی خوراک کے لئے
مختص شرحوں میں اضافہ کرنے کا سوال بھی زیر غور ہے۔

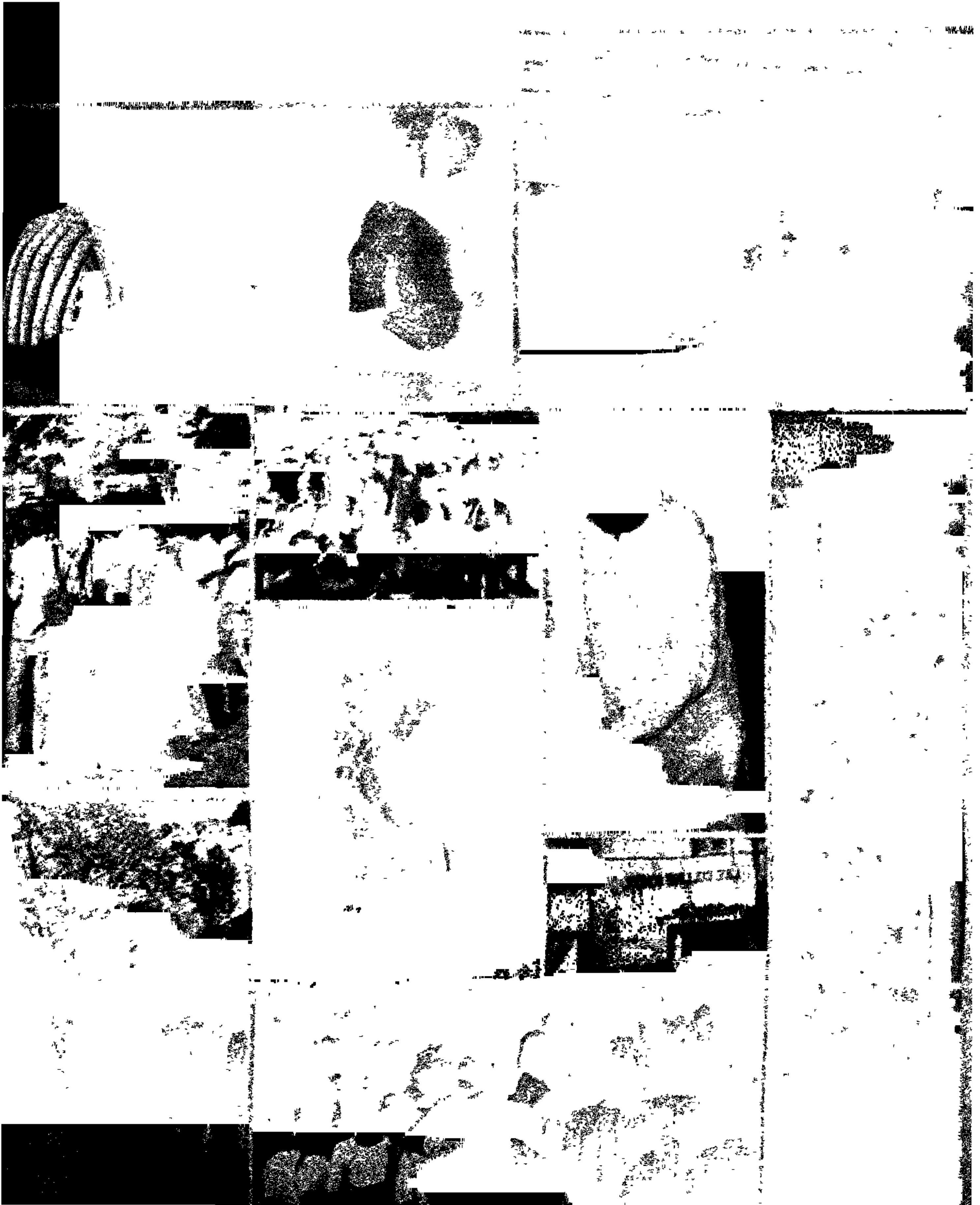
ایک طرف اخراجات میں مذکورہ ۶۴ کروڑ روپئے کا مزید اضافہ
ہوا تو دوسری طرف عوامی اکاؤنٹ میں ۷ر۸۹ لاکھ روپئے دستیاب ہوں گے۔
اس طرح ۸۷-۱۹۸۶ء سال کے لئے ۱۷ر۵۹ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ اس
میں گزشتہ سال کی طرح ۴ر۲۴ کروڑ کا منفی بقیہ بھی شامل ہے۔

تخمینہ کردہ کمی کو مزید وسائل کو یکجا کرکے اور اخراجات میں
معاشی لحاظ سے کفایت کرکے پورا کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ مالی کی

(باقی صفحہ [illegible])











پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین کرشنا بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری

سالانہ: تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور۔ حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر۔ این۔ مکھرجی روڈ۔ کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم مئی ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۹



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ، اور وزیر اراضی و اصلاحات اراضی اور پنچایت شری بینوئے چودھری ۱۱ اپریل ۱۹۸۷ء کو دہلی میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں



نظم

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو — اٹھو انقلابی جوانو اٹھو
کسانو اٹھو کامگارو اٹھو — نئی زندگی کے شرارو اٹھو
اٹھو کھیلتے اپنی زنجیر سے — اٹھو خاکِ بنگال و کشمیر سے
اٹھو وادی و دشت و کہسار سے — اٹھو سندھ و پنجاب و ملبار سے
اٹھو مالوے اور میوات سے — مہاراشٹر اور گجرات سے
اودھ کے چمن سے چہکتے اٹھو — گلوں کی طرح سے مہکتے اٹھو
اٹھو کھل گیا پرچمِ انقلاب — نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
اٹھو جیسے دریا میں اٹھتی ہے موج — اٹھو جیسے آندھی کی بڑھتی ہے موج
اٹھو برق کی طرح ہنستے ہوئے — کڑکتے، گرجتے، برستے ہوئے

غلامی کی زنجیر کو توڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو

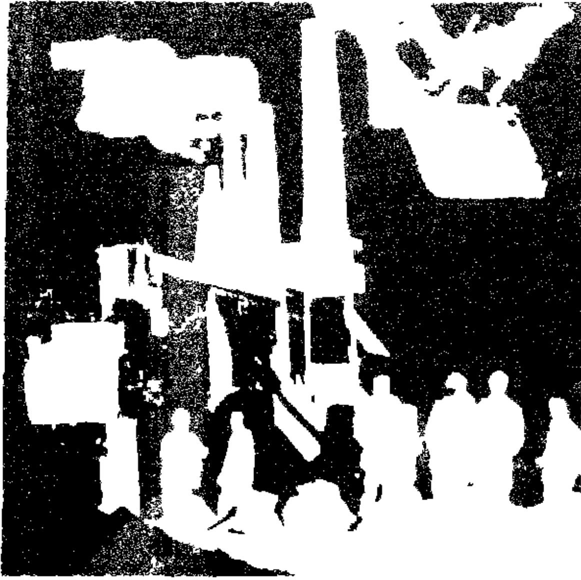
سردار جعفری

محنت کشوں کی بین الاقوامی یوم استحکام کی صد برسی

یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو کے مزدوروں نے احتجاجی مظاہرہ کیا تھا، اور اسی وقت سے یہ دن محنت کشوں کا بین الاقوامی استحکام کا دن بن گیا۔ امریکہ کے محنت کشوں کی تنظیموں کے وفاق نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کام کرنے کے ۸ گھنٹے کی حد کے لئے یکم مئی ۱۸۸۶ء کو مظاہرہ کیا جائے۔ اس وقت ممالک متحدہ امریکہ میں تقریباً ۳۵۰۰۰ محنت کشوں نے کام بند کر دیا۔ اس وقت کے لحاظ سے ایسے مزدوروں کی تعداد کافی کثیر تھی۔ صرف شکاگو میں ۸۰۰۰۰ مزدوروں نے ہڑتال کی۔

۳ مئی ۱۸۸۶ء شکاگو میں مک کورمک ہارویسٹر مشینری پلانٹ کے ۱۲۰۰ مزدوروں نے ہڑتال کی۔ اس ہڑتال کو توڑنے کے مالکوں کے پرتشدد اقدامات نے جگہ جگہ مزدوروں کو احتجاجی مظاہرے کرنے پر مجبور کر دیا۔ پولیس نے فائرنگ کی اور چار مظاہرین کو جان سے مار ڈالا اور بہت سے مظاہرین کو زخمی کیا۔ ۴ مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو کے "ہے مارکیٹ اسکوائر" میں ہزاروں مزدور پولیس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے۔ احتجاجی جلسہ کے اختتام کے بعد بہت سارے شریک کار اس اسکوائر سے چلے گئے تھے۔ اتنے میں ایک پولیس یونٹ وہاں آ پہنچی۔ یکایک ایک بم کا دھماکہ ہوا۔ اس سے پولیس کے آٹھ افراد مارے گئے، اور درجنوں لوگ زخمی ہوئے۔

اس حادثہ کو ایک بہانہ بنا کر (حالانکہ اس واقعہ کے فوراً بعد یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ لوگوں کو بھڑکانے والے ایک شخص نے یہ بم پھینکا تھا) حکام نے بہت سارے مظاہرین کو گرفتار کر کے قید خانوں میں بھیج دیا۔ شکاگو میں مزدوروں کے رہنماؤں کے خلاف عدالتی کارروائیاں کی گئیں۔ جھوٹی شہادت پر مبنی ایک سماعت میں گرفتار شدگان کے خلاف مقدمات دائر کئے گئے (حالانکہ جن کے خلاف مقدمے دائر کئے گئے، ان میں سے کوئی بھی اس وقت اس اسکوائر میں موجود نہ تھا جب بم کا دھماکہ ہوا) اور ان میں سے سات افراد کو موت کی اور ایک کو ۱۵ سال کی قید کی سزا دی گئی۔



اس فیصلہ کے خلاف سارے امریکہ اور یورپ میں احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ الینوئس کے گورنر نے دو افراد کی پھانسی کی سزا کو عمر قید کی سزا میں تبدیل کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص نے قید خانہ میں خودکشی کی اور باقی ۴ افراد کو ۱۱ نومبر ۱۸۸۷ء میں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

لیکن اس واقعہ کے چھ سال بعد یعنی ۱۸۹۳ء میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ مذکورہ بالا ۸ افراد کے جرم کو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اس طرح جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی تھی انہیں ان کی موت کے بعد بے خطا قرار دیا گیا اور جو قید خانے میں تھے انہیں رہا کر دیا گیا۔

۱۸۸۹ء میں دوسری انٹرنیشنل کا پہلا کانگریس (جلسہ) پیرس میں منعقد ہوا۔ وی۔ آئی۔ لینن کے بیان کے مطابق یہ بین الاقوامی پرولتاری تنظیم نے مارکسی بنیاد پر انحصار کیا۔ کارل مارکس کے دوست فریڈرک انجلس نے اس کانگریس کے انعقاد کے لئے ابتدائی اقدامات میں حصہ لیا۔ اس کانگریس میں فرانس کے نمائندہ مسٹر آر۔ لوگنے نے تمام ملکوں میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے نعرے کے تحت، مزدوروں کے ایک ہی وقت میں مظاہرے اور پرولتاریوں کے دیگر مطالبات کی بابت ایک تجویز پیش کی جسے اتفاق رائے سے کانگریس نے منظور کر لیا۔ امریکہ کے محنت کشوں کی تنظیموں کے وفاق نے اس کانگریس کو ایک پیغام بھیجا جس میں اس نے یہ بتایا کہ وہ کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے لئے یکم مئی ۱۸۹۰ء

کو عالمی پیمانہ پر مظاہرہ کرنے کا انتظام کرنا چاہتا ہے اور آٹھ گھنٹے کی اس قرارداد نے عام اقدامات کے لئے اس دن کو مستحکم بنا دیا۔

فریڈرک اینجلس نے یکم مئی کی قرارداد کی بابت یہ لکھا کہ "ہمارے کانگریس نے یہ بہترین اقدام کیا" تمام ملکوں میں جہاں مزدوروں کی تنظیمیں ہیں اس قرارداد کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا کیونکہ محنت کش لوگوں میں اسکام کا جذبہ نمودار ہو چکا ہے۔

یورپ کے بہت سارے شہروں میں مزدوروں نے ہڑتال کی۔ تقریباً ۳ لاکھ مزدوروں نے لندن کے مشہور 'ہائیڈ پارک' میں اجتماع کیا۔ ممالک متحدہ امریکہ کے بہت سارے شہروں میں ہڑتال اور مظاہرے ہوئے۔ نیویارک میں ۷۰ ٹریڈ یونینوں نے لاکھوں لاکھ مزدوروں کے اجتماع کا انتظام کیا۔

پیرس کانگریس نے ایک واحد مظاہرہ (نہ کہ سالانہ ایک) کیلئے فیصلہ کیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۰ء میں یکم مئی کے مظاہروں کی کامیابی نے اس کانگریس میں شرکت کرنے والے تمام افراد اور سربراہوں کو اس بات سے مطمئن کر دیا تھا کہ انقلابی تحریک کے لئے ایسے واقعات کو روایتی بن جانا چاہئے اور سالانہ منعقد کرنا چاہیے۔

روس میں یکم مئی سنہ ۱۸۹۱ء کو جبکہ وہاں کوئی ٹریڈ یونین نہیں تھی اور نہ ہی کوئی پارلیامنٹ، مارکسسٹوں کے ذریعہ پہلی بار مزدوروں کے استحکام کے دن کو منانے کے لئے ایک جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس جلسہ کو وہاں کی اسوقت کی حکومت نے غیر قانونی قرار دیا۔ لیکن اس کے بعد سے یوم مئی کی تقریب تو روس کے محنت کش طبقہ کی نوجی روایت بن گئی۔

ان لوگوں نے، جنہوں نے یوم مئی کی ہڑتالوں اور مظاہروں میں شرکت کی، خود کو صرف کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے اور دیگر معاشی نعرے لگانے کے لئے مطالبات تک محدود نہیں رکھا۔ پہلے برسوں سے ہی انہوں نے سیاسی

نعرے بھیجنے یعنی یورپی ملکوں میں عالمی حق رائے دہندگی کو رائج کرنا، روس میں زارشاہی کو الٹ پھینکنا وغیرہ، بھی لگانے شروع کر دیئے۔

اس سلسلہ میں عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب نے عالمی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا، اور دنیا کی سماجی ترقی میں بے حد اثرانداز ہوا۔ سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں اکتوبر انقلاب کے فوراً بعد ہی بہت سارے سرمایہ دار ملکوں میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے دن کی بابت قانون کو اپنایا گیا اور اسی طرح وہاں کے محنت کشوں نے اپنے برسوں کا مطالبہ منوایا۔ اس وقت لاکھوں لاکھ محنت کشوں نے "یوم مئی" منایا، اور جوں جوں محنت کش طبقہ کی تحریک تیز ہوتی گئی، نئے نئے علاقوں میں ایسی تقریبات منائی جانے لگیں۔ مثال کے طور پر سنہ ۱۹۲۰-۳۰ء میں ایشیا اور لاطینی امریکہ کے بہت سارے ملکوں میں یوم مئی کی تقریب منعقد ہونے لگی۔

یوم مئی میں محنت کش لوگ حالیہ صورت حال کے پیش نظر بہت سارے مطالبات پیش کرتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں۔

یوم مئی اب دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں منایا جاتا ہے۔ بہت سے ملکوں میں اسے قومی تعطیل کا دن قرار دیا گیا۔ اس دن کے جلسے جلوس میں لاکھوں لاکھ لوگ شرکت کرتے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یوم مئی کے نعروں میں بھی تبدیلیاں آئی ہے۔ ہر سال لوگ نیوکلیائی جنگ کی روک تھام کرنے اور اس سیارہ کے پرامن مستقبل کے لئے اور بھی تیزی سے کوشش کر رہے ہیں۔ اشتراکیتی ملکوں میں لوگ یوم مئی میں اپنے پرامن اقدامات کے نتائج کا جائزہ لیتے ہیں اور ساری دنیا کے مجاہدین آزادی کے ساتھ کے اتحاد کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں محنت کش لوگ سماجی ترقی کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں محنت کش طبقہ بڑے بڑے کاروباریوں کے حملوں کے خلاف احتجاج کرتا ہے، اور اپنے جمہوری حقوق اور کام کرنے کے حق کے تحفظ کا مطالبہ کرتا ہے ۰۰۰

ہم نے ہر دور میں تذلیل سہی ہے لیکن
ہم نے ہر دور کے چہرے کو ضیا بخشی ہے
ہم نے ہر دور میں محنت کے ستم جھیلے ہیں
ہم نے ہر دور کے ہاتھوں کو حنا بخشی ہے

ساحر لدھیانوی

سرمایہ کے سمٹے ہوئے ہونٹوں کا تبسم
مزدور کے چہرے کی تھکن ہے کہ نہیں ہے
پیشانیٔ افلاس سے جو پھوٹ رہی ہے
اٹھتے ہوئے سورج کی کرن ہے کہ نہیں ہے

سردار جعفری

عظیم انقلابی رہنما: وی آئی لینن

تاریخ میں تبدیلیوں کے ہر دور کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی سامنے آتے ہیں جو اس تبدیلی کو زندہ پیکر ہوتے ہیں۔ وہ نئے اور بہتر مستقبل کا پیکر ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایسی چیز کی نشاندہی کرتے ہیں جو اپنے لئے راستہ پیدا کر رہی ہے، اور زندہ رہنے کا حق حاصل کر رہی ہے۔ بدترین دور میں سرمایہ داری سے سوشلزم کی طرف عبور کے عہد میں وہ ولادیمیر ایلیچ لینن ایسے ہی شخص تھے ____ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ایک شخص میں فکر کی وسعت، قوت ارادی اور عظیم احساس، اس قدر خوبی سے مجتمع ہو سکتے ہیں۔ آپ لینن کی زندگی اور جد و جہد پر جا بجا جس زاویے سے نظر ڈالیں یہ امتزاج آپ کو حیرت میں ضرور ڈالے گا۔

لینن میں سائنسی فکر کی زبردست طاقت تھی لیکن ان کے لئے کبھی بھی یہ آپ میں مکمل چیز نہیں تھی۔ وہ اسے دنیا کو اور اس ماحول کو جاننے اور سمجھنے کا ہمیشہ ایک ذریعہ تصور کرتے تھے جس میں محنت کش عوام رہتے ہیں اور جسے وہ بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نظریاتی علم اور مزدور طبقوں کے عملی فرائض کے درمیان قریبی روابط نے ان کے فکر کو اس قدر تیز اور صحیح بنا دیا تھا اور انہیں ایک ایسا ہتھیار ڈھالنے کی صلاحیت بخشی تھی جس کے ذریعہ انتہائی مجرد نظریاتی مفروضات سے ایک نئی زندگی کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ ان روابط نے لینن کو سیاسی دور اندیشی، معاشی اور سماجی ارتقاء کے بنیادی رجحانات اور امکانات کو محسوس کرنے اور اس کی پیش گوئی کرنے کی صلاحیت بخشی۔

اپنی غیر معمولی سیاسی دور اندیشی اور عوام کی ضروریات کے گہرے احساس کی وجہ سے لینن ایک ممتاز اور تیز طبع سیاست دان بن گئے۔ وہ موجودہ صورت حال کی تمام تفصیلات کو فوراً سمجھ سکتے، محنت کش عوام کو یکجا کر کے اور انہیں ٹھوس نعرے دے سکتے تھے۔

لینن اپنی ساری زندگی محنت کش عوام کے کاز کے وفادار رہے لیکن وہ بنی نوع انسان سے محبت اور اس کی خدمت کے بارے میں لمبی چوڑی باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لینن کے ایک قریبی ساتھی نے، جو انقلابی جد و جہد میں ان کے شانہ بشانہ تھے، لکھا کہ "جہاں تک ولادیمیر ایلیچ کے دل کا تعلق ہے اس میں فطرتاً پیار بھرا ہوا تھا۔ جب وہ انسانی اخلاق یا نیکی کی بات کرتے تھے تو لینن کا دل انہیں گرمی عطا کرتا، ان کی تائید کرتا اور انہیں مضبوط اور فولادی عزم کا مالک بناتا تھا۔ اگر وہ کسی سے نفرت کرتے تھے اور نفرت وہ صرف سیاسی دشمنوں سے کرتے تھے، ان کا کوئی ذاتی دشمن نہیں تھا، تو وہ ان سے محبت کی خاطر نفرت کرتے تھے جو موجودہ مصلحتوں اور موجودہ تعلقات سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھی۔"

لینن کی ایک انتہائی امتیازی خوبی یہ تھی کہ وہ عام کو خاص سے اپنی عوامی زندگی کو اپنی نجی زندگی سے الگ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو پوری طرح عوامی زندگی کے لئے وقف کر دیا تھا اور اپنی زندگی کو اس کا تابع بنا دیا تھا۔ اس میں بھی اختلافات اور سمجھوتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان کے دشمنوں کے بہتان آمیز الزامات انہیں اس اخلاقی بلندی سے گرانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے جسے لینن نے اپنی زندگی میں حاصل کر لیا۔

ولادیمیر ایلیچ لینن کا نام کروڑوں لوگوں کو عزیز ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات، انکی انقلابی خدمات اور انکی نجی زندگی میں دلچسپی بھی بڑھ رہی ہے۔

لینن کی زندگی شاندار تھی۔ تاہم وہ حیرت انگیز یا ہیجان انگیز نہیں ہے۔ ان کی زندگی اس دور کی یکتائی کا پیکر ہے، جس میں ہم سب رہتے ہیں۔ حالانکہ لینن اس عہد کے آغاز میں ہمارے درمیان تھے، تاہم ان کے تصورات، نظریات اور انقلابی کارگزاریوں کے ان کے تجربے سے انتہائی کٹھن سوالوں کے جواب پانے اور ان مسائل کے حل کی تلاش کرنے میں آج بھی ہمیں مدد مل رہی ہے جن سے نوع انسان کو بہتر مستقبل کے اپنے سفر میں سابقہ پڑ رہا ہے۔ لینن پرجوش بین الاقوامیت پسند تھے۔ انہوں نے قوموں کے درمیان مساوات اور دوستی کا تصور پیش کیا اور اسے عملی شکل دی۔ لینن قومی تنگ نظری کے کٹر مخالف تھے۔ انہیں یورپی، روسی، ایشیائی اور افریقی مزدور اور کسان کی زندگی اور آرزوؤں کا یکساں احساس تھا۔ انہوں نے ایشیائی قوموں کے اندر جن پر نوآبادکاروں اور سامراجیوں نے صدیوں سے ظلم ڈھایا تھا، سیاسی سرگرمی اور آزادانہ ترقی کے احساس کے بیدار ہونے کا جس طرح سواگت کیا اس کی کوئی اور مثال نہیں ___ لینن ایک عظیم انقلابی، دور اندیش سیاست دان، منکسر المزاج شخص، مخلص اور بے غرض انسان اور انسان دوست تھے۔ ●●●

ترقی پسند ادب میں "کمٹمنٹ" سب سے اہم فریضہ

کئی بار اس کی خاطر ذرہ ذرہ کا جگر چیرا   مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی

انسیت جلالی

ہمیں اپنے ذہن و شعور میں یہ بات ہمیشہ تازہ رکھنی ہے کہ ہم اس دور میں داخل ہو چکے ہیں جب کہ ترقی پسند ادب کی تحریک کو ہندستان کی ہر زبان اور اردو میں بھی انتہائی گمبھیر چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ وہ چیلنج ہیں جو بین الاقوامی اور قومی پیمانے پر رونما ہونے والے تیز رفتار ہنگامہ پرور اور خوفناک واقعات اور تغیرات نے پیدا کئے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ساری بنی نوع انسانی کے سامنے اس کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ خود اپنی بقا کو ترجیح دینے کا صحیح معنوں میں دل کش اور روح پرور سوال آگیا ہے ورنہ "تو خنا" ہو جانے کا ہولناک اندیشہ منھ پھاڑے کھڑا ہوا ہے۔

ہمارے پورے کرۂ ارض پر (کائنات میں، زندگی اور حسن میں جس کی اب تک کوئی نظیر نہیں ملی ہے) زیست اور اس کے ارتقا کے موجود سلسلہ کو برقرار اور جاری رکھنے کیلئے پورا نوع انسانی کمر کس رہا ہے کیوں کہ اب انسان کے قبضۂ اختیار میں نیوکلیائی توانائی اپنے جلو میں بے اندازہ دبیکراں برکتیں اور ساتھ ہی ناقابل تدارک قیامتیں لے کر آچکی ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ انسان دونوں میں سے ایک کو اپنے لئے چن لینے کا دوٹوک فیصلہ کرنا ہے اور اس انداز سے کرنا ہے کہ ذرا سی چوک یا جھجک کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔

ہم نے خود بھی دیکھ لیا ہے کہ پچھلے ۳۰، ۲۵ سالوں کے مختصر سے عرصہ میں تیز رفتاری کے ساتھ جہاں ایک طرف دو تہائی سے زیادہ دنیا کے لوگ سامراجیوں کے ظالم چنگل سے آزاد ہو کر تعمیر و ترقی، قومی خود مختاری، سیاسی و سماجی برابری اور سوشلزم کی منزل کو ایک سیل رواں کی طرح جلد از جلد طے کرنے کے لئے مضطرب اور بے چین ہیں تو دوسری طرف

نوعِ انسانی کا دشمن اور اس کا بے رحم اور اذیت پسند، خود غرض و حرص کا مارا ہوا نظام نوعِ انسانی کی اساسی قدروں اور مقدس رشتوں کو اس کے تہذیبی، تمدنی اور تاریخی ورثوں کو مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ ایسے فتنوں کو جنم دے چکا ہے جو ہمارے کرۂ ارض کو سماج کی جارحیت اور اس کے نتیجے میں قیامت نما ہلاکت کو نوعِ انسانی کی تقدیر بنا سکتے ہیں۔ نوآستعماریت کے نت نئے خونخوار اور غلیظ ہتھکنڈے پوری دنیا کو غلام بنانے کے خواب کی عملی تعبیر حاصل کرنے کے لئے عمل پیرا ہیں۔ وہ تیسری دنیا کے ملکوں پر صارفی سماج کا بھوت سوار ہے ہیں جن کے آسیبی اثر ان قوموں کی تعمیر و ترقی، خود مختاری، خود کفالت کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ سامراج اور سرمایہ داری نظام خود اپنے تحفظ کی آخری لڑائی لڑنے کے لئے تیار ہو گیا ہے اور اس لڑائی میں ظلمت پرستی، بنیاد پرستی، نسلی امتیاز، ذات پات اور فرقہ پرستی کی کرم خوردہ اور کریہہ لعنتوں کو اپنے اسلحہ جات کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ ہمارا ملک بھی نہ صرف یہ کہ ان کی زد سے باہر نہیں ہے حقیقتاً ان لعنتوں کا بری طرح شکار ہے۔ ترقی پسند ادیبوں کو ان تمام چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم ان سے نبرد آزما تو ہیں لیکن اپنی پوری قوت، صلاحیت اور توانائی کے ساتھ نہیں ہو پا رہے ہیں۔

ہمارے پورے ملک کو آج بھی وہی چیلنج درپیش ہیں جو آزادی کے حصول سے پہلے ہمارے سامنے سینہ تانے کھڑے تھے بلکہ آزادی کے بعد ایک بڑا فرق آگیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب چیلنج پہلے سے کہیں زیادہ جارح، بے شرم، ننگے اور متشدد ہو گئے ہیں۔ یہ کیفیت ان کی بوکھلاہٹ اور جھنجھلاہٹ کی دلالت کرتی ہے۔ اس لئے وہ کہیں زیادہ خطرناک اور بے رحم ہیں۔ ہماری آزادی اور ہمارا جمہوری و سیکولر ڈھانچہ واقعی معرض خطر

آگئے ہیں کہ آزادی کے [illegible] میں پہلے کبھی نہ تھے۔

ہم اپنی [illegible] کی زندگی میں خود دیکھ رہے ہیں کہ ان چیلنجوں کی پشت پر ایک ہمہ گیر [illegible] اور میڈیا کے جدید ترین اوزار اور منظم طاقتیں کارفرما ہیں۔ ان کے لئے دولت اور وسائل کی کوئی قلت نہیں ہے۔ انہوں نے ہمارے ملک کی عوامی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کر لیا ہے۔ ہماری سماجی، تہذیبی، علمی اور ادبی زندگی ان چیلنجوں کی پوری گرفت میں آتی چلی جا رہی ہے۔ ترقی پسند ادیبوں کے لئے یہ چیلنج موت اور زیست کا سوال بن چکے ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں کو اپنے ناقابل شکست جذبۂ مزاحمت کے ساتھ ان چیلنجوں سے لوہا لینا ہے اور ان کو شکست بھی دینا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے 'دشمن' ہمارے ملک و عوام اور پوری انسانیت کے دشمن اپنے ہلاکت آفریں نظریوں کے تئیں پوری طرح کمیٹڈ (Co-mmitted) ہیں اور ان پر وہ جنون طاری ہے کہ ہماری طرف سے ذرا سی بھی رو رعایت اور ان سے سمجھوتے کی راہ نکالنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ہمارے پورے معاشرے پر رجعت پرست اور ظلمت پرست خیالات و نظریات غلبہ حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ ہمارے عوام کی بڑی تعداد کی سوچیں اور اندازِ زندگی ان کے اشاروں کے منتظر رہنے لگے ہیں۔ جدید صحت مند سائنسی اندازِ فکر عوام کی عظیم اکثریت کے لئے ایک گناہ کے مترادف تصور کئے جانے لگے ہیں اور غیر معتبر گردانے جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہماری بھائی چارگی، خوش ہمسایگی، امن پسندانہ رواداری کی انسانیت نواز صحت مند اور دیرینہ قدریں اور روایتیں از کار رفتہ، بے اثر، بے معنی اور ملیامیٹ ہوتی جا رہی ہیں اور یہ رجعت پرست اور ظلمت پرست عمل ملک کے کسی مخصوص خطے، مخصوص زبان اور مخصوص معاشرے تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہمہ گیر ہے اور ہر زبان اور خطے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

کوئی بھی ترقی پسند ادیب ان حالات سے روگردانی کر کے ترقی پسند ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ترقی پسند ادیب کو اپنے معاشرے میں ان چیلنجوں سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر پوری طرح باخبر ہونا پڑے گا۔ ترقی پسند ادیب کو نہ صرف یہ کہ ان چیلنجوں اور تضادات کا شعور دینے والی سوچ اور فکر کو زندہ اور تر و تازہ رکھنا ہوگا بلکہ ان کی نشاندہی بھی کرنی ہوگی اور اسی ترقی پسندانہ طرزِ عمل کو جاری و ساری کرنا ہوگا۔ ترقی پسند ادب اور فکر میں اور ترقی پسند تخلیقات میں تب ہی وہ جاذبیت

پیدا ہوگی جو اس کا طرۂ امتیاز اور لازمی عنصر رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور ادب کے ذریعہ ذہن اور زندگی کو بدلنے کے موقف کو قبولِ عام حاصل ہوگا۔

کیا یہ کھوکھلے پند و نصائح ہیں یا ہمارے معاشرے اور زندگی میں کارفرما زندہ حقیقتیں؟ کیا معاشرتی تضادات کی نشاندہی کا عمل ترقی پسند ادبی تخلیقات میں کمزور نہیں پڑ گیا ہے؟ کیا ہمارے معاشرے میں رجعت پرستانہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر ترقی پسندانہ فکر کے مقابلے میں زیادہ معتبر نہیں ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر قمر رئیس نے کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین (اردو) کا خبرنامہ میں ان چیلنجوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ترقی پسند ادیبوں کو اس طرح آگاہ کیا ہے کہ "ہمیں ان چمتکاری جنونیوں کا سامنا کرنا ہے۔ اس لئے کہ ان سے شکست ماننے کا مطلب اس کرۂ زمین پر بنی نوعِ انسان کی آخری اور قطعی شکست ہے۔ انسان کی بیکراں قوت اس کی روحانی عظمت اور جذبۂ مزاحمت پر ہمارا عقیدہ اٹل ہے۔ اسی عرفانی ہتھیار سے ہمیں ان تاریک قوتوں کا مقابلہ کرنا ہے .... عزم ہی ہمارے نئے سفر کا زادِ راہ ہوگا۔"

آج کے دور میں ان چمتکاری جنونیوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لئے یہ زادِ راہ ہمارا 'کمٹمنٹ' ہے۔ یہی اٹل عقیدہ ترقی پسند ادیبوں کی تخلیقات کی روح اور رگوں میں دوڑنے والے خون کی مانند ہونا چاہئے۔ تب ہی ترقی پسند ادبی تخلیقات عصری تقاضوں کو پورا کر سکتی ہیں اور عوام کے اندازِ فکر میں ان کے ذہن و عمل اور زندگی میں صحت مند تبدیلیاں لا سکتی ہیں۔ کمٹمنٹ Commitment آج ترقی پسند ادیبوں کے لئے خواہ ہندستان کی کسی بھی زبان اور خطے کے ہوں اولین اور اعلیٰ و ارفع فریضہ بن گیا ہے۔

اس دور میں چیزوں کو گڈمڈ نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ ہمیں صاف اور سیدھے الفاظ میں واضح کر دینا ہے کہ ہم کمیٹڈ ہیں، ہم طرف دار ہیں۔ یہی بات اور نظریہ کی صفائی ہماری باشعور اور ذہین نوجوان نسل کے لئے جاذبیت اور کشش کا باعث ہوگی۔ ہماری ترقی پسند ادب کی تحریک میں تازہ، شفاف اور گرم خون پیدا کرے گی۔

ترقی پسند ادب کی واضح شناخت اور اس کے ساتھ اسی

کی عکاسی کی ان تازہ واردانِ ادب کے لئے رہنما بن جائے گی اور وہ محض اپنی انفرادی کاوش پر منحصر نہیں رہ جائے گی تب ہمارا ترقی پسند ادب سماجی طرزِ عمل پر اثر انداز ہونے والی سب سے بڑی طاقت ہوگا اور ہم اپنی کچھ عرصہ کی پچھلی بے سمتی کو دور کر دیں گے۔

ہمارے ادب کا قومی اور بین الاقوامی کردار، اپنی مخصوص لسانی اور تہذیبی انفرادیت اور تشخص کے ساتھ کمٹمنٹ کا طرۂ امتیاز لگا کر ہمارے معاشرے اور سماج کے تضادات کی زیادہ واضح نشاندہی کرے گا اور نوجوان نسل کے لئے خاص طور پر موجودہ سماج کی تعمیر کا راستہ متعین کرے گا۔ ایسا ترقی پسند ادب ذہن و شعور میں انقلابی کیفیات کو بھی پروان چڑھائے گا۔ نئے ترقی پسند ادب کو نئے جمالیاتی سنگھار سے نکھارے گا۔

ایسا کیوں ہوگا؟

ترقی پسند ادیبوں کا کمٹمنٹ خواہ وہ کسی بھی زبان سے تعلق رکھتے ہوں، انہیں عوامی زندگی، معاشرے اور مسائل انسانی مسائل سے بہت نزدیکی رابطہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ اس ترقی پسندانہ کمٹمنٹ میں خلوص، لگن اور جذبات کی فراوانی ہوتی ہے، خوب سے خوب تر کی جستجو عادت ثانیہ بن جاتی ہے، عوامی زندگی کی عکاسی تخلیقی اور مقصدی انداز سے ہوتی ہے۔ ایسی تخلیقات ہی موثر طور پر اس رجعت پسندانہ فکر کو مسترد کر دینے کی طاقت رکھتی ہیں جس کا اظہار بے عمل رجعت پرست ادیب و تخلیق کار نامانوس لہجوں میں کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

تخلیقات عوام اور قارئین کے لئے غیر جاذب نظر اور غیر موثر جب ہوتی ہیں کہ ترقی پسند ادب کے نام پر جو ادب پیش کیا جائے وہ موجودہ معاشرے اور سماج کے مسئلوں اور انسانی مسئلوں سے نابلد ہو یا ادھوری واقفیت کا اظہار کرتا ہو۔ ترقی پسند تخلیقی اور مقصدی روایت سے انحراف کرتا ہوا یا ایسے ادب کی تخلیق مشکل سے ہی کی جائے گا۔ پر خلوص ترقی پسند ادیب اور شاعر کی تخلیقات غیر موثر اور غیر جاذب نظر نہیں ہوتی ہیں، ان میں کمٹمنٹ کا جوش، جذبہ اور چمک ایک نرالی شان لئے ہوتا ہے جو قاری کے ذہن کو گرفت میں لے لیتا ہے۔

کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین (اردو) کے سامنے بھی یہی مسائل ہیں اور ان مسائل سے ہندوستان کی تمام زبانوں کے ترقی پسند ادیب دوچار ہیں۔ اردو کے ترقی پسند مصنفین کو اردو زبان کی ترقی و ترویج کے مسئلہ سے بھی دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اردو کی ترقی و ترویج کا معاملہ ایک مضبوط ترقی پسندانہ نقطۂ نظر رکھنے والی جمہوری و سیکولر تحریک ہی ہمدردی اور خوبی سے طے کر سکتی ہے۔ بہر نوع اردو کے ترقی پسند مصنفین اپنے قومی اور بین الاقوامی فریضوں کو جن کا سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے فراموش نہیں کر سکتے۔ ہر ترقی پسند ادیب یہ فخر سے کہہ سکتا ہے کہ اردو میں ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کی ایک داستان ہے جس نے ان فریضوں کو پورا کرنے کی شاندار اور روشن روایت ہمیں ورثہ میں دیا ہے اور یہ ورثہ ہماری زندگی کے تمام تاریک اور روشن پہلوؤں کا نہ صرف آئینہ دار ہے بلکہ اپنے زمانے کا سچا نمائندہ بھی ہے۔

اردو ترقی پسند مصنفین کی تحریک اس عرصے کو اور زیادہ مالا مال کرنے کے لئے موجودہ دور کے بین الاقوامی اور قومی حالات میں اور نیوکلیائی جنگ کے چھڑ جانے کے ہولناک اندیشہ کی بنا پر زیست یا موت کے نازک ترین مرحلہ پر اپنے ملک اور دنیا بھر کے ترقی پسند مصنفین کے شانہ بشانہ چلے گی، اور اپنے دور میں نئے اور نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی ایک نئی کہکشاں آسمانِ ادب پر جلوہ گر کرے گی۔ یہ فریضے ترقی پسند نظریے کے کمیٹڈ تحریک ہی پورا کر سکتی ہے۔

بہت ذمہ داریاں ہیں جن سے ترقی پسند اردو مصنفین کو عہدہ برآ ہونا ہے۔ ان کو پورا کرنے میں کوتاہیاں ہوتی ہیں جس کا خمیازہ بھی اسی طرح بھگتنا پڑا ہے کہ ہماری ادبی دنیا میں رجعت پرستی اور ظلمت پرستی کا بھوت منڈلا رہا ہے۔

اسی سبب سے اردو کے ترقی پسند مصنفین کو اپنی تخلیقات میں معاشرے کی شکست و ریخت کے عمل کو شعوری طور پر پھر ایک بار پیش کرنا ہے۔ ہمارے ملک اور معاشرے میں پچھلی دو تین دہائیوں میں جو تیز رفتار تبدیلیاں اور تغیرات آچکے ہیں، جو ترقیاں واقع ہو چکی ہیں اور جو ہولناک واقعات رونما ہو چکے ہیں و ہو رہے ہیں، دولت اور میڈیا یا نہ جس طرح رجعت پرستی، ظلمت پرستی، ذات پات اور فرقہ پرستی کو اور ان کی فرقہ وارانہ (جس کی صرف ایک مثال عورتوں پر ظلم و ستم اور ان کا زندہ جلایا جانا ہے) سماج کے اندر دوسری لعنتوں کے پھیلاؤ اور اثر میں جو مدد کی ہے اور جس کے المناک نتائج معاشرے میں برآمد ہوتے ہیں بدعلت منذ اغراض پرست

جن میں حکمران طبقے (ہیں) اپنے خود غرضانہ سماجی اور سیاسی مفادات کو حاصل کرنے کے لئے ان لعنتوں کو جس طرح ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں ترقی پسند مصنفین کو انہیں اپنی تخلیقات کا موضوع بنانا ہے۔ معاشرے میں انسانیت نواز، محبت و پیار کی، آپس میں امن و سکون پسندی، بھائی چارگی اور خلوص کی دیرینہ صحت مند قدریں کتنی بے دردی سے پامال ہو رہی ہیں اور انسانوں، خصوصاً نوجوان نسل پر ان کے جو شرمناک اور انسانیت سوز اثرات مرتب ہو رہے ہیں ان کا شعور و ادراک اپنی تخلیقات میں پیش کرنا ہے۔ تہذیب و تمدن میں جو تغیرات آ رہے ہیں ان کو اجاگر کرنا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ترقی پسند مصنفین اپنے سامع اور قاری کو ان بھول بھلیوں سے نکلنے کا راستہ بھی دکھائیں گے۔

ترقی پسند ادیبوں کا کمٹمنٹ ہی ہے جو اپنے ملک و سماج، اپنے معاشرہ میں واقع ہونے والی تبدیلیوں اور تغیرات یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کے اندر کار فرما ان دیکھے تجربات، اسباب و محرکات پر متوجہ کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ تلاش و جستجو بھی جاری رکھتا ہے کہ وہ کون سا موثر ترین طریقہ ہے کہ عوام ایسے ادب میں دلچسپی لیں۔ وہ ادب ان کے لئے پرکشش ہو یعنی ان کی ذہنی سطح بلند ہو، ان کی خود اپنے مسائل سے بے تعلقی اور ان کے بارے میں بے حسی دور ہو۔

ایسا ہی ادب ان کے اندر تبدیلی لائے گا۔ ان کو حالات کو تبدیل کرنے پر آمادہ کرے گا۔ ان کو مستقبل کا راستہ دکھائے گا۔ نان کمیٹڈ ادیب اور شاعر کو اس ورد سری کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ قاری اور سامع کے اندر ایسی تبدیلی کا آنا اس کے پیش کئے ہوئے ادب اور اس کی سوچ کے لئے جان لیوا ہے۔

آج کا ہندستان زبردست اور ہلاکت خیز سانحوں، حادثوں المناکیوں، تلخ انسانیت سوز، ظالمانہ اور روح و قلب کو دہلا دینے والے ہنگاموں سے بھرا ہوا ہے۔ کشمیر سے کنیا کماری تک، راجستھان و پنجاب سے آسام و اروناچل تک کتنی بلائیں ہیں جو اپنی خونی جھولی دکھا رہی ہیں۔ کون سا علاقہ ایسا ہے جو ایسے ہی فتنوں سے مبرا ہے۔ رجعت پرستی، ظلمت پرستی، بنیاد پرستی، فرقہ پرستی، ذات پات، علیحدگی پسندی، علاقائیت پرستی، اعلیٰ طبقات کی اغراض پرستی اور ان سب کی پشت پر بیرونی ہاتھ نے کیا قیامت خیز خون خرابہ مچا رکھا ہے۔ بات دس پانچ کی بھی نہیں رہی، سینکڑوں و

ہزاروں معصوم اور بے گناہ مارے جاتے ہیں اور اسٹرانڈ ناتھ چھوڑتے ہیں۔ ان حالات میں ہم کیا کریں؟ کیا ان حالات کا صرف نظارہ کریں اور ایپلین جاری کریں یا دوسری طرف ان طاقتوں کو تقویت پہنچانے اور ان کے دلوں کو حوصلہ دینے اور گرما دینے والا ادب پیش کریں جو ان بلاؤں اور لعنتوں کے سامنے سینہ سپر ہیں اور ان سے نبرد آزما ہیں۔ اپنے عمل سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ انسانیت زندہ ہے اور جو زبان حال سے یہ جتا رہے ہیں کہ ؎

ہوا میں اک مسلسل رقص شوق ہے پنہاں
فضا میں ہیم اک بجلی سی رقصاں ہے جہاں میں ہوں

یہاں ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنا پڑے گا کہ ترقی پسند ادیب شاعر کے ذہن و قلب اور روح کو تڑپا دینے میں کون مانع ہے؟ کیا اس کا سبب یہی ہے کہ کمٹمنٹ میں جھول آ گیا ہے اور اپنے نظریے کے ساتھ خلوص کی چمک ماند پڑ چکی ہے۔

یہ گمبھیر مسئلے ہمیں ملکوں میں مل جاتے ہیں اور ہمارے تھیٹروں کے ادارے بھی اپنے ڈراموں میں پیش کرتے ہیں جو ترقی پسند با شعور پروڈیوسروں ڈائریکٹروں اور رائٹروں کے مرہون منت ہیں لیکن ادبی صنفوں میں خال خال ہی ملتے ہیں۔ اس میں ناول، افسانے، تنقید اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔

یہی بنیادی سبب ہے کہ ہندستان میں پچھلی کئی دہائیوں میں غالباً دوسری زبانوں میں اور اردو میں خصوصاً ترقی پسند تخلیقات اور سوچ کی جاذبیت مدھم پڑ گئی ہے۔ ادبی تخلیقات کے انبار میں ترقی پسند ادب کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ کچھ ایسا لگا کہ ترقی پسند ادب بے چہرگی کا شکار ہو گیا ہے۔ اردو میں اور دوسری زبانوں میں بھی ترقی پسند ادیبوں میں ترقی پسند نظریے سے پرخلوص کمٹمنٹ کی ضو مدھم پڑ گئی ہے۔

اس لئے اس دور میں تجریدی اور بے حرف ادبی تجربات اور اسلوب کے دوسرے اسی نوعیت کے تجربات نے سر اٹھایا، نامانوس لہجے اختیار کئے گئے، ابہام اور جہلیت میں ابھار آیا، غرضیکہ رجعت پسندانہ فکر ہی ادبی تخلیقات کا آئینہ دار بن گئی۔ حد یہ ہے کہ کبھی یہ احساس ہونے لگا کہ نان کمٹمنٹ Non-Commitment بھی ترقی پسندی کا ایک جزو ہے

کراچی میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جبلی میں شرکت کے بعد واپس آ کر غلام ربانی تاباں نے کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین (اردو) کا خبرنامہ" میں بڑی مسرت اور فخر کے ساتھ اور صاف الفاظ میں اس کا

(باقی صفحہ [illegible] پر)

پہاڑی علاقوں میں سماجی اور معاشی زندگی پر گورکھالینڈ تحریک کا اثر

ہم یہاں دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں مئی ۱۹۸۶ء سے جی این ایل ایف کی چلائی جانے والی تحریک کا جائزہ پیش کریں گے۔ کیوں کہ اس تحریک نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کے امن پسند تمام مردوں اور عورتوں کی زندگی کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔

ہم نے ستمبر کے مہینے میں شائع کردہ اپنی دستاویز میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ سیاحت، شہتیر اور تجارت پر ہی پہاڑی علاقوں کی معیشت کا انحصار ہے۔ سیاحت کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ پہاڑی علاقوں کی سیر کرنے والوں سیاحوں کی تعداد میں بہت کمی ہوئی ہے۔ ۱۹۸۵ء (اپریل تا اکتوبر) میں یہاں آنے والے سیاحوں کی تعداد ۲۳۰۰۰ تھی جبکہ ۱۹۸۶ء (اپریل تا اکتوبر) میں ایسے سیاحوں کی تعداد گھٹ کر ۴۹۰۰ ہوگئی یعنی تہائی ہوگئی۔ اس اہم معاشی سرگرمیوں کو اس تحریک نے کس حد تک متاثر کیا یہ تو اس کی ایک جزوی تصویر ہے، کیوں کہ مذکورہ سیاحوں میں ان سیاحوں کی تعداد بھی شامل ہے جنہوں نے اپریل یا مئی کے دوران یعنی مہم کے شروع ہونے سے قبل کے عرصے میں دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ گزشتہ اکتوبر پوجا کے موسم میں دارجلنگ شہر تو سیاحوں سے تقریباً خالی پڑا تھا۔ یہاں تو اس موسم میں سیاحوں کے لئے ہوٹلوں، دکانوں اور ریستورانوں کا گویا ایک جال بچھا دیا جاتا ہے لیکن وہ سب کے سب خالی پڑے رہے۔ اس کی وجہ سے پھیری والے، قلی، نقل و حمل کے ورکرس، ٹیکسی ڈرائیور، ٹٹوؤں کے رکھوالوں کو کافی مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ان میں سے تو بہت سارے مفلس اور مفلوک الحال بن گئے۔ اس سے زیادہ اہم نقصان یہ ہوا کہ اس خوبصورت ہمالیائی تفریح گاہ کی سیاحت کے امکانات کو مزید فروغ دینے کے لئے ریاستی حکومت کے لمبے عرصے کے منصوبے کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور میرک کی ایک اہم سیاحت گاہ کی طرح ترقی کے لئے خرچ کئے گئے لاکھوں روپئے برباد ہوگئے۔ ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ شیلونگ، گنگٹوک اور سیاحت کی دیگر جگہوں میں سیاحوں کی آمد میں کافی اضافہ ہوا۔ ان باتوں کی وجہ سے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں مستقبل میں سیاحت کے امکانات مزید مدھم ہوگئے۔ حالانکہ دارجلنگ کے علاقے ایک عام سال میں سیاحت سے تقریباً ۲۵ کروڑ روپیے کماتے ہیں۔ اس صنعت کی احیا نو کا طریقہ یہ ہے کہ آنے والے برسوں میں ان علاقوں میں امن اور سکون پھر سے قائم کئے جائیں، کیونکہ خودکشی کرنے کی مترادف مہم کے شروع ہونے سے قبل یہاں امن و امان کا دور دورہ تھا۔

شہتیر صنعت کو بھی کافی دشواریوں اور نقصان کا سامنا کرنا پڑا جہاں ۸۶-۱۹۸۵ء میں دارجلنگ اور کلمپونگ کے علاقوں کے جنگلوں سے کاٹے گئے درختوں سے مجموعی طور پر ۶۲۲۹ ام مکعب میٹر لکڑیاں حاصل کی گئی تھیں۔ وہاں ۸۷-۱۹۸۶ء میں (نومبر ۸۶ء تک) ۱۶۶۰۰ مکعب میٹر لکڑیاں حاصل کی گئیں۔ اس بات کے پیش نظر کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو روزگار کے لئے اس صنعت پر انحصار ہے اور یہ کہ اس صنعت سے سالانہ ۷ کروڑ روپئے حاصل ہوتے ہیں شہتیر کی پیداوار میں تیز تنزلی اس بات کی شاہد ہے کہ اس تحریک سے پہاڑی علاقوں کی معیشت کو کتنا عظیم الشان نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔

اس تحریک کی وجہ سے ۲۷ چائے باغات میں صورت حال ابتر ہوگئی۔ ان باغات میں ۵۰ ہزار باضابطہ ورکرس اور ۳۰ ہزار بے ضابطہ ورکرس کام کرتے ہیں اور یہاں کے تین چار لاکھ لوگوں کے گزر بسر کا انحصار ان چائے باغات پر ہے۔ یہاں کی چائے سے ملک کو سالانہ ۴۳ کروڑ روپئے کا زر مبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ دارجلنگ چائے باغات ایسوسی ایشن کے مطابق ۹ دنوں کی کام بندی کے دوران چائے باغات کو تقریباً ۵ کروڑ روپئے کا پیداواری نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اب تک تقریباً ۱۰ لاکھ کیلوگرام چائے نہیں تیار کی جا سکی اور اس طرح چائے کی کل پیداوار میں دس فیصد سے زیادہ کمی ہوئی۔ اس کے مزدوروں کو بھی کم و بیش ایک کروڑ روپئے بطور اجرت کھونا پڑا۔ نیز ان ہنگاموں کی وجہ سے دو چائے باغات میں تالہ بندی کی ہے۔

اس صنعت کی بہت ساری چیزوں کی سپلائی بھی بری طرح متاثر ہوئی ہے کیوں کہ جی۔ این۔ ایل۔ ایف کے ممبران اکثر بند مناتے ہیں، سڑکوں

رکاوٹیں پیدا کر دیتے ہیں [illegible] آمدورفت نہ کرسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی تشویش کی بات ہے کہ چائے باغات کے اکثر مزدوروں کے لئے جو ان کی ہدایات پر عمل کرنے پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی سپلائی بند ہو جائے گی۔ کھاد، جراثیم اور دیگر اس تیل، گیس اور راشن کے تقسیم ہونے والی [illegible] ابتدا میں [illegible] وقت پر چائے باغات میں نہیں پہنچ پائی اور نہ ہی بینک کی حسب معمول سرگرمیوں کو جاری رکھنا ممکن ہو سکا۔ حالانکہ اس صنعت کو جاری رکھنے کے لئے یہ سرگرمیاں بہت اہم ہیں۔ بعض حالتوں میں اجرت کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے۔ اس طرح مزدوروں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گزشتہ سال کے ستمبر سے چائے باغات جی این ایل ایف کے سرگرم کارکنوں کے نشانے بنے ہوئے ہیں جو چائے باغات کے ورکروں پر بار بار مسلح حملے کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح اس تحریک کی وجہ سے مضافاتی علاقوں اور شہروں میں بہت ساری ترقیاتی سرگرمیاں بالکل رک گئی ہیں۔ سرکاری حکام ترقیاتی کام کے لئے اور ترقیاتی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے آزادی کے ساتھ پہاڑوں میں آمدورفت نہیں کر سکتے۔ اس سے خاص طور پر مویشیوں کی پرورش و پرداخت کا کام بہت بری طرح متاثر ہوا کیوں کہ اس ریاست کے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں دودھیل مویشیوں کی پرورش و پرداخت کی جاتی ہے۔ سوہاں جہاں ملک کو آپریٹو بھی ہے۔ اس کو آپریٹو کو اس علاقہ کے لوگ مویشیوں کے دودھ سپلائی کرتے ہیں۔ ادرک اور نارنگی اس علاقہ کی اہم زر نقد پیداوار ہیں لیکن ان کی میدانی علاقوں میں سپلائی کے لئے ترسیل و رسائل میں شدید رکاوٹ پیدا کی گئی ہے۔ دودھ کو تو زیادہ دنوں تک تروتازہ رکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے دودھ پر منحصر ڈیری سروں کو "بند" وغیرہ سے کافی مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ این۔ آر۔ ای۔ پی اور آر ایل ای جی ایس جیسے عوامی فلاح کے پروگراموں سے مستفید ہونے والے لوگوں کو یومیہ اجرت کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ان کے غلوں کی حفاظت، نئے فصل کی کاشت، پانی کو محفوظ رکھنے کے منصوبوں کو بہت ساری دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ حکومت اور بینکوں کے قرضوں کی واپسی کے خلاف جی این ایل ایف کی منظم مہم کی وجہ سے بہت سارے معاشی پر[illegible] جن میں مالی قرض۔ امداد فراہم کی جاتی ہے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا نہیں جا سکا۔

میونسپلٹیوں اور پنچایتوں کو بائی کاٹ کرنے کے لئے جی این ایل ایف کی پکار اور تحریک نے پہاڑی معیشت پر بہت کاری ضرب لگائی کیونکہ یہاں حکومت کے بہت سارے ترقیاتی پروگراموں کی تکمیل کے کام میں منتخب نمائندوں کی شرکت لازمی ہوتی ہے۔ بہت سارے [illegible] میں اپنے [illegible] کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے۔ انہیں اپنے عہدوں سے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور جو لوگ ان کی بات نہیں مانتے انہیں دھمکایا جاتا ہے یا انہیں جسمانی اذیت پہنچائی جاتی ہے۔

یہاں روزمرہ کی زندگی میں ایک عام شخص کو ہر قسم کی پریشانی اور جسمانی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ادھم مچانے والے جی۔ این۔ ایل۔ ایف کے ممبران گھر گھر، دکان دکان جاتے ہیں، گاڑیوں کو روک لیتے ہیں اور ہر ایک سے جی این ایل ایف کے مختلف فنڈ کے لئے جبراً چندہ وصول کرتے ہیں۔ یہاں ایک شخص کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کلینڈر، مبارکبادی کے کارڈس، تقریروں کے کیسیٹ خریدے، مزید برآں ایک شخص کو اپنے تحفظ یا حفاظت کے لئے جی این ایل ایف کی رسید حاصل کرنی پڑتی ہے اور اسے مہنگائی اور دیگر فنڈ میں چندہ دینا پڑتا ہے۔ روپیوں کا مطالبہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

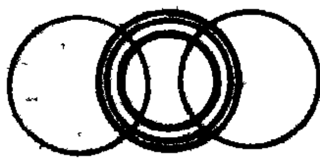
بعض حالتوں میں عام لوگوں کا ایک طبقہ جی این ایل ایف کے گمراہ کن پروپیگنڈے کے شکار، اپنے مصائب کو اس یقین کے ساتھ برداشت کرتے ہیں کہ یہ تمام عارضی ہیں۔ چند افراد ایسے بھی ہیں اور جن کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے جو تشدد اور دھمکی کی موجودہ فضا سے بالکل ناخوش ہیں لیکن وہ اتنے سہمے ہوئے ہیں کہ اپنے احساسات کو ظاہر نہیں کرتے۔ نیز ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اپنی ناراضگی کا اظہار کر کے جی این ایل ایف کے مسلح گروہ کے طیش اور غصے کو مدعو کیا۔ اب انہیں بہت سارے سماجی ظلم کا شکار بننا پڑ رہا [illegible] ہیں ان کے مکانات سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان کا سماجی با[illegible] کیا جاتا ہے۔

ایسی صورت حال میں بہت ساری اقلیتیں خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہیں۔ انہیں ڈرایا اور دھمکایا بھی جاتا ہے۔ ان پہاڑی علاقوں کے سب سے قدیم باشندے لیپچاؤں کو جی این ایل ایف کے ذات پات کے رویہ سے مزید خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ باضابطہ درج ریکارڈ ہیں کہ جی این ایل ایف کے صدر نے قبائلیوں کو بہت ہی غیر مہذب اور سب سے زیادہ پس ماندہ کہا اور یہ کہ قبائلی مرد ننگے پھرتے اور ان کی عورتیں

نشی پچھاتی کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں اور یہ کہ ان کی مرکزی طور پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ صدر نے مزید کہا کہ برخلاف اس کے کہ نیپالی بولنے والی آبادی اس کے مقابلہ میں [illegible] ہے لیپچا ایسوسی ایشن گورکھا لینڈ کے تصور کے خلاف ہے کیونکہ یہاں انہیں عام جی این ایل ایف کے تابع محکوم رہنا پڑتا ہے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۶ء کو وزیر اعلیٰ کے نام ایک خط میں لیپچا ایسوسی ایشن نے گورکھا لینڈ کی تحریک کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ اس نے اس بات پر زور دیا کہ دارجلنگ پہاڑی علاقوں کے لیپچا ہی اصلی اور قدیم باشندے ہیں

جی این ایل ایف کے سربراہوں کو جب اس بات کا احساس ہوا کہ پہاڑی اقلیتوں کے سلسلے میں ان کا جارحانہ اور نسل پرستی کا رویہ دراصل مغربی بنگال کے اندر ایک لسانی اقلیت کی حیثیت سے ایک الگ ریاست کے لئے ان کے کیس کو کمزور بنا رہا ہے تو بعد میں ان سربراہوں نے ایک اور مہم شروع کر دی کہ ان کے مجوزہ گورکھا لینڈ میں ہندستانی گورکھاؤں کا دیگر نسلی پہاڑی نسلی جماعتوں پر تسلط نہیں ہوگا اور نہ گورکھا ان کا استحصال کریں گے۔ ان کے شائع کردہ ایک پمفلٹ میں یہ باتیں درج ہیں نیز ایک اور پمفلٹ میں گورکھا لینڈ کے سرغنوں نے مضحکہ خیز ڈھنگ گورکھا لینڈ کی تحریک کی تعریف میں وسعت پیدا کی۔ ان کے کہنے کے مطابق دارجلنگ اور جلپائی گوڑی میں رہنے والے لیپچا، اراؤں، سنتھال، بیج، بھوجپوری، مڈلیسیہ اور بنگالی شیڈ الڈ کاسٹ (زیادہ تر راج بنسی) یہ سب گورکھا ہیں۔ انہوں نے صرف اعلیٰ ذات کے بنگالیوں کو گورکھاؤں میں شامل نہیں کیا۔ تاکہ نسلی، لسانی اور دیگر طبقوں کے تمام لوگوں کو گورکھا قرار دینے کی کوششیں اقلیتوں کو بے وقوف نہ بنا سکیں کیونکہ جوں جوں گورکھا لینڈ کی شورش جارح اور تند و تیز ہوتی جارہی ہے توں توں یہ اقلیتیں اپنے مستقبل سے مایوس ہوتی جارہی ہیں۔ اس لئے اس بات کی یہاں تشریح کرنی ضروری ہے کہ گورکھا نیپالی بولنے والے ایک چھوٹے سے طبقہ کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ نیپال کے ایک خاص علاقہ سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ کیونکہ کالونیائی دور حکومت میں برٹش عام اس علاقہ سے بہت سارے نیپالی بولنے والے افراد کو فوج میں بھرتی کیا تھا۔ اسی لئے غلطی سے نیپالی فوج میں بھرتی ہونے والے تمام فوجیوں کو گورکھا کہا جانے لگا۔ جی این ایل ایف نیپال کے نیپالیوں سے الگ، نیپالی بولنے والے ہندستانیوں کو گورکھا کی طرح پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس طرح وہ سامراجی حکمرانوں کے دیئے گئے تسمیہ کو نیپالی بولنے والے تمام لوگوں کے لئے استعمال کر رہا ہے اور اس طرح وہ غلط مفروضہ کو روبہ عمل لانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس سے نیپالی نسب کے ہندستانی شہریوں اور نیپال کے شہریوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی شناخت میں انہیں کافی مدد ملے گی۔

سماجی جبر و تشدد، مخالفین کو دبا دینے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا میں نیپالی بولنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بہادری کے ساتھ جد و جہد کر رہی ہے کیونکہ یہ مجاہدین افتراق، فرقہ واریت اور لوگوں کو منقسم کرنے کی ناپاک سازشوں کا تن من دھن کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ تفرقہ پسندوں کی سازش کی مزاحمت کو ہندستان کے لوگوں کے اہم دھارے سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے تصورات سے اور چائے باغات میں محنت کش لوگوں کی بلا لحاظ زبان، نسل، مذہب، ذات پات اور دیگر عقائد کی متحدہ جد و جہد کی [illegible] دراز کی روایت سے جلا ملی ہے اس سلسلے میں بائیں محاذ حکومت کا کردار بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ کیونکہ اس حکومت نے اپنی سرگرمیوں اور پروگراموں کے ذریعہ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں لوگوں کے مفاد کے فروغ کے لئے پیش قدمی کی ہے، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی اتحاد کو برقرار رکھنے اور انہیں فروغ دینے کے لئے مسلسل جد و جہد کی ہے۔ اس جد و جہد میں ان لوگوں کی جرأت اور اخلاقی طاقت کو دیکھنے کا ہمیں موقعہ ملا، جو گورکھا لینڈ کے حامیوں سے کچھ کم نیپالی بولنے والے نہیں ہیں اور جنہوں نے قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پرچم کو بہت ہی بلند رکھا، جن کے ۲۸ افراد اس جد و جہد میں جاں بحق ہوئے اور جن کے چار ہزار سے زیادہ افراد کو بے گھر بنا دیا گیا۔ ملک کے مفادات کے لئے ان کی قربانی اور جاں نثاری اور علاقائی فرقہ وارانہ ہنگامے کرنے والی ٹولیوں کے شدید مزاحمت سارے ہندستان کے لوگوں کے لئے اور خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہوتے رہتے ہیں، مشعل راہ ثابت ہوگی ٭٭٭



ریاستی حکومت کو دوردرشن کا دوسرا چینل دیا جائے

—— شری بدھادیب بھٹاچارجی

شری بدھادیب بھٹاچارجی وزیر اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال نے ۲۷ اپریل ۱۹۸۸ کو مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کلکتہ میں دوردرشن کے جاری ہونے والے دوسرے چینل کو ریاستی حکومت کے ذمہ دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ خط کا متن درج ذیل ہے۔

میں آپ کی توجہ کلکتہ میں دوسرے دوردرشن چینل کی طرف، جس کی بابت یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ بہت ہی جلد جاری ہو جائے گا، مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

میرے قبل، ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے سابق وزیر جیسا کہ آپ کو مطلع کر چکے ہیں، حکومت مغربی بنگال اس بات پر پورا یقین رکھتی ہے کہ دوردرشن کے دوسرے چینل کو ریاستی حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ دریں اثنا مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آپ اس نظریہ سے بخوبی واقف ہوں گے جس کا چند غیر کانگریس (آئی) وزرائے اعلیٰ نے حال ہی میں نئی دہلی میں منعقدہ ایک نشست میں اظہار کیا تھا۔

لوک سبھا میں وزارت اطلاعات و نشریات کی پیش کردہ بجٹ پر بحث و مباحثہ کے دوران حزب اختلاف کے ممبروں نے دوسرے دوردرشن چینل کو ریاستی حکومت کے نام منتقل کرنے کا سوال بھی اٹھایا تھا لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر آپ نے اس مسئلہ کی بابت خاموشی اختیار کر لی جبکہ آپ نے ممبروں کے اٹھائے گئے دوسرے سوالوں کا جواب دیا۔

میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ مہربانی فرما کر زیر مطالعہ موضوع کی بابت اپنی صحیح رائے سے آگاہ کریں، کیونکہ آپ کے جواب کی بنیاد پر ہی ہماری حکومت اپنے اگلے قدم کے سلسلے میں پالیسی مرتب کرے گی۔ ...

رباعی — پرویز شاہدی

ٹھوکر سے مشقت کی زمینیں جاگیں
انگڑائی ملوں نے لی مشینیں جاگیں
جو سونے کی چوکھٹ پہ پڑی سوتی تھیں
جاگیں وہ جبہ ریز جبینیں جاگیں

بقیہ: ترقی پسند ادب میں کمٹمنٹ —

بھی اظہار فرمایا ہے "ہم مقصدی ادب کے پرستار ہیں، ہمارے سامنے ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو ہم کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ جو ادب میں ناطرفداری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ہم ان سے صاف صاف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم طرفدار ہیں زندگی کے، روشنی کے، حق کے اور ہمیں یقین ہے کہ طرفداری کے بغیر اچھا ادب تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔" اور آگے چل کر وہ فرماتے ہیں: "جس قسم کے اشعار پر سامعین نے دل کھول کر داد دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصلحتوں اور سمجھوتوں کا زمانہ لد گیا۔ لوگ شاعروں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ادبی اقدار کے ساتھ زندگی کی اقدار کو بھی شعر کا موضوع بنائیں۔"

گویا۔ وہ اک خیال کہ جس نے غم حیات دیا
وہی خیال علاج غم حیات بھی ہے

(بشکریہ 'حیات' دہلی)

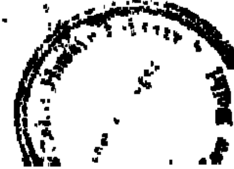
قطعہ — روش صدیقی

نہ رہا تیشۂ فرہاد تو دل تنگ نہ ہو
ہمت بازوئے مزدور ابھی باقی ہے
زلف آشفتۂ گیتی بھی سنور جائے گی
ہم نفس عشق کی آشفتہ سری باقی ہے



Postal Regd. No. [illegible]
Vol. 34 No. 9
PRICE 12 Paise

MAGHREBI BANG
1 MAY [illegible]





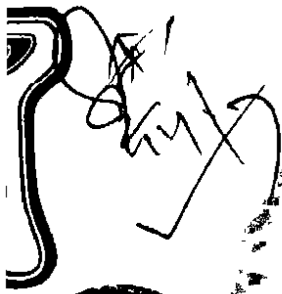


مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء کو سریندر ناتھ بنرجی روڈ میں واقع کلکتہ کارپوریشن بلڈنگ میں منعقدہ کل ہند میئرس کانفرنس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ——— تصویر: شیامل باسو

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta, Asst. Editor Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers, 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

مغربی بنگال

۱۵ر مئی ۱۹۸۷ء







ٹیگور نمبر



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ مئی ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱۰

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

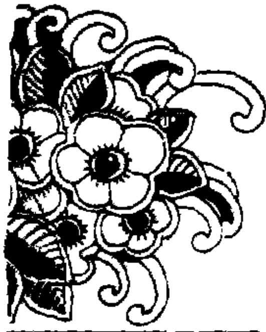
اس شمارے میں

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

زرِ سالانہ : تیس روپے

ــــ ترئین کار : تارا پرشاد داس ــــ

اس خصوصی شمارے کی قیمت ۴۰ پیسے فی کاپی



"گیتانجلی" سے ایک نظم

ترجمہ : نیاز فتحپوری



میں جانتا ہوں، وہ دن آئے گا جب اس دنیا کا
نظارہ میرے لئے ختم ہو جائے گا
اور زندگی میری آنکھوں پر آخری پردہ ڈال کر
چپکے سے رخصت ہو جائے گی
لیکن ستارے بدستور رات کے وقت تکا کریں گے
صبح اسی طرح طلوع ہوا کرے گی اور گھنٹے امواجِ بحر کی طرف
مسرت و غم کا شمار کرتے ہوئے موجزن ہوا کریں گے
جب میں اپنے لمحات کے اس انجام کا خیال کرتا ہوں،
تو ان لمحات کا حجاب ٹوٹ جاتا ہے
اور میں موت کی روشنی میں
تیری دنیا اور اس کے لاپرواہ خزانوں کو دیکھنے لگتا ہوں
اس کی حقیر ترین زندگی بھی بے نظیر اور اس کی ادنیٰ ترین زندگی بھی بے بہا
وہ چیزیں جن کی بیکار آرزو میں نے کی، وہ چیزیں جو مجھے ملیں
ان سب کو جانے دو مجھے صرف ان چیزوں پر حقیقی قبضہ پا جانے دو
جن کو میں نے ہمیشہ ٹھکرایا اور نظر انداز کیا ★★



ربندرناتھ ٹیگور کا فلسفۂ حیات

ایک چھوٹے سے مضمون کو رقم کرنا، ٹیگور کے فلسفۂ حیات کا موضوع بنانا ادبی حماقت سے کم نہیں۔ لیکن تھوڑی بہت کچھ کر دالینی چاہئے اس سے میرے بارے میں فیصلہ اب آپ کے ہاتھ ہے۔

ٹیگور کی زندگی فنونِ لطیفہ کے لئے گوناگوں تصورات در کسب سے عبارت ہے کہ کسی ایک پہلو کو بھی اگر مدنظر رکھا جائے تو کئی کتابیں لکھی اور بہت سی کتابیں پڑھنا پڑیں گی۔

اگر ان کی فنکارانہ زندگی کی صرف بنیادیات ہی سے بحث کی جائے، جب بھی بہت سی راہوں اور منزلوں سے گزر کر ایک ایسے مقام پر پہنچنا پڑے گا جہاں ٹیگور کچھ دیر کیلئے ٹھہرتے تو نظر آتیں گے لیکن قائم نہیں۔ غالب کی طرح ٹیگور کے یہاں کوئی مخصوص یا نمایاں فلسفۂ حیات نہیں ملتا لیکن بلکہ ماورائیت و تصوف کو فلسفہ کا درجہ دے دیا جائے جو درحقیقت ایک انسان کی ذہنی کیفیت تو ہو سکتے ہیں فلسفہ نہیں ہوتے۔ تصوف کا تعلق ایک مقام پر پہنچ کر مابعدالطبیعات سے تو ہو سکتا ہے زندگی کے کسی مثبت فلسفے سے نہیں ہو سکتا۔

مذہبا ٹیگور کا تعلق برہمو سماج سے تھا۔ یہ دین یا فرقہ صرف بنگال میں پایا جاتا ہے اور بنگال کی عظیم ادبی و سیاسی شخصیتیں زیادہ تر اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھیں اور آج بھی ان کا مقام بلند نظر آتا ہے۔ برہمو سماج صرف وحدانیت خداوندی کا قائل ہے۔ (دنیا کے دیگر مذاہب اپنی اپنی زبان میں اس تصور وحدیت کے لئے کوئی بھی لفظ استعمال کر لیں) دیوی دیوتا، پیر پیغمبر، پوجا پاٹ برہمو سماج میں نہیں ہوتے۔ خدا ایک ہے وہ مذہبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ انسان لئے ذوقِ عبادت اور تسکینِ روح کے لئے ناوانی میں جا بجا جتنے خدا بنا ڈالے وہ سب باطل ہیں۔ خدائے لایزال کی وحدانیت دائم و قائم رہے گی۔ ہر انسان میں وہ خدا موجود ہے اور کائنات کی ہر شئے اسی سے ہے (ہمہ از اوست!)۔ اسی اعتقاد کے تحت برہمو سماجی تصور میں ارتقائی انسان کا ایک ایسا مقام بھی آجاتا ہے جہاں انسان خدا بن جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور تصوف کی ان سرحدوں سے جا ملتا ہے جہاں امام السلوک حضرت جنید بغدادیؒ تو اپنے مقامِ شریعت پر قائم اور دائم نظر آتے ہیں لیکن منصور حلاج کو سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ٹیگور کی فنکارانہ زندگی کے تحت الشعور میں یہ تصور ہمیشہ قائم رہا اور

انکی تخلیقات اسی تصور سے معمور نظر آتی ہیں۔

ٹیگور کی سب سے بڑی تخلیق جو اپنے کا نام "گیتانجلی" ہے۔ اس کا تعلق اس گیتا سے قطعی نہیں ہے جو اہلِ ہنود کی انتہائی مقدس کتاب عبادت ہے۔ لیکن اپنی شاعری میں وہ ایک حد تک "اوپنشد" سے متاثر نظر آتے ہیں اور اس کے اس رخ کے قائل دکھائی دیتے ہیں جس میں کائنات کی "ہر شئے اسی سے ہے" (ہمہ از اوست!) لیکن اپنی تیز رفتاری اور الوہیت پسندی میں وہ ان منزلوں سے بھی گزرتے نظر آتے ہیں جہاں "ہر شئے وہ خود" (ہمہ اوست) ہو جاتی ہے اور ہر مظہرِ قدرت میں انہیں "وہ" نظر آتا ہے جسے لاشعوری طور پر وہ خود اپنے اندر محسوس کرتے رہے ہیں۔ اس مطالعۂ مظاہر نے انہیں تصورِ حیات کا وہ رخ عطا کیا جس نے مختلف مذاہب کے درمیان کی وہ دیواریں ہٹا دیں جو انسانی تفریق کا باعث تھیں اور ایک مشترک تنہا سچائی ہر عقیدے میں نظر آئی۔ اس تصور نے جب ایک تاریخی موڑ لیا تو "قوم پرستی" کے لئے گنجائش باقی نہیں رہی اور پورے عالمِ انسانی میں برائے زندگی انہیں وہ دردِ مشترک نظر آیا جس نے ان کے نغموں کو سرمدی بنا ڈالا!

بنگال کے مشہور دانشور، نقاد اور ادیب سری سیام رکن دلے اپنے مضمون "Tagore the last Phase" میں لکھتے ہیں:-

> "اس قوتِ متحرکہ اور ارتقائی نظریۂ حیات نے ٟیگور کے تصورات اور اظہارِ جذبات کو انکی تخلیقات میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔ پورابی، سنگیت، بالاکا اور پربھات اس کی بھرپور مثالیں ہیں۔ ان کے مختصر افسانے اور ڈرامے بھی اسی کیفیت سے معمور ہیں ۔۔۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں جبکہ ان کی عمر ستر برس کی ہو چکی تھی اور انسانی مسائلِ زندگی کے بارے میں وہ پختہ نظر ہو چکے تھے انہوں نے زندگی کو تاریخی شعور کے پس منظر میں دیکھنا اور پرکھنا شروع کیا ۔۔۔ چند واقعات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے روس کا سفر کیا۔ وہاں کی معاشی زندگی دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پوری دنیا اقتصادی بحران میں مبتلا تھی۔ خود ان کا وطن ہندوستان صرف غلام ہی نہیں تھا بلکہ اقتصادی طور پر انتہائی زبوں حالت سے دوچار تھا۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ان کے سفر روس کا ردِ عمل "روسی خطوط" کی شکل میں شائع ہوا جس نے حکومتِ برطانیہ اور اور یہاں کے راجہ رجواڑوں اور نوابوں کو بڑی پریشانی میں ڈال دیا۔ ان کی نیندیں اس صدمے سے حرام کر دیں کہ کہیں ہندوستان کے استحصال شدہ عوام روس کی راہ پر نہ چل پڑیں۔

(ٹیگور میموریل اسپیشل سپلیمنٹ دلی ۱۹۶۱ء ص ۲۵)

روس کے سفر نے ٹیگور کے شعورِ تاریخ کو ایک زبردست دھچکا پہنچایا۔ درحقیقت اور مساوات مذہب کے اس علمبردار نے یہ دیکھا کہ اس لوٹ کھسوٹ کی دنیا میں خالص مادّی فلسفۂ حیات پر قائم ایک ملک وہ بھی ہے جہاں چین کی بنسی بج رہی ہے جہاں جماعت جماعت کی قومیں بستی ہیں مگر بھی کوئی "قوم" نظر نہیں آتی ہے سوائے انسانی قوم کے۔ یہیں سے ان کی قوم پرستی اور وطن پرستی کا تصور بین الاقوامیت کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور اقبال کی طرح ان پر بھی تاریخ کا یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ جغرافیائی حدبندیوں اور تبدیلیوں سے انسان کے بنیادی مسائل اور احتیاج میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس منزل پر پہنچ کر ٹیگور بھی مارکسی نہ ہوتے ہوئے بھی اقبال کی طرح مارکسزم سے بہت قریب آ جاتے ہیں جس کا اظہار ان کے ان ڈراموں، افسانوں اور نظموں میں تمثیلی طور پر نظر آتا ہے جو سفرِ روس کے بعد وجود پذیر ہوئے۔ اس دور کی تخلیقات زیادہ آفاقی ہو گئی ہیں۔ وہ صرف ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ دنیا کی تمام محکوم قوموں کی آزادی کے طلبگار نظر آتے ہیں۔ محبِ وطن ہوتے ہوئے بھی وہ اس وطن پرستی کے قائل نہیں رہے جو آخرکار اقوام و ملل کو ہتھیار بند کر کے ایک دوسرے کے خلاف میدانِ جنگ میں اتار دیتی ہے۔

ان رجحانات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچنا کچھ اتنا دشوار نہیں کہ ٹیگور کی فنکاری — شاعری، موسیقی، مصوری اور نثری ادب — میں جو ماورائی کیفیت ملتی ہے اور جس کی بنیادیں مشاہدے و مطالعہ کے شعوری تناظر سے گزر کر وہ حالی و تصوفی منازل کو طے کرتے ہوئے اس جدلیاتی تاریخی موڑ پر آ کر ٹھہر جاتی ہے جہاں پوری دنیا کے انسان "ایک انسان" نظر آنے لگتا ہے۔

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ہو ! (اقبال)

ہر شئے میں جلوۂ خداوندی محسوس کرنے کے باوجود ٹیگور کے یہاں "خانقاہیت" کے لئے کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ ٹیگور کے نغمے خواب آور اور مسحور کن ہوتے ہوئے بھی بے نیاز تعلیم عمل ہیں۔ ٹیگور کو زندگی پر یقین تھا۔ زندگی صرف آگے بڑھنا جانتی ہے۔ واپس نہیں جا سکتی۔ اس لئے زندگی جب آگے بڑھنے پر مجبور و معمور ہے تو آئندہ منزلوں کو گزشتہ منزلوں سے زیادہ حسین اور زیادہ اطمینان بخش ہونا لازمی ہے! اسی بہتر و خوبصورت زندگی پر یقین کو ٹیگور کا فلسفۂ زندگی کہا جا سکتا ہے۔

دمادم نقشہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرارِ زندگی نیست ! (اقبال)

ٹیگور کے کلام میں برق سامانی نہ سہی لیکن مسائلِ حیات کے تعمیری پہلو اور انبساطِ روحانی کا وافر ذخیرہ ملتا ہے۔ ان کے یہاں تہذیبِ نفس، کردار کی پاکیزگی، حق گوئی و بیباکی کے لئے خوشگوار سروں میں ایک دائمی پکار ملتی ہے۔ وہ اپنی ہمراہی کے لئے سبھوں کو پکارتے ہیں۔ جب کوئی ساتھ نہیں دیتا تو اپنی راہ پر تنہا روانہ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

جب تیری صدا پر نہ کوئی ساتھ دے تیرا
تنہا ہی چلا چل تو اکیلا ہی چلا چل ! (ٹیگور۔ ترجمہ مصنف)

عورت

ہم ایک دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک طویل عرصہ تک انسانی تہذیب کی رہنمائی مردوں کے ہاتھوں میں تھی۔ جب مرد اپنی تہذیب کا سیاسی، معاشی اور سماجی ڈھانچہ تیار کر رہا تھا تو اس وقت عورت اپنے گھریلو فرائض میں معروف تاریکی میں پڑی تھی۔ مرد کی بنائی ہوئی اس خصوصی تہذیب میں ہم آہنگی اور اخوت کی کمی ہے اور اس وجہ سے خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اس کا انجام بہت دردناک ہوگا ... تباہ کن زلزلے پرانے نظام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیں گے۔ اس تہذیب کے انتشار کے اسباب برسوں سے جمع ہوتے جا رہے ہیں اب کوئی بھی اسے منتشر ہونے سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن یہ بات باعثِ تسکین ہے کہ ایک دور کی عورتیں ہر جگہ ایک نئی تہذیب کی تعمیر کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہیں —— ٹیگور۔ (ترجمہ)

گیت: بچپن میں اپنے احساسات کو گیتوں کے ذریعہ ظاہر کرتا۔ بعد میں میں نے اس طریقہ کو بدل دیا۔ اب میرے گیت نہ صرف میرے جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں بلکہ بیان بھی ہوتے ہیں۔ میرے گیت تصاویر ہیں —— ٹیگور (ترجمہ)



از : ڈاکٹر جاوید نہسال

ٹیگور کی شاعری میں فطرت نگاری

بنگال نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں عظیم المرتبت اور قد آور شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ بنگلہ ادب کو نئی قدروں سے آشنا اور ہم آہنگ کرنے میں سرت چندر، مائیکل مدھوسودن، قاضی نذر الاسلام، تارا شنکر بنرجی اور اس دور میں ستیہ جیت رائے، بشنو دے اور سبھاش مکھو پادھیائے بنگلہ ادب، آرٹ اور فن کو ایسا پیکر عطا کیا جو جدید ہندستانی زبانوں کے سارے ادبی پیکروں میں سب سے زیادہ دل فریب، پرکشش اور سحر انگیز نظر آتا ہے۔ ان عظیم المرتبت فنکاروں میں سب سے اعلیٰ و ارفع جگہ جو کوی رابندر ناتھ ٹیگور کو حاصل ہے اور بنگلہ کا نیا تخلیقی معیاری ادب ان کی دین ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور ایک ایسے خلاق ادیب بحرِ بیکراں جیسے ہیں جس کی اور چھور معدوم۔ نہ ہی ایسے بے مثال فنکاروں کو زمان کی سرحدوں میں قید کیا جا سکتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور نابغہ (Genius) تھے۔ گیتانجلی کی نظمیں ساری دنیا میں مقبول ہوئیں۔ انہیں نوبل پرائز ادب کے لئے ملا مگر وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ بہت بڑے ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار بھی۔ جدید بنگلا افسانہ پر ان کے افسانوں کی چھاپ گہری نظر آتی ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی عظمت کو ملک اور بیرون ملک میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کی شخصیت ان کے بے مثال ادب کی وجہ سے بین الاقوامی حیثیت کی حامل ہے۔ ایشیا، یورپ اور امریکہ کے ادب نواز ان سے اسی طرح پیار کرتے ہیں جس طرح "ہندوستانی قوم" کو ٹیگور سے گہری عقیدت، وابستگی اور والہانہ محبت ہے۔ ٹیگور کی شاعری میں تصورِ کائنات نے ایسی ابدیت عطا کر دی ہے۔ وہ شاعرِ فطرت بھی تھے۔ ان کی کویتاؤں اور گیتوں میں فطرت کی تازہ کاری و حسن کاری نمایاں ہے۔ انگریزی کے مشہور شاعر ولیم ورڈس ورتھ اور فارسی کے سعدی، حافظ اور عمر خیام کی شاعری کا بھی ٹیگور نے اثر قبول کیا تھا۔ ولیم ورڈس ورتھ شاعرِ فطرت تھا اور اس کی شاعری کا بھرپور کمال فطرت نگاری میں نظر آتا ہے۔ "یاروآ ان ویزیٹیڈ" (Yarrow Unvisited)، "ڈیفوڈلس" (Daffodils) اور "لوسی گرے" (Lucy Grey) اس کی شاہکار نظمیں ہیں جن کو ہمہ گیر اور عالمی شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی۔ ٹیگور نے اسی نہج پر خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ پروفیسر ہمایوں کبیر نے ان کے گیتوں اور نظموں پر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے :

> "رابندر ناتھ دنیا کے سب سے بڑے گیت کاروں میں گنے جاتے ہیں۔ دلوں کے دکھ درد اور جذبات کی اتنی سچی ترجمانی اور اتنی جیتی جاگتی تصویریں ان کے گیتوں میں ملتی ہیں جو سنگیت سے مل کر ایک ایسی شاعری کی تخلیق کرتی ہیں کہ الفاظ کے بھول جانے پر بھی ان کے گیتوں کا سنگیت پڑھنے والوں کے دلوں پر چھایا رہتا ہے اور انہیں مسحور کئے رہتا ہے۔ دکھ درد اور تصویر جذبات اور موسیقی کا اس طرح گھل مل جانا ان کی ابتدائی شاعری سے ہی نظر آتا ہے۔"

ٹیگور نے "خواب آبشار" کی تخلیق اس وقت کی جب وہ صرف بیس برس کے تھے، یہ دنیا کی تمام زبانوں کی بہترین نظموں میں گنی جاتی ہے۔ یہ نظم اپنی موسیقیت اور اثر کی شدت کے اعتبار سے ادبِ عالیہ میں شمار ہوتی ہے۔ ہمارے ایک بنگالی نقاد کے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم میں فطرت، کائناتی عناصر اور انسان کو وحدت و اکائی میں اس طرح پرو دیا گیا ہے کہ انسان کا فطرت سے رشتہ دائمی اور اٹوٹ نظر آتا ہے۔ مادّی، کائنات اور وحدتِ انسانی ٹیگور کی شاعری میں اس طرح سما گئی ہیں کہ یہ جزو لاینفک نظر آتی ہیں۔

ٹیگور نے فطرت کے شاہکاروں میں انسانی عظمت کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ شاعرِ اعظم کو اپنی سرزمین سے والہانہ عقیدت اور بے پناہ محبت تھی۔ ٹیگور نے دن رات اور موسموں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھے ہیں، صرف دیکھے ہی نہیں بلکہ ان

کی تہوں میں ڈوب کر قدرت کے رموز کو پانے کی کوشش کی ہے۔ "سونار بنگلہ"
اسی جذبۂ تخلیق کی دین ہے۔ بنگال کے دلکش قدرتی مناظر، آبشار کی مستی بھری
گنگناتی لہروں کے راگ کو ایسے وجدان میں اتار لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں
وجدان کا تصور ملتا ہے اور بنگال کے کھیتوں کی لہلہاتی فصلوں، آم کے باغ، عظیم
الجثہ درختوں کی لہراتی ہوئی شاخوں میں شاعر "وحدت" کی جھلک دیکھتا ہے۔ یہ
جھلک ایسے انسان میں ملتی ہے جو خدا کا پرتو ہے۔ بنگال کی ندیوں کی چوڑی چکلی
چھاتیوں پر بہتی ہوئی ناؤ میں بھی ایسے بھگوان کا روپ نظر آتا ہے۔ انہوں نے "خواب
آبشار" "سونار توری" اور ایسی بہت ساری نظموں میں ایسے ہی دلکش مناظر کی
بڑی ہنرکاری اور چابکدستی سے جیتی جاگتی تصویریں اتاری ہیں۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے ایک جگہ ان کی دل آویز اور جذبات انگیز نظموں
کی مدحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شاعری میں رابندر ناتھ کے خاص کارنامے
ان کے گیت ہیں لیکن مناظر قدرت سے انہیں جو محبت ہے اور زندگی کی رنگا رنگی اور
بوقلمونی سے ان کے وجدان کا جو گہرا تعلق ہے اسی کی وجہ سے ان کی بہت سی
نظموں میں فطرت کی کاریگری اور صناعی اپنی بھرپور جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر آتی
ہے۔"

"خواب آبشار" "سونار توری" "سونار بنگلہ" اور بہت ساری نظموں کے
مناظر فطرت میں "وحدانیت" کی قدرت مطلق جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان میں بھی انسانیت
کی عظمت کا پیکر نظر آتا ہے جو خدا کی عظمت کی دلیل ہے اور انسان کے تئیں ٹیگور
کے دل میں جو بے پناہ چاہ اور پریم ہے، غیر شعوری طور پر وہ خدا کے لئے پریم کا
روپ دھار لیتا ہے۔ ٹیگور نے انسان کی حرکات و سکنات میں خدا کے جلوے دیکھے
ہیں۔ انہوں نے بھگوان کو پہچاننے کی کوشش کی جو ایسے بنگال کے موسم برشگال میں
امنڈتی ہوئی ندیوں، لہلہاتی فصلوں، باغ باغیچوں، پھولوں اور سبزہ کاریوں میں منعکس
نظر آتے ہیں۔

ولیم ورڈس ورتھ نے شاعری پر اظہار رائے کیا ہے کہ:

"سنجیدہ سے سنجیدہ تجربے، کیفیت اور تخیلات صحیح طور پر ظاہر کیا
جا سکتا ہے اور روز مرہ کی زندگی کی حقیقتوں کو رمزیت کی روشنی سے جگمگایا جا
سکتا ہے۔"

ورڈس ورتھ کی رائے رابندر ناتھ ٹیگور کی نظموں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔
انسان کے دلوں کی کیفیات جیسے خوشی و غم، تشریح و دلبستگی اور امنگ ترنگ ایک
دوسرے میں گھل مل کر بنتا، چاہت، اور طنز و ملیح کی ملی جلی دنیا کی تخلیق کرتی ہیں۔

ٹیگور نے بھی اپنی نظموں میں ایسی دنیا کی تخلیق کی ہے جو ہر قاری کو مسحور کر کے اپنے
اندر جذب کر لیتا ہے۔ ٹیگور کی جوانی کی شاعری میں البیلا پن ملتا ہے۔ تجربات
و مشاہدات نے جب ان کے شعور میں صلاحیت و پختگی پیدا کی تو ان کے آخری دور
کی شاعری میں رموز حیات و کائنات فطرت کے شاہکار نمایاں ہونے لگے ہیں۔
ان کی شاعری کی تاثیر حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی رموز حیات و کائنات شاعری
کو زیادہ دل آویز اور پرکشش بنا دیتے ہیں۔ ٹیگور کی شاعری میں داخلیت و خارجیت
اس لئے اختیار کرتی ہے کہ وہ اپنے دل کی آواز اور اپنے غم کو ہی نوع انسان کا غم سمجھتے
ہیں۔ پہاڑ اور وادیوں اور پودے اور کلیوں اور پھولوں کے غم کا بھی انہیں شدت سے
احساس ہوتا ہے جو ہمہ جہت شکل اختیار کرتا ہے۔ سعدی کی طرح وہ بھی دنیا کے ہر
ملک کے انسان کے دکھ کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔

"سونار بنگلہ" "خواب آبشار" اور "سونار توری" ایسی نظمیں ہیں جو عظمت
انسانی کے ترانے گاتی ہیں اور فطرت کی قدرت تسخیر کی علامت اور تفسیر نظر آتی ہے۔
یہ عمومیت اور ہمہ جہتی ان کی شاعری میں اس لئے آئی ہے کہ انہوں نے فارسی اور
سنسکرت ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مغربی قدروں سے آشنا تھے اور فارسی
و سنسکرت ادب سے بہت کچھ لیا تھا۔ فطرت نگاری خواہ یہ قدرتی مناظر اور بچوں
(بالکوں) کی معصومیت میں ہی انہوں نے نمایاں ہوئی اور ان کی نظموں کے حرکی پیکروں
نے صرف اپنے دیش کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی تہذیب و اقدار کی عکاسی
کی ہے اور ان کی شاعری دلکش اور لوچدار بن گئی جو ہر ایک علم کے قدموں کے
دلوں میں ہلچل پیدا کر دیتی ہے۔ شاعر فطرت، ورڈس ورتھ کے نہج پر چل کر ٹیگور
نے "ڈیفوڈلس" اور "یارو ان وزیٹیڈ" اور "یارو وزیٹیڈ" جیسی نظمیں لکھیں۔
ان کی نظمیں بھی اس صداقت کی توثیق کرتی ہیں کہ تخیل حقیقت سے زیادہ دلفریب
ہوتا ہے اور انہوں نے اپنے پرواز تخیل اور قوت تخلیق کی مدد سے فطرت کے
کرداروں کو جو حرکی پیکر عطا کئے گئے ہیں وہ جاوداں بن گئے ہیں۔ ان کی نظم "خواب
آبشار" کے چند بند اس کی تصدیق کریں گے ؎

میں پتھر کا بنا قید خانہ توڑ دوں گا
میں دھرتی کو اپنے گیتوں کے سیلاب میں بہا لے جاؤں گا

....

نہ جانے آج کیا ہو گیا ہے؟ ہر آن جاگ اٹھا ہے
دور سے گویا سن رہا ہوں مہا ساگر کا پرخروش نغمہ
میرے چاروں جانب یہ بھیانک قید خانہ

توڑ دو توڑ دو یہ قید خانہ، چوٹ پر چوٹ لگاؤ
آج پنچھی نے گیا گایا ہے
آج کس انداز سے سورج کی کرن اتر رہی ہے

٭٭٭

یہ نظم فطرت کا خوبصورت شاہکار نظر آتی ہے اور سامعین پر ایسا بھرپور تاثر مرتب کرتی ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ نظم میں لوگ خود کھو جاتے ہیں۔

ٹیگور کی نظم "بہو" میں بھی ایسی کیفیت کی علامت نظر آتی ہے۔ ایک نئی نویلی دلہن اپنی سسرال میں اپنے تئیں اجنبی اجنبی سی محسوس کرتی ہے۔ اپنے میکے جا کر سہیلیوں کے ساتھ کھیتوں، پگڈنڈیوں اور پنہروں اور پنگھٹ پر گگری لے کر جل بھرنے کو ترستی ہے۔ نئی بہو کے ان محسوسات کو بڑی فنکاری سے ٹیگور نے نظم کی شکل دے دی ہے۔

نہیں دیں گے پریم نہیں دیں گے روشنی
صدا یاد آتی ہے اندھیری گھنی چھاؤں
یاد آتا ہے پوکھر کا وہ ٹھنڈا پانی
ان مناظر کی گود میں موت بھی منظور ہے
سب سکھیو مجھے بلاؤ اور مل کر کہو
دن ڈوب چلا ہے پانی بھرنے کو چل
دن کب ڈوبے گا۔ کھیل کب ختم ہوں گے
ٹھنڈا پانی کب شعلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔
اگر تم میں کوئی جانتی ہو تو بتاؤ

٭٭٭

نئی بہو کا یہ کرب اور اس کی بے بسی ہمہ گیر ہے۔ ٹیگور نے نظم میں سکھیوں، پنگھٹ، پگڈنڈی، گگری جیسے الفاظ کا برمحل استعمال کر کے ایسا پیرایۂ بخشش دیا ہے جو آنکھوں کے سامنے حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ٹیگور کی مشہور نظم "سونار تری" یعنی سونے کی ناؤ میں فطرت کے مناظر کو بڑے دلکش اور خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ نظم ایسی ہے کہ بار بار پڑھنے پر بھی بار بار پڑھنے کی ہوس باقی رہ جاتی ہے۔ ٹیگور نے بڑے فلسفیانہ انداز میں انسان کے اپنے بداعمال پر پچھتاوے کو ناؤ اور مانجھی جیسی علامتیں بنا کر پرکشش انداز میں بیان کیا ہے۔ شاعر کو جو انسان کی نمائندگی کرتا ہے صبح سویرے ایک ندی کے کنارے فطرت کے مناظر میں کھویا ہوا ہے کہ اسے دور سے دھند کے میں ایک ناؤ بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک مانجھی اسے کھینچتا جا رہا ہے۔ وہ ناؤ کے مانجھی سے التماس کرتا ہے "بھائی کہاں جا رہے ہو، مجھے لیتے چلو" مگر جواب ملتا ہے ناؤ چھوٹی ہے اور اس میں جگہ نہیں۔ ناؤ اسے ساحل پر تنہا چھوڑ کر لہروں میں بہتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ شاعر کا کہنا ہے کہ انسان گناہوں کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ اپنے پاپ کی وجہ سے ایسی ناؤ پر سوار نہیں ہو سکتا جو گُن سے بھری ہو۔ اس خیال کو کس قدر دلکش انداز میں ٹیگور نے نظم کیا ہے۔

آسمان میں بادل گرج رہے ہیں، گھٹا، بارش
ندی کنارے اکیلا بیٹھا ہوں بے سہارا
ایک چھوٹے سے کھیت میں اکیلے بیٹھا ہوں
صبح کا وقت ہے گاؤں بادلوں سے چھپ گیا ہے
اس پار اس چھوٹے سے کھیت میں میں ہوں تن تنہا
اس پار سے کون آ رہا ہے ناؤ کھیتا ہوا گاتا ہوا
تم کون ہو، کہاں کس دیس کو جا رہے ہو
اب رحم کھا کر مجھے ساتھ لے
جگہ نہیں جگہ نہیں چھوٹی ہے یہ ناؤ
میرے ہی سونے کے دھان سے یہ بھر گئی ہے
ساون کے آکاش کو گھیر کر گھنے بادل گھومتے پھرتے ہیں۔
سنسان ندی کے کنارے میں پڑا رہ گیا
جو کچھ تھا لے گئی سونے کی ناؤ

٭٭٭

نظم "سونے کی ناؤ" کی رمزیت اور تہہ دار معنویت علامتوں کے طور پر بیان کی گئی ہیں۔ سنسان ندی کا ساحل دنیا ہے، سونے کی ناؤ سفر کوچ کی سواری ہے اس میں وہی لوگ پار اترتے ہیں جو دنیا سے بے صبر، لاگ لپیٹ اور دنیا داری، برائیوں اور آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس احساس اور خیال کو چھوٹی سی نظم میں سمو کر ٹیگور نے نہ صرف بنگلہ شاعری کو بلکہ دنیا کی شاعری، تمام شاعری کو پُر وقار لہجہ عطا کیا ہے۔

ٹیگور کے یہاں ایسی بہت ساری نظمیں ہیں جو قارئین کے دل و دماغ پر وجدانی کیفیت طاری کرتی ہیں اور ان کو دنیا کے عظیم شاعروں کے جھرمٹ کے اندر نمایاں جگہ دلاتی ہیں۔ ٭٭٭

رابندر ناتھ ٹھاکر

از ——— رونق نعیم



روبی ٹھاکر! میرے لفظوں کا شہر ناچتے تھرکتے ہوئے نہیں
ہارے ہوئے جواری کی طرح چورنگی کی حد سے باہر نکل چکا ہے
شہید مینار سے آگے بڑھ رہا ہے
راج بھون پر اپنی ویران نظر پھینکتا ہوا ڈلہوزی پار کر رہا ہے
شہر، ہاں میرا شہر اب ہوڑہ برج تک آ پہونچا ہے
شاید ہگلی ندی میں چھلانگ لگائے گا
روکو! اسے روکو روبی ٹھاکر!
لے جاؤ اسے اپنی کویتا کے شانتی نکیتن میں لے جاؤ
یہ سارے منظر ریت کی طرح میری آنکھوں میں گرنے لگے ہیں

اب اور میں اکیلا چل نہیں پاتا
میرے ساتھ میری پریشانیاں چلتی ہیں
مشینوں کی بے شرم گڑگڑاہٹ
پیٹرول، ڈیزل اور موبیل کی بے حیا بُو
روبی ٹھاکر! سات سمندر پار
ہزاروں پہاڑوں کے آگے
کسی انجان جزیرے میں تمہارا "آم لوکی بن" ہے
اور یہاں ابھی میرے لفظوں کے فٹ پاتھ پر میرے سپنے یوں جل رہے ہیں
جیسے کسی بیمار اسپتال کے مفلوج احاطے میں کوئی زندہ انسان

روبی ٹھاکر! وہ سونے کی چڑیا
جو بہت چھوٹی ہو چکی ہے
اب اس کا ایک بازو ....
.... یہ کیا ہو رہا ہے

کیا ہو رہا ہے روبی ٹھاکر
کہ بادلوں کی گرج میں رائفل کی گولیوں کی سنسناہٹ جھلملانے لگتی ہے
بجلیوں کی چمک میں بموں کے دھماکوں کے کریہہ چہرے مسکرانے لگتے ہیں
چاروں جانب خون کی بارش ہونے لگتی ہے
میں خون کی بارش میں کسی ندی کے کنارے نہیں
اپنے کمرے میں پڑا ہوں

روبی ٹھاکر! تم ایک قطرہ ہو
قطرے میں سمندر
سمندر میں سیپ
سیپ میں موتی
موتی میں سورج
ایک چمکتا سورج
اور ابھی میں اپنے کمرے میں پڑا ہوں
کچھ دکھائی نہیں دیتا

مجھے تمہارے قدموں کی دھول چاہیئے
میں اسے اپنی غزلوں کی آنکھوں میں کاجل کی طرح
سجانا چاہتا ہوں
تمہارے خوبصورت گیتوں کی طرح
ساری دنیا کو دیکھنا چاہتا ہوں
روبی ٹھاکر!
رو بی ٹھا کر!!!

★★



از: بیریندر ابندوپادھیہ

ربندرا سنگیت کا فلسفہ

بنگال کی موسیقی کا عام طور پر انداز اظہار ہی شاعرانہ ہوتا ہے ور نظموں یا گیتوں کو ان کے تصورات اور داخلی کیفیات کے اظہار کے لئے مناسب سُروں میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ بنگالی کبھی ایک نظم یا ایک گیت کو تنگ نظری سے نہیں دیکھتے۔ گیتوں میں تو عام طور پر شاعروں کے دلی احساسات کا، اور ان کی زندگی کے دکھ درد کا اظہار ہوتا ہے لیکن اگر ہم ان نظموں یا گیتوں پر غور کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ ہمیں اس دنیا کی سرحدوں سے پار بہت دور اور بلندی تک لے جاتے ہیں، ہمارے احساسات کو اس قدر بلند کرتے ہیں کہ ہم فطرت کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ اس احساس سے ہم گریز نہیں کر سکتے، خواہ ہم گانے والے ہوں یا گیت سننے والے۔ یہ بات نہ صرف موجودہ دور کے گیتوں پر صادق آتی ہے، بلکہ اگلے زمانے میں چریا 'کرتن' قدیم لوک گیت، اندنیہ مو با بو اور دیگر افراد کے لئے تیار کردہ گیتوں میں یہی بات کارفرما نظر آتی ہے۔

ایک گیت میں نظم کو کیا مقام ہوتا ہے تو نظم اور نثر کے درمیان کیا فرق ہے؟ نثر میں لفظوں کو اس طرح سجا کر رکھا جاتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے حقائق اور تصورات آدرلوں عیاں ہو جاتے ہیں لیکن نظم تو دوسری قسم کے دھاگے سے بنی جاتی ہے، جہاں یہ کم لفظوں میں پوری بات بتا دیتی ہے، اور اگر ہمیں لفظ "منطق" کو استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو نظم تصور کو منطق ہے۔ نثر واضح ہوتا ہے اور نظم مختصر۔ نثر تصورات کا صحیح طور پر اظہار کرتا ہے، نظم تصورات کو تصوراتی شکل میں پیش کرتی ہے۔ موسیقی اور گیت تو اور بھی زیادہ تصوراتی ہوتے ہیں یہاں سُر کے ساتھ تحلیں ہمارے احساسات کو ایسے دور میں لے جاتی ہیں جہاں ہم نہ صرف ان لفظوں کے الفاظ کو سنتے ہیں بلکہ اس کے بعد اس سنگیت سے ہمارے سامنے ایسی تصویر ابھرتی ہے جس میں ہم کھو جاتے ہیں۔

ٹیگور نے اس سلسلے میں یوں کہا "موسیقی میں احساس آواز میں منتقل ہو جاتا ہے، اور وہ بذات خود ایک آزاد شئے بن جاتا ہے۔ یہ ایک سُر کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو واضح ہوتا ہے بلکہ اس کے معنی بھی ہوتے ہیں جن کی وضاحت نہیں کی جا سکتی، لیکن اس کے باوجود یہ مکمل حقیقت کے ساتھ ہمارے دل و دماغ کو کھینچ لیتا ہے۔"
ٹیگور اپنی ایک نظم میں یوں رقمطراز ہیں:

"مان دی لے جاؤ جار ناگل نا ہی پائی
گان دی لے جار چوُرَن چھو لے جائی"

(جن تک میں پہنچ نہیں سکتا میرے گیت اس کی قدم بوسی کرتے ہیں)

ربندرا سنگیت تو اس حسین استغراق سے مالا مال ہے۔ اس میں الفاظ نے سُروں کی مدد سے ہمارے جذبوں کو حقیقت پر مبنی تصورات کی حد کے باہر یعنی مستغرق سطح تک، کچھ بلند کر دیا ہے۔ الفاظ اور سُروں کو بہت ہی احتیاط کے ساتھ آمیزش کے ذریعہ یہ سحر انگیز کارنامے انجام دیے گئے ہیں۔ یہاں موسیقی کے بغیر الفاظ گم ہو جائیں گے اور موسیقی بھی الفاظ کے بغیر مدھم ہو جائے گی۔

ہندوستان میں نغمہ نگاری میں ایک پُر معنی رابطہ ہوتا ہے۔ راگ راگنی میں چند مثالی پیکر ہوتے ہیں اور یہ پیکر تصورات کے، فطرت کے، وقت اور سارے عالم کے تمثیلی عکس ہوتے ہیں۔ نغمہ نگاری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ کہ جب گیتوں کے سُر باندھے جاتے ہیں تو وہاں گیتوں کے الفاظ خاص اہم ہوتے ہیں جنہیں ترجیح دی جاتی ہے — دوسرا یہ کہ جہاں راگوں کو گیتوں کے الفاظ سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اور تیسرا یہ کہ جہاں الفاظ اور سُروں میں ایک توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ پہلے کے دنوں میں بنگلہ نغمے جیسے کتھا کا، وغیرہ کی شکل میں سامعین کے سامنے موسیقی کے ساتھ پیش کئے جاتے تھے۔ کرتن، میں بھی ہم اس کی چند خصوصیات پاتے ہیں۔ موسیقی کی اس سے بھی زیادہ نفیس اور لطیف شکل درباری موسیقی ہے، جہاں استاد اپنے شاگرد کے گیتوں کو نئے سُروں میں ڈھالتے ہیں، راگ، راگنی سے اسے سنوارتے ہیں، اور اس کام میں گیتوں کے اشعار اور الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، اس کے ساتھ ساتھ کرتن بلو

گیت بھی بنتے ہیں جن میں الفاظ اور اشعار پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ گیت مرصع بن جاتے ہیں۔

رابندر ناتھ کو مختلف راگ۔ راگنیوں میں کلاسیکی قسم کے گیتوں کو لکھنے اور سیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے خیال میں یہ سُروں کے اظہار کے لئے کامل نہیں ہوتے۔ گرچہ یہ گیت دوسرے سامعین کے دل و دماغ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ رابندر ناتھ بنیادی طور پر ایک حد تک شاعر تھے۔ ان کے خیال کے مطابق جن تصورات کو لفظوں کے ذریعہ شاعری یا نظموں میں پیش کیا جاتا ہے انہیں ایک خاص راگ کی صورت میں شاید ہی پیش کیا جا سکے۔ اپنے گیتوں میں انہوں نے راگ راگنیوں کی آمیزش کی تاکہ احساسات میں جو تصورات ہیں انہیں صحیح طریقہ سے پیش کیا جا سکے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گیتوں کے راگوں کے نام پر نشاندہی نہیں کی جانی چاہیے بلکہ ان میں غم، فرحتی، انبساط کا جو اظہار کیا جاتا ہے ان کے ذریعہ انکی الگ انفرادی اہمیت ہوتی ہے گیتوں کو ان باتوں کی عکاسی کرنی چاہیے۔ گرچہ شروع شروع میں انہوں نے ان سروں کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا جو لفظوں میں چھپے تصورات کی عکاسی کریں گے اور اس طرح انہوں نے مختلف راگوں کی آمیزش کرنی شروع کر دی تاکہ مختلف دماغی اور ذہنی حالت کا صحیح طریقہ سے عکاسی کی جا سکے۔ انہوں نے لوک سنگیت کے مختلف سروں کو اپنایا۔

مشہور موسیقار دھرجیت پرشاد مکھرجی اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں :

"جب ٹیگور نے کلاسیکی سروں کو دلی اظہار کے لئے ناکافی پایا تو انہوں نے موسیقی کے دیسی سروں کو اپنانا شروع کیا۔ انہوں نے باؤل اور بھٹیالی گیت نظم اور اپنی سنگیت میں پرونا شروع کر دیا۔ پہلے تو انہوں نے ان سروں کو کلاسیکی موسیقی کے ساتھ ملا دیا، اس کے بعد انہوں نے ان گیتوں کو اپنے ایک الگ سُر میں ڈھالا۔ ان کے ہاتھوں میں باؤل اور بھٹیالی نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور جسے ہم ٹیگور اور صرف ٹیگور کا کارنامہ کہہ سکتے ہیں۔"

(رابندر ناتھ ٹیگور۔ عبدالرحیم، نئی دہلی ۱۹۶۱ء، صفحہ ۹۲)

ان کے راگوں پر مبنی گیتوں کی بابت بھی یہی کہا جا سکتا ہے اور ٹیگور ہی اس کے موجد ہیں۔ ڈاکٹر ارنولڈ اے۔ بیک نے ۱۹۳۰ء میں انڈین سوسائٹی لندن میں "ہندوستانی موسیقی اور رابندر ناتھ ٹیگور" پر ایک تقریر کی تھی۔ اس تقریر کے اقتباسات درج ذیل ہیں :

"ٹیگور کو ایک شاعر کی حیثیت سے اور راگوں کے ایک موجد کی حیثیت سے بنگالی زندگی کی انمول مخزن کہا جا سکتا ہے۔ یہ واقعی قابل تعریف بات ہے کہ ان میں ہم موسیقی کے تین دھاروں کو، مغربی موسیقی، آرٹ موسیقی اور لوک موسیقی دیکھتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ پہلی دو موسیقی ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں اور اس کے نتیجے میں موسیقی میں ابھار کی جگہ سادگی پیدا ہو گئی۔ چیتنیہ اور ان کے شاگردوں کے وقت سے پرانی بنگالی وشنو نظموں اور گیتوں کے غائر مطالعہ سے اور جیتے جاگتے لوگوں کے لوک سنگیت سے رابطہ نے بلاشبہ ان کے فن کو ایک خالص ہندستانی موسیقی بنانے میں سازگار ثابت ہوئے۔ ان کی تخلیقی تحریک اور روحانیت کو کسی قانون کے ذریعہ تشریح نہیں کر سکتے۔ وہ نئے گیت اور نئے سنگیت تیار کرتے ہیں، جس طرح ان سے قبل کبیر اور دیگر سنت اور سنیاسی کیا کرتے تھے، جیسا کہ کرتن موسیقی نے بار بار کیا۔ موجودہ نظام میں تبدیلی کا خدشہ ایک اہم وجہ ہے ہندستانی موسیقی کا اپنی قوت حیات کھو دینے کا۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے لوک سنگیت کے نئے ہمیشہ تازہ وسائل سے رابطہ قائم رکھکر اس موسیقی کی بہت حد تک احیا نوکی۔ یہ ایک حقیقت ہے اور وہ اس بات سے واقف تھے کہ پرانا نظام ان کی نئی راہوں کی تلاش کو حق بجانب قرار دے گا۔"

"یہ بہت ہی شاندار حقیقت ہے کہ ٹیگور نے اپنے گیتوں کے غنائی اظہار کے لئے ایسے سُر تان تیار کئے ہیں جو ظاہراً کلاسیکی نظر آتے ہیں لیکن لوک سنگیت سے یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ اسے ہم دھروپد کہہ سکتے ہیں۔ دھروپد کے لئے لکھی نظمیں اور پھر اس کے لئے تیار کردہ سنگیت بہت ہی پرکشش ہوتے ہیں اسی لئے ٹیگور نے اسے اپنایا۔ لیکن یہاں بھی انہوں نے راگ کی کلاسیکی نوعیت اور سروں کی ترتیب میں تال کے لحاظ سے پیچیدگیوں کو نہیں اپنایا۔ انہوں نے اسی اصول کو اپنایا کہ لمبے لکھے گیتوں کے پہلے بند کے پہلے سُر میں وہ اس گیت کا لب ولباب کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر گیت کے دیگر بند میں اس لب ولباب کی تشریح کی جاتی ہے، اور جب گیت گائے جاتے ہیں تو ہر بند کے پہلے شعر کے پہلے ٹکڑے کو بند کے آخر میں دہرایا جاتا ہے۔ اس لئے بند کے پہلے اور آخری لائن میں ردیف قافیہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔" ہندوستانی موسیقی کے لئے سروں کی آمیزش کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بہت پہلے سے ہی مشہور موسیقاروں نے سروں کی اس حد کو توڑا اور گیتوں کو نئے نئے سروں میں ڈھالنے کی کوششیں کیں۔ اس طرح خیال، ٹھمری، ٹپہ وغیرہ نمودار ہوئے۔ لیکن ٹیگور نے جو آمیزش کی وہ قطعی مختلف تھا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گیتوں میں نظم کے پہلوؤں کو کبھی فراموش نہیں کیا ہے

ان کے گیت مرکب گیت ہوتے ہیں جہاں الفاظ اور سُر اپنے اپنے طور پر بے لاگ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں فی البدیہہ طور پر ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔

بقول سوچاتی پرسا د مکھرجی "گیتوں کے لئے سروں کو شاعرانہ سُر اور موسیقیانہ سُر سے مرتب کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے سُر تو گریزپا ہوتے لیکن ان کو تشریح کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر محبت کا بہت سے پہلوؤں میں ایک ہر پہلو الگ الگ تصور کی عکاسی کرتی ہے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گیت زندہ و جاوید ہو گئے ہیں۔ اور پھر یہ گیت سُر میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس عمل میں نظم ترقی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(ہند ماہنامہ ٹیگور صد سالہ جم انتی دہلی ۱۹۶۱ء صفحات ۱۴۴ - ۱۴۵)

اسی طرح ٹیگور کے "محبت کے گیت" مختلف صورت حال میں مختلف سروں کے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات خدا سے تعلق سے رابطہ قائم کرنے کیلئے مادر وطن کو ان گیتوں کے ذریعہ نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ موسم برسات کے گیت الگ الگ سروں کے ہوتے ہیں لیکن ان کے پس منظر موسمی دائرہ اور نظام کی رت کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان کے حب الوطنی کے گیتوں میں مادر وطن کو نہ صرف خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے بلکہ ان سے نوجوانوں کے دلوں میں ہمت اور عزم کی دنیا منور کی جاتی ہے۔ ان کے بھکتی گیت، تو ندہب سے متعلق کی جاتی ہے ان سے روحانیت کو تقویت پہنچتی ہے۔ انہوں نے ہر موقع اور ہر صورت حال کے لئے موزوں گیت لکھے۔ انہوں نے بچوں کے لئے جو گیت لکھے ٹیگور سے قبل کسی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

اپنے ایک بھکتی گیت میں انہوں نے خالق و مخلوق کے درمیان رشتہ کا یوں ذکر کیا:

تو ما ئے آما ئے میلن ہو بے بولے
جگے جگے وِرتوا بون تو لے
پران آمار ودھو بے شے جو لے
جیتے چیر سو مبرا

(تم سے ملنے کے لئے میری روح ابدی راستہ پر گامزن ہے جس طرح ایک دلہن ملنے کے لئے ابدی راہ پر گامزن ہے)

خالق اور مخلوق کی باہمی محبت کا وہ یوں ذکر کرتے ہیں:

آما ر می لن لاگی تو می آ سبو کو بے تھیکے
تو مار چند رو سُرجو تو مائے را کھبے کوتھائی ڈھیکے

(میں یہ نہیں جانتا کہ تو کتنی دوری سے مجھ سے ملنے آ رہا ہے لیکن تیرے سورج اور ستارے تجھے میری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے)
(گیتانجلی)

اسی طرح ایک اور نظم میں:

"آئی تو مار آ نندو آمار او پار
تومی تائی اے سے چھو نیچے
آمائے نہ لے تری بھو بنیشور
تو مار پریم ہو تو جے میچھے"

(میرا دل تیری محبت سے لبریز ہے۔ اے رب العالمین تو ہمارے پاس آ چکا ہے۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا تو تیری محبت کا کیا ہوتا) (گیتانجلی)

اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ان کے گیتوں کے ذریعہ ہمیں اس خالق کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ ٹیگور نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری روزمرہ کی زندگی مشکلات سے پُر ہے۔ ہمارے دل و دماغ پر الجھنوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔ ہماری پرامن زندگی میں اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ جب دل و دماغ بھاری رہے گا تو اس سے ہماری زندگی بری طرح متاثر ہو گی لیکن ہم جب موسیقی سنتے ہیں تو اس کا ہم لوگوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہمیں سکون حاصل ہوتا ہے اور سکون کی اس حالت میں ہمیں ایک منظر نظر آتا ہے کہ ہم ان تمام دنیاوی مشکلات اور دشواریوں سے بالاتر ہیں اور فضا میں اڑتے چلے جا رہے ہیں، جہاں سکوت اور خاموشی اور دلی مسرت کا دور دورہ ہے۔

ٹیگور نے اپنی سوانح حیات میں موسیقی کی بابت یوں لکھا ہے:

"جس طرح ہمارے ملک میں بیوی شوہر کے تابع ہونے کے ذریعہ شوہر پر حکومت کرتی ہے، اسی طرح ہماری موسیقی اگرچہ ہماری توجہ مرتکز کرتی ہے تاہم اہتمام پر گیت پر حاوی نظر آتی ہے۔ میں نے اپنے گیتوں کو موسیقی سے مزین کرتے وقت ایسا ہی محسوس کیا ہے۔ میں اکثر یہ شعر گنگنا تا رہتا ہوں:

'میرے معشوق، اپنے راز کو اپنے دل میں نہ رکھو،
بلکہ آہستہ سے مجھے، صرف مجھے کہہ دے'

میں نے یہ دیکھا کہ لفظوں میں بذات خود اس علاقہ تک جہاں لے اور سُر لے جاتے ہیں پہنچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نغمۂ شیریں نے مجھ پر اس راز کو جسے جاننے کے لئے میں بے تاب تھا، منکشف کر دیا۔ یہ راز جنگلات کے گھنے سبزہ زاروں کے راز سے گھل مل گیا ہے۔ چاندنی راتوں میں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں پر یہ راز نظر آتا ہے، ان کے پیچھے لامتناہی نیلے آکاش کے پردے سے یہ راز

لیاقت بہا



از: پوبترا سرکار

رابندر ناتھ ٹیگور اور ہمعصر دنیا

آج رابندر ناتھ ٹیگور کس حد تک زندہ ہیں؟ ہمارے لئے اور دوسروں کے لئے؟ کس حد تک، وہ ہم لوگوں کو ایک ہم عصر کی طرح مخاطب کرتے ہیں، ہم لوگوں سے، اس زبان میں جسے ہم سمجھ سکتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں اور ہمیں اپنے تجربات سے جنہیں ہم سننا چاہتے ہیں، روشناس کراتے ہیں؟ کیا ہم انہیں ایک قدیم ضعیف دادا نہیں کہہ سکتے۔ ان کی اتنی لمبی داڑھی، لانبا قد، زعفرانی رنگ کے ریشمی عبا میں ملبوس اور دیکھنے میں رعب دار، کیا انہیں زندگی کی گھما گھمی جن سے آج ہم دوچار ہیں، سے سابقہ نہیں پڑا ہے۔ کیا وہ مقدس مذہبی راستہ پر گامزن نہ تھے، جس کی وجہ سے انہیں کچھ لوگ مذہبی گرو کہتے تو بعض افراد دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے سنیاسی؟ آج بھی یہ سوالات ہر بنگالی کے سامنے درپیش ہیں، جن پر آج بھی رابندر ناتھ کا تسلط ہے اور جو انہیں تخلیق کار اور مفکر سے بھی اونچے درجہ پر رکھتے ہیں، گویا ان پر ٹیگور کا ثقافتی مظہر غالب ہے۔ غیر بنگالیوں پر رابندر ناتھ کے اثر سے ایسے بے کل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر یہ سرد مہری ہے، تو ایک بنگالی دوسرے کو بے حس اور نادان سمجھتا ہے، یا اسے ایک ایسا شخص سمجھتا ہے جو اس کی ثقافتی شناخت کی قصداً اہانت کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر وہ بدنصیب غیر بنگالی بحث و مباحثہ نہ کرکے اس اہم موضوع پر خاموش رہتا ہے اور اس میں حصہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کرتا، تو وہ بنگالی بھی کچھ کم مشتعل نہیں ہو جاتا۔ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنی شخصیت کے ایک بڑے جزو کو کھو دیا اور اس دنیا نے اسے اس کے قبضہ سے چھین لیا۔ اسی لئے وہ رابندر ناتھ کو، ستیہ جیت رائے کو، شہر کلکتہ کو جکڑے رہتا ہے، انہیں سمجھنے کی کوئی کوشش بھی نہیں کرتا۔

رابندر ناتھ کی مادری زبان بنگالی کی مادری زبان ہے۔ اسی لئے وہ ٹیگور کی تخلیقات کا بنگلہ میں مطالعہ کر سکتا ہے۔ لیکن ہم سبھوں پر ایک جیسا رد عمل نہیں ہوتا۔ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس رد عمل کا اظہار نہیں کرتے۔

جب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۹۶۹ء میں میں ممالک متحدہ امریکہ گیا تو اس وقت میں اپنی پڑھائی لکھائی میں بہت مصروف رہا۔ وہاں میں نے شکاگو کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ چند دنوں تک رہائش اور چند دیگر ضروری باتوں کے مسائل کو حل کرنے میں مصروف رہا۔ پھر جب ذرا راحت ملی تو اس وقت مجھے ٹیگور کی یاد ستانے لگی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب ایک تعلیم یافتہ بنگالی اکیلا باہر رہتا ہے تو اس وقت رابندر ناتھ خاص طور پر ان کے گیت اور نظمیں اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شعبے میں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اس کے پاس ہی شعبہ جنوبی ایشیائی علوم تھا۔ اس کے سربراہ مشہور و معروف ایڈورڈ سی۔ ڈیموک تھے۔ اس شعبہ کے نصاب میں رابندر ناتھ ٹیگور کی تصانیف شامل ہیں (انگریزی ادب کے عام نصاب میں یہ تصانیف درج نہیں تھیں)۔ بنگالی ہونے کے ناطے مجھے اس شعبہ کے بنگالی طلباء نے اپنی جماعت میں شامل کر لیا۔ ایک تیسری وجہ بھی تھی۔ اس وقت بنگلہ دیش کی آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی تھی، اور رابندر ناتھ کے ساتھ اس کی علاقائی شناخت کی صدائے بازگشت یہاں بھی سنائی دینے لگی۔

اس یونیورسٹی میں جن لوگوں سے میری ملاقات اور دوستی ہوئی وہ سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ "جنوبی ایشیائی" ان کا خصوصی موضوع تھا اور اس طرح وہ رابندر ناتھ کے نام اور تخلیقات سے کافی واقف تھے۔ لیکن اس ملک کی اکثریت رابندر ناتھ سے ناواقف تھی۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ بہت سارے عظیم ادیبوں کی تخلیقات ہاتھوں ہاتھ فروخت نہیں ہوئیں۔ امریکہ کے ایک آدمی کو ہومر اور گوئٹے سے کیا لینا دینا؟ ان کے نام سے بھی وہ واقف نہیں ہے، اور ان کے بغیر وہ اپنی گزر بسر کرتے رہا ہے۔ جب رابندر ناتھ کو "نوبل پرائز" ملا تھا تو اس وقت مغرب کے بہت ہی مقبول عام ادیب اور شاعر بن چکے تھے۔ ۱۹۲۰-۲۱ء میں جب انہوں نے امریکہ اور یورپ کا دورہ

دیا تو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ لیکن اس صدی کی تیسری دہائی کے بعد سے مغرب کے لوگوں نے انہیں فراموش کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے ایک بنگالی ہونے کے ناطے یہ بات ہمارے لئے کتنی کڑوی کیوں نہ ہو ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔

کالی دیوار میں بھی کہیں کہیں شگاف نظر آتے ہیں اور ان سے روشنی آنے لگتی ہے۔ اسی طرح میرے لئے بھی یہ بات باعث حیرت تھی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مغرب، خاص طور سے انگریزی بولنے والے لوگوں کے ممالک ربندرا ناتھ ٹیگور سے ناآشنا نہیں ہیں۔ جون ۱۹۷۰ء میں اس بات سے پہلی بار میں واقف ہوا جب میں اپنی بیوی کے ساتھ گریہاؤنڈ بس سے شکاگو سے این ایبر، میچی گن جا رہا تھا۔ میچی گن یونیورسٹی میں موسم گرما میں بنگلہ پڑھانے کے لئے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ بس کے اندر میرے دائیں دو نشستیں تھیں اور بائیں ایک۔ اور اس پر ایک امریکی لڑکی بیٹھی ایک کتاب کے پڑھنے میں غرق تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاید کلامازو میں بس پانچ دس منٹوں کے لئے رکی۔ وہ لڑکی کتاب سیٹ پر رکھ کر کافی پینے کے لئے اتری۔ تب میں نے کتاب کا نام دیکھا۔ وہ نام تھا "ٹیگور ریڈر" اور اسے امیہ چکرورتی نے مرتب کیا تھا۔ میرے لئے یہ بہت ہی عجیب و غریب بات تھی۔ اس لڑکی کے بس میں واپس آتے ہی میں نے اس سے پوچھ ڈالا۔ "آپ کو یہ کتاب کہاں سے ملی؟ ۔۔۔ یہ کتاب کیا آپ کو پسند ہے؟" اس لڑکی نے مسکرا کر اس کتاب کو میرے حوالے کر دیا۔ میں نے اس کے اوراق الٹنے شروع کر دئے۔ اسے اس کے مرد دوست نے بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ اس کتاب کے ایک خالی صفحہ پر اس کے دوست نے یہ لکھا تھا "میں نے اس شاعر میں چند ایسی باتیں پائیں جو مجھے کسی اور جگہ نہیں ملیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مجھے جو سرور حاصل ہوا اس میں میں تمہیں بھی شریک کرنا چاہتا ہوں۔"

میرے دوسرے سوال کے جواب میں اس لڑکی نے کہا کہ "یہ بہت ہی اچھی اور دلچسپ کتاب ہے۔"

اسی طرح کے کئی مواقع مجھے فراہم ہوئے۔ ان سے یہ پتہ چلا کہ مادہ پرست مغرب میں رابندرا ناتھ کا نام مٹا نہیں ہے۔

۱۹۷۳ء میں مینسوٹا کی یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے ہم لوگوں کو مانیا پولس میں رہنا پڑا۔ یہاں ہمیں اپنے ساتھ فیکلٹی کے ممبروں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک امریکن لیکن تھے۔ یہ یہودی تھے۔ لمبے، دبلے اور چھوٹی سی

داڑھی تھی ان کی۔ یہ شعبۂ موسیقی میں پروفیسر تھے، اور جانتے ہیں کہ کس سنگیت کی تعلیم دیا کرتے تھے؟ ان کے پاس ٹیگور کے گیتوں کے "لونگ پلے" یعنی بڑے بڑے ریکارڈس تھے۔ اس وقت ممالک متحدہ امریکہ میں جتنے بھی ایسے ریکارڈس دستیاب تھے، انہیں انہوں نے خرید لیا تھا۔ وہ ٹیگور کی موسیقی پر تحقیق کر رہے تھے۔ ان کے طالب علموں میں ایک لڑکی طالبہ بھی تھی جو ایرانی تھی اور یہ ایرانی رابندرا ناتھ کی نظموں کے موضوعات پر امریکی موسیقاروں کے مرتب کردہ سمفونی یعنی گیتوں کے ساز پر بہت ہی گراں قدر تحقیقی کام کر رہی تھی۔ میرے لئے یہ بہت ہی نئی بات تھی۔

میری بیوی اس وقت نرس اسسٹنٹ کی طرح ضعیفوں کے ہوم میں کام کر رہی تھی۔ اس ہوم میں بہت ہی ضعیف لوگ، اپنے اہل و عیال سے دور رہتے تھے۔ میری بیوی سے مجھے دوسری بات کا علم ہوا۔ کافی اور لنچ کے دوران اس عمارت کی پہلی منزل میں واقع نرسنگ ہوم کے کینٹین میں وہ اکثر جایا کرتی تھی۔ یہاں ایک دن اس نے ایک میز پر ایک امریکی لڑکے کو بیٹھے دیکھا۔ یہ لڑکا نرس کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ بیس بائیس سال کا تھا لیکن وہ ٹیگور کی "گیتانجلی" کی کتاب کے پڑھنے میں مشغول تھا۔ "وہ یہ کتاب کیوں پڑھتا ہے" اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ اسے یہ بات معلوم نہ تھی کہ "گیتانجلی" کی طرح ایک کتاب اس دنیا میں موجود ہے۔ وہ اسے بار بار پڑھ رہا تھا لیکن اس کا شوق مٹتا نہیں تھا۔ شاید یہ ان نوجوان امریکنوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ویتنام کے تجربہ سے منھ پھیر لیا ہے، اور اپنے دیگر ہم عمروں کی طرح ان قدروں کا متلاشی تھا جسے امریکی طرز زندگی اور قدروں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ رابندرا ناتھ کا مطالعہ ان کی نئی قدروں کی تلاش کا گویا ایک جزو تھا۔

ایک اور بات بہت ہی اہم اور تعجب خیز بھی معلوم ہوتی۔ میرے ایک گجراتی دوست نے جو عیدی امین کے مشرقی افریقہ سے پناہ گزین ہو کر وہاں آئے تھے، ایک دن مجھے ایک کتاب دی اور کہا، "اسے پڑھئے، کچھ نہ کچھ حد تک تو آپ متعجب ضرور ہوں گے۔" میں نے کتاب کی جلد کو دیکھا۔ جلد موٹے کاغذ کی تھی۔ اسے نیک میلن، نیویارک نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا عنوان تھا "موت اور مرنے والوں پر"۔ یہ ما قبل طبی نصاب کی کتاب تھی۔ اس کی مصنفہ ایک عورت ایلیزبیتھ کبلر راس تھی۔ جو بذات خود ایک ڈاکٹر تھی۔ "ایک طبی کتاب سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے اپنے دوست سے پوچھا۔

میرے دوست نے زور دیکر کہا "پڑھ تو لیجئے میرے دوست" اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ یہ عجیب و غریب کتاب، یوں کہیئے کہ یہ بڑی ہیبتناک کتاب تھی۔ یہ ان لوگوں کی بابت تھی جو ایک نہ ایک قسم کی بیماری میں مبتلا تھے اور جن کی زندگی کے دن بس پورے ہو چکے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر مریض اس بات سے لاعلم تھے کہ وہ جلد ہی اس دار فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ ان ڈاکٹروں، جو ان کا علاج کیا کرتے، میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ مریضوں کو ان کی حالات کی بابت صاف صاف لفظوں میں کچھ بتائیں اور نہ مریضوں کے رشتہ دار مریضوں کو کچھ بتاتے۔ لیکن جلد ہی یا کچھ عرصہ کے بعد، ان مریضوں کو یہ احساس ہو جاتا کہ اب ان کی زندگی کے گنتی کے چند دن رہ گئے ہیں۔

ایک شخص کیا محسوس کرے گا اگر ایک صبح وہ اٹھے اور اسے یہ معلوم ہو کہ وہ عنقریب مرجائے گا۔ ڈاکٹر روس نے ایسے شدید مرض میں مبتلا تقریباً ڈھائی سو مریضوں سے یہی سوال کیا تھا اور ٹیپ ریکارڈرس، انٹرویوں کے ذریعہ ان کے ردعمل کو یکجا کیا۔ انہوں نے ان جوابات کو ترتیب وار سجایا اور پھر طبعی اور نفسیاتی حالتوں کے چند ادوار میں موت کی طرف جانے والے مریضوں کو مختلف حصوں میں منقسم کر دیا۔

یہ کتاب اچھی تحقیقات کی تھی لیکن یہ کتاب بڑے بڑے اور سخت ونامانوس الفاظ سے مبرا تھی، اس لئے اس کتاب کا سبھوں نے مطالعہ کیا۔ لیکن جس بات کے پڑھنے سے میری آنکھیں چکاچوند ہوگئیں وہ یہ تھی کہ اس عالم و فاضل ڈاکٹر نے زندگی اور موت پر ایک واحد شاعر کے کلام کے تیرہ اشعار پیش کئے اور وہ شاعر تھے ربندرا ناتھ ٹیگور۔ ٹیگور کی کتابوں، گیتانجلی، کریسنٹ مون (نیا چاند)، بلاکا (چڑیا) وغیرہ سے یہ اشعار لئے گئے۔ صرف ممالک متحدہ امریکہ میں اس کتاب کی لاکھوں کاپیاں فروخت ہوگئیں۔ یہ ماقبل طبی کورس کی ایک نصابی کتاب تھی۔ اس ملک کے بہت سارے کالجوں میں یہ کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ اس میں نظموں کے چند اشعار بھی درج تھے اور وہ بھی مشرق کے ایک شاعر کے۔ جسے مغربی دنیا میں سبھی فراموش کر چکے تھے۔ یہ عجیب بات ہے اور اس کی تشریح نہیں کی جا سکتی، لیکن یہ حقیقت ہے۔

مجھے ڈاکٹر کیبلر روس سے ملنے کا موقع ملا۔ وہ ایک دن مائینے سوتا میڈیکل کی یونیورسٹی میں لکچر دینے کو آئی تھیں۔ تقریر کا موضوع تھا "موت کے زیر سایہ بچوں کا ردِعمل"۔ صبح کو لکچر ہوا۔ لکچر کے ختم ہونے کے بعد ہی میں نے ڈاکٹر روس سے ملاقات کی اور ان سے بہت سارے سوالات پوچھنا شروع کر دیا۔ شاعر ربندرا ناتھ کو آپ نے کہاں سے ڈھونڈ نکالا؟ کیا آپ کے پبلشر "میک میلن" نے آپ سے یہ اشارتاً ذکر کیا تھا کہ آپ انکی نظموں سے چند اشعار منتخب کریں تاکہ اس کی وجہ سے آپ کی کتاب زیادہ سے زیادہ فروخت ہو (جیسا کہ ہم سبھوں کو معلوم ہوتا ہے "میک میلن" ہی ربندرا ناتھ کے پبلشر تھے)۔

ڈاکٹر روس نے میری باتوں کو خاموشی سے سنا اور اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ یہ بڑے لمبے عرصے کی بات ہے۔ ۱۹۲۲ء میں انہیں ایک طبی رضاکار کی حیثیت سے ہندوستان آنا تھا، اس لئے انہوں نے اس ملک کی بابت کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی وقت انہوں نے ٹیگور کے مجموعۂ کلام کا مطالعہ کیا اور بے حد متاثر ہوئیں۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ آپ بذاتِ خود دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تو زندگی بھر کی دوستی اور پیار و محبت کا معاملہ ہے۔ میں نے انکی کتاب کا پہلی بار ۱۹۲۲ء میں مطالعہ کیا اور وہ کتاب، جو میں نے لکھی، ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ان کے سوا کسی اور شاعر کا تصور بھی نہیں کر سکی کہ جس نے اتنی گہرائی اور وسعت سے موت اور زندگی کی بابت لکھا۔ دیکھئے میں ایک عیسائی ہوں اور ایک عیسائی کیلئے ایسی باتیں کہنے کے لئے ہمت چاہئے۔ ہمارے پاس ہماری مذہبی کتاب "انجیل" ہے اور اس میں موت کی بابت بہت کچھ اچھی اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔"

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور حیرت زدگی کے عالم میں واپس آیا۔

آہستہ آہستہ اب مجھ پر یہ بات عیاں ہونے لگی کہ اس ضعیف شخص نے موت سے زندگی پائی ہے۔ میں نے برازیل کے پوسٹ کارڈ پر ان کی تصویر چھپی دیکھی اور اس تصویر کے نیچے اسپینی زبان میں ان کے اشعار کے ترجمے بھی تھے۔ جی ہاں ہیمانیر جوڑے نے ربندرا ناتھ ٹیگور کے مضامین، کہانیوں، نظموں کا ترجمہ کیا اور مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ کتابیں پورے یورپ اور جنوبی امریکہ میں اسپینی زبان بولنے والوں میں کافی مقبول ہوئیں۔ روس نے بھی ان کے کلام کے ترجمے شائع کئے۔ چین نے بار بار ترجمے شائع کئے اور جاپان میں تو کئی جلدوں میں نئے ترجمے شائع کئے جا رہے ہیں ÷÷÷

> ★ ہم اپنے گاؤں اور دیہاتوں میں تعلیم، صحت اور سڑک کی بہتری کے کام خود انجام دے سکتے ہیں، اگر ہماری یہ خواہش ہو، اگر ہم سب ایک ہوں ——— (ٹیگور)

نقاد

ترجمہ: فراق گورکھپوری



ابا خود سب کتابیں لکھتے ہیں نا!
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھتے ہیں۔
اس دن پڑھ کر سنا رہے تھے تجھے،
سمجھ میں آیا تھا؟ ماں سچ سچ بول
تب ایسا لکھنے سے
بول تو کیا فائدہ؟
ماں تیرے منھ سے جیسی باتیں سنتا ہوں
ویسی باتیں وہ کیوں نہیں لکھتے؟
دادی نے کیا ابو کو کبھی
کوئی راجا کی کہانی نہیں سنائی تھی؟
وہ سب کہانیاں کیا وہ بھول گئے ہیں؟

نہانے میں دیر ہو رہی ہے اسی سے
ماں، تم بس پکار پکار کر جاتی ہو،
کھانا لئے تم بیٹھی رہتی ہو
یہ بات انہیں یاد نہیں رہتی
وہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں
لکھنے لکھانے کا کھیل
ابا گھر پر یہ کھیل کھیلتے رہتے ہیں
تم مجھے شرارتی لڑکا کہتی ہو
مجھے ڈانٹتی ہو شور و غل کرنے پر ——
"دیکھتا نہیں ابا گھر پر لکھ رہے ہیں"
بولو تو سچ بولو لکھنے سے کیا پھل ملتا ہے



تہمت

ترجمہ: فراقؔ گورکھپوری



ارے بچے تمہاری آنکھ میں پانی کیوں ہے
کس نے تمہیں کیا کہا ہے
مجھ سے صاف صاف کہو
کیا لکھتے لکھتے ہاتھوں اور منھ میں
سیاہی پوت لی ہے
گندا کہکر اسی لئے کسی نے گالی دی ہے
چھی چھی، کیا یہ مناسب ہے
ماہِ کامل سیاہی پوت لے
(تو) دیکھیں کون گندا کہتا ہے

ارے بچے سبھی تمہاری غلطی پکڑتے ہیں
میں دیکھتا ہوں ہر چیز سے
ان لوگوں کو شکایت ہے
کھیل میں کپڑا
پھاڑ پھوڑ کر آئے

کیا اسی لئے تمہیں ابھاگا لڑکا کہتے ہیں
چھی چھی یہ کون سا طریقہ ہے
پھٹے ہوئے بادلوں میں سویرا ہنستا ہے
لیکن وہ ابھاگا ہے

تمہیں کون کیا کہتا ہے اس طرف کان ہی نہ دو
تمہارے نام پر گویا ایک ہنگامہ
برابر بڑھتا ہی جاتا ہے
تم مٹھائی پسند کرتے ہو
کیا اسی لئے گھر میں اودھم مچا رہے ہو
لالچی کہکر تمہاری سب مذمت کرتے ہیں
جبھی جبھی کیا ہوگا
تمہیں جو پیار کرتے ہیں
وہ کیسے لوگ ہیں ●●



از: پروفیسر نیاز احمد خان

ٹیگور ایک شاعر ایک فلسفی

رابندرا ناتھ ٹیگور کی بے پناہ قوتِ تخلیق ان کے ڈراموں، کہانیوں، انکی مخصوص ترنم سازی، تصویر کشی، مجسمہ سازی اور دیگر فنونِ لطیفہ کے ذریعہ نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہر شعبہ میں ان کی شخصیت کی چھاپ عیاں ہے مگر ان تمام فنون میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ وہ ایک بے مثل شاعر تھے جن کی شاعری نے ان کے دور کی شعری اور ادبی دنیا میں اتھل پتھل مچادی تھی۔ ان کی حیرت انگیز تخلیقی صلاحیت اپنے اظہار کے لئے سیلاب کی مانند رواں دواں تھی اور مختلف فنون کے روپ میں عیاں ہوتی تھی۔

"گیتانجلی" ان کی مخصوص منظومات کا نمونہ ہے جس پر انہیں نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انعام نے خود نوبل پرائز کے وقار کو بلند کر دیا ہے۔ "گیتانجلی" تفکر، حقیقت اور زندگی کی باہمی اور حسین آمیزش کا نام ہے۔

"گیتانجلی" مالکِ حقیقی کے روبرو ایک عقیدت مندانہ پیش کش ہے جس میں ٹیگور نے اپنے شعری، تخلیقی اور فکری صلاحیت کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ ان کا تخیل بڑے بڑے رموزِ پنہاں کا جائزہ لیتا ہے۔ آفاقی اور ابدی حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔ روح اور مادہ کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے مگر انسانی زندگی سے رابطہ کو خیر باد نہیں کرتا۔

ٹیگور کا آرٹ ان کے تصورات کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر کے ان کی خوبیوں کا صحیح امتیاز مشکل ہے۔

زندگی مختلف عنوانات کے ساتھ رواں دواں ہے، چنانچہ ٹیگور کی شاعری کے لئے عنوانات بھی وافر ہیں۔ بلند سے بلند اور ادنیٰ سے ادنیٰ عنوانات ان کے قلم کی زد میں حسن کاری اور انوکھے پن کا روپ دھارن کر لیتے ہیں اور ان کی امتیازی تخلیقی شان اور شعری عظمت کا نمونہ بن جاتے ہیں۔

ٹیگور کی تخلیقات میں فلسفۂ زندگی سے متعلق بڑے اہم نکات ہیں اور موجودہ دور میں سائنس اور فلسفہ میں جوں جوں ترقی ہوئی ہے ان کے فکری حقائق زیادہ آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہوتے ہیں۔

ٹیگور نے ادبیات اور شاعری کے لئے نئی راہیں ہموار کیں اور اس دور کی زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے عزم اور صحیح عمل کی تلقین کی ہے اور عوام کے خیالات کی تربیت کے لئے وافر مواد مہیا کیا ہے۔

ٹیگور کی شاعری کی سحر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ موجودہ لکھنے والے انکے طرزِ تحریر اور فکری سرمایہ سے خوشہ چینی کرتے ہیں۔ ان کی فکری صیقل ٹیگور کی دین ہے۔

ٹیگور ایک عظیم نباضِ فطرت ہیں۔ ان کی دانش باطنی زندگی کے رموز سے سرگوشیاں کرتی ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود وہ اوّل تا آخر شاعر ہیں۔ ان کی شعری تخلیقات قلب کے اندرونی گوشوں سے ارتباط رکھتی ہیں۔

ٹیگور کے یہاں ایک عظیم ترین طاقت کا تصور ملتا ہے جسے ہم مالکِ حقیقی کہہ سکتے ہیں۔ اس ہستی کے ساتھ وہ روحانی یگانگت کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ ایسی یگانگت جو انسانی حسیات کو بیداری سے ہمکنار کر دے اور مالکِ حقیقی کے ہاتھوں میں مثالی آلۂ کار بن کر دنیا کو جنت نشان بنا سکے۔

ٹیگور کے یہاں زندگی کے لوازمات سے روگردانی جرم ہے۔ وہ رہبانیت کو زندگی کی نفی تصور کرتے ہیں اور زندگی کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں برتنا چاہتے ہیں۔

"تیاگ میں سکون کا متلاشی ہونا سعیِ لاحاصل ہے۔ میں مسرتوں کے نرغے میں آزادی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہوں"۔ (گیتانجلی ۷۳) ترجمہ

ٹیگور ایسی زندگی کے حامی نہیں جو جامد ہو اور تعطل سے زنگ آلود ہو کر رہ جائے۔ زندگی کو حرکی اور ترقی پذیر ہونا چاہئے۔ اور ترقی کی رفتار کو تخلیقی جدوجہد سے تیز تر کرنا چاہئے۔ ان کا خیال ہے کہ روح ایک مسلسل جدوجہد میں مصروف ہے کہ وہ مادی بندشوں کو توڑ کر تخلیقی عمل میں اتھل پتھل ڈال دے۔ وہ نظم "نرجھر سوپن بھنگ" میں فرماتے ہیں: (ترجمہ)

"میری زندگی میں کوئی ایسی چیز ہلچل مچا رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں میں دور سے سمندر کی لہروں کا شور سنتا ہوں

آہ میں ایک تاریک قید خانہ اپنے گرد محسوس کرتا ہوں
مجھے ضرب پر ضرب لگا کر اسے مسمار کر دینا چاہیئے
اور آج ایک پرندے نے کیسی دلکش مترنم لے چھیڑی ہے
اور کس قدر شوخ روشنی در انداز ہو رہی ہے "

٭٭٭٭

زندگی سے متعلق مختلف موضوعات پر ٹیگور کے خیالات عملی صداقت پر مبنی ہیں۔ وہ انسانی یگانگت پر زور دیتے ہیں اور عوام کی بدحالی پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔

" لاکھوں بے زبان انسانوں کا جم غفیر ہے۔ صدیوں کا رنج و الم ان کے چہروں پر کندہ ہے۔ وہ اپنی بدحالی کا بوجھ اپنی اولاد پر تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ وہ کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتے۔ نہ خدا کو نہ انسان کو۔ وہ چارہ گری کی کسی بھی راہ سے واقف نہیں ہیں۔ ان بے زبان انسانوں کے منہ میں مجھے آواز پیدا کرنی چاہیئے۔ ان کے مضمحل، خشک اور شکستہ قلوب میں مجھے امید کی تھرتھراہٹ بیدار کرنی ہے "

(ترجمہ: اے بار پھر او مورسے)

ٹیگور اس نوع کی نیشنلزم کے قائل ہیں جس کے ذریعہ عوام اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھیں اور ظلم، تشدد اور غاصبانہ تصرف سے نجات پا سکیں۔ لیکن نیشنلزم کے موجودہ تصور نے نئے گل کھلائے ہیں۔ اس کا مفہوم ایسی سیاسی اور اقتصادی تنظیم ہے جس سے سیاسی طور پر کمزور انسانوں کو غلامی کا طوق پہنا کر رکھا جا سکے۔

"یہ دراصل ایک قوم کا منظم خود غرضانہ عمل ہے اور انسانیت اور روحانیت سے عاری ہے "

" طاقت کا مفہوم بھول بھلیوں میں سرگرداں ہے۔ یہ ایک سائنٹفک پیداوار ہے جسے سیاسی معمل میں تیار کیا جاتا ہے اور اسے شخصی انسانیت سے دور رکھا جاتا ہے "

مگر ٹیگور کا یقین ہے کہ سیاسی طور پر کمزور انسان قائم رہیں گے اور مشینی قوت پر بے جا اعتماد اس کی تباہی کا باعث بنے گا۔ آزادی سے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ذہن اور روح کی آزادی حقیقی آزادی ہے ؎

"جہاں ذہن پر خوف مسلط نہ ہو اور فرد کا سر بلند ہو
جہاں علم آزاد ہو
جہاں تنگ مقامی دیواریں دنیا کو ٹکڑوں میں منقسم نہ کرتی ہوں
جہاں صداقت کی پہنائیوں سے الفاظ نکلتے ہوں
جہاں انتھک جدوجہد اپنے ہاتھوں کو تکمیل تک پہونچا دے
جہاں عقل سلیم کی رو مردہ عادتوں کے ریگ زار میں
نہ بھٹکتی ہو
جہاں تیری وساطت سے دماغ وسعت پذیر
عمل اور تصور کی طرف رہنمائی پائے
اے میرے پدر بزرگوار اس آزادی کی جنت میں
میرا ملک بیدار ہو جائے "

(ترجمہ گیتانجلی ص ۳۵)

جذبۂ انسانیت ٹیگور کے نزدیک بڑا اہم جذبہ ہے۔ محض سائنس پر زندگی کا مدار غلط ہے۔ اس کی چمک دمک لوگوں کی نظر کو خیرہ کرتی ہے جس طرح کیڑے مکوڑے آگ کے سامنے رقص کرتے ہیں۔ اس نوع کی زندگی سے انسان کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔

المختصر اپنے برادرانِ وطن کے لئے ٹیگور کا یہ پیغام نہایت اہم ہے:
"اے میرے بھائیو۔ تم اپنی سادگی کی بے داغ پوشاک میں ملبوس رہ کر طاقت کے نشے میں چور اور تمکنت گزیدہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے میں خفت محسوس مت کرو۔

تمہارے اخلاق کی وسعت تمہارا امتیازی تاج ہو۔ تمہاری آزادی تمہاری روح کی آزادی ہو۔"

اس طرح ٹیگور کی شخصیت نے روحانی پیغام سے اپنے برادرانِ وطن کے قلوب میں جلا بخشنے کی کوشش کی ٭٭٭

بقیہ: آئینۂ خیال

دونوں کو برباد کر دیتی ہے "

تعلیم کے سلسلے میں وہ کھلی ہوا میں فطرت کی گود میں درس و تدریس کے خواہاں تھے۔ قدیم زمانہ میں ہمارے اساتذہ اپنے خاندان کے ساتھ جنگلات میں مقیم رہا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے شاگرد بھی رہتے ہیں اور یہاں ان شاگردوں کو سچائی، امن اور روحانی آزادی کی فضا میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اسی سلسلے میں وہ یوں رقمطراز ہیں: "گرچہ وہ (اساتذہ) سماج سے باہر رہتے تھے تاہم سماج کے لئے انکی اتنی ہی اہمیت تھی جتنی کہ سیاروں کے لئے سورج کی ہے ۔۔۔ قدیم ہندوستان میں اسکول بھی وہیں ہوتا جہاں زندگی ہوتی۔ وہاں طلباء کو اسکالرشپ اور کتابوں کی فضا میں بلکہ زندہ و جاوید ماحول میں تعلیم دی جاتی۔"



از: کانک مکھرجی

ٹیگور کی میراث

ہم سب رابندرناتھ ٹیگور کے بے حد مشکور ہیں۔ صرف بنگلا ادب اور زبان ہی نہیں، موجودہ نسل کے جمالیاتی ذوق اور ثقافتی ڈھانچے بھی ٹیگور کے مرہون منت ہیں۔ ٹیگور ایک عظیم شاعر اور ادیب تھے اور عالمی تاریخ میں ایسے گنے چنے بہت ہی کم افراد ہوں گے۔ ٹیگور ایک عظیم مفکر تھے اور ان کی طرح جدید ترقی پسند عالمی نظریہ رکھنے والوں عصری مفکروں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔ نیز ٹیگور ایک محب وطن تھے، انہوں نے آزادی کے خواہاں لوگوں کے دلوں میں حب الوطنی کی جوت جلا دی۔ ٹیگور کی یہ چند خوبیاں ہمیں اس خصوصی ذمہ داری کو نبھانے پر مجبور کرتی ہے کہ تاریخ کی ترقی کے پیش نظر ہم کے ادوار میں میراث میں ملے بے بہا خزانہ کو ہمیں آگے لے جانا ہوگا۔

ٹیگور ہم لوگوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے ادب اور ہماری تصورات اور جذبات پر، ہمارے طرز زندگی پر ٹیگور کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بقول سر غلب سنگھ "فطری ماحول نے ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ان کے لئے کھول دیا تھا اور انہوں نے چنچل کے اس ماحول کو سنہرا بنا دیا۔"

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ یہ صرف تاریخ ہے اور تاریخ کا ایک خاص دور ہے جس نے دانتے، شیکسپیر، گوئٹے یا بالزاک اور دیگر ادبی ستاروں کی طرح رابندرناتھ ٹیگور کو پیدا کیا۔

۱۹ویں صدی کے آخری عرصہ اور ۲۰ویں صدی کی پہلی دہائی کے درمیان بدلتے حالات کے ادبی تصورات کے ٹیگور اہم نمائندہ ہیں۔ یہ بنگال میں نشاۃ ثانیہ کا اہم دور تھا۔ اس دور کو عظیم سیاسی مصلحین راجہ رام موہن رائے اور ودیا ساگر کی میراث ملی تھی۔ یہ دور بیرونی حکمرانوں کے خلاف کالونیائی ہندستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کا دور تھا۔ اس دور کے ترقی پسند ادب میں ہندوستان کے لوگوں اور سامراجیت کے درمیان تضاد کی، اور قرون وسطی کی جاگیردارانہ میراث اور جدید بورژوائی تصورات کے درمیان سماجی تضاد کی عکاسی کی گئی تھی۔ حب الوطنی کے جوش میں انفرادیت اور بنی نوع انسان کی آزادی کے لئے جذبات شامل ہو گئے تھے۔ مغربی نشاۃ ثانیہ نے ان دونوں کے ترقی پسند لوگوں کو متاثر کرنا شروع کیا۔ ٹیگور نے کلاسیکی ادب کی بہترین روایت کو اپنا کر اپنی ذہانت سے ادب میں ایک مقام حاصل کر لیا اور بنکم چندر اور مائیکل مدھوسدن کی ترقی پذیر میراث کو لے کر وہ آگے بڑھے۔ شیکسپیر کی طرح انہوں نے ماضی کے کلاسیکی ادب کو نئے ڈھانچے میں ڈھالا تاکہ نئے دور کی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔

ٹیگور کی حب الوطنی ہمیشہ دوسرے کا نشانہ بنی کرتی ہے۔ سامراجیت کے خلاف انکی نفرت اور وطن کے لئے انکی محبت نے ان کے حب الوطنی کی نظمیں اور گیت مقبول عام ہو گئے۔ مادر وطن کی خدمت میں پیش کردہ ان کی اس نظم کو کیا ہم بھول سکتے ہیں۔

"مجھے فخر ہے کہ میں اس ملک میں پیدا ہوا"

ٹیگور انسان دوست تھے اور بین الاقوامی بھائی چارگی کے اعلیٰ تصورات کو فروغ دینے میں پیش پیش رہے۔ ان کے فلسفہ، گیت، نظمیں، ان کی سرگرمیاں اور ان کے شانتی نکیتن — ہر جگہ یہی گیت گاتے رہے۔

"ہئے مور چیتو پور نو تیرتھ جاگو رے دھیرے
لے ری بھارتیر مہا مانو بیر ساگو تی رے"

(اے دل، اے دماغ دھیرے دھیرے جاگو، ہندستان کے انسانی سمندر کے دھارے میں)۔

ٹیگور نے عصر جدید کے نقیب ہونے کے ناطے دور وسطی کی جاگیردارانہ میراث — اوہام پرستی، مذہبی تعصب اور تمام اقسام کے پسماندہ سماجی رسومات پر اپنے طاقتور جمالیاتی ہتھیاروں کے ساتھ وار کیا۔ اسی لئے انکی نظموں، مختصر کہانیوں اور ناولوں کے بہت سارے کرداروں میں آزاد انفرادیت اور آزاد فکر کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ٹیگور کی تحریروں میں عورتوں کو کبھی نیچا نہیں دکھایا گیا۔ یہ جدید ترقی پسند ادب کی ایک مثال ہے۔

لیکن بلاشبہ ترقی پسند ادیبوں اور قدامت پسند ادیبوں کے درمیان ہمیشہ نوک جھونک ہوتی رہتی ہے جو طبقے میں بٹے سماج کی ضدوں کی عکاسی کرتی ہے۔ ٹیگور میں بھی تردید خودی تھی اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے۔ کوئی طبقہ اور آدمی سماج سے بالا نہیں رہ سکتا۔ کوئی بھی انسانی تاریخ یا ذوق کی بابت قطعی طور پر فیصلہ کن طریقے سے کچھ کہنا نہیں چاہتا لیکن اصل نقطۂ نظر تو یہ نہیں ہے۔ اصل نقطہ تو یہ ہے کہ ہمیں، ٹیگور نے ہم لوگوں کے لئے جو کچھ چھوڑا ہے اس کے زیادہ ترقی پسندانہ جزو کو لیکر آگے بڑھنا ہے۔ اس سے اعلیٰ سے اعلیٰ تر سطح تک سماجی ترقی اور ادبی ذوق کی ترقی میں کافی مدد ملے گی۔

ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ انسانی تاریخ ہمیشہ سے پھیلتی جاتی ہے اور یہ خود کو دہراتی نہیں، اور اسی طرح ادبی ذوق اور تخلیقات بھی۔ یہ ماضی کو چھوڑ کر مستقبل کی طرف آگے بڑھتی ہیں، لیکن یہ اپنے ماضی کی بہترین چیزوں کو اپنے ساتھ لیکر چلتی ہیں اور اس پر حال کی تعمیر کرتی ہیں۔ پھر انسانی تاریخ آگے مستقبل کی طرف اپنے حال کی بہترین چیزوں کو لیکر آگے بڑھتی ہے۔ مارکس اور اینگلس نے موجودہ سماج کی لکھی تاریخ کو طبقاتی جدوجہد کی تاریخ بتایا ہے، اور جمالیاتی ذوق بھی تو سماجی طور پر حاصل کردہ ایک خوبی ہے۔ طبقاتی سماج کی ضدوں کی جمالیاتی تخلیقات میں عکاسی کی جاتی ہے لیکن صحیح معنوں میں تمام جمالیاتی تخلیقات میں انقلابی عناصر ہوتے ہیں، اور یہ سماج کو بدلنے میں جمالیاتی تخلیقات کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے میں مدد کریں گے۔ سماجی مقصد کے بغیر تمام جمالیاتی تخلیق ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم ٹیگور کی تحریروں اور تصانیف میں اس سماجی مقصد کو بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں۔ اگر تصوراتی ذوق کا تجزیہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کے پس پردہ ایک سماجی مقصد کارفرما ہوتا ہے۔

سماج غیر معمولی ذہین لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور شیکسپیئر اور ٹیگور جیسے ذہین افراد نے بہت سارے لحاظ سے اپنے دور میں اپنے لئے بلند مقام حاصل کر لیا۔ اسی لئے آج بھی اتنے دنوں کے بعد جب ہم ٹیگور کی تصانیف کو دیکھتے ہیں تو سہم جاتے ہیں۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حرکت، سماج، آرٹ اور ثقافت کی زندہ طاقت ہے۔ سماج بدلتا ہے اور انسان کی ضرورتیں بھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جمالیاتی تخلیق کی شکل اور مواد بھی بدلتے رہتے ہیں۔ پرانے سے نئے روپ نمایاں ہوتے ہیں، اور یہی سماجی بہار کا تصور ہے۔ ٹیگور کی تخلیقات میں یہ حرکت اثر آفریں ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے تجربوں کے ذریعہ اپنے تصورات کو ترقی دینے میں مصروف عمل رہے۔ وہ کبھی بے حس و بے حرکت بیٹھے نہیں رہے۔ وہ حقیقت کے ذریعہ دیکھ سکتے تھے اور انہوں نے اپنے جانشین کا بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوں استقبال کیا،

"آج کے دن سے سو برس بعد، ہماری نظمیں تم کون ہو، سب پڑھیں گے"

ٹیگور عینیت پسند تھے۔ ان کا ٹھوس منطق نظر تھا اور انہیں اس پر یقین کامل تھا۔ لیکن عینیت پسندی اور حقیقت پسندی کو کبھی بھی مکمل طور پر ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی بہت سی نظمیں، گیت اور کہانیاں اور تصورات سے زیادہ حقائق پر مبنی ہیں۔ اگر وہ حقیقت پسند نہ ہوتے تو وہ اپنے تصورات کو وقت کی رفتار کے ساتھ آگے بڑھا نہیں سکتے۔ اپنے دور کی عظیم ہستی صرف عینیت پسند نہیں ہو سکتی۔ شیکسپیئر کی طرح ان کے تصورات بھی بہت اعلیٰ تھے اور وہ اکثر عام لوگوں کے درمیان آ جاتے اور ان سے اپنی دلی خواہشات کا اظہار کرتے، جیسے:

"اس بار مجھے واپس بلا لو، لے چلو مجھے سنسار کے اس پار"

آج ہمیں غیر ملکی سامراجی جنگ کے شیدائی کا خدشہ لاحق ہو گیا ہے اور مفاد پرستوں کے حکمران طبقہ کے تحت، ہم لوگوں کو ظلم کا شکار بنایا جاتا ہے۔ آج ہم روبہ زوال ثقافت سے دوچار ہیں اور روبہ زوال ادب میں بھی اس کی عکاسی کی جا رہی ہے۔ ہماری ثقافتی زندگی میں یہ بحران خاص طور پر نوجوان نسل کو گمراہی میں ڈال دے گا، اور اجارہ داروں کے مفاد پرست روبہ زوال ثقافت اور ادب کی سرپرستی کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے وہ اپنے مقصد کے لئے ٹیگور کو بھی استعمال کرتے ہیں اور امن، آزادی اور جمہوریت کے لئے عوامی جدوجہد کے اہم دھاروں سے لوگوں کو الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے ترقی اور جمہوریت کے علمبرداروں کے لئے یہ اور بھی لازمی بن چکا ہے کہ وہ ٹیگور کی ترقی پسندانہ جمہوری میراث کو آگے بڑھائیں۔

ٹیگور نے بار بار سیدھے سادے الفاظ میں آزادی پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے وہ صحیح معنوں میں انٹرنیشنلسٹ تھے اور انہوں نے تمام سامراجی جبر و تشدد کی پرزور مذمت کی اور اس کے بعد سے ان کے وقت سے جمالیاتی فن کا ایک فوارہ پھوٹ پڑا۔ ٹیگور سے قبل رام موہن، ایشور چندر، بنکم چندر، مائیکل مدھوسودن اس میدان میں آگے آگے رہے۔ نیز ٹیگور کے بعد ستیندر ناتھ، سرت چندر، نذرالاسلام، مانک بندوپادھیائے اور اس کے بعد سوکانت بھی نئے دور کے گویا رہنما تھے۔ ٹیگور نہ صرف ایک مثالی ادیب

رشتہ عرصے تھے جو سماجی اور ادبی آرٹ کی تاریخی ترقی کے مسلسل دھارے میں انہی کا اہم مقام حاصل تھا۔ ہمیں ماضی کی تمام بہترین چیزوں کو اپنانا ہے اور ایک بہتر مستقبل کے لئے انہیں لے کر آگے بڑھنا ہے۔ ٹیگور کی تعلیم بھی یہی ہے۔

ٹیگور نے خود کو اپنے طویل دور کے تجربات کے ذریعہ بام عروج تک پہنچا کر عام لوگوں میں شامل کر دیا۔ انہوں نے دوسری عالمی جنگ کے دوران تہذیب کے بحران پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے مشہور مضمون "تہذیب کا بحران" ... "ایک دن آئے گا جب ناقابل تسخیر انسان اپنے کھوئے ہوئے مقام کو واپس لانے کے لئے اپنی دشواریوں پر قابو پا کر فتح کی راہ پر آگے بڑھیں گے۔"

اور یہی ناقابل تسخیر روح ٹیگور کی عظیم میراث کو لے کر آگے بڑھیں گے

لیکن ٹیگور کی اعلیٰ نظم کی وراثت کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے؟ بی ایس بیٹ نے شیکسپیئر کی بابت یوں کہا تھا کہ شیکسپیئر کے پورے ناٹک اور ڈرامے بے مثل ہیں۔ ٹیگور کی تمام تحریروں کی بابت بھی یہی کہا جا سکتا ہے، لیکن کون ان کا جانشین ہوگا؟ ٹیگور نے بذات خود اس بات کو پیش نظر رکھا تھا اور انہیں اپنے جانشین کا انتظار تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے عام لوگوں سے یوں کہا:

"جو لوگ مٹی کے نزدیک ہیں

وہی شاعر کی تخلیق کو سننے کے لئے تیار ہیں۔"

بقیہ: ٹیگور، بنگلہ زبان کا ایک منفرد شاعر....

پہلے ہندوستانی شخص تھے۔

اس دنیا کو حسین سے حسین تر بنانا ان کی شاعری اور زندگی کا واحد مقصد تھا۔ ہم ان کی نظموں کی رنگینی، رعنائی، فصاحت اور اثر انگیزی سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے گیتوں میں جادو بھرے الفاظ کے پیچھے جذبۂ خلوص کارفرما ہے۔ الغرض ۶۵ سال کی طویل مدت تک بنگلہ ادب کو گوہر نایاب سے مالا مال کرتے رہے اور ۷ اگست ۱۹۴۱ء کو بنگلہ شعر و ادب کے آسمان کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اس مختصر جائزے سے ہم بہ آسانی قیاس کر سکتے ہیں کہ ادب عالیہ کی تشکیل صرف اسی صورت میں ہوتی ہے اور زمانے کے ساتھ آگے بڑھتی ہے جب شاعر اپنے ماضی کے ورثہ، حال کے مسائل اور مستقبل کے خواب کو اپنے تخلیقی عمل سے ہم آہنگ کر لیتا ہے اور پھر فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ اپنے منفرد انداز میں شعری پیکر میں پیش کرتا ہے اور یہی عمل ہمیں ٹیگور کی شاعری میں نظر آتا ہے ٭٭٭

بقیہ: ربندر سنگیت کا فلسفہ

جھانکتا ہے۔ اور یہ زمین، آسمان اور سمندروں کا ایک بہت ہی گہرا راز ہے!

اس کے بہت دنوں کے بعد بولپور کے ایک باؤل فقیر یہ گاتا ہوا چلا جا رہا تھا:

"وہ نامعلوم چڑیا کیسے پنجرہ کے اندر آتی ہے اور پھر باہر نکل جاتی ہے

آہ! اگر میں اسے پکڑ سکتی، تو اپنی محبت اس کے قدموں پر نچھاور کرتا"

میں نے یہ دیکھا کہ یہ باؤل بھی ایک ہی بات کو دہرا رہا ہے۔ وہ نامعلوم چڑیا کبھی کبھی خود کو اسی پنجرہ میں مقید کر لیتی ہے اور ہمیں نامعلوم حد سے آہستہ آہستہ باخبر کرتی ہے۔ یہ سنتے ہی اپنے دل کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے ہم اپنی کوشش کے باوجود دل کو اپنے پاس ہتھیار کہ سکتے، لیکن یہ شیریں نغمے ہی اس لامکاں چڑیا کی آمد و رفت کی بابت بتا سکتے ہیں۔"

ربندر سنگیت اس نامعلوم ہستی کی بابت ہمیں بہت کچھ بتاتا ہے اور ہماری روحوں کو اس عالم نہانی کی سیر کرانے کے لئے لے جاتا ہے ٭٭٭

بقیہ: ٹیگور اور جمالیات (انیس رفیع)

اس اقتباس سے ٹیگور کے فلسفۂ جمالیات کی وضاحت ہو جاتی ہے اور میں نے اوپر جو باتیں کہی ہیں اس کی تصدیق بھی۔ ٹیگور بہت بڑا منکر تھا۔ بلکہ ٹیگور کا منکر ہونے کے لئے شہرت کے بھوکے، بت شکن ہونے کا دعویٰ رکھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو اپنے اندر دس نہیں تو کم از کم دو ٹیگور پیدا کرنا چاہئے۔ انحراف سماجی اور تہذیبی ارتقاء کے لئے ضروری ہے مگر اس کے لئے ٹیگور جیسا انحرافی بھی لازمی ہے۔

اگر آخر میں یہ بات کہی جائے کہ تاریخ جمالیات کو ٹیگور نے اپنی شاعری اپنے ادب سے ایک بالکل نیا رخ دیا ہے جو اب بھی یعنی آج بھی تازہ اور توانا ہے، تو بات غلط نہیں ہوگی ٭٭٭٭



ٹیگور اور جمالیات

از: انیس رفیع

بہ اعتبارِ زمانہ جمالیات کی تعریفیں بدلتی رہی ہیں۔ مثلاً کالی داس کی جو شعری جمالیات ان کے عہد کے اعتبار سے رہی ہوگی، سور، تلسی، کبیر، غالب، داغ، اقبال اور ٹیگور کی جمالیاتی روش اس سے یقیناً منفرد اور الگ تھی۔ لہٰذا اس کی تعریف بھی شاعر اور زمانے کے تناظر میں وضع ہوتی رہی ہے۔ تخلیق کی کوئی گرامر (Grammar) نہیں ہوتی، کوئی طے شدہ ڈگر نہیں ہوتی۔ اسی طرح احساسِ جمال کا کوئی Parametre (محدودات) نہیں ہوتا۔ دراصل احساسِ جمال کا انحصار Sensitivity یا Sensuousness پر ہے۔ شاعر یا ادیب کتنا حساس ہے اور وہ کائنات کے مضمر اور ظاہر حسن یعنی حسن بہ ہر رنگ سے کس قدر متاثر ہوتا ہے۔ وہ تمام ترکیفیتوں اور جذبات کو جس طرح محسوس کرتا ہے اسے کتنی شدت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اگر شاعر واقعی حساس ہے تو اس کے بیان جمالیاتی لطافت کی کمی نہیں ہوگی۔ ٹیگور بہت حساس فنکار رہے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔ حسن ہر رنگ، ہر روپ میں انہیں متاثر کرتا ہے۔ وہ جن کیفیتوں سے جن جذبات سے دوچار ہوتے ہیں اور انہیں جس شدت سے محسوس کرتے ہیں اسی شدت کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ احساس کی اسی شدت اور جمالیاتی لطافت نے ان کی شاعری میں خوبصورت حسی تلازمے پیدا کئے ہیں۔ حسی تلازمات کا تعلق جمالیاتی احساس اور جذبے کی شدت سے ہے۔ دراصل قوتِ احساس جبلی طور پر ہر شخص کو ملی ہے۔ لیکن جذبہ اور ذوقِ جمال اس پر جلا کا کام کرتا ہے۔ ٹیگور کے یہاں ان حسی تلازمات کی شکل بڑی خوبصورت اور دلکش ہے جو بعض جگہوں پر حسی پیکر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ٹیگور کی شاعری میں رنگ اور خوشبو کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے دوسری حسوں کے تلازمے بھی استعمال کئے ہیں لیکن حسِ شامہ، حسِ باصرہ کے تلازمے کثرت سے ملتے ہیں۔ اس کا یہ بھی سبب ہو سکتا ہے کہ ٹیگور کا Aesthetic Sense یعنی شعورِ جمال بہت ہی بلند تھا اور یہ دونوں حسیں لطیف احساسات کی محرک ہیں۔ مثلاً حسِ شامہ سے متعلق یہ تلازمہ ملاحظہ کیجئے ۔

[illegible] دیکھا کو تم چل پڑی ہو بن کے آنچل کو چھو جاتی ہو

جھک جھک پڑتے ہیں پھولوں کے گچھے

سن رہا تھا میں مدھم جھنکار رس

پتلی کمر کو گھیرے ہوئے بج رہی تھیں کردھنی

سایہ دار راستوں پر چلتے ہوئے پالیا تھا میں نے تمہاری سانسوں کی خوشبو کو

پھر چھو جاتی تھیں جب تم بن کے آنچل کو

(درشنی)

Visual Sensibility کا اظہار ٹیگور عموماً رنگوں سے کرتے ہیں۔ وہ رنگ اور خوشبو دونوں لطافتوں سے اپنے شعروں میں دلکشی پیدا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ٹیگور کے Operas یا ڈانس ڈرامے جس شامہ، حس باصرہ اور صوتی حس کے امتزاج کی بہترین مثال ہیں۔ اس شعبۂ فن میں بھی وہ اپنی انتہا کو چھوتے نظر آتے ہیں اور ظاہر ہے صوتی حس بنا موسیقی سے تعلق خاطر کے جلا پذیر نہیں ہو سکتی۔ ٹیگور کا "چنڈالیکا" اس کی مثال ہے۔ بعض Operas جیسے "چترا" صوتی حس کی ایسی بلندی پیش کرتا ہے کہ مغرب کے کمپوزر مغربی سازوں کے ذریعہ اسے پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ گویا ان تینوں حسوں کے امتزاج سے جو عظیم فن پارے تخلیق ہوئے ہیں وہ ٹیگور کے شدتِ احساس اور انتہائی لطیف ذوقِ جمال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حس باصرہ کا عروج ان کی مصوری ہے جو انہوں نے بہت بعد میں شروع کیا۔ اگر وہ مصوری کی طرف نہیں بھی راغب ہوتے تب بھی ہم یہ کہتے کہ حسِ باصرہ (Visual Sensibility) یا مصوری خود ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان کے گیت اور نظموں میں منظرکشی اور Images باصرہ کے تلازمے پیش کرتے ہیں۔

دن ڈوب چلا سکھی، چل گھاٹ پر پانی بھرنے

دن ڈوب چلا، گھاٹ پر چلیں

وہی پرانی آواز آرہی ہے جیسے کوئی بلائے دور سے

کہاں وہ سایہ کہاں وہ جل

کہاں وہ گھاٹ کہاں وہ چنچل تھی
کسی بات یا کسی چیز میں جی نہیں لگ رہا تھا
میں گھر کے کونے میں اکیلی بیٹھی تھی
کسی نے کہا چھت پر چلو

کلسی اٹھا کر اس ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی پر
بائیں طرف پھیلا ہوا میدان دھوپ میں تپتا ہوا
دائیں بنسواڑی میں ہوا کی خفیف جنبش
جھیل کے سیاہی مائل پانی میں شام کی چھپتی ہوئی روشنی کا عکس
دونوں جانب گھنا سناٹا تاریکی میں ڈھلتا چلا جا رہا ہے
گمبھیر شانت پانی گویا ہم کو دھیرے دھیرے بہائے لئے جا رہا ہے
اور کوئل گاتی ہے اپنا امرت سے دھلا ہوا گیت
پلٹ ہوئے گھنے تاریک پیڑوں کے اوپر چاند جھلک رہا ہے

* * *

نظم ہو، کہ یہ سارے مناظر اور اس جیسے کتنے ہی مناظر دیکھنے والی آنکھوں سے بلند دعوے کرتے ہیں خوش نظری کے دعوے، خوش اعتباری کے دعوے، خوش ذوقی کے دعوے، عرفان و کمال اور احساس جمال کے دعوے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ٹیگور کی ہمہ رنگی افکار و اظہار متقاضی ہے اپنے قاری، اپنے سامع، اپنے ناظرین سے کہ جو کوئی کے فن سے محظوظ ہونا چاہتا ہے تو اپنے اندر شعور کے تمام مبادیات اکٹھا کر، ٹیگور کی شاعری ان کے ڈرامے، ادب پارے، موسیقی اور مصوری میں بکھرے ہوئے رموز و اسرار کی دنیا آباد ہے جس سے گزرنے کا تجربہ زندگی کے نئے تجربوں میں شامل ہے اور اس سے وہی شخص گزر سکتا ہے جسے زندگی کے کمال کا عرفان اور جمال کا احساس ہو ورنہ وہ خط امتیاز دھندلی پڑ جاتی ہے جو انسان کو وحشیوں سے الگ کر دیتی ہے۔ یہ خط امتیاز ان کی شعری تخلیقات 'مانسی'، 'سونار تری'، 'نوتی بیبا'، (خواہش ول، سنہرا ناؤ، قربانی) ان کی کہانیوں کے انتخاب "گولپو گچھا" اور ان کے ناول 'گورا'، 'گھرے باہرے'، 'چار ادھیائے'، میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور یہ وہی خط امتیاز ہے جو ٹیگور کے شانتی نکیتن اور دوسرے سماجی اور ثقافتی اداروں کے بیچ ہے۔ اگر آپ شانتی نکیتن جائیں تو دیکھیں گے کہ وہاں کے در و دیوار اور مکمل فضا (Total Atmosphere) ٹیگور کے شدید جمالیاتی حس کے مظہر ہیں اور اگر آپ حس سلیم نہ ہو تو وہاں جا کر صرف سیاحتی لطف اٹھا سکتے ہیں۔ شانتی

نکیتن نے ایک ایسی جمالیاتی تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے جس کی مثال شاید سارے ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور یہ تہذیب اتنی گہری اور پائیدار ہو چکی ہے کہ وہاں کے باشندگان، فن کار، فلم کار، دانشور یا Tourist کی معمولی سی بد ذوقی بھی گراں گزرنے لگتی ہے۔ کیا فن، کیا لباس، کیا خورد و نوش سب کے سب جمالیاتی پہلو سے معمور ہیں۔ Aesthetic Sensivity کی انتہا سے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے۔ شانتی نکیتن میں منعقد ایک کوی سمیلن میں بنگلہ کے ایک مشہور جدید شاعر مدعو تھے۔ ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ بھی لے چکے ہیں۔ انہوں نے وہاں اپنی ایک ایسی جدید نظم پیش کی جو شانتی نکیتن کی اعلیٰ ذوقی کی نفی میں تھی۔ لہٰذا رابندر تہذیب کے اس متوالوں کو اسٹیج سے کود کر بھاگنا پڑا۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انکار کی راہ اتنی آسان نہیں ہوتی۔ اور انکار اس جمالیاتی صداقت سے جو پچھلے سو برسوں میں بنگال کی ذہنی تہذیب کا حصہ بن کر نسل در نسل پھیلتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اگر اس تہذیب میں زندہ رہنے کی بھرپور قوت نہ ہوتی تو یہ کب کی ختم ہو گئی ہوتی جیسے سارے کا سارے تہذیبوں اور Cult کی طرح ٹیگور کلٹ اس طرح ارتقا پذیر نہ ہوتا اگر اس میں پھلنے پھولنے کی صلاحیت نہ ہوتی۔ پھلنے پھولنے کی واحد وجہ یہ ہے کہ ٹیگور کے فن نے خواہ وہ موسیقی ہو کہ شاعری، افسانہ نگاری ہو کہ ڈرامہ یا مصوری ہر سطح پر خاص و عام کے احساس جمال کو چھوا ہے۔ ان کے ذوق کی بھرپور تسکین کی ہے۔ اور اس کی وجہ خاص یہ ہے کہ متقدمین کے جمالیاتی تصور یا جمالیاتی محسوسات سے بالکل ہی الگ تصور جمالیات ٹیگور نے پیش کیا ہے۔ جاگیردارانہ مزاج کے خالص رومانی جمالیات کے تصور کو یکسر رد کر کے ایک عمومی اور بالکل نئی حسیت سے روشناس کرایا۔ ٹیگور نے جو آج کے تناظر میں بھی بالکل یکساں طور پر Relevent ہے۔ ٹیگور کی نئی جمالیات پرانے دنوں کی جمالیات سے یوں مختلف ہے کہ اس نے حسن کے معنی یکسر تبدیل کر دئے ہیں۔ انہیں ان پیکروں میں بھی حسن کے پرتو نظر آتے ہیں جنہیں زمانہ اب تک ناقابل اعتنا سمجھتا تھا۔ اب ہر پیکر حقیقت کا ایک عکس ہے اور حقیقت خوبصورت ہے۔ کریہہ اور بدنما منظر خوبصورت زندگی کی ہمہ جہتی اور معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ کرخت اور بے سُری آوازوں میں حسین معنے کے آثار رہتے ہیں۔ فنون لطیفہ کے سہارے ٹیگور نے ہماری شب گزیدہ زندگی کو نئے اور خوبصورت معنی پہنا دئے ہیں۔ ان کے پس منظر میں ہمارے زمانے کا وہ جمالیاتی ادراک ہے جس نے اس زمین کو اور بھی قابل رشک بنا دیا ہے۔ ان کے شعروں میں محض دل کو لبھانے والے مناظر نہیں خاک میں لتھڑے ہوئے اور خون میں نہلائے ہوئے مناظر بھی ہیں اور یہ حقیقت کا وہ اظہار ہیں جو زندگی کو

ایک طور ایک سراہ عطا کرتے رہو۔

میرے معبود! تو نے دور بدور
اس کرم ناشناس دنیا میں
بار بار ایسے لوگ بھیجے ہیں
درس مہر و وفا و عفو و کرم
دیا دنیا کو جن کی باتوں نے
جن کی تعلیم ہے کہ دور کرو
زہر کینے کا اپنے سینے سے

دہر میں یادگار ہیں وہ لوگ
ارفع و ارجمند ان کا مقام
مگر آج ایسا وقت ہے کہ انہیں
در سے لوٹا رہا ہوں کر کے سلام

میں نے دیکھا ہے وہ چھپا ہوا بغض
رات کے خوفناک سائے میں
بے سہاروں کو جس نے روندا ہے
میں نے دیکھا ہے نوجوانوں کو
پاگلوں کی طرح بھٹکتے ہوئے
اور پتھر پہ سر پٹکتے ہوئے
ہائے کس جانکنی سے مرتے ہیں

آج رندھ سے رکا ہے میرا گلا
بانسری میری کھو چکی ہے گیت
شب تاریک کے یہ محبس تنگ
تلخ اور خوفناک خواب تلے
میری دنیا کو ہیں دبائے ہوئے
یہی باعث ترستے کرنے کے سوال
دیدۂ تر میں ڈبڈبائے ہوئے

جن علاء نے تیری دنیا میں
کر دیا ہے ہوا کو زہر آلود
روشنی کو تری بجھایا ہے
کیا انہیں کر دیا ہے تو نے معاف
کیا تجھے پیار ان سے آیا ہے

{"سوال": تخلیق: رابندرا ناتھ ٹیگور
ترجمہ: اعزاز افضل}

اپنے عہد کی تلخ اور شیریں سچائی ہی جمالیات ہے۔ اور جمالیات کی صحیح تعریف بھی یہی ہے۔ اگر فنکار عہد شناس نہیں تو اس کے اندر احساس کی وہ گرمی نہیں ہوگی جو جمالیات کا بنیادی عنصر ہے۔ نظم "سوال" کے علاوہ اگر ہم ٹیگور کے ڈرامہ "رکتو کربی" (ریڈ اولینڈرز) کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کا انہماک ان کے جمالیاتی طور رستا عز ان تک محدود نہیں تھے۔ اپنے اس عہد کی تیسری دنیا کی سچائی اس ڈرامے میں رکتو کربی کی جیسی عام فہم علامت کے ذریعہ ابھاری ہے۔ یہ ڈرامہ قاری اور ناظرین کے سماجی شعور کو بیدار تو کرتا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ ان کا فنی ارتباط ذوق جمال کی تسکین بھی کرتا ہے۔ رکتو کربی کے ذریعہ ڈرامے میں دور حاضر کے سماجی، مذہبی اور تہذیبی مسائل کی شناخت ایسے فنکارانہ اور علامتی انداز میں کی گئی ہے کہ آپ کی تمام حس، سماجی، سیاسی، جمالیاتی اگر مردہ بھی ہو چکی ہیں تو جاگ پڑیں گی۔ "سکتا دھارا" "رکتا کربی" اور اسی طرح ان کا ڈرامہ "ڈاک گھر" بھی ہے جو ہمارے حواس کو جھنجھوڑ کر ایک عجیب جمالیاتی کیفیت میں منتقل کر دیتا ہے۔ ایک سانحے یا ٹریجڈی (Tragedy) کے ذریعہ احساس جمال کے تاروں کو جھنجھنا دینا ٹیگور جیسے تابناک تخیل اور حیرت ناک تخلیقی قوت رکھنے والے شہ فن کا ہی حصہ ہو سکتا ہے۔ "زندگی کو مکمل اور ناقابل تقسیم اکائی ماننے ہی میں رابندرا ناتھ کی قوت کا راز چھپا ہوا ہے۔ آدرشوں اور تہذیبوں کے تصادم یا تفرقہ پردازی نے ان کی قوت کے کبھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے۔ اس لئے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ کلا (فن) اور جیون (زندگی) کو انہوں نے الگ الگ چیزیں نہیں مانا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں فلسفۂ جمالیات کے ایک نئے اصول نے یورپ پر غلبہ کر لیا تھا۔ بہتر لوگ ایسے تھے جن کے نزدیک صرف فن کی خاطر فن کو اپنانا چاہیے یہ کوئی ضروری نہیں کہ زندگی سے بھی فن کا تعلق ہو۔ ہوائی محل یا ہاتھی دانت کے مناروں (Ivory Towers) کی فنی کوششوں کے نشان اور نمونہ بن گئے تھے۔ اس اصول کے پجاری کہنے لگے تھے کہ سنسار اور فنکار حقیقتاً خواب یا سپنے دیکھنا ہی ہے۔ رابندرا ناتھ نے اس عقیدہ کو کبھی قبول نہیں کیا کہ فن حقائق زندگی سے بے نیاز ہے۔ انہوں نے حسن کی تلاش ضرور کی ہے لیکن زندگی کے مظاہرے ہی کی شکل میں ساتھ ہی ان کو اس امر کا بھی یقین تھا کہ زندگی میں مدھرتا یا شیرینی اس وقت تک نہیں آتی جب تک کہ وہ حسن سے مزین نہ ہو جائے۔" ہمایوں کبیر۔

(باقی صـ ۲۲ پر)



از : پروفیسر سوون سوم

جوڑاسانکو کے ٹیگور

شمالی کلکتہ کی معمولی سی چیت پور روڈ پر جوڑاسانکو سے کچھ ہٹ کر ایک گلی یک لخت ایک سبزہ زار میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس سبز ٹکڑۂ زمین سے آگے سرخ اینٹوں سے بنی ایک بہت بڑی عمارت کھڑی ہے جو ایک شخص نیل منی ٹیگور نے ۱۷۸۴ء میں تعمیر کرائی تھی۔ ٹیگور کنبے نے اس مکان میں دوارکاناتھ (۱۷۹۴ سے ۱۸۴۶) سے لیکر متواتر پانچ پشتوں میں عظیم شخصیتوں کو جنم دیا جن کے خیالات اور قیادت نے جدید ہندوستان کی تصویر کو چار چاند لگانے میں مدد دی۔ یہ سب لوگ سماجی اصلاحات، انسان دوستی، تحریک آزادی، قومی یکجہتی، تعلیم، ادب، فن، ثقافت اور قومی جدوجہد میں ہندوستان کی نئی زندگی کے حامی اور مبلغ تھے۔

دوارکاناتھ (۱۷۹۴ء - ۱۸۴۶) جو ٹیگور گھرانے کی عظیم شخصیتوں میں سے پہلے شخص تھے، فارسی، عربی اور انگریزی کے عالم تھے۔ انہوں نے سیکولر تعلیم کے موقف کا علم بلند کیا تھا۔ انہوں نے کلکتہ میڈیکل کالج کے قیام کے لئے کام کیا۔ ہندوستان سے جو پہلے دو اشخاص اعلیٰ طبی تعلیم کے لئے انگلستان بھیجے گئے ان کا خرچ دوارکاناتھ نے ادا کیا۔ راجہ رام موہن رائے کے ایک قریبی ساتھی ہونے کے ناطے انہوں نے سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد کی جس کے نتیجے میں 'ستی' کی رسم ختم ہوئی۔ پریس ایکٹ ۱۸۳۸ء کے خاتمے کو مالیات کے بورڈ کے سکریٹری نے دوارکاناتھ کی ذاتی فتح قرار دیا۔ دوارکاناتھ پہلے شخص تھے جنہوں نے ایک کاروباری بنک، اندرون ملک جہاز رانی کا نظام اور چینی تیار کرنے کا ایک کارخانہ شروع کیا۔ انکی بنگال کوئلہ کمپنی نے ہندوستان میں کوئلے کی صنعت کا آغاز کیا۔ دوارکاناتھ نے ترقی پسندانہ سماجی کوششوں میں ہمیشہ دوسروں کی مدد کی۔

مہارشی

دوارکاناتھ کے سب سے بڑے لڑکے مہارشی دیبندرناتھ غیر معمولی اخلاقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ راجہ رام موہن رائے کے بعد برہمو سماج کے روحانی رہنما کی حیثیت سے انہوں نے سماج کی توحید پرستی کے عقیدے کی ویدوں اور اپنشدوں کے اصولوں کی بنا پر تشریح کی۔ ان کی قیادت میں سماج کا اخبار "تتوبودھنی پتریکا" معقول نظریات کی بنا پر سماجی اصلاحات کا نقیب بن گیا۔ انہوں نے نوجوانوں میں جو مغربی ثقافت سے بھٹکے رہ گئے تھے ایک نیا اعتماد پیدا کیا۔ انہوں نے اپنشدوں کے خدا کی موجودگی کے فلسفے کا پرچار کیا اور ہندوستانی ثقافت کی روایتی قدروں کو پھر سے رفعہ کیا۔ ان کے مسلمان دوست انہیں پیار سے "حفیظ حفیظ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ وہ شانتی نکیتن آشرم (دارالامن) کے بانی تھے جو بعد میں رابندرناتھ کی زیر ہدایت تعلیم، فن اور ثقافت کا مشہور مرکز بن گیا۔

ان کا سب سے بڑا لڑکا دویندرناتھ (۱۸۴۰ سے ۱۹۲۶ء) فقیرانہ میلان طبع رکھتا تھا۔ گاندھی جی انہیں احترام کے طور پر 'بڑو دادا' یعنی بڑا بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ ایک شاعر اور ایک فلاسفر تھے اور انہوں نے بنگالی زبان کے لئے شارٹ ہینڈ کا ایک نظام ترتیب دیا تھا۔ انہوں نے اپنے گھریلو رسالے "سادھنا" کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں اس گھرانے نے بھارتی اور بالک ناموں سے دو اور رسالے شروع کئے۔ دویندرناتھ کے بچوں اور پوتوں نے ان رسالوں کے ذریعہ ادب میں اپنی فضیلتوں کا مظاہرہ کیا۔

پہلا آئی سی ایس افسر

دیبندرناتھ کا دوسرا لڑکا ستیندرناتھ (۱۸۴۲ سے ۱۹۲۳) پہلا ہندوستانی تھا جس نے انڈین سول سروس کا امتحان کامیابی سے پاس کیا۔ انہوں نے دویندرناتھ کے بھتیجے گینندرناتھ (۱۸۴۱ سے ۱۸۶۹) کے ساتھ نوگوپال مترا کے اشتراک عمل سے ۱۸۶۷ء میں پہلا قومی میلہ شروع کیا جہاں قوم پرستی کے خیالات اور قومی صنعت کے فروغ کے لئے قائم ہوتا ہے۔ یہ میلہ ۱۴ سال تک ہوتا رہا اور انڈین نیشنل کانگریس کا پیش خیمہ تھا۔ ستیندرناتھ نے ۱۸۹۶ء میں پہلے

کا افتتاح کرنے کے لئے ایک قومی گیت لکھا جسے بہت شہرت ملی ۔

ستیندر ناتھ ہندستانی عورتوں کی سماجی جکڑ بندیوں سے نجات کے حامی تھے ۔ انہوں نے اپنی بیوی جینادا نندنی کو پردہ ترک کر کے اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلستان جانے اور سماجی تقریبوں میں شریک ہونے کی ترغیب دی جس سے اس وقت کے سماج میں بہت ہلچل پیدا ہوئی ۔ جینادا نندنی بچوں کے ادب کے شعبے میں رہنمائی کرنے والوں میں سے ایک تھیں ۔

دیبندر ناتھ کے پانچویں لڑکے جیوتی رندرا ناتھ (۱۸۴۹ سے ۱۹۲۵) ایک موسیقار تھے ۔ انہوں نے ہندستانی راگوں کا مغربی موسیقی سے امتزاج کیا اور اپنا ایک منفرد اسلوب وضع کیا ۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی رابندر ناتھ کے کچھ گیتوں کے لئے دھنیں بنائیں ۔ جیوتی اندرا ناتھ سنسکرت اور فرانسیسی زبان کے جید عالم تھے ۔ انہوں نے ۱۷ سنسکرت ڈراموں کا بنگالی میں ترجمہ کیا ، بنگالی میں ڈرامے لکھے اور کئی فرانسیسی زبان کے ڈراموں پر مبنی ڈرامے تیار کئے ۔ جیوتی رندرا ناتھ اپنی ستاندار کردار نگاری کے لئے مشہور ہیں ۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے نئی قومی صنعتیں شروع کیں جن میں جہاز سازی کی صنعت بھی شامل ہے ۔

ربندرا ناتھ

دیبندر ناتھ کے آٹھویں لڑکے ربندرا ناتھ (۱۸۶۱ سے ۱۹۴۱) کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ ان کے تخلیقی جوش نے انسانی تمناؤں اور بیداری کے کم و بیش ہر شعبے کو متمول کیا ۔ ان کا ادب ، موسیقی اور مصوری کے لئے قدرتی رجحان تھا اور اپنے دور سے کہیں پرے جھانک سکتے تھے ۔ انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے ایک اجلاس کے لئے "بندے ماترم" گیت لکھا اور اس کی موسیقی ترتیب دی ۔ رابندر ناتھ ترتیب دی ہوئی دھنوں کو ان کی وفات کے بہت بعد دو ملکوں نے اپنے قومی ترانوں کے طور پر اختیار کیا ہے ۔ ۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم کے جوابی قدم کے طور پر رابندر ناتھ نے برطانوی مال کا بائیکاٹ کرایا اور قومی تعلیمی کونسل قائم کی ۔ اس دور میں انہوں نے وطن پرستی کے جو گیت مرتب کئے ان سے قومی جذبات کا اظہار ہوتا ہے ۔ انہوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی اتحاد کے اعتقاد کو پختہ کرنے کے لئے راکھی باندھنے کا سلسلہ شروع کیا ۔

انہوں نے شانتی نکیتن میں جو اسکول قائم کیا تحصیل علم کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا جہاں دنیا کے مختلف حصوں سے عالم تحصیل علم اور تدریس کے لئے آتے ہیں ۔ اسی مقام سے ایک نئی قسم کا ہندوستانی فن ملک بھر میں پھیلا شانتی نکیتن کے طالب علموں نے مختلف شعبوں میں اپنی قابلیت سے نئی سماجی زندگی لانے میں مدد دی ۔ ۱۹۱۸ء میں اس اسکول کا مرتبہ بلند کر کے قومی یونیورسٹی کا کر دیا گیا اس یونیورسٹی نے نوآبادیاتی تعلیمی نظام کے مقابلے میں انسانی رسائی کے فروغ کیلئے تحصیل علم کا ایک نیا نظام مہیا کیا ۔

نوبل انعام جیتنے والے

دریں اثنا ان کی نظموں کے مجموعے "گیتانجلی" پر انہیں ادب کے لئے نوبل پرائز ملا جو ایشیا میں پہلی بار کسی ادیب کو دیا گیا تھا ۔ انہیں دنیا کی طرف سے جدید ہندستانی ادب کی نمائندہ شناسی قرار دیا گیا ۔

رابندرا ناتھ ٹیگور کو جب جلیانوالہ باغ کے المناک واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے "سر" کا خطاب جو انہیں چار برس پہلے ملا تھا ترک کر دیا ۔ وائسرائے کے نام ایک سخت مراسلے میں انہوں نے لکھا ۔ اقدامات کی سنگینی سے ہمیں اپنی بے بسی اور لاچاری کا احساس ہوا ہے اور اعزازات کے یہ تمغے ذلت کے اس متضاد پس منظر میں ہمارے شرم کے احساس کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں ۔

شری نکیتن

رابندرا ناتھ کا تعمیری جذبہ شری نکیتن (خوشحالی کے مسکن) کی شکل میں دیہات کی ترقی میں ظاہر ہوا ۔ یہ پروگرام جو ۱۹۲۱ میں شروع ہوا اجتماعی ترقی کے پروگرام کا پیش خیمہ تھا ۔ انہوں نے بڑے پیمانے پر دنیا کا دورہ کیا سرکردہ لوگوں سے ملاقات کی اور لیکچر دیئے ۔ ثقافتی سفیر کی حیثیت سے اس مقصد میں انہیں لوک مانیہ تلک سے مثبت حوصلہ افزائی ملی جو سمجھتے تھے کہ رابندرا ناتھ ٹیگور دنیا کو ہندستان کا پیغام دے کر اپنے ملک کی بہت بڑی خدمت کریں گے ۔ کیونکہ بار بار کے ان دوروں سے فاصلے کم کرنے اور ایک اجنبی کو بھائی بنانے میں مدد ملتی ہے ۔ ان کی رومین رولاں برٹرینڈ رسل "البرٹ آئنسٹائن" سلوین لیوی اور دوسری عالمی شہرت کی شخصیتوں کی دوستی سے ہندستان کے لوگوں کی خواہشات اور تمناؤں کو بھاری فائدہ پہنچا انہوں نے کم و بیش یورپ کے تمام ممالک ، روس ، چین ، جاپان اور مشرق بعید کے دوسرے ممالک امریکہ ، لاطینی امریکہ کے بعض ممالک ایران اور کچھ عرب ممالک کا دورہ کیا ۔ روس میں وہ سرکاری مہمان بن کر گئے ۔

انہوں نے تعلیم کے اعلیٰ مدارج پر مرد اور عورت دونوں کے لئے رقص اور موسیقی کے مضامین رائج کئے اور عملی مظاہرے بھی کئے ۔ کلاسیکی موسیقی

ور رقص کا احیاء اور سماج میں اس کی قدر شناسی بہت حد تک پہلے ابنندرناتھ ٹیگور نے ہی شروع کی۔ انہوں نے قدرت سے انسانی رشتوں کی بنا پر سیکولر تہوار بھی شروع کیے۔ وہ کسی دیوتا کی تعریف نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے زندگی کی بنیادی قدروں کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے درخت لگانے کا جو کام شروع کیا بعد میں چل کر ون مہا تسو کی شکل میں ظاہر ہوا۔ "ہل اکرشن" یا ہل کو کھینچنے کا تہوار بیج جوتنے کے موسم کا نقیب تھا۔ اسی طرح وسنت اتسو اور ورشا منگل انسانی زندگی پر قدرت کی فیاضی کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہیں۔

انسان دوست رابندرناتھ ٹیگور نے ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم کو انسانی تہذیب کے ایک بحران کی شکل میں دیکھا اور اسے انسانی قدروں کا انحطاط قرار دیا۔ پھر بھی اس رجائیت پرست نے کہا "میں انسان میں اعتماد کھو دینے کا سنگین گناہ نہیں کروں گا۔"

سودن کماری

رابندرناتھ کی ہمشیرہ سورن کماری (۱۸۵۶ء سے ۱۹۳۲ء) نے بڑی کامیابی سے اخبار بھارتی کی ادارت کی اور وہ پہلی خواتین میں سے تھیں جنہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے لئے کام کیا۔ ان کی لڑکی سرلا (۱۸۷۲ء سے ۱۹۴۵ء) ایک بڑی مجاہدۂ آزادی اور انگریزی و سنسکرت کی عالم تھیں۔ انہوں نے نوجوانوں کو ملک کی آزادی کی لڑائی لڑنے پر آمادہ کرنے کے لئے ملک کا بڑے پیمانے پر دورہ کیا۔ انہوں نے حب الوطنی کے کئی ایک گیت لکھے اور قدیم جنگی فن اور جسمانی تعلیم کو پھر سے زندہ کرنے کیلئے ویراشٹمی کا تہوار شروع کیا۔

دوارکا ناتھ کے بڑے پوتوں نے بھی ان کے لڑکے گریندرو کے ذریعہ ہندوستانی ثقافت میں بیش قیمت اضافہ کیا۔ گگنیندرناتھ (۶۷ء سے ۳۸ء) ایک مصور، ناظم، سماجی کارکن اور ممتاز اداکار تھا۔ انہوں نے جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے خلاف ایک کارٹون بنا کر احتجاج کیا تھا جس کا عنوان تھا "پنجاب میں امن بحال کر دیا گیا" وہ پہلے جدید ہندوستانی مصور تھے جنہوں نے مذہب کی برائیوں اور قباحتوں، سماجی رسوم، نوآبادیاتی استحصال اور تعلیم کے خلاف اپنے برش کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ ہم بنگال سلک اور ہندوستان کی گھریلو صنعت کی گھریلو صنعت کے مال کی فروخت کو پھر سے زندگی دینے کے لئے ان کے ممنون ہیں۔ وہ اور ان کے بھائی ابنیندرناتھ (۱۸۷۱ء سے ۱۹۵۱ء) مشرقی فنون کے ہندوستانی ادارے کے اساسی رکن تھے۔ اس انجمن نے مصری فنون کی تبلیغ

ہندوستانی عوام کے رویے کو روپ ریکھا عطا کی۔

ابنیندرناتھ

ابنیندرناتھ نے جو ہندوستانی فنون کے عالم تھے فن کی دنیا میں اپنی روح واپس لانے میں ہندوستان کی مدد کی۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب بھی تھے اور انہوں نے شستہ نثر نگاری کا ایک نیا اسلوب شروع کیا۔ وہ مختلف اقسام کی ادبی نگارشوں کو مختلف ذخیرہ ہائے الفاظ اور اصطلاحات کے ساتھ استعمال کر سکتے تھے۔ انہوں نے ہندوستانی روشن دماغ طبقے کو پھر سے ہندوستانی فنون کی جانب راغب کرنے کا کام ہاتھ میں لیا اور مصوری کے ہنگامی اسکول کی بنیاد رکھی۔ ان کے ہونہار شاگردوں میں نندلال بوس، اکشی تیندرناتھ مجمدار، ایس کمار ہلدار، کے وینکٹپا وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی بہن سنیانی ہندوستان کے صف اول کے مصوروں میں شمار کی جاتی ہیں جنہوں نے لوک محاورے کو جدید محسوسات کے ساتھ سمویا۔ ستیندرناتھ کی لڑکی اندرا (۱۸۷۳ء سے ۱۹۶۰ء) کو موسیقی اور ادب میں مہارت حاصل تھی۔

کنبے کے دیگر افراد میں سے دنیندرناتھ (۱۸۸۲ء سے ۱۹۲۶ء) ایک گائیک اور موسیقار تھے۔ دویندرناتھ کے پوتے بالیندرناتھ (۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۹ء) اور شاہیدرناتھ (۱۸۶۹ء سے ۱۹۲۹ء) ممتاز ادیب تھے۔ سریندرناتھ (۱۸۷۲ء سے ۱۹۴۰ء) نے مہابھارت کا بنگالی متن تیار کیا۔ انہوں نے بیمے کے کاروبار میں بھی پیشرو کی حیثیت سے کام کیا۔ رابندرناتھ کے لڑکے راتھیندرناتھ (۱۸۸۱ء سے ۱۹۶۱ء) نے امریکہ میں زراعت کی وسیع تربیت حاصل کی اور والد کے دیہی تعمیر نو کے پروگرام کے لئے خاموشی سے کام کیا۔ راتھیندرناتھ اور ان کی بیوی پرتما (۱۸۹۵ء سے ۱۹۶۹ء) دونوں ہی ممتاز مصور اور گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔

دویندرناتھ کے پوتے اور ہیمندرناتھ کے لڑکے شبھ گگنیندرناتھ ٹیگور (۱۹۱۲ء سے ۱۹۸۵ء) تھے جو سوبھو کے نام سے مشہور تھے۔ سوبھو نے شاعری اور مصوری میں ایک نئی طرح ڈالی۔ سوبھو جدید مصوروں کے پہلے گروپ "کلکتہ گروپ" کی داغ بیل ڈالنے کیلئے جانے جاتے ہیں ـــــــ گرودیو کوئی تاریخی اتفاق یا عجوبہ نہیں تھے۔ یہ جاننے کیلئے کہ انہوں نے کیا کیا اور کیسے کیا ہمیں جوڑاسانکو گھرانے کی روایتی عظمت کا علم ہونا چاہیئے۔ جہاں ان لوگوں سے کوسوں دور رہتا اور بڑھاپن انہیں قدرتی وراثت کے طور پر [illegible]

پچیسویں بیساکھ کے نام

تخلیق : سوکانت بھٹاچاریہ ٭ ترجمہ : مصطفیٰ اکبر



ہماری پرارتھنا سن لو پچیسواں بیساکھ !
اور ایک بار جنم دو ربندرا ناتھ (ٹیگور) کو
مایوسی ہے کہ زبان گنگ، اب حرف و صوت بھی بند
زبان چاہیئے ہمکو کہ بے زبان ہیں ہم
کہ بھیجنا ہے سارے عالم کو ـــــ آشتی اور دوستی کا پیام
ربندرا ناتھ کے سازِ گلو میں سنا جائے گا ـــــ ہمارا کلمہ کلام
ٹوٹ جائے گا سکوت، لمبے عرصے کی خوشی کا جال
درد و راحت کے زیرِ سایہ پھر کتنی رچناؤں کی تخلیق ہوگی
ظلم کے ردِ عمل میں پھر ساری باتیں ہوں گی
چشمِ بینا سے دیکھتا ہوں میں آنے والے ربندرا ٹھاکر کو :
آف لٹیروں کے وہ جھنگھاڑنے کا شور و صدا (عہدِ رفتہ میں)
صبر کا جام چھلک جاتا ہے جور پیہم کی بالادستی سے
محلہ رفتہ کی تباہی سے جو چیخ اٹھتے تھے
موت کے رقص سے رنجور ہو کر حرص کے دستِ بے حیا کیخلاف
جس نے آوازیں بلند کی تھیں
جس نے برباد زمین پر بیٹھے روشن آئندہ کی امیدیں کیں
ان کا (پونر) جنم ضرور ہوگا، اس کو واپس ضرور پائیں ہم
" دماغ بجتا ہے کہ دن بدلنے والا ہے
یہ طوفانی دن (دوبارہ) "

سارے شہار کے پیچھے سنکت، آتش فشانیہ دن، جیسے دم سادھے ہوئے

آسمان حیرتی آنکھوں سے تکا جاتا ہے، ـــ نہ ہوا کی مرمر
سارے عالم میں فقط ایک سوال! سپنے دھندلا گئے، بکھر گئے،
امیدیں ہراساں و خموش
ہائے ملتا ہی نہیں کوئی جواب، مسئلے ایسے کہ رگ رگ میں شر انگیزی
اور تاریخ نے کروٹ بدلی ـــ شہر برلن کہ ہوا خاک نشیں
شانتی، مغربی محاذ پر
دہر کا عرصۂ حیات بڑھا
چاروں جانب ہی فتح کا نعرہ، کانپتے دن کی سرخ رو کرنیں
رام و راون کی یدھ میں، بھارت روپی جٹایو گھائل
کتنے ذی روح موت کے منھ میں ـــ یدھ سے گھائل! قحط کی زد سے نڈھال
افقِ مشرق پہ نور کا پرتو جاگا، بزمِ انسانیت کے لئے
ربندرا ناتھ کے پیغام کی تشہیر ہو پھر، ان کے دعوے کا ہو اعلانِ عام
ایسے یوں ہو کہ نئے روپ میں دکھائی دیں روبی ٹھاکر
آنکھوں میں خوابِ انقلاب کا نور، در گلو نغمۂ جمہور کا سُر
جھنڈا کے دوش بدوش ہاتھ میں پرچمِ روشن کو لئے
بارِ ذلت کو اتارے، ماتھے سے خاکِ ندامت پونچھے
ہر قدم ضربِ مسلسل کے ساتھ، آگے بڑھیں

گرچہ وہ آنے والے ہیں لیکن سن رہا ہوں ابھی سے انکی پکار
پھر جنم دو انہیں ہمارے بیچ ـــــ پچیسواں بیساکھ !!!
ـــــ (از: سوکانت بھٹاچاریہ)



از: ہریندرا ناتھ دت

شانتی نکیتن ــــــ مرکزِ سیاحت یا مرکزِ ثقافت

شانتی نکیتن بڑی تیزی سے سیاحوں کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ ریاستی حکومت کی نظامت سیاحت اس کو اسی طرح پر چار کر رہی ہے اور اس طرح یہاں سال بھر سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اس بات سے کسی کو شکایت ہونی نہیں چاہئے۔ برخلاف اس کے شانتی نکیتن کے باشندہ کی حیثیت سے میں یہ سوچ کر فخر محسوس کرتا ہوں کہ شانتی نکیتن اب ہندوستان کی سیاحت کی تجارت میں کچھ حصہ لے رہا ہے۔ بلاشبہ شانتی نکیتن نے ہمیشہ سیاحوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ قبل کے دنوں میں کلکتہ سے کچھ لوگ یہاں کی سالانہ تقریبات اور موسمی تہواروں میں حصہ لینے کے لئے یہاں آیا کرتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر افراد ٹیگور کے مداحین ہوتے اور شانتی نکیتن میں ٹیگور کے اسکول میں اس کے تعلیمی تجربات کی پُرزور تائید کیا کرتے۔ ایک دو افراد محض تجسس کی وجہ سے یہاں آجاتے۔ یہاں آنے میں وہ سب فخر محسوس کرتے کیوں کہ ٹیگور سے وابستگی ثقافت کی مہر تصدیق ہوتی ہے۔ ایسے ایک قسم کے حج کی حیثیت حاصل تھی اور آج بھی یہ ایسا ہی ہے۔

اب شانتی نکیتن ایک تفریح گاہ بن چکا ہے۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ یہاں سیاح آخر کیا دیکھنا چاہتے ہیں۔ شانتی نکیتن تو بنارس، ہردوار اور دیگر مقدس مقامات کی طرح تیرتھ یاترا کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ایک مندر ہے، یا یوں کہئے ایک عبادت گاہ ہے لیکن یہاں کوئی مورتی نہیں ہے کہ جس کی پوجا کی جائے۔ یہاں نہ کوئی پجاری ہے اور نہ کوئی پنڈا ہے جو بھگتوں اور سیاحوں کے لئے دشواریاں پیدا کر سکے۔ یہاں نہ نزدیک میں کوئی ندی ہے جہاں بھگت "پوتر اسنان" کر سکیں۔ چند علاقے تیرتھ استھان میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مشہور رشی منی ان علاقوں سے وابستہ ہوتے ہیں، جیسے شری چیتنیا کا نوادیپ اور شری رام کرشنا کا دکشنیشور۔ رابندر ناتھ تو مذہبی رہنما نہیں تھے اور نہ تو انہوں نے کبھی بھی خود کو ایک سنیاسی کہا۔ اس کے باوجود لوگ شانتی نکیتن جاتے ہیں کیونکہ یہ رابندر ناتھ سے وابستہ تھا۔

اس طرح شانتی نکیتن پہلے کی طرح آج بھی ایک تفریح گاہ ہے جہاں لوگ اپنے شوق کو یا اپنی ثقافتی انا کو پورا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ تو بڑی بات نہیں اگر وہ ثقافت کے لئے اتنی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ایک عام شخص پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ جب یہاں پوس میلہ یا دیگر موسمی تقریبات کے موقع پر کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں تو وہ سب یہ معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ ان تہواروں کے معنی کیا ہیں اور یہ کیوں منائے جاتے ہیں؟ اس طرح وہ سب ان تہواروں کے پس پردہ جو جذبات کارفرما ہوتے ہیں، ان سے واقف نہیں ہوتے، اس لئے وہ صرف رنگ رلیوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے "پوس میلہ" اب ایک جشن، جو ہم شہروں میں دیکھتے ہیں، میں تبدیل ہو چکا ہے۔ میں اس کے لئے یہاں آنے والے لوگوں کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔ اس کے لئے مقامی حکام اور شانتی نکیتن کے باشندے یعنی ہم لوگ مساوی طور پر ذمہ دار ہیں۔ ہم لوگوں نے ان عظیم اور مقدس تہواروں کو جشن اور رنگ رلیاں منانے کے تہواروں میں تبدیل کر دیا ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج بھی شانتی نکیتن کے حقیقی عاشق موجود ہیں۔ ٹیگور کی طرح انہیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ شانتی نکیتن بھی ٹیگور کی فنکارانہ تخلیق ہے جتنی کہ ان کی نظمیں اور ڈرامے۔ درحقیقت، انہوں نے اپنی زندگی کے پورے فلسفہ کو اسی زندگی میں جو انہوں نے شانتی نکیتن کے طلبا، اساتذہ اور مساکین کے لئے تعمیر کی ہے، سمو دی ہے۔ بدقسمتی سے بہت ہی کم لوگ شانتی نکیتن کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ حلقوں میں بھی الجھنیں اور تفرقات اب بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے چند لوگوں کے شانتی نکیتن کی بابت عجیب و غریب خیالات ہیں۔ کئی سال قبل ایک بڑے صنعت کار نے ایک کیلنڈر شائع کیا جس میں ہندوستان کا ایک بڑا نقشہ تھا۔ اس میں ہندوستان کے مشہور مقامات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی حاصل ہوئی کہ ان بڑے شہروں اور بڑے تاریخی مقامات میں شانتی نکیتن کا نام بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے

تعجب بھی ہوا کہ اس نقشہ کے نیچے جو نوٹ لکھا تھا، اس میں شانتی نکیتن کو لڑکیوں کے لئے اسکول لکھا گیا۔

رابندر ناتھ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ انہیں اپنے تعلیمی تجربات میں تعلیم یافتہ بنگالیوں کے طاقتور طبقہ کی مستحکم تائید حاصل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ عام طور پر بنگالی عوام شانتی نکیتن کی چند خصوصیات سے نہ صرف اختلاف کرتے ہیں بلکہ وہ انہیں برا بھلا بھی کہتے ہیں۔ بہت سارے لوگ سخت ناراض ہو گئے جب انہوں نے اس صدی کے اوائل میں اپنے اسکول میں طلبہ اور طالبات کو ایک ساتھ تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت ملک میں کسی بھی تعلیم کا یہ نظام رائج نہ تھا۔ پھر بعد میں جب انہوں نے اپنے تعلیمی پروگرام میں "ناچ" کو رائج کیا، اور عام اسٹیجوں میں لڑکیوں نے رقص کا پروگرام پیش کرنا شروع کیا تو ان کے ساتھیوں نے بھی، جو ان کے ترقی پسند نظریے کی تعریف کیا کرتے تھے، اس کی وجہ سے ان سے ناراض ہو گئے۔ اس طرح رابندر ناتھ کو وقت سے پہلے جانے کی قیمت چکانی پڑی۔

ہم لوگ اکثر لوگوں کو شانتی نکیتن کی ثقافت کا ذکر کرتے ہوئے سنتے ہیں۔ وہ اس کا ذکر کیا کرتے ہیں کہ گویا یہ ثقافت پالش جیسی ہے اور یہاں چند مہینوں کے قیام کے بعد لوگ ثقافت کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ لیکن ثقافت تو پالش یا چمک دمک کا نام نہیں ہے، چمک دمک تو چند دنوں کے بعد ختم ہو جاتی ہے، ثقافت تو لوگوں کو زندگی سے پیوست ہو جاتی ہے، یہ تو ایک شخص کی زندگی کے لباس میں بُنی جاتی ہے، ایک شخص کی روزمرہ کی زندگی سے یہ وابستہ ہوتی ہے، ہاں! شانتی نکیتن کی اپنی ایک الگ ثقافت ہے۔ یہ بہت سیدھی سادی ہے۔ یہ نمائشی نہیں ہے۔ شانتی نکیتن ثقافت تو ایک فن ہے جو زندگی کے کم سے کم لوازمات سے صبر و قناعت سے زندگی کو خوشگوار بناتی ہے۔ شانتی نکیتن کے جذبہ سے سرشار لوگ تو اس سادگی پر خوش ہوں گے، مسکرائیں گے جبکہ دیگر افراد بہت ناراض ہوں گے۔ ایسے سرشار لوگوں کو شانتی نکیتن نے یہ سکھایا کہ خوشی تو ذہنی اور روحانی کیفیت ہے، کسی حالات کی پیداوار نہیں ہے۔ اس کی خوشی پرکشش ہوتی ہے، اس کی موجودگی دیگر لوگوں کو خوش کر دیتی ہے۔ یہاں بھائی چارگی کے جذبہ کو فروغ دیا گیا ہے۔ یہاں لوگ وقت پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے ہیں۔ اس ماحول میں رہنے والا شخص اس امر سے واقف ہوتا ہے کہ زندگی پھولوں کا باغ نہیں ہوتی، اس میں جگہ جگہ شگاف بھی ہوتے ہیں۔ وہ شخص اس کے لئے تیار رہتا ہے اور وہ اس امر سے بھی واقف ہوتا ہے کہ کس طرح وقار کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کیا جائے ٭٭٭



حسن پیارا کہ سدا رقص کناں
زیست کی برق رو آوازوں پر
علم انمول کہ اس کی تکمیل
کا ہمیں موقع نہیں ملتا ہے
آخرش سارا عمل موت کے بعد
خُلد میں ختم و مکمل ہوگا
لیکن اس دہر کے گلہائے حسیں
موت کے ذریعہ تا زمانہ دراز
خندہ لب، تازہ و تر رہتے ہیں

——— ماخوذ از "گارڈنز" (ترجمہ)



از: صفدر علی خان

ٹیگور : بنگلہ زبان کا ایک منفرد شاعر

رابندر ناتھ ٹیگور کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ بنگلہ ادب کے وہ آفتاب ہیں جنہوں نے بنگالی سماج کے درد و الم کو سمیٹ کر انہیں سچی خوشی اور سکون میں ڈھالنے کا کام انجام دیا ہے۔ اس عظیم فنکار کی تخلیقات کو دراصل ان کے عہد کی سماجی، سیاسی اور معاشی انقلابات و واقعات کی تاریخ کہا جا سکتا ہے خصوصاً گاؤں کی زندگی کے مسائل اور بنگالی معاشرہ کی اعلیٰ ثقافت کو جس فنکارانہ چابکدستی سے انہوں نے اپنے افسانوں، ناولوں، نظموں، گیتوں، سنگیتوں اور تصویروں میں پیش کیا ہے اس کی نظیر آج بھی نہیں ملتی

انہوں نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ کے بعد کا زمانہ پایا تھا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں سیاسی، سماجی اور ثقافتی بیداری کی لہر چل رہی تھی اور اس انقلابی کیفیات کو کچلنے کے لئے یہاں کے انگریز حکمراں مذہب اور ذات پات کی بنیاد پر انتشار اور تفریق پھیلا رہے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ جاگیردارانہ نظام بھی دم توڑنے ہی والا تھا اس لئے اس کے ظلم و ستم میں شدت آگئی تھی۔ فرانسیسی انقلاب، محکوم قوموں کی جدوجہد حریت اور امریکہ و دیگر ممالک میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف احتجاج و بغاوت سے یہاں کے عام لوگ بھی بری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ یہاں کے دانشور طبقہ مارکس، فرائڈ، اینگل، کارلائل اور روسو کے نظریات کے مطالعہ میں دلچسپی لے رہے تھے۔ چیخوف، ٹالسٹائی، گورکی، آندرے بریتوں اور آندرے سالموں کے Surrealistic ادبی تخلیقات ادبا و شعراء کے ذہن پر ایک سحر انگیز کیفیات پیدا کر رہی تھیں۔ اس پس منظر میں ٹیگور کی تخلیقات میں اپنے عہد کی بدحالی اور معاشرہ کی گراوٹ میں اصلاح لانے، وطن عزیز کو غیر ملکیوں کی غلامی سے نجات دلانے اور ایک سنہرے ہندوستان کی تعمیر کے خواب دیکھنے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وسیع معنوں میں راجہ رام موہن رائے اور مہاتما گاندھی نے جو کام سماجی اور سیاسی سطح پر کیا ٹیگور نے وہی فریضہ ادبی سطح پر اپنے گیتوں اور کہانیوں کے ذریعہ انجام دیا۔

ٹیگور صرف ایک شاعر ہی نہیں تھے بلکہ آپ نے افسانے اور ناول بھی لکھے، گیت بھی لکھے، خود گیتوں کو گایا بھی، ان کی دھنیں بھی تیار کیں، تصویریں بھی بنائیں اور رقص کے میدان میں بھی نئے رجحانات داخل کئے۔

بہرکیف جب شاعری کی بات چل نکلتی ہے تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں میں جدید طرز کی بنگلہ شاعری کا آغاز جیون سندر داس، سریندر ناتھ دتا، امیہ چوڑا پادھیائے اور وشنو دے جیسے شعراء سے ہوا ہے۔ اس عہد کی شاعری کے موضوعات انسانی سماج، وقت کے ساتھ بدلتی ہوئی زندگی کے بے شمار مسائل اور فطری مناظر رہے ہیں لیکن اگر ہم ۱۸ویں صدی کے اواخر اور ۱۹ویں صدی کے اوائل میں رابندر ناتھ ٹیگور اور ان کے ہمعصروں کی شاعری کا بغور مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ٹیگور اپنے ہمعصروں میں منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ ٹیگور کے ہمعصروں کی شاعری میں ہم کلاسیکی طرزِ خیال و تکنیک میں یکسانیت اور ایک طرح کی بے حسی پاتے ہیں جو ان کی شاعری کو دوامی تاثر دینے سے قاصر رہی ہے۔ ٹھیک اس کے برعکس دوسری طرف ٹیگور کے یہاں وہ تمام شعری فنکاری و شعری حسیت جو ۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں کی دین کہی جا سکتی ہیں، بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس مخصوص طرز کی شاعری کا سہرا رابندر ناتھ ٹیگور کے سر آتا ہے۔ اور وہ اس طرز کی شاعری کے صرف خالق ہی نہیں ہیں بلکہ مندرجہ بالا ۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں کے شعراء سے اگر ان کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ٹیگور کی شاعری اپنی تمام رنگا رنگ خصوصیت کے ساتھ افضل اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے اگر یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ بنگلہ شاعری میں نئے تخلیقات کو جگہ دے کر اور اسے نئی تکنیک اور نئی طرز تحریر سے آراستہ کر کے انہوں نے اپنے ہمعصروں اور ۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں کے شعراء کو یہ راہ سمجھائی کہ کس طرح نظم میں زندگی اپنی آب و تاب

کے سر تھ سوئی جا سکتی ہے جو قاری کے ذہن پر ایک نہ مٹنے والا نقش چھوڑ دیتا ہے ۔ راقم الحروف کے خیال میں ۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں کے مذکورہ بالا شعراء چونکہ ٹیگور سے بہت متاثر تھے اس لئے وہ صفات انہوں نے غیر شعوری طور پر ٹیگور سے مستعار لیا ہے ۔ ٹیگور کی اس تخلیقی شاعری نے عملی طور پر بنگلہ شعری ادب کو ایک خاص انفرادی بلندی عطا کی ہے ۔

ٹیگور کی شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ٹیگور کے یہاں ذہنی سطح پر ایک زبردست انقلاب رونما ہوا ۔ جنگ کی ہولناک تباہ کاریوں نے انہیں بہت بری طرح متاثر کیا ۔ اگرچہ وہ خود ایک سرمایہ دارانہ نظام کی آغوش میں پلے بڑھے تھے لیکن بعد میں وہ اس نظام کی اونچی فصیلوں کو پھلانگنے میں کامیاب ہو گئے ۔ زندگی کی ترش و تلخ حقیقتوں سے آشنا ہوئے ۔ ان ہی تاثرات کی جھلک ان کی شاعری میں ایک خاص رمق اور کشش پیدا کرتی ہے ۔ یہی ان کی شاعری کی پہلی اور اہم ممتاز خصوصیت ہے جو ان کے ہمعصروں کے یہاں نہیں ۔

ان کی شاعری کی دوسری اہم خصوصیت حقیقت پسندی ہے ۔

اسی حقیقت پسندی کے جذبے نے انکی توجہ عام انسان اور ان کے مسائل، خواہشات کی طرف دلائی جو ان کی شہرہ آفاق نظم " ایے بار پھیرا او مورے " میں پوری طرح جلوہ افروز ہے ۔ یہاں وہ اپنے ابتدائی تخیلات کی دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں ۔ اس کی جگہ اب اپنے اردگرد سیل رواں کی طرح پھیلی ہوئی تکالیف و مصائب کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں مگر اب فطری مناظر میں انہیں وہ پہلی جیسی دل چسپی نہیں رہی بلکہ اس کی جگہ موضوع سخن صرف انسان اپنے تمام ترنشیب و فراز کے ساتھ رواں دواں نظر آتا ہے ۔

نظم "بلاکا" اور "پوربی" کی تخلیق کے بعد انہوں نے اپنی ساری توجہ اس زمین پر رہنے والے انسان اور ان کے مسائل کی طرف مرکوز کر دی ۔ اس کے نتیجے میں ان کی شاعری کے خدوخال میں ایک زبردست تغیر وقوع پذیر ہوا ۔ اب ان کی شاعری زیادہ حسین اور پرکشش ہو گئی ۔ اس طرز کی نظمیں ان کے دیگر مجموعۂ کلام "پوری سشتی" "پونا تنچا" "شیش سپتک" "شیاملی" "پترابت" وغیرہ میں بھی بے شمار ہیں ۔

ان کی شاعری کی تیسری اہم خصوصیت جو ان کو اپنے ہمعصروں میں ممتاز بناتی ہیں وہ ہیں ان کی آزاد نظمیں جسے بنگلہ شعری ادب میں انہوں نے ہی پہلی بار رائج کیا ۔ لیپیکا، پوری سشتی، سپولنگا وغیرہ ان کی مایہ ناز آزاد نظمیں ہیں ۔ ان کے بعد کے شعراء نے اس صنف شاعری میں انکی تقلید کی ۔

ان کی شاعری کو چار چاند لگانے والی چوتھی خصوصیت ان کی فسطائیت (Facism) سے نفرت ہے ۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں یورپ میں فسطائیت کے پجاریوں نے بہت ساری انسانیت سوز و وحشیانہ حرکتوں سے بربریت کا بازار گرم کر رکھا تھا ۔ ان غیر انسانی واقعات سے یہ بیدار مغز اور حساس طبیعت شاعر بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکا جس کے نتیجے میں فسطائیت سے انہیں سخت نفرت پیدا ہو گئی ۔ اس کا اظہار انہوں نے پرانتک، سینجوتی، جنم دن جیسی نظموں میں کیا ہے ۔ نظم جنم دن کے کچھ اشعار جن کا متن یوں ہے ۔ ملاحظہ ہو :

" شاعر کہتا ہے کہ اے مالک تو اسے اس قدر طاقتور بنا کہ وہ ان وحشی ظالموں پر بجلی کی مانند ٹوٹ پڑے اور انہیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دے ۔"

انکی شاعری کی پانچویں خصوصیت، جو انہیں شہرہ آفاق شعراء کی صف میں ممتاز مقام بخشتی ہے، بنگلہ ادب میں ایک نئے بحر کی دریافت ہے جسے انہوں نے اپنی بعد کی نظموں میں استعمال کیا ہے جو آجکل یعنی ۲۰ویں صدی کے شعراء میں بہت مقبول ہے اور اس بحر کا استعمال انہوں نے خصوصاً اپنی چند مخصوص آزاد نظموں میں کیا ہے مثلاً "لیپیکا" میں اس آزاد بحر کا استعمال کیا ہے ۔ انہوں نے اظہار بیان کے لئے جو لفظ استعمال کئے ہیں اور جس طرح ان الفاظ کو ایک مخصوص سُر میں سمو دیا ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے یعنی ظاہری طور پر ان کی نظمیں آزاد ہوتی ہیں ۔ ان میں بحروں کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ان کی نظموں میں بھی ایک خوبصورت و لطیف بحر موجود ہے ۔

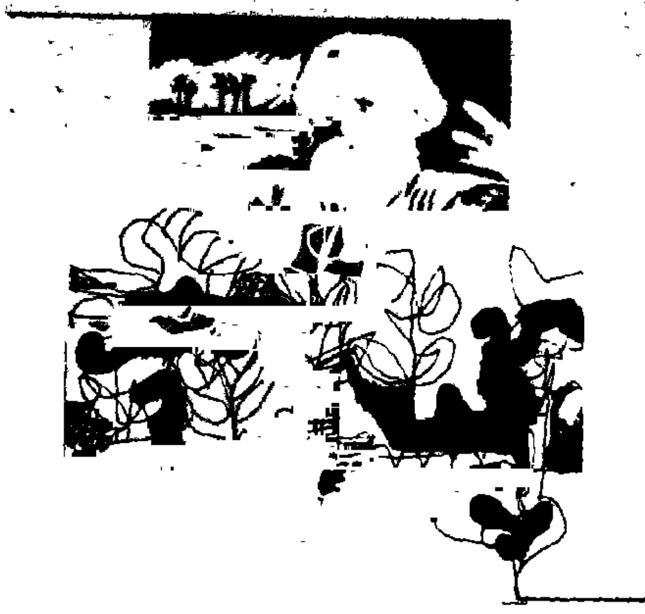
ان کی شاعری کی چھٹی خصوصیت سوز و گداز کا عنصر ہے جس نے عالمی سطح پر بین الاقوامی ادب کے شعراء میں بھی ان کی منفرد حیثیت کو برقرار رکھا ۔ ان کی بیگم شریمتی مرینالینی دیوی کا انتقال سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوا ۔ ان کی موت سے شاعر کا دل تلملا اٹھا اور ان کی یاد میں "یاد" نامی نظم لکھی ۔ اس طرح ان کی نجی زندگی کے سوز و گداز نے ان کی شاعری کو جلا بخشی ۔

المختصر عرفانی اور بے مثال نظموں کا مجموعہ "گیتانجلی" جب منظر عام پر آیا تو ان کی شہرت کا آفتاب بام عروج تک پہنچ گیا اور سنہ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے نوبل پرائز پایا ۔ وہ سویڈش اکیڈمی کی طرف سے نوبل پرائز پانے والے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

آئینۂ خیال

مرتبہ: ایم۔ اے نسیم



رابندر ناتھ ٹیگور کثیرالابعادی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ عظیم مفکر، تخلیقی آرٹسٹ تھے، عالمگیر انسان دوست، ماہر تعلیم تھے، محرک انسان تھے اور قومی آزادی اور غریبوں کے ہمدرد اور رہبر تھے۔ وہ نغمہ ساز تھے اور موسیقی کی دنیا میں بھی انہوں نے اپنے لئے ایک مقام بنا لیا تھا۔ انہوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ روشنی ڈالی۔ درج ذیل میں مختلف موضوعات پر ان کے بیانات کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

رابندر ناتھ آزاد خیال کے تھے اور وہ اصلاحات کے ذریعہ عوام کی رہنمائی میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں کوئی بھی تبدیلی تخلیقی اور دیرپا نہیں ہوگی، اگر وہ انسانی نفسیات کی تبدیلی سے رونما نہیں ہوتی۔ وہ یوں رقمطراز ہیں کہ انسان کی بابت تعلیم میں انسان کی فطرت کا خاص عنصر ہونا چاہئے۔ کس حد تک یہ تعلیم انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہوگی یہ تو وقت ہی بتا سکتا ہے۔ (روس سے خطوط)

ان کے خیال میں ہندستان کی معاشی اور سیاسی پسماندگی کی وجہ ہندستانیوں کا جدید زوال نظریہ اور توہم پرستی ہے۔ اسی لئے ٹیگور نے مضافاتی ترقی کے لئے دیہاتیت کو دور کرنے پر زور دیا۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے سنہ ۱۹۳۰ء میں روس سے اپنے خط میں یوں لکھا:

"میری یہ خواہش ہے کہ ہمارے دیہاتوں کی اعادہ نو ہو۔ میں نے کبھی بھی اس بات کی خواہش نہیں کی کہ دیہاتیت واپس آ جائے۔ دیہاتیت تو توہم پرستی کی ایک قسم ہے اور اس کے اختیارات اور سرگرمیوں کا گاؤں کی حدود سے باہر کی چیزوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ عصر جدید میں یہ بہت نمایاں نظر آتی ہے اور دیہاتیت عصر جدید کی مخالف بھی ہے۔"

ذات پات کے سلسلے میں ان کا یہ خیال ہے کہ ذات نے اپنے سماجی فرائض کو ترک کر دیا ہے۔ آج ہندوستان کے لئے سب سے اہم ضرورت اندرونی اتصال ہے اور جس کو قائم کرنے میں قدیم نظام ذات ناکام رہا۔ اس سلسلے میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

"ٹکراؤ سے پرہیز کرنے کے لئے ہندوستان نے غیر متحرک دیواروں کی سرحدیں تعمیر کیں۔ اسی طرح اس کے لاتعداد ذات پات کے لوگ امن و امان کی مراعات سے منفی

طور پر مستفید ہوئے ہیں اور انہیں توسیع اور تحریک کے مثبت مواقع فراہم نہیں کئے گئے۔ اس طرح یہاں سماجی زندگی سے اس کی روح پرواز کر گئی اور اس کی وجہ یہاں کے لوگوں نے اپنے تیار کردہ لاانتہا قانون کے بت نما قفس کی تمام تقریبات سے پوجا کرنا شروع کر دیا۔

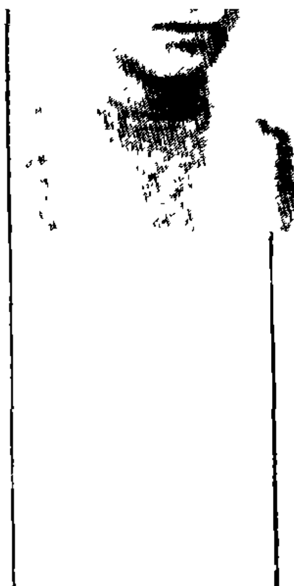
ٹیگور کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ مضافاتی علاقوں میں غربت، امراض، پسماندگی کو امداد باہمی کے ذریعہ ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

"اب وقت آگیا ہے کہ ہم امداد باہمی کے طریقہ کار کو اپنائیں اور ہماری محنت کو اس ڈھلوان سطح سے جو غیر ملکیوں کے گودام گھروں تک جاتی ہے پھسلنے سے روکیں۔ مزدوروں کے کام کاج میں آسانی کے لئے جدید آلات کو استعمال کرنا چاہئے اور ایسا امداد باہمی کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔"

امداد باہمی کا یہ تصور اس وقت کے لئے بہت ہی انوکھا لیکن انقلابی تھا کیونکہ اس وقت ہندستانی قومی سربراہوں کی معاشی اور سیاسی سرگرمیاں زیادہ تر زبانی تحریک کی شکل میں ہوا کرتی تھیں۔ اس نظریہ سے انہیں اتفاق نہیں تھا۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا:

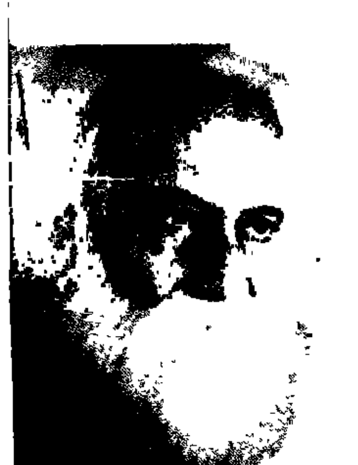
"جب پانے کا انحصار پانے والے کی کمائی پر نہیں بلکہ دینے والے کی سخاوت پر ہوتا ہے تو اس پر دوہری لعنت ہے۔ یہ جو پاتا ہے اسے اور جو دیتا ہے اسے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

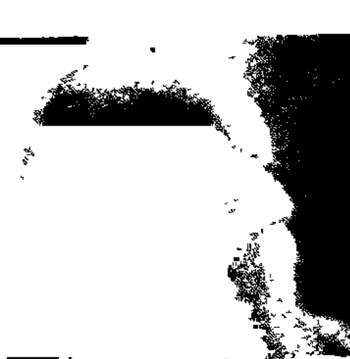













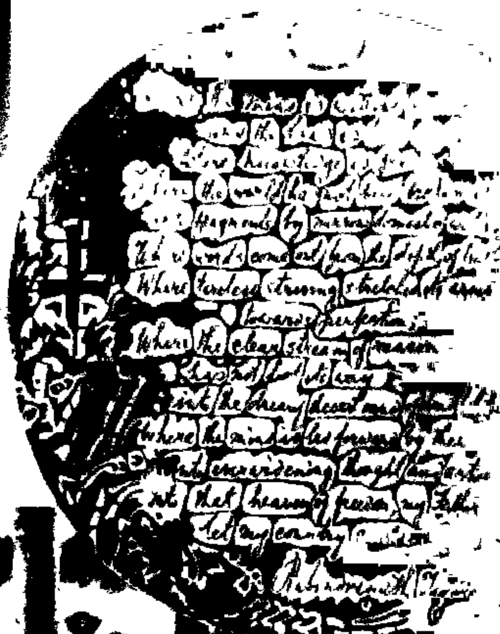
چہرہ چہرہ عکس ، ربندرناتھ ٹیگور

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya. Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt Editor Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T Printers. 25, Panchanantala Road. Calcutta-700 048.

IAGHREBI BANG
'agore Number
5 May 1987

Vol-34 No—10
PRICE 40 Paise









پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتیم بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفٰے

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ
بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۳۴- آر این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ یکم جون ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱۱



رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۱۵ مئی ۱۹۸۷ء کو کشمیر کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا استقبال کرتے ہوئے

بائیں محاذ حکومت مزید خلوص، جوش اور مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیگی

بائیں محاذ حکومت مرکز سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے گی

سرکاری کام کاج میں کلکتہ، اسکول اور [illegible] میں اردو کے زیادہ سے زیادہ استعمال کیلئے کوشش کی جائے گی



پروفیسر سید نورالحسن، گورنر مغربی بنگال

"میری حکومت مرکز سے دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہوئے، ریاست کیلئے مزید دستوری، انتظامی اور معاشی اختیارات کے لئے اپنے مطالبات کو منوانے کی کوشش جاری رکھے گی۔ میری حکومت متوسط اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے ذریعہ روزگار پیدا کرنے کے مواقع میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ میری حکومت عوام کے کمزور طبقوں کی معاشی حالت میں بہتری لانے کیلئے کوشاں ہے۔" پروفیسر سید نورالحسن، گورنر مغربی بنگال نے ۶/مئی ۱۹۸۷ء کو نئی مغربی بنگال اسمبلی کے پہلے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ گورنر موصوف کے خطبے کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

نئی اسمبلی کے پہلے اجلاس کے موقع پر آپ سبھوں کا استقبال کرتے ہوئے مجھے نہایت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ میں آپ لوگوں کی خدمت میں اپنا پُرخلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ یہ امید بھی کرتا ہوں کہ اس جلیل القدر جمعیت کا پختہ اور بالغانہ اظہار خیال، ریاست کے فروغ اور اس کی ہمہ جہت ترقی اور عوام کی فلاح کے لئے ایک آلہ کے طور پر فرائض کی انجام دہی میں معاون ثابت ہوگا۔ اس سیشن کے دوران ۸۸-۱۹۸۷ء سال کے لئے مکمل بجٹ پیش کی جائے گی جو نئی حکومت کی پالیسیوں اور ترجیحات کی عکاسی کرے گی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اس اسمبلی کے سابق ممبروں شری ہیرا لال چٹوپادھیائے، شری نریندر ناتھ سرکار، شری سیبر کمار گھوش، شری شیلندر ناتھ مکھرجی اور شری تارا پد مکھرجی کی اموات پر گہرے افسوس کا اظہار کرتا ہوں۔ مزید برآں میں شری للت موہن چٹوپادھیائے، شری سودھیر چندر نیوگی، یہ دونوں ہی مغربی بنگال قانون ساز کاونسل کے سابق ممبران تھے، اشہرۂ آفاق فلم آرٹسٹ شری بیکاش رائے اور مشہور موسیقار شری تمیر بارن بیشا چاریہ کی اموات پر دلی غم کا اظہار کرتا ہوں۔

ہماری حکومت کے لئے یہ بات نہایت ہی اطمینان اور فخر کی ہے کہ ریاستی قانون ساز اسمبلی کا انتخاب نہایت ہی پُرامن اور منصفانہ طور پر ہوا جس نے کچھ علاقوں میں گشت کرتی ہوئی افواہوں کو غلط ثابت کر دیا کہ اس دوران نظم و نسق کے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ انتخابات کے سلسلے میں کئے گئے اقدامات نہایت ہی تشفی بخش تھے۔ ووٹروں کی کثیر تعداد نے عوام کے جمہوری شعور کو اور ان کی اپنی پسند کے سیاسی رہنما کے انتخاب میں ان کی اپنی شمولیت نے ان کی سیاسی ذمہداری کے احساس کو ایک بار پھر اجاگر کیا۔ یہ نہایت ہی تشفی بخش بات ہے کہ کچھ علاقوں میں عوام کے ایک گمراہ کن جماعت نے انتخابات کو بائی کاٹ کرنے کی پکار بھی کی تھی لیکن اس کے باوجود پوری ریاست میں انتخابات ہوئے۔

انتخابات کے دوران مغربی بنگال کے عوام کو ریاست کے اندر گزشتہ پانچ سال کی مدت کے دوران بائیں محاذ حکومت کی پالیسیوں اور کارکردگی پر اپنے فیصلے کے اظہار کا ایک موقع ملا تھا۔ بائیں محاذ کو دئے گئے عوامی فرمان علیحدگی پسند قوتوں کے خلاف، قدامت پسندی کے خلاف، انتشار اور تخریب پسند طاقتوں کے خلاف ایک فیصلہ ہے۔ عوام نے میری حکومت پر اپنے اعتماد کو

برقرار رکھا ہے ۔ ہم نہایت ہی خلوص، جوش اور صلاحیت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دینے کا عہد کرتے ہیں۔

میری حکومت مرکز کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھتے ہوئے ریاست کے لئے مزید دستوری، انتظامی اور معاشی اختیارات کے لئے اپنے مطالبات کو جاری رکھے گی ۔ ایک تجویز کے مطابق میری حکومت مرکزی حکومت کے ساتھ جن مسائل پر گفت و شنید کرے گی ان میں نیپالی زبان کو فہرست میں شامل کرنے، تمام انتخابات مع لوک سبھا انتخابات، کے لئے ووٹروں کی کم سے کم عمر ۱۸ سال کر دینے، دستور کے آٹھویں شیڈول میں نیپالی زبان کو شامل کرنے اور دارجیلنگ میں تین پہاڑی سب ڈویژنوں کو خود اختیاری کا حق دینے کی باتیں شامل ہیں۔ میری حکومت ریاست کی مزید تقسیم کی ہر ناپاک کوشش کیخلاف جدوجہد کرے گی ۔

میری حکومت اس ریاست کے لوگوں کے جمہوری حقوق کی دفاع اور توسیع کی اور لوگوں کے درمیان بلا لحاظ مذہب اور زبان، خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھکر قومی یک جہتی کے علم کو بلند رکھنے کی کوششیں جاری رکھے گی ۔ ہر قیمت پر اقلیتوں کے حقوق اور حیثیت کو برقرار رکھا جائے گا، عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو ختم کر دیا جائے گا اور ان کے سماجی حقوق کی دفاع کی جائے گی اور انہیں وسیع بنایا جائے گا ۔

مختلف شعبوں کے تحت جب الگ الگ مطالبات پیش کئے جائیں گے تو اس وقت عزت مآب ممبران ان پروگراموں کی تفاصیل سے آگاہ ہوں گے جنہیں میری حکومت نے مختلف میدانوں کے لئے مرتب کیا ہے ۔ میری حکومت رفاہی اور ترقیاتی اقدامات کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے، میں یہاں ان میں سے یہاں چند بنیادی ترقیاتی سرگرمیوں کا ذکر کروں گا۔

میری حکومت کی مضافاتی ترقی اور اصلاحات آراضی اور زرعی سیکٹر میں بھی مرکوز طور پر پروگراموں کو روبہ عمل لانے، پیداوار میں مزید اضافہ کرنے کیلئے خاص طور پر مویشیوں کے چارہ، تلہن اور دیگر چیزوں کی پیداوار پر زور دے کر کوششیں جاری رہیں گی ۔ عام آدمی کے لئے سماجی جنگلات کو اور بھی پر کشش بنایا جائے گا ، آبپاشی کی سہولتوں میں مزید اضافہ کیا جائے گا اخاص طور پر مضافاتی علاقوں میں پینے کے پانی کی سپلائی اور فراہمی میں اضافہ کیا جائے گا ۔ میری حکومت کی تجویز یہ ہے کہ عوامی نظامِ تقسیم کے امکانات کو وسیع بنایا جائے اور روزمرہ کی ضروری غذائی اجناس کی سپلائی کو، خاص طور پر مضافاتی علاقوں میں برقرار رکھا جائے ۔

صنعتی سیکٹر میں میری حکومت متوسط اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے ذریعہ روزگار پیدا کرنے کے مواقع کی توسیع کی کوشش کرے گی ۔ بڑی بڑی صنعتوں کے لئے پختہ سڑکوں کی تعمیر، پانی کی سپلائی اور نکاس وغیرہ کے لئے اور صنعتی مراکز کی مناسب افزائش کے لئے خصوصی کوششیں کی جائیں گی ۔ چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے، معاشی لحاظ سے نفع بخش روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی کوششیں جاری رہیں گی اور اس مقصد کے تحت ان صنعتوں کے لئے خام اشیاء فراہم کی جائیں گی اور ان کی پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں گی ۔ صنعتی تنازعات کے جلد از جلد سمجھوتہ کے لئے کوششیں جاری رہیں گی ۔ مزدوروں اور ملازمین کے مفادات کے تحفظ کے لئے متعلقہ صنعتی ایکٹ میں ترمیم لانے پر غور کیا جائے گا اور کم سے کم اجرت ایکٹ کی تکمیل کے لئے انتظامیہ کی مشینری کو اور بھی مستحکم بنایا جائے گا ۔ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے اقدامات پر حسب معمول زیادہ توجہ دی جائے گی ۔ باہر کی سرمایہ کاری کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے خوشگوار صنعتی فضا کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں میری حکومت اپنی پُر خلوص کوششیں جاری رکھے گی۔

صنعتی افزائش کے لئے توانائی (بجلی) کی فراہمی ضروری ہے ۔ میری حکومت موجودہ بجلی گھروں کی بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کرنے، زیر تعمیر پروجیکٹوں کو مقررہ عرصے میں پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور مضافاتی علاقوں میں بجلی کی سپلائی کے لئے حسب ضروری اقدامات کرے گی ۔

میری حکومت عوام کے کمزور طبقوں کی معاشی حالت میں بہتری لانے کے لئے کوشاں ہے ۔ ان علاقوں میں، جہاں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی آبادی ہے نیز پسماندہ علاقوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کو روبہ عمل لانے اور پہاڑی علاقوں کے ترقیاتی پروگراموں اور پروجیکٹوں کی توسیع کو زیادہ اہمیت دی جائے گی ۔

تعلیم کے شعبہ میں ناخواندگی کو دور کرنے اور شہری اور مضافاتی علاقوں میں عام لوگوں کے لئے ہر سطح میں مواقع پیدا کرنا میری حکومت کی اہم ذمہ داری ہوگی ۔ میری حکومت تعلیمی فضا کو صاف اور پُر امن رکھنے اور تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کا تہیہ کر چکی ہے ۔ میری حکومت تکنیکی تعلیم کے نظام کو مزید وسیع بنانے اور تعلیمی اداروں کے جمہوری طریقہ کار کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے گی۔

میری حکومت آرٹ اور ثقافت کے میدان میں سرگرمیوں کو فروغ دینے اور مستحکم بنانے کے لئے کوشش کرے گی۔ کلکتہ اور اضلاع میں فلموں کے لئے نمائش ہال کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا۔ ریاستی حکومت بنگلہ اکاڈیمی کی، جسے گزشتہ سال قائم کیا گیا تھا، اس کے مقاصد کی حصولیابی میں مدد کرے گی۔ انتظامیہ (مع عدلیہ) کے کام کاج میں بنگلہ زبان، دارجلنگ میں نیپالی زبان اور اسلام پورا کلکتہ اور اسکول میں اردو زبان کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے کوشش کی جائے گی۔ میری حکومت اس سلسلے میں اور بھی تیزی سے پہل کرے گی کہ نوجوانوں کی رفاہ اور اسپورٹس اور کھیل کو زیادہ معنی دار اور سیاحت کو زیادہ پرکشش بنایا جائے۔

صنعت، زراعت اور اجتماعی خدمات میں نمایاں ترقی کے لئے میری حکومت تمام حلقوں اور تمام طبقوں کے لوگوں کے تعاون کو خوش آمدید کہتی ہے۔ شہروں اور دیہاتوں میں منصوبہ تیار کرنے اور اس کی تکمیل کے کام میں مقامی لوگوں کو براہِ راست شریک کیا جائے گا۔ ترقیاتی سرگرمیوں میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔

انتظامیہ میں مناسب طور پر بہتری لائی جانی چاہئے تاکہ وہ ہر سطح کے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ میری حکومت عوام کی حکومت ہے۔ یہ حکومت اس ریاست کے لوگوں کی دوست ہے جو ہمیشہ ان کی حق بجانب جدوجہد کی تائید کرتی ہے اور ان کے کاز کو فروغ دیتی رہے گی ٭٭٭

بقیہ: جی۔این۔ایل۔ایف تنظیم...

جی۔این۔ایل۔ایف کے ساتھ براہِ راست خط و کتابت نہیں کرے گا۔" اس موقع پر وزیر موصوف نے ممبروں سے یہ گزارش کی تھی کہ ایسی بات چیت کے بارے میں افواہوں کی بابت اخباروں کا مطالعہ نہ کریں۔

گھیشنگ کے یہ خطوط بعد میں مرکزی حکومت کی دلالت کی بنیاد بن گئے کہ جی۔این۔ایل۔ایف قوم دشمن نہیں ہے اور ایسا کرتے وقت اس امکان کو پیشِ نظر رکھا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شاطرانہ تحریک سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ اس تحریک کا نام ہی تو یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ یہ کالونیائی تسلط سے قومی آزادی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کالونیائی محکوم ملکوں کے لئے حق خود اختیاری کے اصول کے سلسلہ میں صدر ووڈرو ولسن نے ۱۹۱۹ء میں آواز اٹھائی تھی۔ اس بات کا بھی ان دستاویزات میں حوالہ دیا گیا ہے جس سے مذکورہ مقصد عیاں ہو جاتا ہے۔ اپنی کیسیٹ تقریر میں گھیشنگ نے گورکھا لینڈ کے لئے اقوام متحدہ کی ممکنہ ممبرشپ کا بھی ذکر کیا ہے (حالانکہ صرف آزاد ملک ہی اس کے ممبر بن سکتے ہیں)۔ نیز گھیشنگ نے چھوٹی آبادی ہونے کے باوجود اپنی چھوٹی ریاست کے لئے اپنے دعوے کو حق بجانب قرار دیا ہے، اس سلسلے میں یہ وجہ پیش کی کہ بہت سارے چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں جو خود مختار ہیں اور جنہیں اقوام متحدہ کے ممبر کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اقوام متحدہ تنظیم ان ملکوں کو الگ الگ ملک کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے۔ انہوں نے چین، اسلی اور گھانا کی مثال پیش کی کہ یہ چھوٹے ممالک ہیں اور یو این او کے ممبر ہیں۔ ان ملکوں کا حوالہ ان کی لاعلمی اور جہالت کی نشاندہی کرتا ہے، کیوں کہ سسلی، اٹلی کا ایک حصہ ہے، چین (اگر اس سے مراد تیوان ہے)، اقوام متحدہ کا ممبر نہیں ہے، اور گھانا جس کی آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے، دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں سے، جہاں چھ لاکھ کی آبادی ہے، بہت زیادہ بڑا ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک صرف ہندستان کے اندر ایک ریاست کے مطالبہ تک ہی محدود نہیں ہے۔

ان کے تاریخی حوالے اگرچہ غلطیوں سے پُر ہیں، ان کے الگ ہو جانے کے رجحان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ٹکڑے کردہ نیپال، نیپال سے الگ کردہ علاقہ، گورکھاؤں کی غیر مستحکم حیثیت، کیوں کہ آزادی کے وقت نیپال اور برٹش ہندستان کے درمیان دستخط کردہ معاہدہ کو مسترد نہیں کیا گیا اور برٹش کی تنقید کہ اس حکومت نے استصواب رائے کا انتظام نہیں کیا تاکہ اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے کہ اس علاقہ کو نیپال کے حوالے کیا جائے یا ہندستان کے، اس کے ساتھ اس سلسلہ میں نیپال کے بادشاہ کو ایک خط بھی لکھا گیا۔ ان تمام باتوں سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ جی۔این۔ایل۔ایف کی رائے میں دارجلنگ صحیح طور پر نیپال کا ہے اور اسے ہندوستان کا حصہ ہونا نہیں چاہئے۔

(باقی آئندہ)

جی-این-ایل-ایف تنظیم اور شورشیں

ان لوگوں نے ستمبر کی دستاویز میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ کس طرح جی این ایل ایف کی سربراہی میں تحریک نے اگست ۸۶ء کے دوسرے ہفتے سے ایک اہم موڑ لیا۔ اس وقت تک یہ تنظیم سمجھتی تھی کہ اس کی یہ تحریک مرکزی حکومت کے خلاف ہے، کیونکہ مرکز ہی گورکھا لینڈ کے لئے مطالبہ پورا کر سکتا ہے۔ سرکاری خطوط وغیرہ میں ہندوستانی حکومت کی نسل کشی اور نسلی تفریق کا ذکر کیا گیا اس کے ساتھ ساتھ حکومت مغربی بنگال سے بار بار کہا گیا کہ وہ ان کی راہ سے خود کو الگ رکھے۔ اس تحریک کے ان مطالبات پر ریاستی سطح پر دستور کے تحت غور و خوض نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت گزشتہ سال کے جولائی مہینہ میں جی۔ این۔ ایل۔ ایف نے یوم آزادی کی تقریبات کا بائیکاٹ کرنے اور اس دن گھروں پر کالے جھنڈے لہرانے کی پکار دی۔ اس پکار کا اہم مقصد یہ تھا کہ وہ اس بات کو عیاں کریں کہ وہ سب مرکزی حکومت سے کس حد تک ناخوش ہیں۔

اس تحریک نے ایک اہم موڑ اس وقت لیا جب سبھاش گھیشنگ اگست ۸۶ء کے دوسرے ہفتہ میں کسی کو کچھ کہے سنے بغیر دہلی پہنچ گئے۔ اور وہاں جیسا کہ جی۔ این۔ ایل۔ ایف کے سربراہ دعویٰ کرتے ہیں، انہوں نے کانگریس کے اہم سربراہ سے ملاقات کی۔ اس سربراہ نے یہ عہد کیا کہ ایک الگ گورکھا لینڈ کے مطالبہ پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا۔ انہوں نے گھیشنگ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ ایسا کوئی عاجلانہ قدم نہ اٹھائے جس کی وجہ سے مرکزی حکومت کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے اور اس طرح اس کام کو اور کٹھن بنا دے۔ اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے یوم آزادی کی تقریبات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان واپس لے لیا گیا اور اس تحریک اور شورش کو ایک مہینہ کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک دوہری پالیسی کو بروئے عمل لا رہی ہے۔ ایک طرف تو مرکزی حکومت کو خوش کرنے کی پالیسی ہے تو دوسری طرف اس تحریک کی مخالفت کرنے والی جمہوری اور سیکولر طاقتوں پر شدید حملہ کرنے کی پالیسی ہے۔

ایک میمورنڈم میں جسے ۱۳ر اگست ۸۶ء کو وزیراعظم کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا گیا تھا (یہ میمورنڈم وزیراعظم تک نہیں پہنچا، اس لئے گزشتہ ستمبر کے دوسرے ہفتے میں اس کی ایک کاپی وزیراعظم کے نام ترسیل کی گئی) گورکھا لینڈ کے دعوے کو ایسے لہجے میں پیش کیا گیا جو خاصیت کے لحاظ سے ان خطوط سے مختلف تھے جنہیں جی۔ این۔ ایل۔ ایف نے نیپال کے راجہ اور اقوام متحدہ کو بھیجے تھے اور ان کا اظہار گھیشنگ کی ان تقریروں سے بھی ہوتا ہے جن کا کیسٹ تیار کر کے لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ ستمبر کی دستاویز میں ان تمام باتوں کا ذکر تھا۔ نسلی تفریق، نسل کشی، گورکھاؤں کو چوراہے پر چھوڑ دئیے جانے جیسے تلخ الزامات کی جگہ ۱۴ر اگست کے میمورنڈم کے لہجے میں التجا ہے اور اس میں اعلیٰ حکام سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ ان کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کریں۔ اس میں مزید کہا گیا کہ سارے ہندوستان کے ساتھ گورکھاؤں کا بہت ہی قریبی ثقافتی اور لسانی رشتہ قائم ہے۔ اور یہ کہ وہ سب ہندوستانیوں کے سکھ دکھ میں برابر کے شریک ہیں اور ان کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ یہ ان لوگوں کی پرزور تنقید کرتا ہے جو اس تحریک کو تفریق پسند کہتے ہیں اور اس میں اس بات کا صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ "ہندوستانی گورکھا ایک الگ خودمختار ریاست کا نہیں بلکہ ہندوستان کے اندر ایک ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میمورنڈم میں دارجلنگ کا یوں ذکر کیا گیا کہ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جسے ۱۸۱۵ء میں سگولی صلح کے تحت نیپال نے برطانوی ہندوستانی حکومت کو دیا تھا۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تاریخ شاید نہیں ہے، جیسا کہ ہماری ستمبر۔ دستاویز میں درج ہے۔ سرکاری اور با اختیار ذرائع سے ان کے اس دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دارجلنگ کے پہاڑی علاقے کبھی بھی نیپال کے علاقے نہیں تھے بلکہ انہیں تو سکم اور بھوٹان کے بادشاہوں نے تحفہ کے طور پر یا جنگ کے ذریعہ برٹش حکومت کے ہاتھوں منتقل کیا تھا۔ صرف دارجلنگ کے میدانی علاقے (جہاں نیپالی بولنے والوں کی آبادی وہاں کی کل آبادی کا [illegible] فیصد سے بھی

کم ہے) کو سکم کے ہاتھوں سے نیپال نے زبردستی چھین لیا تھا اور وہاں ۱۷۸۸ء سے ۱۸۱۶ء تک حکومت کی تھی لیکن اس کے بعد برٹش فوج نے نیپال کو شکست دی اور اس علاقہ کو سکم کے راجہ کو واپس دے دیا۔ اس میمورنڈم نے اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا ہے کہ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کے ابتدائی باشندے لیپچا ہیں اور اس علاقے میں نیپالی اور بنگالی بعد میں آئے۔ مرکزی حکومت کو خوش کرنے کی کوشش میں اس میمورنڈم میں یہ ذکر ہے کہ پہاڑی ترقیاتی کونسل کے تحت ترقیاتی اسکیموں کو مرکزی فنڈ کی فراہمی سے پورا کرنا ممکن ہو سکا ہے۔ اس سلسلے میں ریاست کی کارگزاری صرف کاغذ میں درج تھی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ۸۶-۱۹۸۵ء میں ترقی کے لئے پہاڑی علاقوں میں ۶۷ء۲۴ کروڑ روپے خرچ کئے گئے جن میں سے صرف ۹ کروڑ روپئے مرکز نے فراہم کئے۔ بہرحال جی۔این۔ایل۔ایف کے پروپیگنڈا اور ہندوستانیت کے پُرزور اعلان کرنے کے لہجہ میں بنیادی تبدیلی اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ جی۔این۔ایل۔ایف نے اس سے قبل جو انداز اختیار کیا تھا اب اس میں کافی تبدیلی آئی ہے۔

اس کے بعد گھیشنگ نے ستمبر ۱۹۸۶ء کو مرکزی وزیر داخلہ شری بوٹا سنگھ کو خط لکھا جس میں معذرتی لہجہ میں انہوں نے ان حالات کی تشریح کرنے کی کوشش کی جنہوں نے جی۔این۔ایل۔ایف کو نیپال کے بادشاہ اور اقوام متحدہ کو خط لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ نیپال کے بادشاہ کو خط لکھنے میں وہ حق بجانب تھے کیونکہ نیپال ہندوستان کے ۱۹۵۰ کے معاہدے پر دستخط کرنے والا فریق ہے، اس معاہدے کی رو سے دونوں ملکوں کے شہریوں کو ایک دوسرے کے ملک میں رہائش اور تجارت کرنے کے حقوق حاصل ہیں۔ جس بات کی تشریح نہیں کی گئی وہ یہ ہے کہ کیوں ہندوستان کے وزیر اعظم کو خط نہیں لکھا گیا اور انہیں تو ایک خط کی کاپی دی گئی، حالانکہ یہ حکومتِ ہند ہے جو ہندوستان کے اندر ایک الگ ریاست قائم کر سکتی ہے اور اگر الگ ہونے کا مقصد نہیں تھا تو پھر اس مسئلہ کو قومی مسئلہ بنانے کے پس پردہ کیا مقصد تھا۔ جی۔این۔ایل۔ایف کی تشریح کے مطابق اقوام متحدہ کو خط تو غم و غصہ کا اظہار تھا، کیوں کہ نیپال اور ہندوستان دونوں ہی نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی (حالانکہ اس بات کی ابھی تک کوئی وضاحت نہیں کی جا سکی کہ حکومتِ ہند کو جب خط ہی نہیں ملا تو پھر وہ کس طرح اس کا جواب دیتی)۔ جی۔این۔ایل۔ایف نے اپنے اس قدم کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ماضی میں دیگر نسلی جماعتوں اور تنظیموں نے بھی اپنی تکالیف کے اظہار کے لئے اقوام متحدہ کو ایسے خط لکھے۔ اس میمورنڈم میں پھر اسی اہم بات کا اظہار کیا گیا کہ ہم لوگ اس مشہور اصول پر کاربند تھے۔ ہمیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ سی پی آئی (ایم) اور دیگر پارٹیاں ہمارے جائز مطالبات کی مخالفت کریں گی اور ہمارے مقاصد کی غلط تشریحات کریں گی اور انہیں ہماری حکومت کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کریں گی۔ اس کے بعد حکومتِ مغربی بنگال اور سی پی آئی (ایم) کی شدید ملامت کی گئی۔ اس میمورنڈم میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ "ہندوستان ہماری بھارت ماتا ہے اور ہم اس کے تابعدار ہیں اور اس کے ساتھ یو۔این۔او اور دیگر حکومتوں کو ہمارے بھیجے خطوط سے کچھ بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں ـــ تو اس کے لئے ہمیں دلی افسوس ہے۔" آخر میں اس خط میں اپنی شکایتوں پر گفت و شنید کرنے کے لئے مرکزی وزیر شری بوٹا سنگھ سے بات چیت کرنے کی درخواست کی گئی۔

مرکزی وزیر بوٹا سنگھ نے ۱۷ ستمبر ۱۹۸۶ء کو اس خط کا جواب دیا۔ انہوں نے اپنے خط میں لکھا۔

عزیزی شری گھیشنگ!

مجھے آپ کا ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ء کا خط ملا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اسے ایک خصوصی قاصد کے ہاتھ سے بھیجا۔ مجھے آپ کا ۱۴ اگست ۸۶ء کا خط نہیں ملا۔

مجھے اس بات سے مسرت حاصل ہوئی کہ آپ نے ہندوستان سے مکمل وفاداری کا اظہار کیا اور اس بات کی وضاحت کی کہ جی۔این۔ایل۔ایف ہندوستانی دستور کے ڈھانچہ کے ذریعہ اپنی شکایتوں کے ازالہ کا خواہاں ہے۔

جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں درخواست کی ہے کہ میں آپ سے جلد از جلد ملاقات کرنے کے لئے وقت نکال لوں گا۔ تاریخ کے مقرر ہونے کے بعد میں آپ کو چند دنوں میں خط لکھوں گا۔

لوگوں کو تین ہفتے کے بعد اس خط و کتابت کا علم ہوا جب ۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو مرکزی وزیر قانون شری اشوک سین نے گھیشنگ کے خط کو پریس کے حوالے کیا۔ گرچہ شری بوٹا سنگھ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انہوں نے ۷ اکتوبر کو گھیشنگ کے خط کا جواب دے دیا تھا، تاہم وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا خط جی۔این۔ایل۔ایف کے خط کی رسید ہے۔ یہ نہایت نامناسب بات ہے کہ اس خط و کتابت سے ریاستی حکومت کو وقت پر باخبر نہیں کیا گیا۔ نیز یہ خط و کتابت بوٹا سنگھ کے ذریعہ مرکزی حکومت کو دیئے گئے عہد کی براہ راست ضد ہے۔ بوٹا سنگھ نے ۲۴ جولائی ۸۶ء کو پارلیمنٹ میں کہا تھا "ہم لوگ ریاستی حکومت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے اور [illegible]

(باقی [illegible])

ریاستی بجٹ برائے سنہ ۱۹۸۷-۸۸ء

حکومتِ مغربی بنگال کے وزیر مالیات، ڈاکٹر اسیم کمار داس گپتا نے ۱۵ مئی سنہ ۱۹۸۷ء کو مغربی بنگال کے قانون ساز اسمبلی میں ریاستی بجٹ برائے سنہ ۱۹۸۷-۸۸ء پیش کیا۔ بجٹ تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے مغربی بنگال کی، شدید مالی دشواریوں کے باوجود، گوناگوں ترقی کا ذکر کیا۔ وزیر موصوف کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے :

چونکہ تیسری بائیں محاذ حکومت کا یہ پہلا سال ہے اس لئے یہ بات نہایت مناسب ہے کہ بجٹ پیش کرتے ہوئے معاشی پروگرام، جسے ریاستی حکومت نے گزشتہ دس برسوں میں پایہ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش کی، کی بابت بنیادی مقاصد اور تجربات کا حوالہ دیا جائے۔ اسی تجربہ کی بنیاد پر ہم اس معاشی پروگرام، جسے آنے والے برسوں میں ریاستی حکومت برسرِ عمل لانے کی خواہاں ہے، ایک خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس پروگرام کو پیش کرتے ہوئے میں ان محدود مالی اختیارات کی، جن کے تحت ریاستی حکومت کو کام کرنا پڑتا ہے، تشریح بھی کرنی چاہئے۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے، پروگرام کی تکمیل کے پیشِ نظر مزید وسائل اکٹھا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میں اس مزید وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں اقدامات کی تجویز پیش کروں گا۔ ان مزید حصولیابی کا مزید اخراجات کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد سالانہ مالیاتی گوشواروں برائے سنہ ۱۹۸۷-۹۲ء پیش کیا جائے گا۔ یہ بجٹ مالیاتی بندشوں کے ساتھ، ریاستی حکومت کے معاشی پروگرام کا جزو لاینفک ہوگا۔

گزشتہ دس برسوں میں ہم لوگوں نے مغربی بنگال میں ایک متبادل معاشی پروگرام — اس معاشی حکمتِ عملی کا متبادل جسے مرکزی حکومت برسرِ عمل لا رہی ہے — کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت نے، اپنے نیک ارادہ کے اظہار کے لئے چند رسمی بیانات جاری کرنے کے علاوہ اثاثوں کی، خاص طور پر زراعت میں قطعاتِ اراضی کی اور صنعت میں سرمایہ کاری کی موجودہ نامساوی تقسیم کو بدلنے کے لئے سنجیدگی کے ساتھ کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ سے،

اس حکمتِ عملی کا اثر یہ ہوا ہے کہ اب پیداوار کے لئے منصوبہ بندی کو زراعت میں زمین داروں کی اور صنعت میں بڑے صنعت کاروں کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک اور بھی رجحان نمایاں ہوا ہے اور وہ یہ کہ ایسی ٹکنالوجی کو اپنایا جائے جس پر مرکوز طور پر سرمایہ کاری کی جائے اور اس طرح پیداوار میں محنت کشوں کی کم سے کم ضرورت ہو، اس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اور عام لوگوں کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر صنعت میں حالیہ برسوں میں پیدائش افزا سرمایہ اور مزدوروں کی کمی کی ٹکنالوجی کو اپنانے کی وجہ سے فی کارخانہ مزدوروں کی تعداد میں کافی کمی ہوئی اور مزدوروں کی قوتِ خرید بھی کم ہو گئی ہے۔ مسلسل افراطِ زر کی وجہ سے بھی عام لوگوں کی ناکافی قوتِ خرید اور بھی کم ہو گئی ہے۔ یہاں مرکزی حکومت کا یہ فیصلہ کہ لازمی خام اشیاء، پٹرولیم مصنوعات اور غذائی اجناس کی انتظامیہ قیمتوں میں اضافہ کر دیا جائے اور کمی کی مالیت کا سہارا لیا جائے، اس افراطِ زر کی ایک اہم وجہ ہے۔ عام لوگوں کی قوتِ خرید میں کمی اور محدود گھریلو بازار کے مسائل سے دوچار ہوتے ہوئے صنعتی حکمتِ عملی میں یہ رجحان نمودار ہوا ہے کہ گھریلو آبادی کی کثیر تعداد کو پرے رکھ کر برآمدات کے ذریعہ نجات حاصل کی جائے۔ لیکن برآمدات کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس میدان میں اب تک خاطر خواہ حد تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ دوسری طرف صنعتوں میں جس کی ٹکنالوجی کو اپنایا جا رہا ہے اس میں بہت زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے درآمدات پر اس حد تک انحصار کرنا پڑتا ہے کہ اب یہ خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ آہستہ آہستہ درآمدات میں وسیع پیمانے پر اضافہ سارے ملک کو بین الاقوامی قرضوں

کے جال میں پھنسا دے گا۔

اس حکمت عملی کے متبادل کے طور پر مغربی بنگال میں گزشتہ دس برسوں کے دوران پیداواری۔ منصوبہ بندی کیلئے ایک مختلف رویے کو اپنایا گیا۔ موجودہ معاشی۔ سماجی ڈھانچہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے عام لوگوں کی جمہوری تحریک کی طاقت کی بنیاد پر متبادل رویے پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس بات کی کوشش کی جانی چاہئے کہ زراعت اور صنعت میں موجودہ پیداواری اثاثے کی موجودہ تقسیم کو، جہاں تک ممکن ہوسکے، ازسرنو مرتب کیا جائے۔ انہیں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے۔ اس رویہ کو عملی جامہ پہنایا گیا، زراعت میں اصلاحاتِ اراضی کے تحت قطعاتِ آراضی کی تقسیم کے ذریعہ اور صنعت میں چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں پر زور دے کر۔ چھوٹی صنعتوں کو متعلقہ بڑی صنعتوں سے وابستہ بھی کر دیا گیا۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ اصلاحاتِ اراضی پر جو زور دیا گیا ہے وہ سخاوت میں تجزیہ نہیں ہے بلکہ لازمی طور پر ایک پیداواری تحریک ہے جو محنت کش کسانوں کی بہترین پیداواری کارکردگی کی ٹھوس شہادت پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں انکساری کے ساتھ اس بات کا یہاں ذکر کیا جاسکتا ہے کہ حالیہ برسوں میں ہماری ریاست میں اصلاحاتِ اراضی کے تحت جو اقدامات کئے گئے ہیں، ان کی وجہ سے اس میدان میں اس ریاست کو سارے ملک میں پہلا مقام حاصل ہے۔ پنچایتوں کے ذریعہ لوگوں کی شرکت اور انتظامیہ کی تائید سے دسمبر ۱۹۸۶ء کے آخر تک تقریباً ۱۲٫۵۵ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی پر حکومت کو حقوقِ ملکیت حاصل ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء تک ایسے قطعاتِ آراضی ۱۱٫۷۱ لاکھ غریب اور مستحق کسانوں خاندانوں کے درمیان تقسیم کر دیے گئے۔ مستفید ہونے والوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی تعداد تقریباً ۵۶٫۴ فیصد تھی، جبکہ ریاست کی کل آبادی میں ان کی آبادی کا تناسب ۲۷٫۶ فیصد ہے۔ سنہ ۱۹۸۶ء کے آخر تک ۱۳ لاکھ سے زیادہ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔

اصلاحاتِ آراضی کے اقدامات کو موثر بنانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ کاشتکاری کے لئے کھیتوں کے علاوہ دیگر سہولتیں — آبپاشی، کھاد، قرض، پیداوار کی بازار میں فروخت وغیرہ بھی فراہم کرنی ضروری ہے مثلاً تمام غیرزرعی سہولتوں کے ساتھ ساتھ مناسب ٹکنالوجی کے استعمال کا بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے محنت کش کاشتکار محنت کرتے ہیں۔ مضافاتی علاقوں میں مقامی وسائل کی نسبتاً کثرت ہے۔ اس لئے ایسی ٹکنالوجی استعمال کی جانی چاہئے جس کے ذریعہ اس "محنت" اور مقامی وسائل کو بہتر طور پر استعمال کیا جاسکے۔ ایسی ٹکنالوجی کے استعمال سے بے روزگاری کچھ حد تک کم ہو جائے گی اور عام لوگوں کے لئے زیادہ قوتِ خرید پیدا کرے گی۔

ان سب ٹکنالوجی کو زیرِ غور رکھتے ہوئے، آبپاشی کے حلقہ میں حالیہ برسوں میں اس ریاست میں چھوٹی آبپاشی کی سہولتوں میں توسیع پر زور دیا گیا ہے۔ گزشتہ پانچ چھ برسوں میں ہر سال صرف مغربی بنگال میں ۵۵ ہزار ہکٹائرس قطعاتِ اراضی کے لئے چھوٹی آبپاشی کے امکانات پیدا کئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑی آبپاشی پروجیکٹوں کے تحت کھیتوں کے درمیان لمبی اور چھوٹی نالیاں تعمیر کی گئیں اور ان نالیوں کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ ایسی سہولتوں میں مزید اضافہ کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان تمام اقدامات کی وجہ سے غذائی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں اس ریاست میں غذائی اجناس کی مجموعی پیداوار ۹۲٫۵۶ لاکھ ٹن تھی، جو ایک ریکارڈ ہے۔ سنہ ۸۶-۸۵ء میں ناموافق موسم کے باوجود غذائی پیداوار ۹۱٫۲۷ لاکھ ٹن ہوئی۔ چاول کی پیداوار فی ہکٹائر ۱۵۷۳ کیلو گرام اور گیہوں کی پیداوار فی ہکٹائر ۲۱۴۴ کیلوگرام ہوئی، جو قومی اوسط پیداوار سے کافی زیادہ ہے۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حالیہ برسوں میں زرعی مزدوروں کے لئے اوسط یومیہ اجرت کی شرح میں بھی اضافہ ہوا اور یہ یومیہ اوسط اجرت کی شرح، کئی ضلعوں میں نقد اور اجناس کی شکل میں دس روپے سے زیادہ ہے۔ نیز ماہی پروری و گیری، مویشیوں کی پرورش و پرداخت اور خاص طور پر سماجی جنگلات کے میدانوں میں پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔

مضافاتی ترقی کی تمام سرگرمیوں میں پنچایتوں کے ذریعہ مقامی عام لوگوں کو شامل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہاں جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام کا، جس کے تحت غریب مضافاتی کسانوں کو کاشتکاری کے لئے غیر۔ زمینی خام اشیاء اور دیگر فروعی سرگرمیوں کے لئے امداد اور قرض فراہم کئے جاتے ہیں، اور قومی مضافاتی روزگار پروگرام کا، جس کے

تحت مضافاتی علاقوں میں سماجی اثاثے کی تعمیر کے سلسلہ میں روزگار پیدا کرنے کے لئے خوراک اور زرِ نقد میں اجرتیں دی جاتی ہیں کا خاص طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان پروگراموں کے لئے بجٹ میں رکھی گئی گنجائش کا نصف ریاستی حکومت اور نصف مرکزی حکومت پورا کرتی ہے۔ نیز قومی مضافاتی روزگار پروگرام جیسے ایک اور پروگرام 'مضافاتی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام' کو بھی روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ان پروگراموں کی تکمیل میں پنچایتوں کو براہِ راست شامل کیا جا رہا ہے اور ان پروگراموں کی رفتار ترقی بخش ہے۔ ۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے جدید ترین اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی سے ۲۲۳۹۲۱ خاندان (نشانہ کا ۱۲۸٫۷ فیصد) مستفید ہوئے۔ این۔ آر۔ ای۔ پی کے تحت کام کرنے کے ۲۰۴٫۸ لاکھ دن (نشانہ کا ۱۱۲٫۷ فیصد) اور آر۔ ایل۔ ای۔ جی۔ پی کے تحت کام کرنے کے ۲۱۹٫۷ لاکھ دن (نشانہ کا ۱۳۲٫۳ فیصد) پیدا کئے گئے۔ اسی کے مطابق مالی وسائل کو روبہ کار لایا گیا۔ منصوبہ بندی کمیشن اور نابارڈ نے ان پروگراموں اور ان کے تحت کئے گئے اقدامات کو کافی سراہا۔

ایسی ٹکنالوجی ' جو مقامی وسائل اور مزدوروں کو استعمال میں لاتی ہے، کے ذریعہ زراعت کی رفتارِ ترقی کافی تشفی بخش ہوئی اور یہ دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی افزائش اور ترقی میں معاون ثابت ہوئی ہے۔ ان میں سے زیادہ چھوٹی صنعتی یونٹیں زراعت سے وابستہ ہیں اور عوامی مصارف کی چیزیں جیسے ہتھ کرگھے کے تیار کردہ کپڑے وغیرہ، تیار کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں اس ریاست میں رجسٹرڈ یونٹوں کی تعداد میں ۱۰۰ فیصد سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے — ایسی یونٹوں کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایک لاکھ سے کم تھی اور آج ایسی یونٹوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ سارے ملک میں ہماری ریاست میں رجسٹرڈ چھوٹی یونٹوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ حالیہ برسوں میں ہر سال مغربی بنگال میں اوسطاً ۱۴ ہزار چھوٹی یونٹیں قائم کی جا رہی ہیں اور اس طرح ہر سال مزید روزگار کے ۸۰ ہزار مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کے ساتھ ساتھ گزشتہ ۱۰ برسوں میں ہتھ کرگھوں کی صنعت کی کافی ترقی ہوئی ہے اور اس صنعت کی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۲۰ کروڑ میٹر سے بڑھ کر ۸۷-۱۹۸۶ء میں ۴۰ کروڑ میٹر ہو گئی۔

مغربی بنگال میں بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کی، ساتویں دہائی کے اوائل میں صنعتی پیداوار کا مجموعی اشاریہ بہت ہی نچلی حد تک پہنچ چکا تھا۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے قبل اس ریاست میں صنعتی پیداوار کے سالانہ اشاریہ کا اوسط (ابتدائی سال ۱۹۷۰ء = ۱۰۰) ۱۰۵٫۸ تھا جبکہ ۱۹۷۷ء کے بعد کے نو سال کے لئے یہ اوسط بڑھ کر ۱۱۹٫۲ ہو گیا۔

مرکزی حکومت کے عدم تعاون کے باوجود بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں میں پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ مغربی بنگال میں مرکزی حکومت کے اپنے اداروں میں براہِ راست سرمایہ کاری کی نسبتاً کمی بھی مرکزی تعاون کی اس کمی کی عکاسی کرتی ہے۔ مغربی بنگال کے ہلدیہ پٹرو۔کیمیکل کمپلکس اور الیکٹرونکس کمپلکس کی سرمایہ کاری سے مرکز کے انکار کو مغربی بنگال کے لوگ کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ مرکزی حکومت کے عدم تعاون کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اس نے مغربی بنگال کی بار بار درخواست کے باوجود مساوی کرایہ کی اپنی پالیسی کو برقرار رکھا اور اس کی وجہ سے اس ریاست میں اسٹیل، کوئلہ وغیرہ کے سلسلے میں جائے وقوع کے لحاظ سے جو سہولتیں فراہم ہیں ان سے ریاستی حکومت فیضیاب نہ ہو سکی۔

مرکزی حکومت کی ان پالیسیوں کے باوجود حالیہ برسوں میں اس ریاست میں متوسط درجہ کی اور بڑی صنعتوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا، اس کی وجوہ یہ ہیں: بجلی کی پیداوار اور سپلائی میں اضافہ اور بہتری، بیمار صنعتی یونٹوں کی احیائے نو کے لئے ریاستی حکومت کے کئے گئے اقدامات اور کام کرنے والے منظم طبقہ کا سماجی ذمہ دارانہ رویہ۔ بجلی کے سیکٹر میں بجلی کی پیداوار ۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۳-۱۹۸۲ء کے چھ برسوں میں ۹۹۲ میگاواٹ ہوئی جبکہ ۷۷-۱۹۷۱ء میں پیداوار صرف ۹۵ میگاواٹ ہوئی۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۷-۱۹۸۶ء تک کے عرصہ میں بجلی پیدا کرنے کی تنصیبی صلاحیت میں ۱۹۳۲ میگاواٹ کا اضافہ ہوا۔

ریاستی حکومت نے محدود مالی اختیارات کے باوجود اس ریاست میں بیمار صنعتی یونٹوں کی احیائے نو کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ گزشتہ دس برسوں میں تقریباً پچاس بیمار صنعتی یونٹوں کو مالی امداد فراہم کی گئی۔ ان میں سے تیرہ یونٹوں کی انتظامی ذمہ داری ریاستی حکومت نے سنبھال لی اور ان تیرہ (۱۳) میں سے دس یونٹوں کو قومیانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان تمام اقدامات کے ذریعہ ان تمام یونٹوں میں تقریباً ۵۰ ہزار ورکروں کے مفادات کا تحفظ کیا جا سکا۔

مرکزی حکومت کی ایجنسیوں نے بہت ساری صنعتی یونٹوں کے انتظامیہ کی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مرکزی حکومت، اپنے وسیع وسائل کے باوجود ایسی یونٹوں کو قومیانے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ، ان میں سے ایسی پانچ یونٹوں کی انتظامی ذمہ داریوں کو دوبارہ ان یونٹوں کے انتظامیہ کے حوالے کردیا اور اسی کی وجہ سے تقریباً ۳۵۰۰ ورکرس بے روزگار ہوگئے۔ ہم عزت مآب ممبران کو اس بات سے باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ ایسی صورت حال سے دوچار ریاستی حکومت نے اپنے محدود مالی اختیارات کے باوجود، مذکورہ پانچ یونٹوں کی انتظامی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے ہمیں خوشی حاصل ہورہی ہے کہ مالیاتی دباؤ کے باوجود ریاستی حکومت ورکروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مغربی بنگال میں بیمار یونٹوں کی احیاء نو کے لئے مدد کرتی رہے گی۔ ان تمام پیداواری سیکٹروں کی سرگرمیوں کے ذریعہ اس ریاست میں ہمارے ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ سنہ ۸۳-۱۹۸۴ء میں ریاستی گھریلو پیداوار اور مصنوعات کی افزائش کی شرح میں اعلیٰ ترین اضافہ (تقریباً ۸ افیصد) کرنا ممکن ہوسکا۔ سنہ ۸۳-۱۹۸۴ء سال کے لئے مرکزی حکومت نے ایسے اعداد وشمار کا اظہار کیا تھا۔

گزشتہ دس برسوں میں سماجی خدمات کے میدان میں رفتارِ ترقی کافی تشفی بخش ہے۔ اس سلسلے میں تعلیم کے شعبہ کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ یہاں بنیادی مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں میں تعلیم کو اس حد تک عام کردیا جائے پیداواری ڈھانچہ اور اس کے اردگرد کے معاشی۔ سماجی ماحول کو سمجھنے میں تعلیم ان کی معاون ثابت ہو ۔۔۔ اس بات کے پیشِ نظر اس ریاست میں ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کے لئے پروگراموں پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں توقع کی جاتی ہے کہ ۶ تا ۱۰ سال کی عمر کے تقریباً ۴٫۹۶ فیصد بچے پرائمری اسکولوں میں زیرِ تعلیم ہوں گے۔ اسی دوران دن کے طعام پروگرام کے تحت اب سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۰٫۸۶ لاکھ طلبا کی جگہ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳۱٫۸۶ لاکھ طلباء کو دن کا کھانا مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ طلباء کو نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

شہری ترقی کے شعبہ میں شہری ترقیات کو اور بھی زیادہ کارگر بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کلکتہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے شہروں کی طرف بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر منتخب میونسپلٹیوں کو پروگراموں کو مرتب کرنے اور ان کی تکمیل کے لئے زیادہ اختیارات دئے گئے ہیں۔

منصوبہ بندی کو کارگر بنانے اور منصوبہ بندی کے کام میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ عام لوگوں کو شریک کرنے کے سلسلہ میں گزشتہ دو برسوں میں اس ریاست میں پہل کی گئی ہے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر ہر ضلع اور بلاک میں ضلع اور بلاک منصوبہ بندی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ یہ کمیٹیاں ہر سطح پر پنچایت کے ممبروں، میونسپلٹیوں کے چیئرمین اور متعلقہ شعبوں کے حکام پر مشتمل ہیں۔ گرام پنچایتوں کی سطح سے بلاک منصوبے، بلاک منصوبہ بندی کمیٹیاں مرتب کرتی ہیں۔ ضلع منصوبہ بندی کمیٹی ان بلاک منصوبوں کو ضلع سطح پر گفت وشنید کرنے کے بعد ضلع منصوبہ میں شامل کرلیتی ہے۔ ہر ضلع کے لئے ایسے منصوبے مرتب کئے جاتے ہیں اور یہ ریاستی منصوبے کے جزو لاینفک بن جاتے ہیں۔

مضافاتی ترقی اور اصلاحاتِ آراضی کے ساتھ ساتھ آبپاشی کی سہولتوں میں فوری طور پر مزید توسیع پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ آبپاشی میں چھوٹی آبپاشی کے ایسے پروجیکٹوں پر زور دیا جائے گا جن سے جلد از جلد فوائد حاصل ہوں۔ بڑی آبپاشی میں موجودہ پروجیکٹوں کے لئے کھیتوں کے پاس سے گزرنے والی نہروں کی تعمیر کو ترجیح دی جائے گی۔ شمالی پروجیکٹ کے لئے تیستا پروجیکٹ کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہونچانے پر زور دیا جائے گا۔ جتنی جلد ممکن ہوسکے ۵۰ فیصد زرعی قطعاتِ آراضی کو آبپاشی کے تحت لانے کے لئے ریاستی آبپاشی میں آب پاشی کو ایک اہم مقام دیا گیا ہے۔

زراعت اکثر صنعت کو جنم دیتی ہے۔ زرعی خام اشیاء کی فراہمی اور زرعی پیداوار کی پروسیسنگ کرنے کے لئے زراعت سے متعلق سرگرمیوں اور زراعت کی مزدوروں کو چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی افزائش سے وابستہ کردینے کے لئے اور بھی جامع کوشش کی جائے گی۔ پٹرو کیمیکلس کی بڑی بڑی صنعتوں اور الیکٹرونکس کو ترجیح دی جائے

گی اور انہیں چھوٹے پیمانے کی مقامی معاون صنعتوں سے وابستہ کر دیا جائے
گا ۔ ایسے رشتے سے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں گے۔
اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ ان ضلعوں میں جہاں صنعتیں نہیں ہیں،
نئی صنعتی پوزیشن قائم کی جائیں ۔ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت بہت ہی
اہم کردار ادا کرے گی ۔

مضافاتی علاقوں کے ساتھ ساتھ شہری علاقوں میں بھی
روزگار کے مزید مواقع فراہم کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی ۔ اس
بات کی امید کی جاتی ہے کہ زراعت اور اس سے متعلق سیکٹرس،
صنعت اور خدمات کی سرگرمیوں، اس کے ساتھ ساتھ جاری
پروگراموں جیسے آئی ۔ آر ۔ ڈی ۔ پی، این ۔ آر ۔ ای ۔ پی، آر ۔ ایل ۔ ای
جی ۔ پی، تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے لئے خود روزگار پروگرام
اور سی ایم ڈی اے روزگار پروگرام کی وجہ سے ۸۶-۸۷ء میں کم از کم
۴ لاکھ افراد کے لئے روزگار کے مزید مواقع فراہم ہوں گے ۔ اس کے علاوہ
۸۶-۸۷ء میں مزید ۵۰ ہزار افراد کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے
کے نشانے کو پورا کرنے کے لئے اس پروگرام کے تحت امداد فراہم کرنے
کے سلسلے میں خصوصی فاضل غیر منصوبہ فنڈ کی گنجائش رکھی گئی ۔

تعلیم کے میدان میں ہر سطح پر حسب ضروری سہولتوں کی فراہمی
کے ساتھ ساتھ تعلیم کے معیار میں بہتری اور بلندی لانے پر زور دیا جائے
گا ۔ صحت عامہ میں صحت عامہ اداروں کے انتظامیہ میں بہتری لانے
کے لئے کڑی نگرانی کی جائے گی ۔ نیز صحت عامہ کے لئے مضافاتی اور
شہری علاقوں میں پینے کے پانی کی فراہمی کی سہولتوں میں مزید بہتری لانے
کی کوشش کی جائے گی ۔ موجودہ مالی سال میں اس بات کی کوشش کی
جائے گی کہ ہر گاؤں میں پینے کا پانی فراہم ہو ۔

ٹرانسپورٹ سیکٹر میں اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی
فراہم سہولتوں میں ضلعوں تک مزید اضافہ کیا جائے گا ۔

ان ضروری اور اہم پروگراموں میں سے چند کی تکمیل کی کوشش
ریاستی حکومت کے لئے مالیاتی بندشیں سد راہ ثابت ہوتی ہے اور
ان باتوں کے ساتھ ساتھ مرکز ۔ ریاست کے مالیاتی تعلقات کا مسئلہ
[illegible]الرانہ کھڑا ہوتا ہے ۔

ہم لوگوں نے سرکاریہ کمیشن سے پر زور درخواست کی تھی کہ
مرکز ریاست تعلقات میں مرکزیت کے موجودہ رجحان کو نمایاں طور پر برعکس
بنا دیا جائے ۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ اس کمیشن کی رپورٹ جتنی جلد ممکن
ہو سکے مکمل ہو جائے ۔ اس رپورٹ کے تسلیم کر لینے سے قبل مرکز اور
ریاستوں کے درمیان کوئی اہم گفت و شنید ہوگی ۔

پریشان کن بات تو یہ ہے کہ جب سرکاریہ کمیشن مرکز ۔
ریاست تعلقات کے بنیادی مسائل پر غور و خوض کر رہا ہے اس وقت
مرکز، مزید وسائل کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کرنے کے لئے چند یک طرفہ فیصلے
صادر کر رہا ہے ۔ اس کی ایک عیاں مثال یہ ہے کہ مرکزی حکومت
آبکاری کی شرحوں میں مناسب تبدیلی نہ لا کر لازمی چیزوں کا انتظامی قیمتوں
میں بار بار اضافہ کر دیتی ہے ۔ یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ
آبکاری سے حاصل ہونے والے محاصل کی ۴۰ فیصد رقوم کو ریاستوں
کے درمیان تقسیم کر دینا پڑتا ہے ۔ اس طرح آبکاری کی جگہ انتظامی
قیمتوں میں اضافہ کر کے اور ریاستوں کے درمیان انتظامی قیمتوں سے
حاصل کردہ رقوم کو تقسیم نہ کر کے، مرکزی حکومت ہم لوگوں کو محاصل
کے ایک بڑے حصہ سے محروم رکھ رہی ہے ۔

ایک اور پریشان کن بات یہ ہے کہ مرکز نے سیونگس بنک
ڈپازٹس کو چھوٹی بچت [illegible] زیادہ پرکشش بنا دیا ہے ۔ چھوٹی بچت
کے تحت حاصل کردہ رقوم ریاستی حکومت کے وسائل سے وابستہ ہوتی
ہیں ۔ مرکز کے اس یک طرفہ فیصلہ کی وجہ سے اس بات کا خدشہ لاحق
ہو گیا ہے کہ اس ریاست میں وسائل میں کمی ہوگی ۔ مرکز سے ہماری یہ
درخواست ہے کہ وہ بطور معاوضہ اس ریاست کو مناسب رقم فراہم
کرے ورنہ ریاستی حکومت کے وسائل میں کمی سے نیا مسئلہ اٹھ کھڑا
ہوگا ۔

ایک اور بھی مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں ۔ مرکزی
حکومت اکثر اپنے ملازمین کو مہنگائی بھتہ کی شکل میں معاوضہ دیتی ہے
اور اپنے طور پر اپنے ملازمین کی تنخواہوں کی شرحوں میں اضافہ کر دیتی
ہے ۔ یہ فیصلے دیگر باتوں کے علاوہ قیمتوں میں اضافے سے وابستہ ہوتے
ہیں ۔ قیمتوں میں اضافہ تو مرکزی حکومت کی پالیسیوں کے نتائج ہیں، اور
اس کے لئے ریاستی حکومت کسی طرح ذمہ دار نہیں ہے ۔ اس کے باوجود
اس کے نتیجہ میں ریاستی حکومت کو مالی بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے

جب تک یہ مالی بوجھ مرکز اور ریاستی حکومت مشترکہ طور پر برداشت نہیں کریں گی، ریاستی حکومت کے لئے یہ مالی بوجھ شدت اختیار کرے گا۔

عزت مآب ممبران اس امر سے واقف ہیں کہ ۲۷ مارچ ۸۶ء کو اس اسمبلی میں چار مہینے کے لئے پیش کردہ بجٹ میں ۱۷ر۵۹ کروڑ روپئے کی کمی دکھائی گئی تھی۔ اس بجٹ کو بذریعہ ووٹ منظور کیا گیا تھا۔ اس بجٹ میں مذکورہ کمی، ریاستی حکومت کے محدود موجودہ مالی وسائل، چند ضروری مسائل جن کا ذکر اس سے قبل کیا گیا تھا، کے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ضرورت اور غیر منصوبہ اخراجات میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ناگزیر اضافہ کو پورا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ فاضل محاصل کے وسائل کو تلاش کروں۔ ریاستی حکومت کے موجودہ مالی ڈھانچہ میں رہتے ہوئے ان فاضل وسائل کی تلاش میں میں نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی ہے کہ ٹیکس کا بار سماج کے نسبتاً کمزور طبقے پر نہ پڑے۔ میں اب ۸۶-۸۷ء سال کے لئے ٹیکس کے مندرجہ ذیل اقدامات کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

سب سے پہلے سیلس ٹیکس کا ذکر کروں گا، کیوں کہ یہ ریاست کے لئے محصول کا واحد سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ چیزوں کی کل فروخت پر ٹیکس کی شرح کو ازسر نو مرتب کیا جائے۔ موجودہ ڈیلروں کو ۵۰ لاکھ روپئے سے زیادہ کی فروخت پر ½ فیصد اور ایک کروڑ روپئے سے زیادہ کی فروخت پر ایک فیصد ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اب ایک کروڑ روپئے سے زیادہ کی فروخت پر ½۱ فیصد، ۵۰ لاکھ روپئے سے زیادہ لیکن ایک کروڑ سے کم پر ایک فی صد اور ۵۰ لاکھ روپئے تک کی فروخت پر ½ فیصد سیلس ٹیکس عائد کیا جائے۔ ان اقدامات سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ موجودہ مالی سال کے باقی عرصہ میں ۳۳ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔ عزت مآب ممبروں کو میں اس بات سے واقف کرانا چاہتا ہوں کہ کل فروخت پر ٹیکس کی مجوزہ تبدیلی سے قیمتوں میں اضافہ نہیں ہوگا کیوں کہ یہ ٹیکس براہ راست ٹیکس کی نوعیت کا ہے اور اسے صارفین تک منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح میری تجویز یہ ہے کہ فرنیچر اور ریفریجریٹر کیس، سوٹ کیس وغیرہ (ان میں کھلونے، اسکول بکس، پی۔ وی۔ سی، پلاسٹک یا دیگر مصنوعی چیزیں شامل نہیں ہیں) پر موجودہ ٹیکس کو ۸ فیصد کی شرح سے بڑھا کر ۱۵ فیصد کر دیا جائے۔ اس سے تقریباً مزید ایک کروڑ روپیہ بطور محاصل حاصل ہوگا۔ سماج کے کمزور طبقوں پر اس ٹیکس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اسی طرح میری تجویز یہ ہے کہ بنگال خام پاٹ ٹیکس ایکٹ میں سود کی گنجائش رکھی جائے۔ اس مد سے ۲۵ر۱ کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہوں گے۔

مضافاتی بنگال میں بائی سائیکل آمد و رفت کا عام ذریعہ ہے، اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ سائیکلوں، ان کے کل پرزوں، معہ سائیکل ٹائرس اور ٹیوبس پر عائد ٹیکس کی شرح کو ۶ فیصد سے گھٹا کر ۴ فیصد کر دیا جائے۔ میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ مٹھائیوں پر سے سیلس ٹیکس اٹھا لیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے کاروباریوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے مزید راحت فراہم کرنے کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ان کاروباریوں کے لئے، جو چیزیں تیار نہیں کرتے اور نہ وہ چیزوں کی درآمد کرتے ہیں، اس ایکٹ کے تحت اسی وقت ٹیکس ادا کرنا ہوگا جب ان کی اشیاء کی کل فروخت سالانہ دو لاکھ روپئے سے زیادہ ہو۔ اس قدم سے تقریباً ۲۵۰۰۰ چھوٹے تجار مستفید ہوں گے۔

میری ایک تجویز یہ ہے کہ ٹیکس کی حصولیابی کے طریقہ کار میں کچھ تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ ٹیکس کی ادائیگی سے پرہیز یا ٹال مٹول کرنے کے واقعات کم ہو جائیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ ان چیزوں پر خرید ٹیکس عائد کیا جائے جنہیں رجسٹرڈ ڈیلرس غیر رجسٹرڈ ڈیلروں سے خریدتے ہیں۔

صارفین کے مفادات کے تحفظ کے لئے چند اقدامات کئے جائیں گے۔ مثال کے طور پر میری تجویز یہ ہے کہ ایسے ڈیلروں کو سیلس ٹیکس وصول کرنے کی اجازت نہ دی جائے جن کے لئے ایسے سیلس ٹیکس کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ صارفین سے غیر قانونی طور پر یا زیادہ سیلس ٹیکس وصول کرنے کے لئے ڈیلروں پر جرمانہ عائد کرنے کیلئے گنجائش رکھی جائے۔ میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ۲۰ روپئے سے زیادہ کی چیزوں کی فروخت پر ڈیلروں کو صارفین کو کیش میمو یا بل دینا لازمی بنا دیا جائے۔

میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ کوئلہ پر سیس، کم اہم معدنیات پر رائلٹی کی شرحوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ ان اقدامات سے موجودہ مالی سال کے بقیہ عرصہ میں ۵ر۲۶ کروڑ روپئے بطور مزید محاصل حاصل

ہوں گے۔ میری ایک تجویز یہ ہے کہ اسٹامپ ڈیوٹی کی شرحوں کو از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ اس سے موجودہ مالی سال کے بقیہ عرصہ میں تقریباً ۷۵ر۳ کروڑ روپے بطور فاضل محاصل حاصل ہوں گے۔

میری یہ بھی تجویز ہے کہ ہندوستان میں تیار کی جانے والی بدیسی شراب اور دیسی شراب پر ٹیکس کی شرح بڑھا کر ۱۰ فیصد اور بیئر پر چھ روپے فی بلک لیٹر کی موجودہ شرح کو بڑھا کر ۷ روپے فی بلک لیٹر کردیا جائے۔

میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وی سی پی / وی سی آر سینٹرس کی عام نمائش کے لئے ٹیکس کی شرح کو نئے سانچے میں ڈھالا جائے۔ تجویز یہ ہے کہ ایسے ہوٹلوں کو جہاں رہائشی سہولتیں ہیں اپنے کمروں کو ویڈیو شو کی خوانگی نمائش کے لئے موجودہ شرح ٹیکس یعنی ۵۰۰ روپے کی جگہ ۱۰۰۰ روپے بطور ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح ایسے سیٹ رکھنے والوں کو ویڈیو شو کی عوامی نمائش کے لئے فی ہفتہ ۵۰۰ روپے کی جگہ ۷۵۰ روپے بطور ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کہ ٹیکس ایسے شو/نمائش دیکھنے والے لوگ انفرادی طور پر یا ایک ساتھ مل کر ادا کرتے ہیں۔ ان اقدامات سے موجودہ مالی سال میں ۷۵ لاکھ روپے بطور ٹیکس وصول ہوں گے۔

ٹیکس کے مذکورہ مجوزہ اقدامات کو روبہ عمل لانے کے لئے اسی اسمبلی کے حالیہ سیشن کے دوران ٹیکس قوانین (ترمیمی) بل پیش کیا جائے گا۔

عزت مآب ممبران مہربانی فرما کر اس نقطہ پر غور کریں کہ ٹیکس کے اقدامات کی تجویزوں کو موجودہ مالی سال کے بقیہ مہینوں میں روبہ عمل لایا جائے تو اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ ۸۶-۸۷ء کے لئے کل ۲۵ر۲۹ کروڑ روپے کے فاضل وسائل اکٹھا کئے جائیں گے۔ اس طرح بشمول ابتدائی باقی سال کے آخر تک ۹۶ر۵۲ کروڑ روپے کی بچت ہوگی۔

اس بات کا قبل ہی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس بجٹ میں جسے زبانی پاس کیا گیا تھا، ۵۹ر۷ کروڑ روپے کا خسارہ تھا۔ نیز اسپتال خدمات اور مہنگائی بھتہ کے لئے ۴۶ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی۔ مہنگائی بھتہ کا مسئلہ قیمتوں میں اضافہ سے وابستہ ہے اور قیمتوں میں اضافہ مرکزی حکومت کی پالیسیوں سے وابستہ ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کے ہر فیصلے کا بوجھ ریاستی حکومت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مرکز کسی بھی قسم کی مالی ذمہ داریوں کو ریاست کے ساتھ برداشت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات صرف مہنگائی بھتہ تک محدود نہیں ہے۔ مرکزی حکومت کے ذریعہ مرکزی تنخواہ کمیشن کی سفارشات کی تکمیل کے نتیجہ میں تنخواہوں کے پورے ڈھانچے میں جو تبدیلی لائی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ریاستی حکومت کو بھی تیسرا تنخواہ کمیشن مقرر کرنا پڑا۔ اسی تنخواہ کمیشن کی رپورٹ کے موصول ہونے تک میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یکم اگست ۸۶ء سے فی ملازم ۵۰ روپے فی ماہ کے حساب سے عارضی امداد فراہم کی جائے۔ نیز جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ خود روزگار کے پروگرام کو مستحکم اور وسیع بنا کر ۵۰ ہزار فاضل روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تخمیناً ۹۶ر۵۲ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی اور یہ رقم ہماری بجٹ کی بچت کی رقم کے برابر ہے۔ اس لئے میں ۸۶-۸۷ء مالیاتی سال کے لئے آپ کے سامنے ایک صفر-کمی روکڑ باقی کا بجٹ پیش کرتا ہوں۔

اس متوازن بجٹ کے تخمینہ سے یہ مراد نہیں کہ پروگرام کے مقاصد پورے ہو جائیں گے۔ اس سے صرف یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ریاستی حکومت کے محدود وسائل کی وجہ سے، مالیاتی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اہم پروگراموں کو بہت حد تک محدود رکھا جائے گا۔ ان پروگراموں کی تکمیل کے لئے ریاستی حکومت اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گی کہ منصوبہ بندی کے لامرکزی نظام کے ذریعہ، منصوبہ بندی کو مضافاتی علاقوں میں ہر گاؤں تک اور شہری علاقوں میں ہر میونسپل وارڈ تک لے جاکر، عام لوگوں کو شریک کیا جائے۔ یہ تو عام لوگوں کی شرکت کے ذریعہ ہی بہت سارے پروگراموں کو بہترین طریقہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے گا اور اس کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس امر سے واقف ہو جائیں گے کہ ریاستی حکومت کو کن مالیاتی دشواریوں اور بندشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو عام لوگ ہی ہوں گے جو صلاحیت اور وسائل کو آگے بڑھائیں گے۔ اس جمہوری کوشش میں ہم ان تمام لوگوں کے جو ہماری ریاست کے عوام کی فلاح و بہبود کے خواہاں ہیں، تعاون کے متلاشی ہیں ***

رائٹرز بلڈنگ کلکتہ میں گزشتہ ۱۸ مئی ۸۷ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور وزیر تعلیم شری کانتی بسواس، مرکزی وزیر انسانی وسائل ترقیات شری نرسمہا راؤ سے بات چیت کرتے ہوئے

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road. Calcutta-700 048.

MAGHREBI BANGAL

1 JUNE 1987



Postal Regd. No. WB CC-52
Vol-34 No—11
PRICE Paise

রবীন্দ্র স্মৃতি পুরস্কার ১৯৮৭



حال ہی میں ربندرا سدن (کلکتہ) میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو (اوپر) شری سیسر داس اور (نیچے) شری ربندرا کمار اچاریہ کو ربندرا میموریل ایوارڈ دیتے ہوئے (نیچے) تصویر میں وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

রবীন্দ্র স্মৃতি পুরস্কার ১৯৮৭
শিক্ষা বিভাগ · পশ্চিমবঙ্গ সরকার

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت: بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۳۳- آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ جون ۱۹۸۶ء ★ شمارہ نمبر ۱۲



عدم آباد جدائی

دور آفاق پہ لہرائی کوئی نور کی لہر
خواب ہی خواب میں بیدار ہوا درد کا شہر
خواب ہی خواب میں بیتاب نظر ہونے لگی
عدم آباد جدائی میں سحر ہونے لگی
کاسۂ دل میں بھری اپنی صبوحی میں نے
گھول کر تلخیِ دیروز میں امروز کا زہر
دور آفاق پہ لہرائی کوئی نور کی لہر
آنکھ سے دور کسی صبح کی تمہید لئے
کوئی نغمہ، کوئی خوشبو، کوئی کافر صورت
عدم آباد جدائی میں مسافر صورت
بے خبر گزری، پریشانیِ امید لئے
گھول کر تلخیِ دیروز میں امروز کا زہر
حسرتِ روزِ ملاقات رقم کی میں نے
دیس پردیس کے یارانِ قدح خوار کے نام
حسنِ آفاق و جمالِ لب و رخسار کے نام

فیض احمد فیض

امداد باہمی تحریک کی یکساں ترقی لازمی ہے

پروفیسر نرمل بوس

امداد باہمی تحریک ایک آزاد اور جمہوری تحریک ہے اور اسے اسی طرح آگے بڑھنا چاہئے، لیکن بدقسمتی سے ملک کے مختلف علاقوں میں اب اس کی آزاد خصوصیت میں اکثر خلل ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ بہت ساری ریاستوں میں ابتدائی سے ریاستی سطح تک کوآپریٹیو (امداد باہمی) سوسائٹیوں کے منتخبہ کمیٹیوں کو عرصہ دراز سے معطل کر دیا گیا اور حالیہ برسوں میں اس علاقہ کی ریاستوں میں ایسی سوسائٹیوں کو بلا وجہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ منسوخ کردہ سوسائٹیوں کو سرکاری حکام یا سیاسی لحاظ سے نامزد کردہ لوگ چلاتے ہیں۔ حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے نامزد کردہ لوگوں کا کوآپریٹیو سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ کوآپریٹیو تحریک کے تصور کے خلاف ہے۔ ایک کوآپریٹیو سوسائٹی اس کے ممبروں کی اور صرف اس کے ممبروں کی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی بدنظمی، بدعنوانی اور اسی طرح کی دیگر شکایتوں کی وجہ سے حکومت کے لئے ایک خاص سوسائٹی کے معاملہ میں دخل دینا ضروری ہو جاتا ہے لیکن یہ بات ایسی نہیں جو بار بار ہوتا ہو۔ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو عرصہ دراز سے معطل کر کے رکھنا نہیں چاہئے اور نہ ہی انہیں حکومت کے تقرر کردہ انتظامیہ کے زیر انتظام رکھا جانا چاہئے۔ ان سوسائٹیوں کے لئے باضابطہ انتخابات ہونے چاہئیں اور اس امداد باہمی تحریک کے لئے جمہوریت کو پھر سے بحال کر دینا چاہئے۔ امداد باہمی میں جمہوریت کے کاز کے لئے ہمیں اس تحریک کی پرزور تائید کرنی چاہئے۔

کثیر ریاستی انجمن امداد باہمی ایکٹ، جسے حال ہی میں مرکزی حکومت نے نافذ کیا ہے، کوآپریٹیو کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کے اختیارات میں غیر ضروری مداخلت کرتا ہے۔ امداد باہمی، اب بھی دستور ہند کی وضاحت کے تحت ایک ریاستی موضوع ہے اور مرکز کی طرف سے خاص طور پر قومی مرکزی سوسائٹیوں میں ریاستی سطح کی نمائندگی کی بابت کسی قسم کی مداخلت کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد باہمی تحریک کو آزاد، خود مختار اور جمہوری بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ خود اعتماد تحریک ہو اور اسے اپنی بقا کے لئے حکومت کی مالی امداد یا انتظامی تائید پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ اگر یہ حکومت کی کسی نہ کسی صورت میں مدد حاصل کرے، تو لامحالہ یہ حکومت کے کنٹرول میں آجائے گی۔ اس ملک میں ۸۳ سال قبل امداد باہمی تحریک شروع ہوئی تھی، اس لئے اس تحریک کو اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سماج کے کمزور طبقے کے لوگوں کو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ممبر بنانے کے لئے چند اقدامات کئے گئے ہیں تاہم اب بھی غریب ترین افراد یعنی حاشیائی کسان، برگدار اور زرعی مزدور، بستی کے رہنے والے اور مختلف صنعتی یونٹوں میں کام کرنے والے مزدور کوآپریٹیو کے دائرہ سے باہر ہیں۔ امداد باہمی تحریک تو ان کی ہے اور ان کے لئے ہے، اسی لئے ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو اس تحریک سے وابستہ ہونا چاہئے۔ اس تحریک میں عورتوں اور نوجوانوں کو بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔

قرض کی، خاص طور پر کوآپریٹیو کے ذریعہ زراعت کے لئے مختصر عرصہ کے قرض کی، وصولی کی صورت حال نہایت ہی تشویش بخش ہے۔ سارے ملک میں ۱۶۰۰ کروڑ روپئے کے ایسے قرض ابھی تک واپس نہیں کئے گئے۔ چونکہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر سے متعلقہ ممبروں کو نئے قرض نہیں دئے جاتے، اس طرح بہت سارے کسانوں کو دوبارہ قرض فراہم نہیں کیا جا سکا۔ قرض کی واپسی کے سلسلے میں چند کسانوں کی طرف سے مزاحمت بھی کی گئی اور بعض جگہوں میں سیاسی طور پر مزاحمت کی گئی۔ ہر سطح پر یہ عزم مصمم ہونا چاہئے کہ قرض کی مناسب طور پر واپسی ہو۔ نہ صرف اس

لئے کہ اس کی وجہ سے امداد باہمی زندہ و جاوید رکھا جا سکے بلکہ اس لئے بھی کہ مضافاتی قرض، جو ملک میں زرعی ترقی کے لئے ایک لازمی شرط ہے، کی مسلسل سپلائی کو برقرار رکھا جا سکے گا۔

قرض کی ادائیگی پر ہم سبھوں کو زور دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ منصوبہ بندی کمیشن، ریزرو بینک آف انڈیا اور زرعی اور مضافاتی ترقی کے لئے قومی بینک کے پرانے قرض، جو ابھی تک واپس نہیں کئے گئے، سے پیدا ہونے والے مسائل پر غائر غور و خوض کرے۔ اگر اس سلسلہ میں خاص طور پر غریب کسانوں کے لئے مشکلات کو دور کرنے کے لئے چند ٹھوس اقدامات نہیں کئے جائیں گے، تو ایسے لوگوں کو مزید قرض نہیں فراہم کئے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں موجودہ انتظامات قطعی ناکافی ہیں۔

چونکہ تقریباً ۴۰ فیصد ابتدائی زرعی قرض سوسائٹیاں خستہ حال بن چکی ہیں یا نقصان پر چل رہی ہیں۔ یہی بات کمزور ضلع مرکزی امداد باہمی بنکوں کے سلسلے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ غیر کاشت مالیات سیکٹر جیسے آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی پروگرام میں امداد باہمی آراضیات ترقیات بنکوں کی کارکردگی میں بہتری لانے کے سلسلے میں تمام ریاستوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ فوری طور پر کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ، قوانین اور ذیلی قوانین میں حسب ضروری ترمیمات لائیں۔

اب ہم زرعی بازار سیکٹر کی طرف زیادہ توجہ دیں گے۔ بہت سارے علاقوں میں کسانوں کو اپنی پیداوار کے لئے پُرمنفعت قیمتیں نہیں ملتیں اور کسان اپنا قرض ادا کیوں نہیں کرتے، اس کی یہ ایک وجہ بھی ہے۔ اس سال ہم نے یہ دیکھا کہ مشرقی علاقہ کی زیادہ تر ریاستوں میں پاٹ اگانے والوں کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان لوگوں کو مجبوراً اپنی پاٹ کو مرکزی حکومت کی مقرر کردہ قیمت سے بھی کم قیمت پر فروخت کرنا پڑا۔ کوآپریٹیو مارکٹنگ سوسائٹیاں کافی پاٹ خرید نہ سکیں کیونکہ ہندوستان کے پاٹ کارپوریشن اور ہندوستان کے ریزرو بینک سے انہیں حسب خواہ مالی رقوم فراہم نہیں کی گئیں۔ پاٹ کی بازار میں فروخت، پاٹ کے لئے گودام گھروں کی تعمیر، مالی رقوم کی فراہمی وغیرہ جیسی ضروری سہولتوں کو پورا کرنا اشد ضروری ہے تاکہ مارکٹنگ سوسائٹیاں پاٹ کسانوں کے لئے پاٹ سے اچھی رقوم حاصل کرنے میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ زرعی چیزوں کی پروسیسنگ کے لئے یونٹیں قائم کرنے کے سلسلے میں بھی مارکیٹنگ سوسائٹیوں کو پہل کرنی چاہئے۔

اس بات کی طرف بھی دھیان دینا بہت ضروری ہے کہ کسان زیادہ سے زیادہ کھاد استعمال کریں۔ آج کوآپریٹیو سیکٹر میں کھاد تیار کرنے کے دو بڑے کارخانے ہیں۔ انڈین فارمرس فرٹیلائیزر کوآپریٹیو لمیٹڈ اور کرشک بھارتی کوآپریٹیو لمیٹڈ۔ مشرق کی ریاستوں نے ان کوآپریٹیو کے حصص خریدے اور انہیں اپنے پلانٹس سے خام اشیاء کی باضابطہ سپلائی کا یقین دلایا لیکن آج ان باتوں پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ بہانہ یہ کہ میزبان ریاست کو دوران ربیع موسم میں بھرپور سے کھاد کی سپلائی سے محروم رکھا گیا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ان دونوں کوآپریٹیوس کی کل پیداوار کو ای۔ سی۔ اے کے دائرہ عمل سے باہر رکھا جائے۔ مرکزی وزیر زراعت ریاستی حکومتوں اور مذکورہ بالا دو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے نمائندوں کو ایک ساتھ بیٹھ کر اس موضوع پر گفت و شنید کرنی چاہئے اور کھاد کی ریاست وار تقسیم کرنی چاہئے۔ ریاستوں کو بقیہ ضرورتوں کو دیگر ذرائع سے پورا کرنا ہوگا۔

جب روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں، تو ہمیں عوامی نظام تقسیم میں صارفین کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو مستحکم بنانے کے لئے اور بھی کوشش کرنی چاہئے۔ صارفین کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو رعایتی شرح پر مالیاتی سہولتیں فراہم کرنے والے "نابارڈ" کو آگے بڑھنا چاہئے۔ اس ملک کے مشرقی اور شمال مشرقی علاقوں کی ریاستوں میں شیڈولڈ ٹرائب کی ایک کثیر آبادی ہے۔ گرچہ ان علاقوں میں کوآپریٹیو سوسائٹیاں، جن میں چند ریاستوں میں "لیمپس" قسم کی سوسائٹیاں بھی شامل ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے قبائلیوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہی ہیں، تاہم یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ کیوں قبائلی لوگ کوآپریٹیو میں شامل ہونے میں پس و پیش کرتے ہیں اور کیوں ان میں سے زیادہ تر سوسائٹیاں مالی پریشانیوں سے دوچار ہیں، کیونکہ یہ سوسائٹیاں غریب کسانوں کو قرض فراہم کرتی ہیں لیکن ایسے کسان قرض ادا نہیں کرتے یا ادا کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ ایسی سوسائٹیوں کے ارباب حل و عقد زیادہ تر غیر قبائلی ہیں، اس لئے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ابتک قبائلی کی مناسب سربراہی کو اتنا فروغ حاصل نہیں

ہوا کہ وہ اس کی خدمات خود ذمہ داری سنبھالے۔

نوجوانوں کی بے روزگاری کا مسئلہ شدید بنتا جارہا ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ نوجوانوں کی اس سلسلہ میں ہمت افزائی کی جائے کہ وہ صنعتی اور اسی طرح کی دیگر کوآپریٹیو سوسائیٹیاں قائم کریں جن کی مدد سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ اس سلسلے میں بے روزگار نوجوانوں کی مدد کرنے کے پیش نظر ہنر میں تربیت کے لئے بہتر انتظامات، قرض کی دستیابی اور ایسی سوسائیٹیوں کے رجسٹریشن کیلئے قوانین میں نرمی وغیرہ کی اشد ضرورت ہے۔ بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کے ورکروں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنی کوآپریٹیو سوسائیٹیاں قائم کریں اور حکومتوں، بنکوں اور مالیاتی اداروں کی مدد سے ان یونٹوں کی احیاء نو کریں۔ ایسی تمام کیسوں میں قومیانے پر زور دینا چاہئے۔

ایک کوآپریٹیو سوسائٹی ایک کاروباری ادارہ ہوتی ہے اور جب تک ہم اس کی انتظامی صلاحیت میں بہتری نہیں لائیں گے، اس وقت تک ہم پرائیویٹ اور پبلک سیکٹروں میں مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔

کوآپریٹیو مختلف حلقوں میں پھیلا ہوا ہے جیسے زراعت، ماہی گیری اور پروری، ڈیری ترقیات، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت، شہری سپلائیز وغیرہ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ان سیکٹروں کے مابین، خواہ سرکاری سطح پر ہو یا غیر سرکاری سطح پر، اچھا تال میل کی کمی ہے۔ امداد باہمی میں گوناگوں ترقی کے لئے سبھوں کو بہتر تال میل کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔

اکثر ہم لوگ مختلف سطحوں پر کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے خلاف بدعنوانی کی شکایتیں سنتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسی شکایتیں بالکل مبہم اور من گھڑت ہوتی ہیں۔ امداد باہمی تحریک کو بدنام کرنے کے لئے چند مفاد پرست لوگ پرزور کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں ان کے خلاف کھڑا ہونا چاہئے اور اس تحریک کے وقار کو بلند رکھنے کے لئے جو ہمارے لئے ممکن ہوسکے گا، ہمیں کرنا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ چند سوسائیٹیوں میں بدعنوانیاں رونما ہوتی ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان بدعنوانیوں کو ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینکیں اور اس تحریک کے وقار کا تحفظ کریں۔

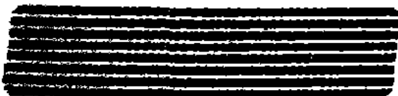
کوآپریٹیو کے ممبروں کی تربیت اور تعلیم کے لئے این سی یو آئی اور ریاستی کوآپریٹیو یونینوں کو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ ہمیں اس سیکٹر پر جس سے غفلت برتی گئی ہے زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہم سب موثر طریقے سے تمام لوگوں کے درمیان امداد باہمی کے تصورات کا پرچار کریں تاکہ وہ مناسب طریقہ سے اس میدان میں خدمات انجام دے سکیں۔

فی الحال ہم لوگوں کو، چونکہ ہم این سی یو آئی سے وابستہ ہیں، مرکزی حکومت کے اس فیصلے سے تشویش لاحق ہوگئی ہے کہ این سی سی ٹی (قومی کاؤنسل برائے امداد باہمی تربیت) کو دی جانے والی تمام مالی امداد کو روک دیا جائے اور یہ کاؤنسل، این سی یو آئی کی طرف سے ملک میں امداد باہمی تربیت کالجوں کو چلانے کی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔ مرکزی حکومت نے تو اس کاؤنسل کو توڑ دینے کی سفارش کی تھی۔ ہم لوگ اس رویہ کے خلاف ہیں اور ہم نے مرکزی وزیر زراعت اور وزیر ریاست سے اس سلسلہ میں ملاقات اور بات چیت بھی کی تھی۔ وزراء نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ وہ اس مسئلہ پر ہمدردی کے ساتھ غور کریں گے۔

کوآپریٹیو میں متعلقہ افراد کی تربیت بہت ہی ضروری ہے اور تربیت جاری رہنی چاہئے۔ اور این سی سی ٹی کو اس معاملہ میں رہبری اور تال میل رکھنے کے سلسلہ میں اپنی خدمات جاری رکھنی چاہئے۔

دیہی راستوں کی بہتری کیلئے فنڈ

ریاستی حکومت نے جنوبی ۲۴ پرگنہ میں واقع کمارکھالی اور کدار گھاٹ کے درمیانی راستوں کی بہتری کے لئے ۲۶.۹ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ جنوبی ۲۴ پرگنہ ضلع پریشد اس کام کو عملی شکل دے گا۔ کالا گچھیا روڈ کو فروغ دینے کے سلسلے میں نقل و حرکت کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے مزید ۵ر۵۷ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ جنوبی ۲۴ پرگنہ ضلع پریشد اس کام کو روبہ عمل لائے گا۔



جی این ایل ایف تنظیم اور شورشیں

دوسری قسط

برٹش حکومت کی یہ تنقید کہ اس نے دو آزاد ملک ' ہندستان اور پاکستان بناکر ہندستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا ' جب گورکھاؤں اور ان کے الگ کردہ علاقوں کو چوراہے پر چھوڑ دیا گیا ' اس تحریک کے مطمحِ نظر کی گرچہ حال ہی میں اعلان کیا گیا کہ گورکھا بھارت ماتا کے فرمانبردار شہری ہیں ' مزید تصدیق کرتی ہے۔ ہمیں اس اپیل کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے جو انہوں نے پوسٹر اور لیفلیٹ کے ذریعہ کی۔ اس اپیل میں گورکھا سپاہیوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اب دوسروں کے لئے نہ لڑیں۔ ہندستانی فوج سے نکل بھاگیں اور گورکھا لینڈ کے لئے جدوجہد کرنے کے سلسلے میں ہتھیار اٹھائیں۔

جب ستمبر ۱۹۸۶ء میں راجیو گاندھی نے کلکتہ میں یہ اعلان کیا کہ مغربی بنگال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا تو جی این ایل ایف نے اپنے حامیوں کے سامنے اس کی یوں تشریح کی کہ یہ تو آنے والے انتخاب کے پیشِ نظر ایک سیاسی بیان ہے اور یہ مرکزی حکومت کے حقیقی ارادوں کی عکاسی نہیں کرتا۔ اس نے مزید اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ گورکھا لینڈ کے قیام سے مراد مغربی بنگال کی تقسیم نہیں ہے۔ کیونکہ دارجلنگ جی این ایل ایف کے مطابق، بنگال کا علاقہ نہ تھا۔ بہت سارے جلسے میں گھیشنگ اور جی این ایل ایف کے دیگر سربراہوں نے اپنی تقریروں میں اس بات کا ذکر کیا کہ گورکھا لینڈ کا قیام کوئی قانونی دشواری پیدا نہیں کرے گا اور یہ کہ ان کے حامیوں کو انتظار کرنا چاہئے کیونکہ ان کے سربراہوں کو بات چیت کرنے کیلئے بہت ہی جلد دہلی میں آنے کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی حکومتِ مغربی بنگال کی تنقید بھی تیزی سے کی جانے لگی۔ ایک دستاویز میں جسے جی این ایل ایف کے مطالعہ فورم نے شائع کیا تھا، دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں مرکزی حکومت کی مداخلت کی درخواست کی گئی۔ اس دستاویز میں یہ کہا گیا کہ دارجلنگ پر دستورِ ہند کی دفعہ ۳۵۶ کا اطلاق کیا جائے اور وہ اس بات کو بار بار دہرانے لگے کہ جب تک مغربی بنگال کی ریاستی حکومت سی پی آئی (ایم) کی سربراہی کے تحت رہے گی اس وقت تک ہندستان کی یکجہتی سالم اور محفوظ نہیں رہے گی۔ مرکزی حکومت کو خوش کرنے کے لئے کمیونسٹ پارٹی کا ہوا کھڑا کر دیا گیا۔ مرکزی حکومت کو یاد دہانی کرائی گئی کہ چینی سرحد سے قریب ایک بائیں محاذ حکومت کا ہونا محفوظ نہیں ہے اور یہ نقطہ اس لئے پیش کیا گیا کہ ایک کمیونسٹ دشمن گورکھا لینڈ سرحدی علاقوں کے کمیونسٹ اثرات سے پاک رکھنے میں معاون ثابت ہوگی۔

دارجلنگ میں نیپالی بولنے والے لوگوں کے درمیان اس قسم کے پروپیگنڈے کا مقصد یہ ہے کہ مرکزی حکومت کو ایک دوست کی طرح اور اس کے ساتھ ریاستی حکومت کو ایک دشمن کی طرح پیش کیا جائے۔

یہ پروپیگنڈہ اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ اب اس نے ممتاز بنگالیوں کو قوم دشمن قرار دینا شروع کر دیا۔ اس پروپیگنڈے نے رابندر ناتھ ٹیگور کو "قوم دشمن" قرار دیا۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ شاعر موصوف نے انگریزی بادشاہ کی تعریف میں "جن۔ گن۔ من" گیت لکھا اور اس کے انعام کے طور پر انہیں نوبل پرائز ملا۔ سبھاش چندر بوس کو بھی "قوم دشمن" قرار دیا گیا کیونکہ انہوں نے جاپان اور ہٹلر کے ساتھ مل کر برٹش فوج کے خلاف جنگ کی۔ ستیہ جیت رائے کو بھی اسی خطاب سے نوازا گیا کیونکہ اپنی فلموں میں انہوں نے ہندستانی غربت کو پیش کیا ہے۔ اور اس طرح بیرونی ممالک میں انہوں نے ملک کی ایک بھدی تصویر پیش کی ہے۔ اس پروپیگنڈے میں شیاما پرشاد مکھرجی ایم۔ این۔ رائے، سوشیل چٹرجی (دارجلنگ میں کمیونسٹ تحریک کے ایک بانی)

اور حسب توقع جیوتی باسو کو "قوم دشمن" بتایا گیا۔ ان تمام افراد میں سے گھیسنگ پر یہ الزام عاید کیا گیا کہ انہوں نے "چین کا چیئرمین، ہمارا چیئرمین" کا نعرہ لگایا تھا۔ آخر میں اس بات پر زور دیا گیا کہ گورکھ کبھی بھی قوم دشمن نہ تھے اس پمفلٹ میں [illegible] باتیں درج ہیں لیکن اس کا مقصد صاف ہے اور وہ یہ کہ بنگالیوں کے خلاف فرقہ وارانہ نفرت پیدا کی جائے اور پہاڑی علاقوں میں جدوجہد کو بنگالی اور گورکھا کے بیچ جدوجہد کے طور پر ظاہر کیا جائے۔

بعد میں جب حکومت مغربی بنگال نے دباؤ ڈالا تو مرکزی وزیر بوٹا سنگھ نے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ سے ملے بغیر گھیسنگ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ جی این ایل ایف نے اپنے حامیوں کے درمیان اس بات کی یوں تشریح کی کہ یہ تو ایک سیاسی چال ہے اور انہیں یقین دلایا کہ بہت ہی جلد گھیسنگ کو دہلی بلایا جائے گا۔ درحقیقت گزشتہ نومبر میں تقریباً ایک مہینے تک گھیسنگ کے ٹھکانے کا پتہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس مدت کے کچھ عرصہ تک گھیسنگ دہلی میں رہے اور وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی۔ باقی عرصہ شمالی ہندستان میں نیپالی بولنے والے لوگوں سے بات چیت کرنے میں گزارا۔

۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو گھیسنگ نے بوٹا سنگھ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے مرکزی وزیر داخلہ بوٹا سنگھ، وزیر اعظم راجیو گاندھی، ارجن سنگھ اور اشوک سین کا شکریہ ادا کیا کہ ان لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ان کی تحریک قوم دشمن نہیں ہے۔ اور ہندستانی ہونے کے ناطے ہم ہندستانی دستور کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اپنے مسائل کے حل کے متلاشی ہیں۔ اس کے بعد اس خط میں مرکزی وزیر داخلہ بوٹا سنگھ سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ اس خط میں نیپالی بولنے والے ان ہندستانیوں کا ذکر کیا گیا جو ہند۔ نیپال معاہدہ' پر ۱۲ر جولائی ۱۹۵۰ء کو دستخط ہونے کے قبل ہندستان میں آباد تھے۔ اس مختصر خط کے دو پیراگراف میں ریاستی حکومت کے خلاف شکایتیں ہیں کہ اس نے اس تحریک کے خلاف سی آر پی اور بی ایس ایف بھیجے۔ اس میمورنڈم میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا کہ جی این ایل ایف اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے پر امن، جمہوری اور دستوری طریقہ کار پر یقین رکھتا ہے۔

اس خط کے جواب میں سی جی سومیہ، سکریٹری شعبہ داخلہ اور گھیسنگ کی سربراہی میں چار ممبروں پر مشتمل ایک وفد کے درمیان ۱۷ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو ایک نشست ہوئی۔ بوٹا سنگھ کے نام گھیسنگ کے خط کی ایک کاپی مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ کو بھی دی گئی تھی۔ اور یہ کاپی اس وقت پہنچی جب وزیر اعظم یہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ اسی دوران گھیسنگ نے بذات خود ایک پریس بیان جاری کیا، اور اپنے بدلے ہوئے لہجہ میں گھیسنگ نے ان لوگوں کی شکایتوں کو جلد از جلد رفع کرنے اور ان کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کرنے کے لئے مرکزی وزیر داخلہ سے درخواست کی اور مرکزی وزیر داخلہ سے اپیل کی کہ وہ ان کے مطالبات پر فوری غور کریں کہ ان گورکھاؤں کو جو آزادی سے قبل اور 'ہند۔ نیپال معاہدہ' ۱۹۵۰ء کے دستخط ہونے سے قبل ہندستان میں رہتے تھے تسلیم کر لیا جائے اور انہیں ہندستانی قوم ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ حسب توقع انہوں نے اس کے بعد مرکزی وزیر داخلہ سے اس کی شکایت کی کہ مغربی بنگال میں سی پی آئی (ایم) حکومت اور اس کے بیٹھو دارجلنگ اور دوار کے علاقوں میں گورکھاؤں سے گویا جنگ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت سی آر پی اور بی ایس ایف کو ان لوگوں کے خلاف استعمال میں لا رہی ہے۔ اس لئے انہوں نے مرکز سے تحفظ کی درخواست کی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ تمام باتیں صرف چار عبارتوں میں درج ہیں، لیکن پانچویں عبارت میں ہندستان کے اندر گورکھاؤں کے لئے ایک نئی ریاست قائم کرنے پر زور دیا گیا اور پہلی بار معاشی مسائل کے سوال بھی اٹھائے گئے۔ اس بیان میں یہ درج ہے کہ "ایک الگ ریاست" انہیں اس قابل بنا دے کہ وہ اپنے علاقہ کی تیز تر معاشی ترقی کے اقدامات کو بروئے عمل لائیں اور یہ کہ انہیں اس بات کا سرٹیفکیٹ دیا جائے کہ وہ سب ہندوستانی ہیں۔ گھیسنگ نے یہ شکایت کی کہ اس علاقہ کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہے اور منصوبہ بندی کمیشن کے اس علاقہ کی ترقی کے لئے دئے گئے فنڈ کو ریاستی حکومت غلط طریقے سے خرچ کر رہی ہے۔

بہر حال اس کے فوراً بعد ہی گھیسنگ نے اپنے مطالبات میں سے معاشی مطالبہ کو واپس لے لیا اور وہ اسی نقطہ پر زور دینے لگے کہ ان کی لڑائی زمین کے لئے ہے۔ گرچہ یہ بیان گھیسنگ نے جاری کیا تاہم جی این ایل ایف کے اس کے قبل سے جاری کردہ خطوط اور بیانات کے مقابلے میں یہ بیان بہتر طور پر مرتب کئے گئے ہیں اور اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تنازعہ میں مرکزی حکومت شریک نہیں ہے۔ اس بیان میں مرکزی حکومت سے درخواست اور ریاستی حکومت

کے خلاف شکایت کی گئی ہے ۔ یہاں تک کہ مرکز کے تحفظ کی بھی درخواست کی گئی ہے ۔ شروع میں تو تحریک مرکز کے خلاف تھی کیوں کہ مرکزی حکومت ہی اس تحریک کو پورا کر سکتی ہے ۔ اگرچہ پہلے کچھ شک و شبہ کی گنجائش تھی تو پرلیں کو دی جانے والی اس رپورٹ سے شک و شبہ دور ہو جاتے ہیں جس سے جی این ایل ایف کے دونوں حکومتوں ـــــ مرکزی اور ریاستی ـ کی بابت متضاد رویئے عیاں ہو جاتے ہیں ۔

وزیراعظم راجیو گاندھی کے اس فیصلہ کو وہ ۲۰ ردسمبر ۱۹۸۶ء کو دارجلنگ کا دورہ کریں گے، جی این ایل ایف کے سربراہوں نے کافی سراہا اور اس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ سارے دارجلنگ شہر کو پھولوں کے محرابوں سے سجایا جائے اور وزیراعظم جن جلسوں میں تقریر کریں گے، ان میں یہ سب شامل ہوں گے ۔ وزیراعظم کے لئے خوش آمدید محراب سجائے گئے ۔ ان میں کانگریس کے سہ رنگی جھنڈوں کے ساتھ ساتھ جی این ایل ایف کے بھی سبز جھنڈے لہرائے گئے، لیکن آخری لمحے میں جی این ایل ایف کے سربراہوں نے ایک لغو سی وجہ پر ایسے جلسے میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور وجہ یہ بتائی گئی کہ ہو سکتا ہے کہ سی پی آئی (ایم) کچھ شرارت کر بیٹھے اور اس کی بدنامی جی این ایل ایف پر عائد کردے ۔ دارجلنگ میں مکانات کی دیواروں پر "عزیز وزیراعظم کو خوش آمدید" کے پوسٹر چسپاں تھے، گرچہ جلسہ میں بہت کم لوگوں نے شرکت کی اور سامعین میں ایک سو کے قریب پولس والے عام لباس میں شامل تھے ۔ گھیشنگ نے بعد میں اعلان کیا کہ اگر وہ وقت پر دہلی سے واپس آسکتے تو وزیراعظم کے لئے مناسب استقبالیہ کا انتظام کیا جا سکتا ۔ اب تک یہ بات عیاں نہ ہو سکی تھی کہ کون سی وجوہ تھیں جن کے زیر اثر ان سربراہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وزیراعظم کے جلسہ سے دور رہا جائے ۔ ایک ممکن وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے نوجوانوں اور سرکش حامیوں پر راجیو گاندھی کی تقریر کے ممکنہ اثر کے سلسلے میں وہ یقینی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتے ۔

بعد میں راجیو گاندھی کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے اب گھیشنگ نے ایک دلیل پیش کی کہ وہ نیپال کے بادشاہ کو خط لکھنے میں حق بجانب تھے ـــ اس خط کا مقصد یہ تھا کہ الگ کئے گئے علاقہ میں گورکھالینڈ کے ایک الگ ریاست کے قیام کے سلسلے میں نیپال کی حکومت کی ممکنہ مخالفت کو بے اثر کر دیا جائے ۔ پھر انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ راجیو گاندھی نے پہاڑی علاقوں کی پس ماندگی کے سلسلے میں یہ کہا کہ اس تحریک کی ایک اہم وجہ ان علاقوں کی پس ماندگی ہے ۔ لیکن برخلاف اس کے جی این ایل ایف کی جدوجہد تو زمین اور صرف زمین کے لئے ہے اور اس کی جدوجہد کی کوئی معاشی وسعت نہیں ہے ۔ بہرحال راجیو گاندھی کے اس اعلان کے خلاف کہ مغربی بنگال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا ۔ اور کوئی نئی ریاست تشکیل نہیں کی جائے گی کوئی شدید ردعمل کا اظہار نہیں ہوا ـــ شاید یہ ہو سکتا ہے کہ میدانی علاقوں میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے یہ ایک انتخابی سیاست ہے ۔ وزیراعظم کا یہ بیان کہ ۱۹۵۰ء کے بعد نیپال سے ہندستان میں داخل ہونے والوں کے معاملہ پر شہریت کے لئے غور نہیں کیا جائے گا ۔ یہ اس نقطہ پر اس سے قبل جی این ایل ایف کے مطالبہ کی صدائے بازگشت ہے ۔ یہ بات اہم ہے کہ اب جی این ایل ایف نے ۲۵ رجنوری ۱۹۸۷ء سے بنگالیوں کے خلاف مہم چلانے کا اعلان کیا اور جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دونوں حکومتوں کی بابت جی این ایل ایف کے رویہ میں نمایاں فرق ہے ۔

ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جی این ایل ایف مرکزی حکومت کو ایک الگ ریاست کے لئے اپنے مطالبہ کے سلسلے میں دوست اور ہمدرد سمجھتا ہے ، اگرچہ مرکز کا نقطۂ نظر کچھ اور ہے ۔ جبکہ ریاستی حکومت کو وہ ایک دشمن سمجھتا ہے ، کیوں کہ ریاستی حکومت گورکھالینڈ کے خلاف ہے ۔ جی این ایل ایف بہت زیادہ پُرامید ہے کہ ۱۹۸۷ء کے ختم ہونے سے قبل مرکزی حکومت گورکھالینڈ کے قیام کے لئے ایک معاہدہ پر دستخط کر دے گی ۔

مرکزی حکومت کے سلسلے میں دوستانہ رویہ کے ساتھ ساتھ سی پی آئی (ایم) اور دیگر بائیں پارٹیوں کے خلاف جارحانہ پالیسی کو اپنایا جاتا ہے اور بائیں پارٹیوں کے کارکنندگان پر قاتلانہ حملے کئے جاتے ہیں ۔ ان کے گھروں کو جلا دیا جاتا ہے ۔ ان کی جائیداد کو برباد کر دیا جاتا ہے اور ان کے بہت سارے افراد کا اغوا کر لیا جاتا ہے ۔ جس وقت ستمبر دستاویز جاری کی گئی تھی اس وقت جی این ایل ایف نے حملہ کر کے سی آئی ٹی یو کے چار ممبروں کو ہلاک کر دیا تھا ۔ ان لوگوں کے حملے کے اہم نشانات چائے باغات میں جہاں مزدوروں کی جمہوری ٹریڈیونین کی تحریک کی عرصہ دراز کی روایت ہے ، جہاں ۱۱ر ستمبر کو چائے باغات کے مزدوروں کی کامیاب ہڑتال نے جی این ایل ایف کے ارباب حل و عقد کو کچھ حد تک کشمکش و پیچ میں مبتلا کر دیا تھا ۔ وہاں کلکتہ میں گذشتہ ستمبر میں وزیراعظم کے اس بیان نے کہ جی این ایل ایف قوم دشمن نہیں

ہے، جی این ایل ایف کے حوصلہ کو بلند کر دیا۔ پہاڑی علاقوں میں جی این ایل ایف کے حامیوں کو اس اعلان سے بڑی خوشی حاصل ہوئی اور انہوں نے خوشی میں بم پٹاخے چھوڑے، لیکن اس کے ساتھ اور یہ کوئی اتفاق نہ تھا کہ چائے باغات کی بستیوں کے علاقوں پر فوری حملے شروع کر دئے گئے کیونکہ یہاں کے مزدوروں کی اکثریت گورکھا لینڈ کی مخالف ہے۔ صرف ایک رات میں ۵۰ سے زیادہ گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ یہ تو شروعات تھی۔ آگ سے جلا ڈالنے کی یہ مہم فوراً دیگر علاقوں میں پھیل گئی اور بہت سارے لوگوں کو جی این ایل ایف کے حامیوں نے ان کے گھروں سے نکال کر، انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اب تک سی آئی ٹی یو اور ڈی وائی ایف آئی اور سی پی آئی (ایم) کے ۲۸ ممبران جاں بحق تسلیم ہوئے اور چار ہزار سے زیادہ ممبر بے گھر ہو گئے۔ ان میں سے دو ہزار بے گھر مزدور امدادی کیمپوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ۳۰۰۰ اور اس سے زیادہ لوگوں کی گروہوں کے ذریعہ چائے باغات کے علاقے میں بار بار حملے کئے جا رہے ہیں۔ ہنگامہ کرنے والے راستہ میں روڑا ڈال دیتے ہیں تاکہ باغات میں راشن، ادویہ اور دیگر ضروری چیزیں پہنچ نہ سکیں۔ یہ لوگ زخمیوں کو اسپتال میں لے جانے نہیں دیتے اور اسپتالوں میں دھرنا دیتے ہیں تاکہ ان کے سیاسی مخالفین کو علاج کی سہولتیں فراہم نہ ہوں یا انہیں دوسرے اسپتالوں میں منتقل کر دیا جاتے۔ سی پی آئی (ایم) کارکنندگان کے خلاف بائیکاٹ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان کے دفتروں کو لوٹ لیا جاتا ہے، جلا ڈالا جاتا ہے۔ دارجلنگ میں سی پی آئی (ایم) کے دفتروں کو گھیراؤ میں رکھا گیا ہے۔ سی پی آئی (ایم) ضلع کمیٹی کے سکریٹری اور ایم پی آنند پاٹھک پر بھی حملے کئے گئے۔ ان کے گھر کو جلا ڈالا گیا اور دارجلنگ میں سی پی آئی ایم کے دفتر کو ڈائنامائٹ سے اڑا دیا گیا۔ بہت سارے سیاسی مخالفین کا اغوا کیا گیا، ان کا قاتلانہ خون کیا گیا اور ان کی نعشوں کو بستوں میں بھر کر وادی میں ڈال دیا گیا۔ جی این ایل ایف کی بات جن لوگوں نے مان لی ان کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ جی این ایل ایف کے کتنے حامی ہیں ان کی جانچ کی جاتی ہے اور انہیں بائیں محاذ کے حامیوں کے گھروں پر حملہ کرنے کے لئے ریہرسل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح سے کوششیں کی جا رہی ہیں کہ پہاڑی علاقوں میں ان کے مخالفین کو کچل دیا جائے۔ یہاں تو کانگریس (آئی) اور گورکھا تنظیمیں معدوم ہو چکی ہیں۔

۱۰ اگست ۱۹۸۵ء کو جی این ایل ایف کے ۵۰ حامیوں نے ننگی، کھکری (خنجر) نکالے دارجلنگ شہر میں ایک جلوس نکالا اور چوک بازار میں حلف اٹھانے کی رسم بھی ادا کی۔ اس دن کے بعد سے ان لوگوں کے لئے جو اس تحریک کی رفتار سے واقف ہیں، اس تحریک کا متشددین جانا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ جی این ایل ایف کے حامیوں نے ایک ہیجان خیز صورت حال پیدا کر دی۔ جب ان لوگوں نے اپریل اور مئی ۱۹۸۶ء میں کلمپونگ اور دارجلنگ میں منعقدہ عام جلسوں میں جہاں گھیشنگ نے تقریریں کیں، کھکریوں کو لہراتے ہوئے شرکت کی۔ اپنی تقریروں میں گھیشنگ نے تیستا ندی کے پانی کو لال بنا دینے کا بار بار ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس واقعہ کا بھی بار بار ذکر کیا کہ ۱۴ صدی عیسوی میں نیپال کے سپاہیوں نے مگدھ کے راجہ کو شکست دینے کے بعد اس تیستا ندی کے پانی میں اپنے خون آلود کھکریوں کو صاف کیا تھا۔ مبارکبادی کے کارڈس کو جی این ایل ایف نے حال ہی میں فروخت کے لئے پیش کیا ہے، اس کا مقصد فنڈ اکٹھا کرنا تھا۔ اس کارڈ میں چھپی ایک تصویر ہے جس میں جی این ایل ایف کے ایک نوجوان کو کھکری ہاتھ میں لئے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ خون آلود ننگی کھکری اس کے حامیوں اور مخالفین کے لئے اس تحریک کا علم بن چکی ہے۔ یہ بات درج ریکارڈ ہے کہ گھیشنگ نے یہ کہا کہ حکومت ہند صرف طاقت کی زبان کو سمجھتی ہے اور یہ کہ اس کے کمانڈ کے تحت ....۳۰ سابق سپاہی ہیں جنہیں جنگ کا تجربہ ہے اور وہ اس خطۂ زمین سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انہوں نے بار بار یہ دھمکی دی کہ اگر ان کے مطالبات پورے نہیں کئے گئے تو وہ ان سابق فوجیوں کو میدان عمل میں چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جی این ایل ایف کے چند نوجوان اور جنگجو ممبران مارنے اور مرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اگر گورکھا لینڈ ۱۹۸۸ء تک وجود میں نہ آیا تو یہ تحریک ایک شدید رخ اختیار کر سکتی ہے۔ انہوں نے اس بات کی بھی دھمکی دی کہ سرکاری حکام کو پہاڑی علاقوں سے نکال باہر کیا جائے گا اور وہ خود جی این ایل ایف ممبروں کی مدد سے انتظامیہ کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیں گے۔ ہم لوگوں نے ستمبر دستاویز میں یہ باتیں درج کی تھیں کہ کس طرح جی این ایل ایف کے سرگرم کارکنوں نے جولائی ۱۹۸۶ء میں کلمپونگ میں کھکریوں سے پولس پارٹی پر حملے کئے تھے۔ پولس کے ایک ڈی۔ آئی۔ جی کو چھرا گھونپ دیا گیا۔ ایک سی آر پی کانسٹبل کو جان سے مار ڈالا گیا اور ایک کانسٹبل کے دونوں ہاتھوں کو کاٹ ڈالا گیا۔ ایک تیسرے کانسٹبل کی گردن میں کھکری گھونپ دی گئی۔ ان باتوں کے پیش نظر

(باقی ص ۱۴ پر)

مجاہدِ قلم

خواجہ احمد عباس

از: سالک لکھنوی

اس مہینے کی پہلی تاریخ کو خواجہ احمد عباس نے اپنی زندگی کا آخری صفحہ لکھ ڈالا جس کے بعد ان کے قلم حیات کی روشنائی ہمیشہ کے لئے خشک ہو گئی۔

خواجہ احمد عباس عمر میں مجھ سے چھ ماہ بڑے تھے۔ وہ ۷ / جون ۱۹۱۴ء کو پانی پت کے ایک بہت ہی تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ادب تو ان کی گھٹی میں تھا کیوں کہ وہ اردو کے مشہور شاعر، سوانح نگار اور نقادِ اوّل حضرت مولانا الطاف حسین حالیؔ کے نواسے تھے۔

ان کی ابتدائی تعلیم پانی پت میں ہوئی جس کے بعد وہ علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ کالج کے زمانہ میں انہوں نے "علی گڑھ اوپی نین" نامی انگریزی رسالے کا اجراء کیا جس کے وہ خود ایڈیٹر تھے۔ یہ رسالہ دو سال تک جاری رہا۔ انیس سال کی عمر میں خواجہ احمد نے گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد قانون میں ایل ایل بی کیا۔ اسی دوران وہ عبداللہ بریلوی کے اخبار "بمبئی کرانیکل" میں مضامین بھی لکھتے رہے۔ یہ اخبار آزادی پسند اور خلافِ حکومتِ وقت تھا۔ قانون کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد وہ بمبئی چلے گئے اور باقاعدہ "بمبئی کرانیکل" کے اسٹاف میں شامل ہو گئے۔ عبداللہ بریلوی کے زیرِ ترتیب انہوں نے وہ صحافتی شعور حاصل کیا جس نے انہیں بین الاقوامی شہرت عطا کر دی۔

ان کی زندگی کتنی جہتوں میں بٹی ہوئی تھی اس کا صحیح اندازہ ان کے قریبی دوستوں کو بھی نہ ہو سکا ——— اردو، انگریزی، ہندی زبانوں کے صحافی، ڈرامہ نویس، ناول و افسانہ نگار، ناقدِ ادب و سیاست، فلم ساز و ہدایت کار، فصیح البیان مقرر، محفل میں خوش گفتار، اصول کی بات آ پڑے تو برسرِ پیکار، یہ تھے خواجہ احمد عباس! دانشوروں نے انہیں کہیں شوخ طبع، کہیں جذباتی، کہیں اشتراکی، کہیں خواب پسند کے القاب عطا کئے۔ ۱۹۶۱ء میں جب جبل پور اور ساگر میں بھیانک اقلیت کش فسادات برپا ہوئے تو ان کے بے باک مضامین دیکھ کر چند اخباروں نے انہیں کٹر متعصب اور بنیاد پرست تک لکھ ڈالا لیکن وہ اپنی راہ پر قائم رہے۔ وہ نہ اعتراض کرنے والوں کی پروا کرتے تھے اور نہ ان کا جواب دیتے تھے۔ انکی عینک انکی اپنی عینک تھی۔ اس عینک کے شیشوں میں کبھی کسی شخصیت یا تحریک کا رنگ نہیں ابھرنے پایا۔ وہ اپنے اصولوں کو ایمان کا درجہ دیتے ہوئے ان پر سختی سے قائم رہے۔ وہ اقبالؒ کے اس شعر کی مجسم تصویر تھے

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

خواجہ احمد عباس سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں منعقد شدہ "کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین" کی تشکیلی کانفرنس میں ہوئی اور آخری بار ۱۹۷۱ء میں ناگ پور میں ہوئی جب ادارۂ 'خیال' کامٹی نے بہت بڑے پیمانے پر اردو زبان و ادب کی ترقی و توسیع کے لئے ایک کل ہند کانفرنس منعقد کی۔ یہ کانفرنس تین دن تک جاری رہی۔ اس میں کھلا اجلاس بھی ہوا، تین نشستوں کا سمینار بھی ہوا، 'شامِ افسانہ' بھی ہوئی، اور رات بھر کا مشاعرہ بھی ہوا جس کی صدارت نشور واحدی مرحوم نے کی۔ کلکتے سے شریک ہونے والوں میں سے تھے ابراہیم ہوش اور راقم الحروف۔ کھلے اجلاس کی صدارت کرشن چندر نے کی تھی۔ سمینار کی پہلی نشست کے صدر تھے خواجہ احمد عباس، دوسری کے جناب کلام حیدری اور تیسری نشست کی صدارت مجھے عطا کی گئی تھی۔ سمینار کی پہلی نشست میں حضرت مسعود حسن رضوی ادیبؔ لکھنوی مرحوم کی تقریر جو لکھنؤ میں عوامی ڈرامے سے متعلق تھی وہ دانش وروں کو آج تک یاد ہے۔ شامِ افسانہ کی صدارت پاکستان سے تشریف لائے ہوئے مشہور افسانہ نگار حضرت غلام عباس مرحوم نے

فراق تھی۔ اسی نشست میں کرشن چندر نے اپنا تازہ لکھا ہوا افسانہ "توی چین کیا جوان کے شاہکار افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ غیاث احمد گدی نے اپنا افسانہ "بابا لوگ" سنایا اور خواجہ احمد عباس نے اپنی ناولٹ۔ "پاؤں میں پھول" کے کچھ وہ حصے سنائے جو اسی دن لکھے گئے تھے۔ اس کانفرنس کے دوران میں ایک شام کی چائے پر ایک نوجوان نے ان سے وہی روایتی اور پٹا پٹایا سوال کر ڈالا یعنی:

"ہندوستان میں اردو کے مستقبل کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے"

"اگر آپ زندہ ہیں تو اردو کے مستقبل کی فکر کیوں؟ وہ بھی زندہ رہے گی۔ زندہ رہنے کی کوشش کیجئے" خواجہ صاحب نے جواب دیا۔

صبح ناشتے پر غیاث احمد گدی اور کرشن چندر رنج و راحت کے فلسفے پر گفتگو کر رہے تھے اور توس کھا رہے تھے۔ خواجہ احمد عباس صرف سن رہے تھے اچانک بولے:

"دنیا میں نہ رنج ہے نہ راحت، نہ مسرت ہے نہ غم۔ صرف ایک حالت کا دوسری حالت سے موازنہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" بحث ختم ہو گئی۔

کرشن چندر خواجہ احمد عباس کے ناولٹ "پاؤں میں پھول" کا دیباچہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

"عباس افسانہ نگاروں کے افسانہ نگار ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں ماضی اور حال سے آگے جا کر مستقبل کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں۔ ان کا ادب صنعتی انقلاب کے فروغ کا ادب ہے۔ جوں جوں اس انقلاب کو تقویت حاصل ہو گی عباس کی تحریروں کی تابانی بڑھتی جائے گی اور اگر کبھی مخالف انقلاب آیا اور فسطائیت کے اندھیرے نے ہمیں گھیرا تو عباس کی تحریریں سب سے پہلے جلائی جائیں گی!

آگے چل کر اسی دیباچے میں کرشن چندر لکھتے ہیں:

"میں جب اپنے، عصمت چغتائی اور منٹو کے افسانے پڑھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ ایک نہایت خوبصورت رتھ پر بیٹھے چلے جا رہے ہیں اور عباس ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہے۔

خواجہ احمد عباس نے اردو، انگریزی اور ہندی زبانوں میں کوئی ستر کے قریب کتابیں لکھ ڈالیں جو ان کے ڈراموں، افسانوں اور تنقیدی مضامین پر مشتمل ہیں (۱) ایک لڑکی (۲) چار دل چار راہیں (۳) شیشے کی دیوار (۴) زعفران کے پھول (۵) دیا جلے ساری رات (۶) پاؤں میں پھول اور (۷) انقلاب، وہ ناول جنہوں نے انہیں بین الاقوامی شہرت سے نوازا، میں نے پڑھی ہیں۔ موضوعات سے قطع نظر تعداد تصانیف کے لحاظ سے انہیں ہندوستان کا الگزینڈر ڈوما ELEXANDAR DUMA کہہ دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو گا۔

فلمی دنیا سے خواجہ احمد عباس کا تعلق سنہ ۱۹۴۱ء سے شروع ہوا جب ان کی انعام یافتہ کہانی ——"نیا سنسار" کے روپ میں پردہ سیمیں پر ابھری۔ اس کے بعد انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ انڈین پیپلس تھیٹر ایسوسی ایشن (IPTA) کی بنیاد رکھنے میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اس ایسوسی ایشن کی فلم، جس کے ہدایت کار خواجہ احمد عباس تھے "دھرتی کے لعل" کے نام سے سامنے آئی۔ وہ ایک چھوٹا سا طوفان بن گئی۔ فلم "پردیسی" کے بعد سنہ ۱۹۶۴ء میں ان کی فلم "شہر اور سپنا" کو ہندوستان کا بہترین فلم مانا گیا اور صدارتی اعزاز سے نوازا گیا۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں "ہمارا گھر" پردۂ سیمیں پر آیا جسے روس، امریکہ اور زیکوسلاویکیہ کے انعامات سے نوازا گیا۔ یہیں دنیائے فلم میں ایک خاموش انقلاب نے جنم لیا اور وہ فلمیں سامنے آئیں جو بمبیا دھوم دھڑکے، اچھل کود، مار پیٹ، ننگے ناچ اور بے سرے گانوں سے بالکل الگ رہیں اور جنہیں آج "آرٹ فلم" کا اعزازی لقب دیا گیا ہے۔ یہ خواجہ احمد عباس کی دین ہے۔

ہاں خواجہ احمد عباس نے اپنی حیات کا آخری صفحہ لکھ ڈالا۔ ان کے قلم کی روشنائی ہمیشہ کے لئے خشک ہو گئی لیکن وہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی جن میں خواجہ احمد عباس کا دل دھڑک رہا ہے اور ان میں خواجہ احمد عباس ہمیشہ زندہ رہیں گے ؎

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

(حافظ)

ضبط کی ہوتی ہے اک حد ضبط کرتے تا کجے
ہم بھی عاجز ہو کے مصروفِ فغاں ہونے لگے
—— وحشت کلکتوی

سو گیا خود ہی وہ اوروں کو جگانے والا

مصطفیٰ اکبر

موت کے منحوس ہاتھ نے اس بے باک آواز کو ابدی نیند سلادیا جو ہمیشہ درماندہ وخوابیدہ روحوں کو جگاتی رہی اور متحرک کرتی رہی۔ ہمارے اس عہد کو ابھی اس آواز کی سخت ضرورت تھی۔ خواجہ احمد عباس کی موت یقیناً ہمارے لئے ایک سانحہ ہے، ایک ناقابلِ تلافی زیاں۔

خواجہ احمد عباس ایک نمائندہ افسانہ نگار وناول نویس، ایک کامیاب فلم ساز وکہانی کار اور ایک تجربہ کار صحافی تھے جن کی انگلیاں ہمیشہ وقت کی نبض پر رہیں۔

خواجہ احمد عباس پر کچھ دنوں پہلے فالج کا شدید حملہ ہوا تھا اور وہ اسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی حالت سدھرنے لگی تھی کہ اچانک ۳۱ رمئی اتوار کی آدھی رات کو ان پر دل کا دورہ پڑا۔ ان کو فوراً نرسنگ ہوم لے جایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔ تقریباً سوا تین بجے ان کی موت واقع ہوئی۔ موت کی وقت ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔

خواجہ احمد عباس ۷ رجون ۱۹۱۴ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے اور پھر ایل ایل بی کیا۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز کالج کے زمانے میں صحافت سے ہوا جب قومی تحریکِ آزادی شباب پر تھی اور وہ اور ان کے ساتھیوں نے "علی گڑھ اوپی نین" (Aligarh Opinion) شائع کرنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے پہلا افسانہ "ابابیل" کے عنوان سے ۱۹۳۶ء میں لکھا جو جامعہ میں شائع ہو کر مقبولِ عام ہوا پھر بہت سی جگہ اس کا ترجمہ شائع ہوا۔

خواجہ احمد عباس کو اصنافِ ادب میں بالخصوص شاعری سے کافی شغف تھا مگر انہوں نے "اپنے آپ کا اظہار کرنے کے لئے" افسانے کو ہی چنا۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں مقصدیت اور افادیت کے قائل رہے۔

۱۹۳۶ء میں جب انجمن ترقی پسند مصنفین کا قیام عمل میں آیا وہ اس کے سرگرم رکن بن گئے۔ اسی سال سے انہوں نے افسانہ نگاری شروع کی۔ اپنی افسانہ نگاری پر واقعات کے اثرات کے سلسلے میں نریش کمار شاد کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"جب میں سات آٹھ برس کا تھا تو ایک بار پکنک کے طور پر ایک گاؤں میں گیا تھا وہاں جو حالات دیکھے ان سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ بعد میں پریم چند کے افسانوں کے مطالعہ نے اس تاثر کو اور زیادہ گہرا کر دیا اور مجھے عوام کی زندگی اور ان کے مسائل سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں نے قطعی طور پر طے کر لیا کہ جب تک عوام کی زندگی بہتر نہیں ہو گی ہم بھی چین کی زندگی بسر نہیں کر سکیں گے۔ اسی فیصلے کا اثر ہے کہ میرے افسانوں میں رومانیت کم اور حقیقت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے"

خواجہ احمد عباس کے افسانہ اور ناول میں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ ان میں عہدِ حاضرہ کی سیاسی اور سماجی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ خارجی مظاہرے کے ساتھ انسانی زندگی کی داخلی کیفیات کا بھی برملا اظہار ملتا ہے۔ ان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی تجربہ پسند تھی اسلئے افسانہ کے میدان میں بھی انہوں نے کئی ایک تجربے کئے۔ "مون تارہ" اور "روپے، آنے، پائی" ان کے ایسے ہی تجربے کی نشاندہی کرتے ہیں۔

"ابابیل"، "تین عورتیں"، رادھا، اجنتا، اختیار، آسمانی تلوار، آمار چڑھاؤ، زندگی، سردارجی اور ایک پائیلی چاول ان کے قابلِ قدر افسانے ہیں۔ "سردارجی" کے پس منظر تقسیمِ وطن کے بعد پیدا ہونے والے فسادات ہیں اور ایک پائیلی چاول کا پس منظر قحطِ بنگال ہے۔ "ایک لڑکی"، "میں کون ہوں"، "زعفران کے پھول"، "پاؤں

بن پھول" اور "کچھوں اور گلاب" کے ناموں سے ان کے مجموعے شائع ہو کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔

خواجہ احمد عباس کی صحافتی زندگی کا آغاز "بمبئی کرانیکل" سے ہوا۔ بعد میں انہوں نے آزاد صحافی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا۔ "بلٹز" ہفتہ وار میں "آزاد قلم" کے عنوان سے سیاسی حالات حاضرہ پر ان کے مستقل مضامین شائع ہوتے رہے۔ ایک صحافی کی حیثیت سے انہوں نے خروشچیف سے ایک معرکۃ آلآرا سنسنی خیز انٹرویو لیا تھا جو بعد میں "خروشچیف کیا چاہتا ہے" کے عنوان سے مشورہ بک ڈپو، دہلی کی نگرانی میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

خواجہ احمد عباس کا تعلق فلمی دنیا سے سنہ ۱۹۳۶ء میں قائم ہوا۔ انہوں نے فلم کے لئے پہلی بار ایک کہانی "نیا سنسار" کے نام سے لکھی جسے بمبئی ٹاکیز نے پروڈیوس کیا۔ یہ کہانی ایک آزاد پسند اور بیباک جرنلسٹ سے متعلق تھی۔ پھر انہوں نے وی شانتا رام کے لئے "ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی" لکھی۔ راج کپور کی متعدد فلموں بشمول "آوارہ"، "شری ۴۲۰"، "بابی" اور "حنا" کے لئے کہانیاں لکھیں جنہیں خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔

۴۵-۱۹۴۴ء میں پیپلز تھیٹر کی طرف سے "دھرتی کے لال" میں پہلی بار ڈائرکٹر کے فرائض انجام دئے۔ انہوں نے راہی، انہونی اور ہند — روس کے تعاون سے تیار ہونے والی فلموں "پردیسی" اور "چار دل چار راہیں" کی ہدایت کے فرائض بھی انجام دئے۔ انہوں نے تقریباً ۲۵ فلمیں بنائیں جن میں "شہر اور سپنا"، "دو بوند پانی"، "سات ہندوستانی" کو صدر کی طرف سے طلائی تمغے ملے۔ انہوں نے بچوں کے لئے ایک فلم "ہمارا گھر" بھی بنائی۔ انہوں نے اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں تقریباً ۵۰ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

انہوں نے ادب، صحافت اور فلم کے تین دھاروں کو ایک سنگم میں لانے کی شعوری کوشش کی تھی۔ ایک طرف ان کی صحافت اور فلم میں ادب کا گہرا چھاپ دکھائی دیتا ہے تو دوسری جانب ان کے ادب میں صحافت اور فلمی آرٹ کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور انہیں اس بات پر فخر بھی تھا۔ دراصل وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ "اچھی صحافت اونچے درجے تک پہنچ کر ادب بن جاتی ہے اور برا ادب صحافتِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔"

ان کی نظر میں منصبِ ادب کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی سماجی اور ذاتی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم انسانی نفسیات اور سماج کے اصول دونوں کو سمجھ سکیں۔

خواجہ احمد عباس ایک مستقل مزاج ترقی پسند تھے۔ فن اور آرٹ کے معاملے میں مقصدیت اور افادیت کے وہ سخت قائل تھے۔ مرتے دم تک انہوں نے اپنے اصول کی پاسداری کی۔ ٭٭٭

بقیہ: جی۔ این۔ ایل۔ ایف ....

پولس کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا اور اس نے مجبوراً فائرنگ کا سہارا لیا۔ اس کے بعد بی ایس ایف اور سی آر پی کے افراد پر اور انتظامیہ کے سینئر حکام پر جی این ایل ایف کے حملوں کے بہت سے واقعات رونما ہوئے۔

اس تحریک کی مختصر تاریخ یہ دکھاتی ہے کہ یہ تحریک اختلاف اور دیگر سیاسی نظریے اور طاقتوں کو برداشت نہیں کرتی اور یہ پہاڑی علاقوں میں اپنی حکومت قائم کرنے پر مُصر ہے اور مقصد کی حصولیابی کے لئے ان لوگوں نے ڈرانے دھمکانے، اغوا کرنے، وسیع پیمانہ پر آتش زنی، جائیداد کی تباہی اور اپنے سیاسی مخالفین کو قتل کرنے کے عمل کو اپنایا۔ اب تک اپنے اس کام کاج میں پرامن جمہوری اور دستوری طریقہ کار کا رتی بھر بھی احترام نہیں کیا۔ اعلان کردہ "بنگال دشمن تحریک" کے دوران اس نے یہ ہدایت جاری کی کہ ہر گھر، دفتر اور کارخانہ کی چھت پر جی این ایل ایف کے سبز پرچم لہرائے جائیں اور جو ایسا نہیں کریں گے انہیں متنبہ کیا گیا کہ انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ اس نے اس بات کو دہرایا کہ پہاڑی علاقوں میں کسی دوسری سیاسی پارٹی کو کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ ایسے پہاڑی علاقوں کے لوگوں کی طرف سے اعلیٰ حکام کے پاس مطالبہ پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ (باقی آئندہ)

یہ رقصِ رقصِ شرر ہی سہی مگر اے دوست!
دلوں کے ساز پہ رقصِ شرر غنیمت ہے
قریب آؤ ذرا اور بھی قریب آؤ
کہ روح کا سفرِ مختصر غنیمت ہے

——— مخدوم محی الدین



مجاہدِ قلم خواجہ احمد عبّاس

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 046.

MAGHREBI BANGAL
15 JUNE 1987

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol-34 No—12
PRICE 12 Paise



مشہور آرٹسٹ جامینی رائے کو خراج عقیدت — ان کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر




مغربی بنگال

پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

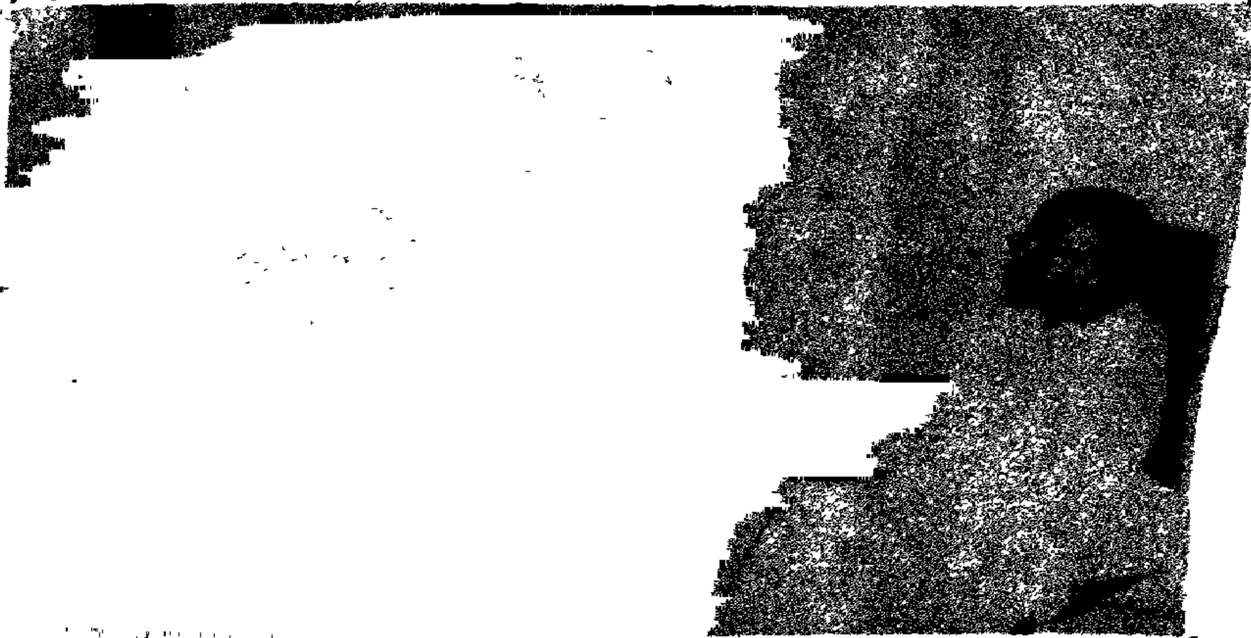
مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۳۳۔ آر۔ این۔ مکھرجی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

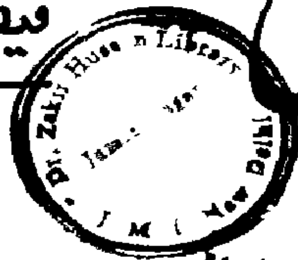
جلد نمبر ۳۲ ★ یکم جولائی ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱۳



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ۱۵ر جون ۱۹۸۷ء کو، راج بھون، کلکتہ میں مرکزی وزیر داخلہ شری [illegible] سے دارجلنگ کی صورت حال کی بابت بات چیت کرتے ہوئے

غزل

فیض احمد فیضؔ



اب وہی حرفِ جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے

ہے وہی عارضِ لیلیٰ وہی شیریں کا دہن
نگہِ شوق گھڑی بھر کو جہاں ٹھہری ہے

وصل کی شب تھی تو کس درجہ سبک گزری تھی
ہجر کی شب ہے تو کیا سخت گراں ٹھہری ہے

اک دفعہ بکھری تو ہاتھ آئی ہے کب موجِ شمیم
دل سے نکلی ہے تو کیا لب پہ فغاں ٹھہری ہے

دستِ صیاد بھی عاجز ہے کفِ گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

آتے آتے یونہی دم بھر کو رکی ہوگی بہار
جلتے جلتے یوں ہی پل بھر کو خزاں ٹھہری ہے

ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیضؔ گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے

ایک سرمایہ دارانہ ۔ جاگیردارانہ نظام میں بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنا بہت مشکل ہے

ہم بینک سے فراہم کردہ مالی رقوم، بہتر بیج اور آبپاشی کے ذریعہ غذائی پیداوار میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے

____ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی دسویں سالگرہ کے موقعہ پر ایک اخباری نمائندہ کو ایک انٹرویو میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ان پروگراموں کی وضاحت کی جنہیں ریاستی حکومت آنے والے برسوں میں روبہ عمل لانا چاہتی ہے ۔ انہوں نے مزید کہا کہ تیسری بائیں محاذ حکومت زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے، روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کرنے اور شہری و مضافاتی علاقوں میں لوگوں کو رہائشی سہولتیں فراہم کرنے پر زور دے گی ۔

ایک طرف بائیں محاذ حکومت اپنی دسویں سالگرہ منا رہی ہے تو دوسری طرف وہ تیسری بار مغربی بنگال میں برسراقتدار آئی ۔ اس سلسلے میں ان سے یہ پوچھا گیا کہ انکی نئی وزارت کو کن کن باتوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ کون کون علاقے ہوں گے جہاں بائیں محاذ کو اپنی کارکردگی میں مزید بہتری لانی ہوگی ____ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ " ہم لوگوں کو خاص طور پر معاشی بحران اور ہماری جائز ضرورتوں اور مطالبوں کو پورا کرنے میں مرکز کی ناکامی کے پیش نظر بنیادی طور پر ان ہی چیلنجوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا   اس سے قبل کی دو بائیں محاذ حکومتوں کو دوچار ہونا پڑا ۔ نئی حکومت کی تشکیل کے بعد ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم ہر شعبہ کے کام کاج کا جائزہ لے رہے ہیں ۔ یہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنی کمزوریاں کو ڈھونڈ نکالیں اور اپنی کامیابیوں کا جائزہ لیں تاکہ ہم ایسے پروگراموں کو اپنائیں جنہیں مقررہ میعاد کے اندر مکمل کر دیا جا سکے ۔ تقریباً تمام بڑے بڑے شعبوں کی کارگزاریوں کا جائزہ لیا گیا ۔ اب میں خاص طور پر آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ کن شعبوں میں ہمیں اور بھی بہتر طور پر خدمات انجام دینا ہے ۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان تجربات کے ذریعہ جو ہمیں گذشتہ برسوں میں حاصل ہوئے ہم اہم شعبوں میں کارکردگی میں مزید بہتری لا سکتے ہیں ۔

پھر ان سے یہ پوچھا گیا کہ بائیں محاذ حکومت تو اس ریاست میں بے روزگاری کے مسئلہ کو کس طرح حل کرے گی جبکہ ۴۰ لاکھ سے زیادہ لوگ بے روزگار ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ ان سے مزید یہ پوچھا گیا کہ کیا انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس مسئلہ سے بہت ہی جلد سماجی معاشی استحکام کو خدشہ لاحق ہو جائے گا ؟

جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ " ہم لوگوں نے اس بات کو عیاں کر دیا تھا کہ ایک سرمایہ دارانہ ۔ جاگیردارانہ نظام میں بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنا بہت ہی مشکل ہے ۔ مغربی بنگال میں ایک بائیں محاذ حکومت قائم ہے لیکن منصوبہ تو مرکزی حکومت ہی مرتب کرتی ہے ۔ بدقسمتی سے بے روزگاری کے مسئلہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ساتویں منصوبہ میں جو پروگرام مرتب کئے گئے ہیں ان سے ہم متفق نہیں ہیں ۔ بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہو جائیگا مغربی بنگال میں بھی، خاص طور پر شہری علاقوں میں، بے روزگاری کے مسئلہ کو بہت حد تک حل کرنے کے لئے اقدامات کو اپنانا مشکل ہے لیکن گذشتہ تین برسوں میں جو امکانات روشن ہوئے ہیں ان کے اور پرائیویٹ سیکٹر کے کئے گئے وعدوں کے پیش نظر روزگار کے پہلے سے بہت زیادہ نئے مواقع پیدا کرنا ممکن ہو سکے گا ۔

لیکن یہ اس مسئلہ کے حاشیہ کو ہی چھو سکے گا ۔ دریں اثنا کئی ایک کارخانے بند ہوتے جا رہے ہیں اور خاص طور پر پاٹ صنعت شدید بحران کے دور سے گزر رہی ہے ۔ اسلئے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے لئے مرکز اور مالیاتی اداروں کو یہاں اپنی سرمایہ کاری میں اضافہ کرنا چاہئے تاکہ روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کئے جا سکیں ۔

بہرحال مضافاتی علاقوں میں ہمارے گذشتہ تجربات سے ہمیں اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ پنچایتوں کی، تجربات کے ذریعہ جنکی صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے امداد سے بے زمین مزدوروں اور غریب کسانوں کے لئے روزگار فراہم

کرنے کے سلسلے میں کام کرنے کے اور بھی زیادہ مواقع پیدا کیے جاسکیں گے۔ ہماری اپنی کوشش یہ ہوگی کہ نئی صنعتوں کے لئے افزائش مراکز قائم کرنے کے لئے شہری علاقوں میں زور دیا جائے۔ اس ریاست میں ایسے پروگراموں کو اپنایا گیا ہے اور ان میں پسماندہ اور غیر صنعت، علاقوں پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ خودکار مشینوں کی بابت انکی حکومت کی کیا رائے ہے۔ بنکوں میں کمپیوٹرس بٹھائے جارہے ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ باٹ ملوں میں ورکرس کی تعداد میں کمی کردی جائے۔ کیا ان کی حکومت صلاحیت کے مفاد میں ایسی پالیسیوں کی تائید کرے گی یا ان کی مخالفت کرے گی کیوں کہ ان کی وجہ سے بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔

جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ جس طرح خودکار مشینوں اور کمپیوٹروں کو آنکھ بند کرکے قبول نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح بلا سوچے سمجھے اس کی مخالفت بھی نہیں کی جانی چاہئے، لیکن ہم ٹکنالوجی میں پیچھے نہیں رہ سکتے، بلکہ وسیع پیمانے کی بے روزگاری کے پیشِ نظر ہر کیس کو خودکاری، جدت کاری اور کمپیوٹرس کے سلسلہ میں اپنے طور پر پرکھنا چاہئے۔

بنکوں میں کمپیوٹروں کی تنصیب کی بڑے پیمانہ پر مخالفت کی گئی گرچہ ریزرو بینک آف انڈیا اور دیگر بنکوں کے حکام یہ کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ملازمین کو بٹھا نہیں دیا جائے گا، اس کے باوجود میں محسوس کرتا ہوں کہ "خودکاری" روزگار کے امکانات کو کم کردے گی۔ لیکن اگر ہمیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ اس کی وجہ سے صلاحیت میں بہتری ہوگی اور کاروبار میں ترقی ہوگی، تب ہم خصوصی مقصد معہ بنکوں کے لئے اس پر غور کرسکتے ہیں۔

ان سے مزید یہ پوچھا گیا کہ اصلاحاتِ آراضی کے سلسلے میں ان کی حکومت مستقبل میں کیا رویہ اختیار کرے گی۔ اب ایسے برگداروں کی تعداد بہت ہی کم ہے جن کے نام رجسٹر میں درج نہیں ہوئے ہیں اور بہت سارے قطعاتِ آراضی، جن پر حکومت کو حقوقِ ملکیت حاصل ہوگئے ہیں، ابتک تقسیم کئے جاچکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ریاستی حکومت اصلاحِ آراضی کی رفتار کو کس طرح جاری رکھ سکے گی۔

جواب: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، جہاں تک فاضل قطعاتِ آراضی کا تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سارے قطعاتِ آراضی تقسیم کئے۔ لیکن تقریباً ایک لاکھ ایکڑ قطعاتِ آراضی تقسیم نہیں کئے جاسکے، کیوں کہ ان کے سلسلے میں عدالتوں میں مقدمے درج ہیں۔ ہمارے پاس اور بھی ڈیڑھ لاکھ ایکڑ قطعاتِ آراضی ہیں، لیکن ان قطعاتِ آراضی کو مناسب طور پر بہتر نہیں بنایا جاسکا۔ ہم اب اس بات پر غور کررہے ہیں کہ ان قطعات کو پنچایتوں کے حوالے کردیا جائے تاکہ وہ بے زمین مزدوروں اور غریب کسانوں کی کوآپریٹیو کی تشکیل کرے، انہیں ان کوآپریٹیو کے حوالے کردے۔ قطعاتِ آراضی کی تقسیم تو صرف شروعات ہے۔ ہم لوگ بنک سے فراہم کردہ مالی رقوم، بہتر بیج اور آبپاشی کے ذریعہ غذائی پیداوار میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی مقصد کے تحت وقتِ مقررہ پر ختم ہونے والے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ ہم لوگ اور بھی زیادہ قطعاتِ آراضی کو آبپاشی کے تحت لائیں گے۔ ابھی ۳۵ فیصد زرعی زمین کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہیں۔ اب آئندہ پانچ برسوں میں ۵۰ فیصد زرعی قطعات کو ایسی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

ان سے مزید پوچھا گیا کہ اس بات سے تو ہی واقف ہیں کہ شمالی بنگال کی معاشی ترقی کی طرف حکومت خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ اس سلسلے میں جو اقدامات کئے جائیں گے کیا ان کا وہ کچھ ذکر کریں گے اور کیا دارجلنگ ضلع کی ترقی کے لئے ان کے پاس کوئی خصوصی منصوبہ ہے۔

اس کے جواب میں وزیر اعلیٰ نے کہا یہ تو صرف شمالی بنگال کی معاشی ترقی کی بات نہیں ہے۔ ریاستی منصوبہ بندی بورڈ نے شمالی بنگال کے لئے منصوبہ کا خاکہ تیار کیا ہے۔ ہم لوگوں نے تیستا بیریج پروجیکٹ کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر زور دیا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ مرکز اس سلسلہ میں مدد کرے گا۔ شمالی بنگال کی ترقی کے لئے منصوبہ میں دارجلنگ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید اقدامات کئے جائیں گے ٭٭٭

کتنے معصوم ہیں انساں کہ بہل جاتے ہیں
اپنی کوتاہی کو دے کر غم و آلام کا نام
———— احمد ندیم قاسمی

ہم لوگ مثبتی ووٹ کی بنیاد پر انتخابات میں کامیاب ہوئے

ہم کبھی بھی عوام سے کسی بات کو پوشیدہ نہیں رکھتے

عوام ہماری کامرانیوں اور ناکامیوں سے واقف ہیں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں بائیں محاذ حکومت کی چند پالیسیوں اور پروگراموں کی بابت رئیوٹر کے نامہ نگار سے بات چیت کی تھی۔ اس بات چیت یا انٹرویو سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

سوال: کیا آپ اہم پالیسیوں اور پروگراموں پر جنہیں تیسری بائیں محاذ حکومت بر سرِ عمل لائے گی، روشنی ڈالیں گے؟

جواب: سب سے پہلے میں مغربی بنگال کے عوام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کیوں کہ ان کے ووٹوں کے ذریعہ ہم تیسری بار برسرِ اقتدار آئے۔ یہ بات بالکل صاف اور عیاں ہے کہ ہم لوگ "مثبتی ووٹ" کی بنیاد پر انتخاب میں کامیاب ہوئے۔ ہم کبھی بھی عوام سے کسی بات کو پوشیدہ نہیں رکھتے۔ وہ ہماری کامرانیوں اور ناکامیوں سے واقف ہیں۔ انہیں اس امر کا احساس ہے کہ کس طرح ہم موجودہ نظام میں جو حد بندی اور بندشوں سے دوچار ہے، اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ہم لوگ مختلف رفاہی پروگراموں کی تکمیل کے ذریعہ عام لوگوں کی دشواریوں میں کمی کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے جو اقدامات کئے ہیں ان سے عوام کافی مستفید ہوئے، لیکن اب بھی ہمیں بہت دور جانا ہے۔ فنڈ کی کمی ہماری سب سے بڑی رکاوٹ اور دشواری ہے۔ اسی لئے ہم مرکز۔ ریاست تعلقات کو نئے سانچے میں ڈھالنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ مالیاتی اختیارات ریاستوں کو دینا بہت ہی ضروری اور لازمی ہے۔

ہمارے تیسرے دور میں ان پالیسیوں اور پروگراموں کو جن کے سلسلہ میں دس سال قبل ہم لوگوں نے پہل کی تھی، جاری رکھنے کے لئے مرکوز کوششیں کی جائیں گی۔ ہمارے فرائض میں جاری پروگراموں کو مستحکم بنانا اور نئی اسکیموں اور پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانا شامل ہے۔ پنچایتوں کی سرپرستی کے تحت سرگرمیوں اور اصلاحاتِ اراضی کے اقدامات کو اور تیز تر کر دیا جائے گا۔ کسانوں، بٹائی داروں اور زرعی مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے ہم اور زیادہ اقدامات کریں گے۔ مضافاتی علاقوں میں غریبوں کے لئے امداد باہمی سرگرمیوں کو تیز تر بنا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر کم زرخیز قطعاتِ اراضی حاصل کئے جائیں گے اور انہیں معاشی لحاظ سے نفع بخش بنا دیا جائے گا۔ مضافاتی علاقوں اور چھوٹے شہروں میں دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی اور بھی زیادہ یونٹیں قائم کی جائیں گی۔ شہری سیکٹر کے مفاد کے لئے نئے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ ہم لوگ ان پروگراموں کو مغربی بنگال کے لوگوں کی پرخلوص تائید اور تعاون کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

سوال: آپ کے خیال کے مطابق بائیں محاذ حکومت کی اہم کامیابیاں کیا کیا ہیں؟

جواب: ہمارے ناقدوں کو بھی اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہم لوگوں نے بہت سارے محاذوں پر کامیابی حاصل کی ہے۔ ہم لوگوں نے عوام اور تمام سیاسی پارٹیوں کے جمہوری حقوق اور شہری آزادی کو برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ سنہ ۱۹۷۲-۷۷ء کے دوران کانگریسی حکومت کے زمانہ میں عوام اور سیاسی پارٹیوں کے یہ حقوق اور آزادیاں چھین لی گئی تھیں۔ ہم لوگوں نے اقلیتوں، ہریجنوں، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور پہاڑی لوگوں

کے مفادات کے تحفظ کے اور فروغ کے لئے بھی تمام ضروری اقدامات کئے۔ ہماری حکومت نے اصلاحاتِ اراضی، پنچایت، زرعی پیداوار اور آبپاشی، دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعت، تعلیم، ثقافت، دودھ سپلائی، بجلی اور عام اہمیت کے دیگر شعبوں میں نمایاں اقدامات کئے اور ترقی کی راہ پر کافی آگے بڑھ گئے۔ شہری ترقی کی سرگرمیوں کی رفتار کو اور بھی تیز بنانے پر ہم زور دے رہے ہیں لیکن ہمیں کسی قسم کی آسودہ خاطری میں مصروف نہیں ہونا چاہئے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کی شناخت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پروگراموں کو مقررہ مدت میں مکمل ہوجانا چاہئے اور ایسی سرگرمیوں کے تمام سیکٹروں میں ہم کام کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ذمہ داریاں عائد کرتے ہیں۔

سوال: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضافاتی علاقوں میں بائیں محاذ حکومت نے متعدد اسکیموں اور پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ شہری سیکٹر کے لئے اس کے کیا پروگرام ہیں؟

جواب: جی ہاں! مضافاتی علاقوں میں ہماری سرگرمیوں کو کافی سراہا گیا۔ اس وقت دیہاتوں میں حالات میں مزید بہتری لانے کی کوشش کو جاری رکھتے ہوئے ہم اس ریاست کے شہری علاقوں میں چند نمایاں تبدیلیاں لانے کے لئے اپنی کوششوں کو تیز تر کردیں گے۔ اب ہم لامرکزی شہری ترقیات پر زور دیں گے۔ میونسپلٹیوں کو پروگرام مرتب کرنے اور ان کی تکمیل کے لئے زیادہ اختیارات دئے جائیں گے۔ کلکتہ اور دیگر شہروں کی ترقی کے کام کو صرف شہری سہولتوں میں بہتری تک محدود نہیں رکھا جائے گا۔ شہری ترقیات پروگرام میں ایسے منصوبوں کو ترجیح دی جائے گی جن سے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں گے اور پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگا۔ شہری ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے مراکز۔ افزائش خصوصی اہمیت کے حامل ہوں گے۔

مزید برآں مغربی بنگال میں صنعتی افزائش میں تیزی لانے کے لئے اب اقدامات کئے جارہے ہیں۔ مغربی بنگال میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے کے سلسلہ میں صنعت کاری کے لئے موجودہ فضا بہت ہی خوشگوار اور سازگار ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ ہماری حکومت اور صنعت کاروں کے مابین بہت ہی خوشگوار اور تال میل کا رشتہ قائم ہے۔

اس سال اپریل مہینہ میں مغربی بنگال چیمبر آف کامرس کے سالانہ عام جلسے میں میں نے اپنے خطبے میں اس نقطہ پر زور دیا تھا۔ ۱۸ رمئی ۱۹۸۷ء کو میں نے مختلف چیمبرس آف کامرس کے نمائندوں کے ساتھ ایک نشست میں اس ریاست میں صنعتی احیاءِ نو کے لئے مابین تعلقات کے طریقۂ کار کے سلسلہ میں چند تجاویز پیش کیں۔ صنعت کاروں نے مثبتی ردعمل کا اظہار کیا۔ اس طرح کی پہلی نشست میں میں نے صنعت کاروں سے یہ کہا کہ وہ اس معاملہ کی چھان بین کریں گے کہ مغربی بنگال میں صنعت قائم کرنے کی درخواستوں کو صنعتی لائسنسوں میں تبدیل کرنے کی رفتار اتنی سست کیوں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اس نقطہ پر غور کریں اور اس رجحان کو بالکل برعکس کردیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ اس طرح کی اور بھی کئی نشستیں منعقد ہوں۔

کلکتہ میں ورلڈکپ ہاکی ٹورنامنٹ ۱۹۸۷ء منعقد ہو رہا ہے۔ اس کے لئے اس شہر کو تیار کرنے کے سلسلے میں، اس سال کے ختم ہونے کے قبل کلکتہ میں فراہم سہولتوں میں بہتری لانے کے لئے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ شہری محاذ پر اس پروگرام میں، سڑکوں کی بہتری، سڑکوں پر روشنی کے لئے مزید لیمپ پوسٹ، سڑکوں کو اچھی حالت میں رکھنا، سڑکوں پر ٹرافک سگنل آویزاں کرنا، آمد و رفت کی بہتر سہولتیں اور شہر کی سڑکوں کی صفائی وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: اس ریاست میں صنعتی صورتحال میں بہتری لانے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے کیا کیا اقدامات کئے؟

جواب: فی الحال مغربی بنگال میں صنعتی صورتحال کافی بہتر ہوگئی ہے۔ ہمارے دور میں اس ریاست میں صنعتی تعلقات کم و بیش تشفی بخش ہیں۔ ہماری حکومت ہمیشہ محنت کش طبقہ کی تائید کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اس طبقہ سے یہ کہتی ہے کہ وہ سب اپنے منصفانہ اور جائز مطالبات کے لئے جد و جہد کرتے ہوئے ٹریڈ یونین کے طریقۂ کار پر سختی سے عمل کریں۔ ہم لوگ مزدوروں اور ٹریڈ یونینوں سے بھی یہ اصرار کرتے ہیں کہ وہ مطالبات مرتب کرنے سے قبل اپنی اپنی صنعت کی حالت کا تجزیہ کریں اور پیداوار میں اضافہ کرنے کے کام میں دلچسپی لیں۔

کاروباریوں کے سلسلے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ وہ سب یہاں آئیں اور کاروبار شروع کریں۔ ہم اس کام میں ان کی مدد کریں گے۔ اس طرح یہ کاروباری اس ریاست کی معاشی فلاح میں موثر طور پر گراں قدر خدمات انجام دے سکیں گے۔

...ضرورت

لوگوں سے ان کاروباریوں سے یہ کہا کہ وہ سب محنت کش طبقہ کے ساتھ مناسب
ذکریں اور ان کے ساتھ معاشی انصاف کریں۔ ہم مالکوں اور ملازمین کے درمیان
بر فروری جھڑپ اور تصادم کے خواہاں نہیں ہیں۔ ہماری حکومت اس بات پر زور
دی ہے کہ مالکوں اور مزدوروں کے درمیان اگر ایک بار معاہدہ ہو جائے تو اس
معاہدہ پر سبھوں کو عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ مالک اور مزدوروں کے درمیان چند
تنازعات میں ہمیں مداخلت کرنی پڑی تاکہ فریقین کے لئے تشفی بخش پرامن سمجھوتہ
کرنے کے لئے ان کی مدد کی جا سکے۔

جب ۱۹۷۷ء میں ہم پہلی بار برسر اقتدار آئے تو اس وقت ہم
لوگوں نے یہ بات عیاں کر دی تھی کہ ہماری حکومت کو مخلوط معیشت کی صورت
حال میں کام کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے اس ریاست کی معیشت کے فروغ
کے لئے ہمیں پرائیویٹ سیکٹر کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔ اسی وقت سے ہم اس
پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت مغربی
بنگال میں خاطر خواہ سرمایہ کاری کرے۔ لیکن ہم لوگوں کے سلسلے میں مرکزی
حکومت کا رویہ امتیازی اور ناکارآمد ہے۔ مغربی بنگال میں مرکزی سیکٹر میں
مرکزی سرمایہ کاری نفی کے برابر ہے۔ سنہ ۱۹۷۰ء سے مرکزی سرمایہ کاری مغربی بنگال
میں ۷ر۱۱ فیصد سے گھٹ کر ۵ر۷ فیصد اور مہاراشٹرا میں ار۳ فیصد سے
بڑھ کر ۲ر۱۵ فیصد ہو گئی۔ ریاستی حکومت کی حیثیت سے ہمارے پاس اتنے
وسائل نہیں ہیں کہ ہم بڑی تعداد میں صنعتی یونٹیں چالو کر دیں۔ ایسی صورت
میں ہم پرائیویٹ سرمایہ کاروں کے ساتھ ملکر مشترکہ سیکٹر پروجیکٹس قائم کرنے
کے خواہاں ہیں۔ ہم تو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ یہ ریاست صنعتوں
سے خالی ایک ریگستان بن جائے۔ اس لئے ہمیں مغربی بنگال کی معاشی احیاء
کے لئے مختلف ذرائع سے وسائل اکٹھا کرنا ہوگا۔ ÷÷

سندربن علاقے میں پختہ سڑک

حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی نے سندربن
علاقہ کی ترقی کے لئے ضلع ۲۴ پرگنہ (جنوب) کے کلتلی بلاک میں پال بریا کے
گھر سے سوناتی کاری فری پرائمری اسکول تک پختہ سڑک کی تعمیر کے لئے
۶ر۵۱۰۶ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس تعمیراتی کام پر تخمینہً
۲۰۳۰۸۰۲ روپے خرچ ہوں گے ÷÷

ہندی کتابچہ ضبط

ریاستی حکومت نے ہندی کتابچہ "ہم سب ہندو ہیں" جسے اکھل
بھارتیہ ہندو رکھشا سمیتی نے شائع کیا ہے اُسے ضبط کر لیا ہے کیونکہ اس میں ایسے
مضامین درج ہیں جن میں قصداً اور عمداً اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں
کے احساسات کو مجروح کیا جائے۔ ریاستی حکومت کو اس بات کا بھی احساس
ہے کہ یہ کتاب دونوں فرقوں کے درمیان دشمنی، نفرت اور بغض کو فروغ دے
سکتا ہے ÷÷

پہاڑی شہروں کی سیاحت کیلئے ریل کے کرایہ میں رعایت

اس سال ریل محکمہ نے جموں توی، شملہ، نینی تال (کاٹھ گودام
سے ہو کر جانے والی ریل)، دہرہ دون اور دارجلنگ جانے والے افراد کے لئے
۳۰ نومبر ۱۹۸۶ء تک ریل کے کرایہ میں درج ذیل طور پر رعایت دینے کی منظوری
دی ہے:۔

سکنڈ کلاس .... بنیادی کرایہ پر ۲۵ فیصد
فرسٹ کلاس .... " " " " " ۱۵ فیصد
اے سی ٹو ٹائر کلاس .... " " " " " ۱۵ فیصد
اے سی فرسٹ کلاس .... " " " " " ۱۰ فیصد

اس رعایت کی سہولت ان تمام اسٹیشنوں سے واپسی کے سفر کیلئے
جاری کردہ ٹکٹوں کے لئے ہوگی جہاں سے مقام سیاحت کا فاصلہ ۵۰۰ کیلومیٹر یا اس
سے زیادہ ہوگا ÷÷

سوکھے کھال کی ازسرنو کھدائی

حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی نے سندربن
علاقہ کی ترقی کے لئے ضلع ۲۴ پرگنہ (جنوب) کے گوسابہ علاقہ میں سوکھی کھال
گنگاری کی ازسرنو کھدائی کے لئے ۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے ۲۲۷۵۵۴ روپے
دینے کی منظوری دی۔ کھدائی کے اس کام پر کل ۶۸۳۶۶۲ روپے خرچ
ہوں گے ÷÷

ماحولیات کا تحفظ

از: ایس۔کے۔کونار

ہر سال جون کے پہلے ہفتے میں ساری دنیا میں یوم ماحولیات منایا جاتا ہے۔ اس تقریب کا مقصد یہ ہے کہ ہم ماحولیات کے تحفظ کا عہد کریں۔ اب ہمیں یقین ہو رہا ہے کہ اگر ہم جسمانی اور دماغی صحت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم ماحولیات کا تحفظ کریں۔ اگر ہم آج اپنے ماحول کا تحفظ نہیں کرتے تو مستقبل میں ماحول بھی ہمارا تحفظ نہیں کرے گا۔ ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ فطرت میں ماحولیاتی توازن کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں قدرتی ذرائع کو استحصال سے بچانا ہوگا۔ ہمیں قدرت کی مخلوقات کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھنا ہوگا۔ ابھی جب ہم ماحولیاتی دن منا رہے ہیں، ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ صرف تقریر، مباحثہ، جلسہ وجلوس کا دن نہیں ہے۔ ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہمارے بچوں اور دنیا کے تمام وسائل کے صحت مند مستقبل کے لئے ماحولیاتی کثافت کے تدارک ہر قیمت پر ضروری ہے۔

سڑکوں پر یا ادھر ادھر کوڑا کرکٹ پھینکنے کے نتائج کے تخمینہ کیلئے ہمیں روزانہ کم از کم لمحہ کو وقف کرنا چاہئے؟ کیا آپ کے ماحولیات میں فضول چیزوں کے پھینکنے کے نتائج کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ماحولیات کسی کا عمل کا رزار نہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ ماحولیات کا بالواسطہ اثرات سے یکسر ناواقف ہیں۔ مشکل سے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ نامعقول طور پر کوڑے کرکٹ کا جمع کرنا ماحولیات میں سلسلہ وار ردعمل ہوتا ہے۔ نتیجتاً یہ انسان کی بیماریوں کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس دن اسے ایک تقریب کے طور پر نہ لیں بلکہ اسی دن نجاست سے فطرت کو پاک رکھنے کا عہد کریں۔

ہم اپنے ایک دن کی سرگرمیوں پر نظر ثانی کریں تو ہم ماحولیات میں عمل تفاعل دیکھ سکیں گے۔ صبح میں ہم گرد و غبار، کاربن کے اجزاء اور کبھی مضر صحت نائٹرائیٹ اور امونیہ گیس سے آلودہ ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ پھر ناشتہ کے لئے ہم جاتے ہیں۔ ہم دودھ روٹی مکھن کھاتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ یہ چیزیں جراثیم اور دھاتوں سے آلودہ نہیں۔ پھر ہم دفتر کی طرف دوڑتے ہیں۔ مسلسل گاڑیوں کی کالی گیس سانسوں کے ذریعہ ہمارے اندر داخل ہوتی ہے۔ رات کے کھانے میں ہم سبزی، چاول، چپاتی، سالن، دودھ اور مچھلی کھاتے ہیں لیکن کون یقین دلائے گا کہ یہ غذائی چیزیں جراثیم اور دھات سے پاک ہیں۔ پینے کے پانی کے سلسلے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ جراثیم سے خالی ہے؟ کیا یہ پیٹرول مصنوعات یا صنعتی یا بھاری دھات اور جراثیم کش ادویہ سے ذرہ برابر بھی آلودہ ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ دن کے کھانے میں ہمیں یہ جاننا مشکل ہوتا ہے اور جب ہم شام کو گھر لوٹتے ہیں تو بہت تھک جاتے ہیں۔ ہم اس قدر تھک جاتے ہیں کہ ہمیں تازہ اور خالص آکسیجن سے پُر ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ کہاں ملے گی؟ چاروں طرف دھول اور دھواں کاربن ذرات سے بھرے پڑے ہیں۔ ہم رات آتے ہی اور بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ رات کے کھانے میں ہم تقریباً انہی چیزوں کو بغیر کسی علم کے کہ یہ اشیاء خالص ہیں اور جراثیم سے پاک ہیں، کھاتے ہیں۔

کارخانوں اور صنعتوں میں اخراج کے دہانے صنعتی آلودگی کے اہم ذرائع ہیں۔ چھوٹے اور بڑے شہر کئی نالوں کے نکاس کے ذریعہ استعمال شدہ اور نیم استعمال شدہ یا کچے میلے کچیلے فضلہ جات ماحولیات میں خارج کرتے ہیں۔ پھر کھیتوں کے لئے کثیر تعداد میں جراثیم کش ادویہ جن میں زیادہ تر دھات کے اجزاء ہوتے ہیں، فراہم کئے جاتے ہیں۔ یہ فضلہ جات جب ہم کھیتوں میں ڈالتے ہیں تو اس کی آلودگی ہوا، پانی اور مٹی تک پہونچ جاتی ہے۔

جراثیم کش ادویہ کھیتوں سے ندیوں، جھیلوں، تالابوں، دریاؤں

کے دہانوں اور سمندر تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کارخانے کے فضلہ جات بھی پانی کے ذخیروں میں ساتھ ہی مٹی اور ہوا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بہت ساری مہلک گیس ہواؤں میں خارج کی جاتی ہیں۔ ہر صنعت کئی اقسام کی آلودگی جذب کرتی ہے۔ خارج شدہ غلاظت مٹی اور ندیوں دونوں جگہ پھینکی جاتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ سرسبز پیڑ پودے کثافت یا آلودگی کو کثیر مقدار میں جذب کرتے ہیں۔ قدرتی پانی میں بھی کثافت کو جذب کرنے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے لیکن جذب کرنے والی یہ تمام قوتیں اپنے طور پر محدود ہیں۔ کثافت جب قوتِ جذب سے تجاوز کر جاتی ہے تو مصیبتیں پیدا ہوتی ہیں۔

زمین اور پانی کی غذائی اجناس اپنی بقا کے لئے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ بنیادی غذائی اجناس عام طور پر زہر کی بھاری مقدار کو جذب کر لیتی ہیں۔ یہ زہریلے عناصر اس کے بعد باقی ہر ایک غذا میں بتدریج تحلیل ہو جاتے ہیں اور پھر یہ زہریلے عناصر غذائی تسلسل کے ذریعہ جانوروں حتیٰ کہ انسان تک پہونچ جاتے ہیں۔

بہت سارے زہریلے عناصر پیڑ پودے اور جانوروں کے خلیوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اردگرد کے ماحول میں جتنے زہریلے عناصر پائے جاتے ہیں ان سے کہیں زیادہ ان میں پائے جاتے ہیں۔ جسم میں اتنی کثیر مقدار میں جمع شدہ زہریلے عناصر کے باوجود پیڑ پودے اور جانور زندہ رہتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر سانس لینے والے یہ زہر آلود پیڑ پودے اور جانور کا انسان کے لئے مضرِ صحت غذا بن جانے کا امکان ہوتا ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ جاپان میں پارے سے آلودہ مچھلیوں کے استعمال نے کس طرح انسانی بچوں کو بدشکل بنانے کا سبب بنا اور جس کی وجہ سے اس وقت جاپان کو ملک گیر احتجاج کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ہمیں زخموں کو بھول جانے کی عادت ہے۔ ٹھیک اسی طرح کا کوئی دوسرا سانحہ کسی دوسری جگہ بھی واقع ہو سکتا ہے۔ غذائی اجناس کے ذریعہ زہریلے عناصر کے منتقل ہونے کے نتیجے میں ہمارے جسم میں آہستہ آہستہ زہر پیوست ہو جاتا ہے۔ اس کا ردعمل دیر سے ضرور ہوتا ہے لیکن یہ آخر میں اس کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور ان زہر آلود غذائی اجناس کے استعمال کے نتیجے میں ہماری صحت گرتی جاتی ہے اور ہم مرض کے شکار ہو جاتے ہیں۔

پنجاب زرعی یونیورسٹی اور دوسری جگہوں کی حالیہ تحقیقات سے یہ بات عیاں ہوئی کہ سبزی، دودھ، مکھن اور مچھلی کی خوراک میں، جو بازار میں فروخت ہوتی ہے، کلورین سے پُر ہائیڈرو کاربن کرم کش ادویہ جیسے ڈی ڈی ٹی اور بی ایچ سی پائے گئے۔ اس مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اسٹرو گیہوں اور دیگر اناج میں بھی جراثیم کش ادویہ سے آلودگی پائی گئی۔ دیگر تحقیقات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مچھلیوں کے خلیوں میں کثیر مقدار میں جراثیم کش ادویہ، بھاری دھات، صنعتی اور پٹرولیم کیمیا جمع کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ زہریلے عناصر عام طور پر قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ مچھلیوں کے جسم میں جو تیل ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان کے سروں اور معدوں میں بھاری مقدار میں جراثیم کش ادویہ جمع ہو جاتی ہیں۔ مچھلیوں کے بہت سارے صارفین بالخصوص مغربی بنگال میں مچھلیوں کے پیٹ کے نچلے حصے اور سر کو شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ حصے کلورین سے پُر ہائیڈرو کاربن جراثیم کش ادویہ سے آلودہ ہوتے ہیں۔ ہم یہ چیزیں اپنے بچوں اور مہمانوں کو پیش کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ زہریلی خوراک ہم انہیں پیش کرتے ہیں جنہیں ہم بے حد چاہتے ہیں۔

پینے کے پانی کے اہم وسائل دریا، ریزروائر، تالاب اور زمین دوز پانی ہیں۔ جراثیم کش ادویہ اور بھاری دھات دائرے کی شکل میں اور عمودی طور پر حرکت کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر پانی کے وسائل غلاظت سے آلودہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا پانی کے پینے کے وسائل نہ صرف جراثیم سے آلودہ ہیں بلکہ جراثیم کش ادویہ اور دھات سے بھی پُر ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان وسائل سے پانی شہر اور گاؤں میں پینے کے لئے بھیجنے سے پہلے کس طرح انہیں اٹھا کر غیر طبعی طریقہ سے صاف کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ غیر طبعی طریقہ کار زہریلے عناصر جیسے جراثیم کش ادویہ دھات، صنعتی اور پٹرولیم مصنوعات کو مشکل سے دور کر سکتا ہے جبکہ جراثیم دور کئے جا سکتے ہیں۔ مضافاتی عوام کے لئے پینے کے پانی کا کیا حال ہے؟ یہ عوام اپنے پینے کا پانی ان ذرائع سے براہِ راست حاصل کرتے ہیں اور بغیر صاف کئے اسے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا مضافاتی عوام کثافت آلود پانی پینے سے خود کو بیماری کا شکار بنا رہے ہیں۔

مضافاتی معیشت بڑے پیمانے پر بڑے اور چھوٹے ندیوں کو اچھی حالت میں رکھنے پر انحصار کرتی ہے۔ ایسے پانی کے ذخیروں کی ماحولیاتی کثافت کی وجہ سے زیادہ تر ندیوں میں مچھلیوں اور جھینگوں کی کمی ہو

جاتی ہے۔ زیادہ تر ایسی ندیاں جہاز رانی کے قابل نہیں ہوتیں۔ بہت سارے کارخانے ان ندیوں میں فضلہ جات پھینک دیتے ہیں۔ بہت سی تحقیقات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ بہت سارے کارخانے کے فضلہ جات جیسے ۲۵ فیصد کاغذ کارخانے کی غلاظت یا بھٹی کے فضلہ جات اناج کے بیج کی نشوونما کی شرح کم کر دیتے ہیں اور فصل کی پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔ ندیوں میں نامیاتی مواد کی نکاسی کے نتیجے میں اور ندی کے پانی کے سست رفتار بہاؤ کی وجہ سے ندیوں میں کثیر مقدار میں ریتیلی مٹی جم گئی ہے۔ ان ندیوں کے پانی کے ذرائع بتدریج کم ہو رہے ہیں۔ اس طرح ندیوں کی گہرائیاں کم ہو جاتی ہیں اور ندیوں کے پانی بھی۔ برسات میں اس سے سنگین صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک ندی جو تقریباً نو مہینے تک خشک رہتی ہے، برسات کے دنوں میں تین مہینے کے لئے دیو پیکر ہو جاتی ہے۔

ہم اپنے وسائل کو ختم کر رہے ہیں۔ ہمیں مکانات کی تعمیر، جلاون اور بہت سارے دوسرے کاموں کے لئے درختوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ہم کاشتکاری کے لئے بھی زمین کو صاف کر دیتے ہیں لہٰذا ہم اندھادھند درختوں کو کاٹ کر پھینک دے رہے ہیں۔ نتیجتہً آب و ہوا میں آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جا رہی ہے۔ پیڑ پودے میں کثافت کو جذب کرنے کی بڑی قوت ہے۔ درختوں کو گرا کر ہم ان قدرتی جاذب کثافت کو کھو رہے ہیں جس کے نتیجے میں ہوا اور مٹی میں کثافت کا اضافہ ہو رہا ہے۔ درختوں کو ختم کرنے کے نتیجے میں مٹی کی کٹائی میں دھیرے دھیرے اضافہ ہو رہا ہے۔ درختوں کو گرانے کے سبب اس میں نمی کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ نتیجتہً ہوا میں گرد و غبار کا اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح سال بھر گرد آلود ہوا چلتی رہتی ہے۔ مٹی نرم اور ہلکی ہو جاتی ہے اور پانی کے بہاؤ کے ذریعہ ندی کی تہہ سے جا ملتی ہے۔ مٹی میں نمی کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور اسے مزید بنجر بنا دیتی ہے اور اس طرح کٹائی کا زور بڑھ جاتا ہے۔ مٹی میں نمی کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کی کمی آب و ہوا کے درجۂ حرارت کو بڑھا دیتی ہے۔ اس طرح سرسبز اور خوشگوار ماحول چٹیل، گرم اور خشک صحرا میں بدل جاتا ہے۔

جنگلی جانوروں کو مارنے سے بچانے کے تمام اقدامات کے باوجود چمڑے، ہڈی، گوشت کے استعمال کے مقصد کے لئے یا پیسے کمانے کے لئے یا پھر صرف شغل کی تکمیل کے لئے جنگلی جانوروں کا شکار معمول بن گیا ہے۔

لیکن قدرتی ماحول میں ایک جنگلی جانور کا خاتمہ دوسرے کے لئے ردعمل کے طور پر ایک خلا پیدا کر دیتا ہے۔ یہ قدرت اور قدرتی ماحول میں رہنے والوں میں توازن کے کھو جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر جنگلی جانوروں کی جنگل سے انسانی بود و باش میں متواتر مداخلت شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ سندربن میں ہوا۔ جنگل میں چرندوں کے مار ڈالنے کے نتیجے میں شیروں کے لئے خوراک کی کمی ہو جاتی ہے، ان میں بہت سارے شیروں کا جنگل میں جینا مشکل ہو جاتا ہے اور اس لئے وہ جنگل سے نکل کر انسانی رہائش گاہوں میں گھس آتے ہیں۔ اور ایسا جنگلی جانوروں کے رہائشی ماحول میں انسانوں کی طرف سے غیر متوازن صورت حال پیدا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ہمیں ہم موجودیت پر یقین رکھنا ضروری ہے کیونکہ حیوانیاتی معیشت کی ہم آہنگی قدرتی ماحول میں توازن برقرار رکھ سکتی ہے۔ ہمیں قدرتی وسائل کے استحصال پر قابو پانا ہوگا۔ ہمیں نامعقول طور پر قدرتی سرمایہ کو ختم کر دینے کے نتائج کے متعلق سوچنا ہوگا۔ ہمیں جہاں تک ممکن ہے وسائل کو ختم ہونے اور ان کی دوبارہ نشوونما میں توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔ ماحولیات کا انسان پر تعاملی عمل ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم نامعقول طور پر وسائل کو ختم کر دیں تو یقیناً اس کا ردعمل بڑی تیزی سے ہم پر، جانوروں اور نباتات پر ہوگا۔ ماحول بے حرکت نہیں ہے بلکہ اثر آفریں محرک، متحرک اور ترقی پذیر ہے۔ یہ بھی زندہ رہتا ہے، بڑھتا ہے اور مر جاتا ہے۔ ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ کیڑے مکوڑے سے انسان تک ایک قدرتی تعلقات قائم ہیں لہٰذا ہمیں جانوروں اور نباتات کے ساتھ ایک خوشگوار تعلقات قائم رکھنا چاہئے۔ قدرتی ماحول میں جانداروں کے لئے تنہا رہنا ممکن نہیں۔

لہٰذا ابھی جب ہم عالمی یوم ماحولیات منا رہے ہیں ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ صرف تقریب نہیں بلکہ ثابت قدمی اور صدق دل کے ساتھ کیڑے مکوڑوں سے انسان تک جتنی مخلوقات ہیں ان کے ساتھ تعلقات قائم کر کے ماحولیات کے تحفظ کا عہد کرنے کا بھی دن ہے۔ جب تک ہم آج اور ہر روز ماحولیات کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتے ماحول بھی مستقبل میں ہمارے اور ہمارے بچوں کی حفاظت نہیں کرے گا ÷



جی، این، ایل، ایف تنظیم اور شورشیں

تیسری اور آخری قسط

یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں آمدورفت کی دشواریاں ہیں اس لئے اگر یہاں کوئی واقعہ رونما ہو تو پولیس حکام کو مطلع کرنے اور ان کی خدمات حاصل کرنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں جی این ایل ایف کے مسلح حامی جن لوگوں کو اپنے حملے کا نشانہ بناتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ آیا چپ چاپ کئے بغیر سرنگوں ہو جائیں یا اپنے دفاع کا خود انتظام کریں۔ کسی بھی منطق یا نظریہ سے دفاع خود کے لئے اصول اور قانونی طور پر جائز اقدامات کو جی این ایل ایف کے حامیوں کے منصوبہ بند قاتلانہ حملے کے مساوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے مساوی قرار دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ مجرم اور شکار جسے اپنے دفاع کے لئے مجبوراً اقدامات کرنے پڑے دونوں ایک ہی جیسے مجرم ہیں۔

یہ بات بھی غلط ہوگی کہ اگر ہم اس تنازعہ کو اس روشنی میں دیکھیں کہ یہ تو پارٹی سیاست کے نقطۂ نظر سے جی این ایل ایف اور سی پی آئی (ایم) کے درمیان ایک تنازعہ ہے حالانکہ صحیح نظریہ تو یہ ہونا چاہئے کہ یہ تفرقہ پسند اور انتشار پسند طاقتوں اور قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے نقطۂ نظر کی تائید کرنے والوں کے مابین جدوجہد ہے۔ بعض گمراہ پریس کی رپورٹوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ تو بنگالی اور گورکھا کے درمیان تنازعہ ہے۔ حالانکہ وہ اس بات سے ناآشنا ہیں کہ لوٹ مار کرنے والے جی این ایل ایف گروہ سے مقابلہ کرتے ہوئے مرنے والے لوگ بھی نیپالی بولنے والے ہیں اور بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی لوگ پہاڑی علاقوں کی حقیقی روایتوں کے نمائندے ہیں۔

حالیہ مہینوں میں جی این ایل ایف کے کردار میں دو اہم رجحانات ابھرے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ تحریک اب بڑی تیزی سے مقامی سماج دشمن لوگوں کے کنٹرول کے تحت چلائی جا رہی ہے اور جو پرانی باتوں کا بدلہ لینے، بہت ساری ناگفتہ بہ اور غلط سرگرمیوں کو روبہ عمل لانے یا معصوم لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مال اور دیگر مراعات حاصل کرنے کے سلسلے میں اپنے کرتوت کو ڈھانکنے کے لئے اس تحریک کا سہارا لے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے دوسرا اہم رجحان رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ مختلف طریقوں سے جمع کردہ فنڈ کے کنٹرول کے مسئلہ کی بابت اس تنظیم کے اندر ممبروں کے باہمی تصادم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس تنظیم کے ایک نائب صدر بی بی گورنگ نے گزشتہ اگست کو اس تنظیم کی کارکردگی کی بابت خاص طور پر بھارت ڈونگ اور لایکا ڈونگ کا حساب کتاب داخل نہ کرنا، پہلے سے صلاح و مشورہ اور اجازت حاصل کئے بغیر حکام کے فنڈ کی فضول خرچی، وغیرہ پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ۱۸ اکتوبر کو بھارت سنگھ نے بذاتِ خود یہ اعلان کیا کہ دارجلنگ شہری کمیٹی کو توڑ دیا گیا۔ کیوں کہ یہ الزام عاید کیا گیا تھا کہ اس پر غنڈوں اور ٹھگوں کا راج ہے۔ یہ کاروباریوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ ۵ نومبر کو گھیسنگ نے اس شہری کمیٹی کے ممبروں سے کہا کہ وہ ان سے آکر ملیں۔ اس نشست میں کمیٹی سے چند ممبروں کو برخاست کرنے کے لئے انہوں نے تجویز پیش کی لیکن اس سلسلہ میں اطلاع ملی ہے کہ ان ممبروں نے ان کی تجویز کو مسترد کر دیا کیوں کہ انہیں لایکا ڈونگ کی حمایت حاصل تھی۔ ۸ نومبر کو یہ معاملہ انتہائی حد تک بڑھ گیا جب بھارت ڈونگ نے اس کمیٹی کے ممبروں سے حساب وکتاب پیش کرنے کو کہا۔ ممبروں نے حساب وکتاب پیش کیا، اس میں صرف یہ دکھایا گیا کہ صرف ۴۰۰۰ روپئے جمع کئے گئے تھے۔ بھارت ڈونگ کو اس حساب وکتاب سے تشفی نہیں ہوئی اور اسے شک ہوا کہ اس میں کچھ خرد برد کیا گیا ہے اسی کی وجہ سے ممبروں کے درمیان تکرار ہونے لگی اور بات جب بہت بڑھ گئی تو بھارت ڈونگ اور اس کے حامیوں نے ممبروں کو اپنے گھروں سے باہر نکال دیا۔ ممبران بھی چپ بیٹھے نہ رہے۔ وہ اپنے بہت سارے ساتھیوں کو لے کر اس گھر پر پھر آدھمکے۔ اس موقع پر چند لوگوں کی مداخلت

کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

نومبر کے پہلے ہفتہ میں جی این ایل ایف کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں بھارت ڈونگ' جسے اتفاق اور تحفظ فنڈ کا چارج دے دیا گیا تھا یہ حساب پیش کیا کہ چندے میں ۲۱۲۴۷۸ روپے حاصل کئے گئے اور تمام اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اب اس کے پاس ۸۵۴۴ روپے باقی بچے ہیں اس نے پھر گھیشنگ کو چیلنج کیا کہ ان سے پانچ لاکھ روپئے کا حساب دے جو انہوں نے اکٹھا کئے تھے۔ دوسری طرف گھیشنگ کو اس بات پر یقین نہیں ہوا کہ بھارت ڈونگ کے پاس اب صرف اتنے کم روپئے رہ گئے ہیں۔ ایک اور واقعہ میں سوکھو شباکوتا کدہ چائے باغات کے جی این ایل ایف کے خزانچی کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا کیوں کہ اس کی دیانت داری پر شک کا اظہار کیا گیا۔ اس کے بدلے میں شبا کے حامیوں نے اس کے جانشین سکریٹری کے گھر پر حملہ کیا اور لوٹ مار شروع کر دیا۔ ایک اور واقعہ میں کلمپونگ میں جی این ایل ایف کے کنوینر سی۔ کے پردھان پر دلیپ ترپاٹھی اور کیدار مسلم نے اس جلسہ میں گولی چلا دی کیونکہ پردھان پر فنڈ میں غبن کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں کیدار مسلم کو کلمپونگ ہسپتال میں جان سے مار ڈالا گیا۔ اندرونی پارٹی، خاص طور پر نوجوانوں اور عورتوں کے سیکشن میں ایسے اختلافات بہت شدید بن چکے ہیں۔

یہ بتایا جاتا ہے کہ لیپکا ڈونگ، دارجلنگ کا بہت ہی امیر زمیندار ہے اور یہ ایک گروہ کی سربراہی کر رہا ہے اور اس گروہ کے ممبر لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لیپکا ڈونگ نے اعلانیہ گھیشنگ کی مخالفت کی۔ جب اس نے پریس کو یہ بتایا کہ گھیشنگ کو جدوجہد سے دلچسپی نہیں رہی، تو وہ اب دہلی کی خوشنودی حاصل کرنے کا اور اپنے لئے کچھ شہرت حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ جی۔ این۔ ایل۔ ایف ایک مستحکم تنظیم نہیں ہے اور نہ ایک کاز کے لئے اس کی متحدہ سربراہی ہے۔ برخلاف اس کے، دولت اور اقتدار کی، جو ایسی تنظیم میں رہنے سے یہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ لالچ میں اودھم چوکڑی مچانے والے لوگوں کی گویا ایک بڑی فوج تیار ہو چکی ہے اور ان میں سے بہت سارے افراد مشہور سماج دشمن افراد ہیں جو مختلف سطحوں پر اس تنظیم کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ یہ عناصر جنہیں صرف ذاتی مفاد سے سروکار ہے اور جو اس تنظیم کے نام پر لوگوں کو ڈرا دھمکا رہے ہیں اور بذات خود ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور اس طرح پہاڑی علاقوں میں رفتہ رفتہ کی حسب معمول زندگی میں رکاوٹیں اور انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ یہ تو خاص طور پر اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ کثرت سے بند کا اعلان کرتے ہیں اسڑکوں پر رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں تاکہ گاڑیوں کی آمد و رفت رک جائے اور اسی طرح کے دیگر پروگراموں کو بروئے عمل لاتے ہیں۔ نومبر میں ایک گروہ نے تعلیمی اداروں کی بندی کا اعلان کیا تو دوسرے گروہ نے یہ اعلان کیا کہ اسکول کے امتحانات اور کلاسیں بند نہ ہوں۔ کئی بند کا تو ایک گروہ نے اعلان کیا اور دیگر گروہ نے ان کی مخالفت کی اور اس کی وجہ سے ایک پیچیدہ صورت حال پیدا ہو گئی۔ جی این ایل ایف کے ایک جنرل سکریٹری جی ایس موکتان نے ایک پوسٹر میں یہ اعلان کیا کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی ہڑتال جائز قرار نہیں دی جائے گی، تو دوسرے پوسٹر میں یہ احتجاج شروع ہوا "حکم دینے والا موکتان کون ہے۔؟" طوائف الملوکی اور بدنظمی اس تنظیم میں جاری و ساری ہو گئی ہیں۔ ان کی وجہ سے اس تحریک کے حامیوں کو اب اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا۔ اس کے مطالبات کے لئے عوامی جوش ٹھنڈا ہوتا جا رہا ہے کیوں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں سماج دشمن عناصر سربراہی کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس تحریک کا ایک دہشت ناک پہلو یہ ہے کہ اس کے سربراہ معہ گھیشنگ فی الحال دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کے باہر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد کم و بیش ۱۵ لاکھ نیپالی بولنے والے لوگوں کے درمیان بے اطمینانی پھیلا رہے ہیں۔ جی۔ این۔ ایل۔ ایف نے ایسے لوگوں کی تعداد ۴۰ لاکھ بتائی ہے حالانکہ اس کی صحیح تعداد اس کی ایک چوتھائی ہے۔ اور ایسے لوگ سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کافی تعداد میں یہ لوگ ہندوستانی فوج میں شامل ہیں جنہوں نے جنگ میں اپنی جرأت کی قدیم روایت کو برقرار رکھا۔ ہر جگہ ہندوستان کو جنگ کرنے والے ان لوگوں پر فخر حاصل ہے۔ جبکہ سپاہی کی حیثیت سے یہ لوگ بجا طور پر خود فخر کر سکتے ہیں۔ ان کے درمیان یہ شر انگیز مہم کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ "کب تک دوسروں کے لئے لڑو گے؟" اور پھر ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ "فوراً فوج سے الگ ہو جاؤ" اور گورکھا لینڈ کے لئے اپنی لڑائی لڑو، کا مقصد یہ ہے کہ ان فوجی افراد کو بد دل بنا دیا جائے اور ان کے درمیان بے تعلقی پیدا کر دی جائے۔ نیپالی بولنے والے ہندوستانی سپاہیوں کے درمیان اس شر انگیز پیچیدگیوں کو اس تحریک کا جائزہ لیتے وقت زیر غور رکھنا چاہئے ۔۔۔

عازمین حج کیلئے سعودی عرب کے ہوائی جہاز

تمام عازمین حج کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ امسال حج ۱۹۸۶ء کے فریضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں بمبئی اور دہلی سے ان کی روانگی کے لئے سعودی عرب ایئرلائنز کے ہوائی جہاز حسب ذیل پروگرام کے تحت فراہم ہوں گے :-

(الف) بمبئی سے جدہ تک سفر کے لئے ایئر چارٹر فلائٹس ۸ تا ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کے درمیان روانہ ہوں گے۔

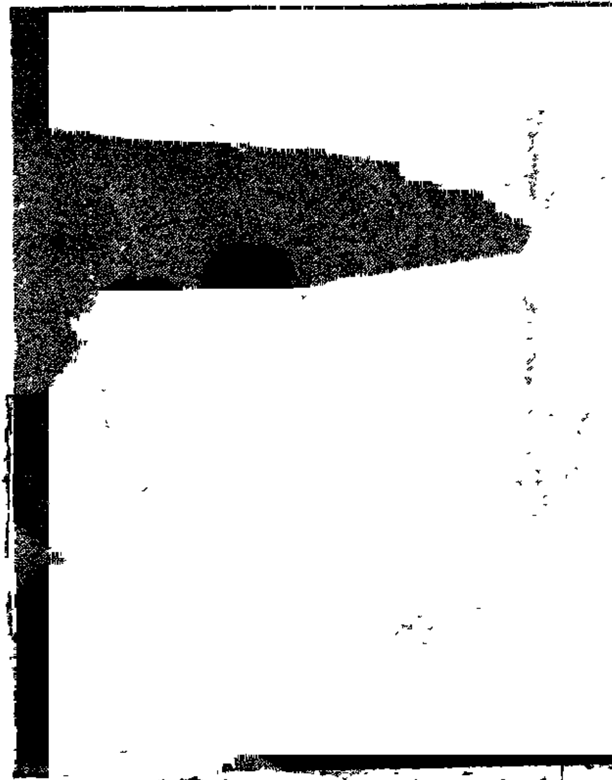
(ب) دہلی سے جدہ تک سفر کے لئے ایئر چارٹر فلائٹس ۷ تا ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء کے درمیان روانہ ہوں گے۔

(ج) بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہونے والے تمام عازمین حج کو انفرادی طور پر حج کمیٹی، بمبئی براہ راست ان کے ہوائی جہاز کی اڑان کی تاریخوں سے مطلع کرتی ہے۔ عازمین حج کو اس بات کی ہدایت دی جاتی ہے کہ حج کمیٹی، بمبئی کی طرف سے جاری کردہ تصدیقی کارڈ پانے کے بعد ہی وہ مقررہ تاریخ سے پانچ دن قبل مقام روانگی پر یعنی بمبئی / دہلی پہنچ جائیں۔

امسال ہوائی جہاز کے کرایہ میں اضافہ ہوا ہے۔ عازمین حج کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ "حج کمیٹی، بمبئی" کے نام درج ذیل رقم کے بینک ڈرافٹ بنوالیں اور لے لیں اپنے اپنے مقام روانگی پر بکنگ کے سلسلہ میں رپورٹنگ کے وقت جمع کر دیں۔

مقام روانگی	بالغ افراد	بچے
بمبئی	۲۱۰ روپئے	۲۰ روپئے
دہلی	۲۱۰ روپئے	۲۵ روپئے

(پریس نوٹ)



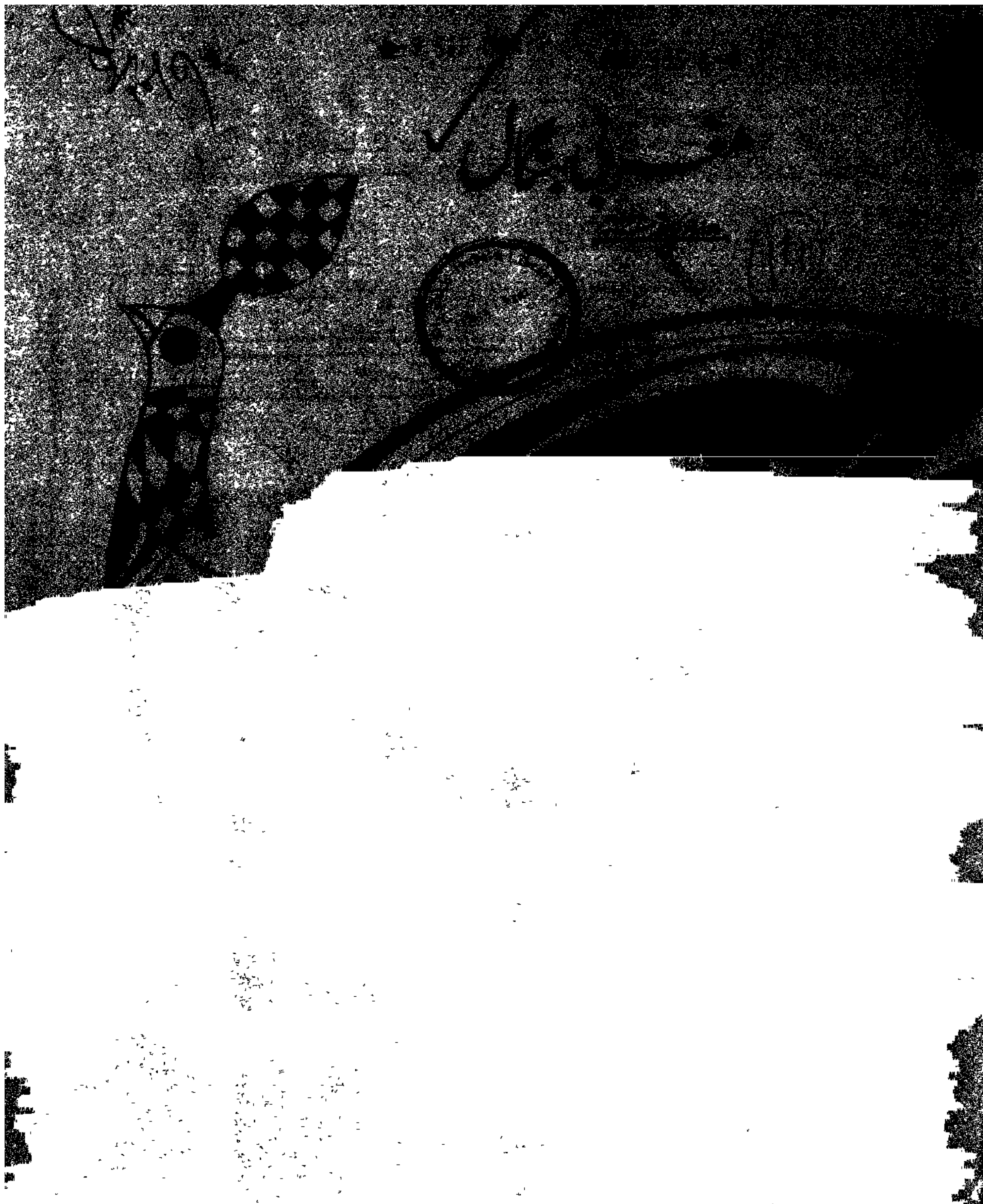
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو رائٹرس بلڈنگس کلکتہ میں ہنگری کے وفد کے ممبروں کے ساتھ محو گفتگو۔

مغربی بنگال کے سنگیت اکیڈمی کے جلسہ تقسیم انعامات میں مشہور گلوکار شری گیان پرکاش گھوش تقریر کرتے ہوئے



ہوڑہ اسٹیشن میں ۱۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو ریاستی حج کمیٹی مغربی بنگال کے زیر اہتمام منعقدہ الوداعی تقریب میں وزیر انچارج شعبۂ تعلیم بالغان اور چیئرمین ریاستی حج کمیٹی مغربی بنگال جناب محمد عبدالباری عازمین حج کو خطاب کرتے ہوئے۔

Chief [illegible] Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam, [illegible] Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. [illegible] by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Cal[illegible]



پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھاسکر پاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت : بارہ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ :
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۳۳۔ آر این، مکھرجی روڈ — کلکتہ ۱ ۷۰۰۰۰

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ر جولائی ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱۴



وزیرِ اعلیٰ شری جیوتی باسو، حال ہی میں بیرونی ممالک کے لئے روانہ ہونے سے قبل دمدم ہوائی اڈہ
طرف وزیرِ کھیل کود اور خدمات نوجوان شری سبھاش چکرورتی کو دیکھا جا سکتا ہے۔



بائیں محاذ حکومت کے پروگراموں سے لوگوں کی توقعات میں مزید اضافہ ہوا ہے

ریاستی حکومت کے ترقیاتی اقدامات کی بابت قومی ذرائع ابلاغ خاموش ہیں

—— شری بُدھادیب بھٹاچاریہ، وزیر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

شری بدھادیب بھٹاچاریہ، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال نے ۱۹ر جون ۱۹۸۷ء کو مغربی بنگال اسمبلی میں ۸۸-۱۹۸۷ء مالی سال کے لئے اپنے شعبے کا بجٹ پیش کیا۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تقریر میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ان کے شعبے کی کارگذاریوں کا ذکر کیا۔ ان کی اس بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے ——

مغربی بنگال اسمبلی کے لئے حالیہ انتخاب میں عوام کی وسیع تائید کے ساتھ بائیں محاذ حکومت کے تیسری بار برسر اقتدار آنے کے ساتھ ساتھ ہماری ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوا۔ بائیں محاذ حکومت کے پروگراموں سے لوگوں کی توقعات میں بھی مزید اضافہ ہوا۔ نشر و اشاعت کے موجودہ عوامی ذرائع کی مدد سے ہم لوگوں کے سامنے عوامی فلاح و بہبود کے لئے بائیں محاذ حکومت کی عوامی سرگرمیوں کی تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ عوامی نشر و اشاعت کے دو اہم ذرائع 'آکاش وانی اور دوردرشن' (یعنی ریڈیو اور ٹیلی ویژن) کے استعمال سے ہمیں محروم رکھا گیا۔ یہ دونوں ذرائع چونکہ مرکزی حکومت کے کنٹرول کے تحت ہیں اس لئے مختلف مسائل پر ریاستی حکومت کی رائے کا مناسب طور پر پرچار نہیں کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ ذرائع ریاستی حکومت کے مفاد کے خلاف غلط سلط اطلاعات کا پرچار کرتے ہیں۔ ان دونوں ایجنسیوں کی، جن کے اخراجات عوامی فنڈ سے برداشت کئے جاتے ہیں، تفریقی پالیسی پر ہم افسوس کے سوائے کسی اور بات کا اظہار نہیں کر سکتے۔ عام طور پر مغربی بنگال کے عوام دوردرشن کلکتہ کے مرکز سے ٹیلی کاسٹ کردہ بہت سارے بنگلہ پروگراموں کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن مغربی بنگال میں آسنسول اور بہرام پور ریلے اسٹیشن کو چھوڑ کر دیگر تمام دوردرشن اسٹیشنوں سے صرف دہلی کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اس ریاست کے مختلف علاقوں کے لوگ کلکتہ سنٹر سے ٹیلی کاسٹ کردہ بنگلہ پروگراموں کو دیکھنے سے محروم رہتے ہیں۔ اس ریاست کی متعلقہ ثقافت کی افزائش کی ہمت افزائی کرنے کی جگہ دہلی پر مبنی پروگراموں کو اس ریاست کے لوگوں پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

مغربی بنگال کے پہاڑی علاقوں میں متشدد اور عوام دشمن سرگرمیاں جاری ہیں۔ قومی واسطہ ایسی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کئے گئے اقدامات نشر کرنے کی جگہ اس متشدد سرگرمیوں کا پرچار کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں لوگوں میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی ہے، اور اس تحریک کی، جو لوگوں کے مفاد کے خلاف ہے، ہمت افزائی ہو رہی ہے ہم اس قسم کی سرگرمیوں کو شاید ہی تسلیم کر سکیں۔ ہم مرکز کی اس غلط پالیسی کے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور اس کی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ ہم اس بات کا بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ دوردرشن کے کلکتہ مرکز کے مجوزہ دوسرے چینل کا پورا اختیار

ریاستی حکومت کو دے دیا جائے۔ مذکورہ بالا دونوں سرکاری واسطے کے علاوہ چند روزانہ اخبارات، جو بڑے سرمایہ داروں کے مفادات کو فروغ دینے کی خدمات انجام دے رہے ہیں، کے کردار بھی خطرناک ہیں۔ مفاد پرستوں کے دباؤ کے تحت صحت مند ثقافت کی روایت دھیرے دھیرے مدھم ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے ناسازگار ماحول میں ہمیں اپنی پالیسیوں اور پروگراموں کے ساتھ لوگوں تک پہنچنے کے لئے جو اقدامات کرنے پڑے ہیں وہ یہ ہیں:۔

مضافاتی اطلاعات شاخ کی توسیع، ہماری سماعی بصری یونٹوں کے ذریعہ دستاویزی فلموں کی نمائش / نمائشیں منعقد کرنا، اشتہارات کا اجراء، کتابچے، پوسٹر وغیرہ کی اشاعت، سینما سلائیڈس، جھنڈی اور بڑے بڑے سائن بورڈ کے ذریعہ نمائش، جلسے اور سمپوزیم اور ثقافتی جشن منعقد کرنا۔ ان اقدامات کے ذریعہ ہم عوام کے ساتھ قریبی رشتہ قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ ریاستی حکومت نے مضافاتی اطلاعات شاخ کو مستحکم بنانے پر زور دیا ہے۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے قبل دیہاتوں میں عام لوگوں سے تعلقات کو قائم رکھنے کے لئے سب ڈویژن سطح سے نیچے کوئی مضافاتی اطلاعات ایجنسی نہیں تھی۔ اس تنظیمی کمزوری کو دور کرنے کے لئے اس اسکیم کو اپنایا گیا کہ بلاک سطحوں تک بتدریج فیلڈ ورکرس کی تقرری کی جائے۔ اب تک پنچایتوں کے ساتھ مل کر نشر و اشاعت کے کام کاج کو جاری رکھنے کے لئے ۹۰ بلاکوں میں ۹۰ فیلڈ ورکرس کی تقرری ہوئی۔ ضلع سطح پر ضلع تنظیم کو مستحکم بنانے کے لئے ایک فیلڈ انفارمیشن اسسٹنٹ کی تقرری کی گئی۔ اضلاع میں کل ۴۰ سماعی بصری یونٹیں ہیں۔ یہ یونٹیں دستاویزی فلمیں دکھاتی ہیں۔ ان یونٹوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے سلی گوڑی، بردوان اور کلیانی میں تین مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ چند سب ڈویژنوں میں ایک جگہ قائم یونٹوں کو گشتی یونٹوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ جب اس کام کے لئے گاڑیاں خریدی گئیں۔ گزشتہ سال اس کام کے لئے ایک گاڑی خریدنے کی منظوری دے دی گئی تھی۔ چھٹے پنج سالہ منصوبے کے عرصہ میں ضلعوں اور سب ڈویژنوں میں مراکز اطلاعات قائم کرنے کے کام کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ نو تشکیل کردہ سب ڈویژنوں یعنی کلیانی اور بولپور میں مراکز اطلاعات ضلع ۲۴ پرگنہ (شمالی) کے ہیڈ کوارٹرس، باراسات میں ضلع دفتر اطلاعات قائم کرنے کی منظوری دے دی گئی ہے۔

مدناپور (جنوب) کے نئے مرکز اطلاعات کو، کام کاج کی آسانی کے لئے کھڑگپور میں منتقل کر دیا گیا۔ دو مراکز اطلاعات ایک سندربن کے پسماندہ علاقے، کاکدیپ میں اور دوسرا ہلدیہ کے صنعتی علاقہ میں قائم کئے گئے۔ شمالی بنگال میں سلی گوڑی میں ریاستی سطح کے مرکز اطلاعات مع ایک آڈیٹوریم کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ اس مرکز اطلاعات کا بہت ہی جلد افتتاح کیا جائے گا۔ شمالی بنگال کے چائے باغات کے علاقوں کے مزدوروں کے لئے تین مراکز اطلاعات اور آسنسول کوئلہ کانوں کے علاقوں میں دو مراکز قائم کئے گئے ہیں۔

ایک تجویز یہ ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں بلاک سطح پر مراکز اطلاعات اور گرام پنچایت سطح پر مضافاتی مراکز اطلاعات قائم کئے جائیں۔ اس ریاست کے باہر دہلی، مدراس، بھوبنیشور اور اگرتلہ میں اس ریاستی حکومت کے مراکز اطلاعات قائم کئے گئے اور وہ سب بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ اسی طرح کے دو مراکز ایک بمبئی میں اور دوسرا ایڑلینڈ ارم میں کھولے جائیں۔ دہلی کے مراکز کو اور بھی مستحکم بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ پراگتی میدان، نئی دہلی میں ایک مستقل پویلین کی تعمیر کا کام بہت ہی جلد مکمل ہو جائے گا۔

ہم لوگوں نے مغربی بنگال میں اور مغربی بنگال کے باہر کے علاقوں میں شائع ہونے والے تقریباً ۱۰۰ روزانہ اخبارات اور ۶۵۰ رسالوں کو اشتہارات دئے۔ اشتہارات کے معاملہ میں ہماری پالیسی ہمیشہ سے ہی جمہوری رہی ہے اور ہر قسم کی سیاسی بے جا طرفداری سے پاک ہے۔ فیکٹ فائنڈنگ کمیٹی کی سفارشوں پر مبنی ہم چھوٹے اور متوسط درجہ کے اخبارات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اضلاع میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسالوں کو دئے جانے والے اشتہارات کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ اضلاع کے صحافیوں کی مدد کرنے کے لئے ضلع دفتروں سے ان کی شناخت کے کارڈ دئے جاتے ہیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مختلف اضلاع سے ٹیلی پرنٹر رابطہ قائم کیا جائے۔ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ تمام اضلاع ہیڈ کوارٹرس میں پریس روم کھولے جائیں تاکہ مقامی صحافی وہاں سے اطلاعات

آسانی سے حاصل کر سکیں ۔ نیوز بیوروکو، اخباروں اور رسالوں کو، کلکتہ سے اور اضلاع سے، پریس نوٹ فراہم کرنے، شعبہ جاتی وزیروں کے لئے پریس کانفرنس کا انتظام کرنے، خصوصی موقعہ پر صحافیوں کو دورہ پر لے جانے، مختلف اخباروں کے صحافیوں اور فوٹو گرافروں کے نام پریس کارڈ جاری کرنے اور دور درشن اور اخباروں کے ذریعہ نشر و اشاعت کے لئے اقدامات کرنے کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں ۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ایک عوامی ذرائع رابطہ مرکز قائم کیا جائے تاکہ اب تک صحافیوں، خبروں کی ایجنسیوں اور دیگر عوامی رابطوں کے ساتھ حکومت نے جو خدمات انجام دئے ہیں انہیں مستحکم بنایا جائے اور عوامی رابطہ کی تنظیموں اور حکومت کے مابین خوشگوار تعلقات کو اور بھی فروغ دیا جائے ۔

ریاستی حکومت کا شعبہ نشر و اشاعت چھ زبانوں — بنگلہ، اردو، انگریزی، ہندی، نیپالی اور سنتھالی — میں رسالے شائع کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ رسالہ "پنچایت راج" بھی اسی شعبے سے شائع کیا جاتا ہے ۔ ریاستی حکومت نے گزشتہ سال مختلف زبانوں میں ایک کتابچہ شائع کیا جس میں گورکھا لینڈ تحریک کی بابت ریاستی حکومت کے پالیسی ۔ بیان اور حقائق — درج ہیں ۔ اس کتابچہ کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا ۔

ایک باتصویر البم بنگلہ زبان میں شائع کیا گیا ۔ اس البم میں آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کے اہم واقعات درج ہیں ۔ البم تیار کرنے کے سلسلے میں ممتاز عالموں، تاریخ دانوں اور مجاہدین آزادی پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی ۔ بہت ہی مناسب قیمت پر اس البم کو لوگوں کے درمیان فروخت کیا گیا ۔ انگریزی میں یہ البم بہت ہی جلد شائع کیا جائے گا ۔

رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ، کے ایک منزلہ میں تعلقات عامہ کاؤنٹر کھولا گیا ہے ۔ اسے اور بھی مستحکم بنایا جا رہا ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ اور بھی بہتر اور منظم طریقہ سے لوگوں کو حکومت کے فیصلوں، پروگراموں اور پالیسی سے باخبر کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ مختلف شعبوں کے لئے عوام کے خطوط، درخواستیں اور شکایتیں موصول کی جائیں ۔ اس کاؤنٹر میں اسٹاف کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اسے اور بھی موثر بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں ۔ اسی طرح کے دو اور دفاتر، ایک شمالی کلکتہ اور ایک جنوبی کلکتہ میں کھولنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں ۔

<u>**ثقافتی شاخ :**</u> ثقافت کے مختلف میدانوں میں ممتاز شخصیتوں کے مشورے اور مدد سے بہت سارے ثقافتی پروجیکٹوں کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے ۔ اس شاخ کے پروجیکٹوں کو تھیٹر، جاترا، موسیقی، رقص، لوک ثقافت، ادب، قبائلی ثقافت، مصوری اور سنگ تراشی وغیرہ تک پھیلا دیا گیا ہے ۔ اسی طرح کی ایک اسکیم یہ ہے کہ مصیبت زدہ آرٹسٹوں اور فن کاروں اور ثقافتی جماعتوں کو سالانہ مالی امداد فراہم کی جائے ۔ اس کے علاوہ تھیٹر، جاترا، مصوری، سنگ تراشی اور موسیقی کے میدانوں میں متعلقہ افراد کی نمایاں اور گراں قدر خدمات کے لئے ۱۰ ہزار روپئے تک کے زر نقد انعامات بنام دینا بندھو، ابنندرا ناتھ اور علاء الدین — دئے جاتے ہیں ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان میدانوں میں سرگرم عمل فنکاروں کی تخلیقی تحریک کو اور بھی ابھارا جائے ۔ گزشتہ سال شمالی کلکتہ میں واقع باغ بازار میں ایک تھیٹر آڈیٹوریم عام استعمال کے لئے کھول دیا گیا ۔ اس تھیٹر کا نام بڑے آرٹسٹ گریش گھوش کے نام پر رکھا گیا ہے اور اسے عوام کی کافی تائید حاصل ہوئی ۔ نیز جنوبی کلکتہ میں "مدھوسدن منچ" نام کا ایک اور تھیٹر ہال کی تعمیر کا کام بہت جلد ہی مکمل ہو جائے گا ۔

ہر سال ہم ضلع سطح سے شروع کر کے ڈویژنل اور ریاستی سطحوں تک لوک تہواروں کا انتظام کرتے ہیں ۔ اس تہوار کے جزو کے طور پر متعلقہ موضوعات پر بحث و مباحثے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے ۔ کلکتہ کے بہالا کے علاقے میں ایک لوک ثقافت تحقیقاتی مرکز قائم کیا گیا ہے ۔ اس میں ایک عجائب خانہ ہے جہاں لوک روایت سے وابستہ اشیاء نمائش کے لئے رکھی گئی ہیں اور یہاں لوک ثقافت پر ایک لائبریری بھی ہے ۔ لوک ثقافت پر "لوک شروتی" کا رسالہ شائع کیا جاتا ہے ۔ ہر سال لوک فنکاروں اور ان کی تنظیموں کو کچھ مالی امداد بھی فراہم کی جاتی ہے ۔ اسی طرح صحیح قبائلی ثقافت کو محفوظ رکھنے اور اسے فروغ دینے کے لئے جھاڑگرام، سوری، پرولیا اور علی پور دوار میں قبائلی ثقافت تحقیقاتی مراکز قائم کئے گئے ہیں ۔ یہ

راکھی ہر سال مضافاتی علاقوں میں قبائلی تہوار منعقد کرتے ہیں۔ ہر سال سید مونس گا نپور اور بیر سا منڈا کی یاد میں ایک یادگار جشن منایا جاتا ہے۔

دارجلنگ میں نیپالی اکیڈمی اپنے پروگرام کے مطابق گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ لیکن حالیہ غیر معمولی صورتِ حال کی وجہ سے اس کے کام کاج میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ یہ اکیڈمی نیپالی زبان میں کتابیں اور رسالے شائع کرتی ہے۔ ہر سال ادب، ڈرامہ، موسیقی اور مصوری کے میدانوں میں گراں قدر خدمات کے لئے مشہور نیپالی شاعر بھانو بھکت کی یاد میں کئی ایک انعامات دئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں کے کام کاج میں نیپالی زبان کو بھی استعمال میں لایا جارہا ہے۔

تخلیقی شرف اور اعلیٰ معیار میں بنگلہ ادب کو ساری دنیا میں مقام افتخار حاصل ہے۔ اس کے باوجود بہت سارے ادیب ناشروں کی تائید کی غیر موجودگی میں اپنی تخلیقات کو شائع نہیں کرا سکتے۔ گزشتہ سات برسوں کے دوران اس دشواری کو دور کرنے کے لئے شاعروں، ادیبوں اور ڈرامہ نویسوں کو کتابیں شائع کرنے کے لئے عطیات دئے جاتے ہیں۔ اس پروجیکٹ سے نہ صرف پرانے اور نئے تخلیقی مصنفین مستفید ہوئے بلکہ اس نے عام لوگوں کو پڑھنے کے لئے کم قیمتوں پر اعلیٰ معیار کی کتابیں بھی فراہم کیں۔ ایسے عطیات پانے والوں میں پربھات کمار مکھو پادھیہ، پروبودھ چندر اسین، مون موتھو آسٹے، دینیش داس، دکجندرا چندر بندو پادھیہ، موشیرجانا شامل ہیں۔ دھرجاتی مکھو پادھیہ، سنجوئے بھٹاچاریہ، تریہ لوکہ مکھو پادھیہ وغیرہ کی تصانیف بھی شائع کرنے کے لئے عطیات دئے گئے۔ منشی پریم چند کے منتخب مضامین کا بنگلہ ترجمہ بہت ہی جلد شائع کیا جائے گا۔ نذرل اور مانک بندو پادھیہ کی نظموں اور گیتوں کو کم قیمت کی کتابوں کی شکل میں شائع کرنے کے امکانات روشن ہیں لیکن اس سلسلے میں کچھ قانونی دشواریاں ابھی درپیش ہیں۔ ستندرا ناتھ دت کی تصانیف کو شائع کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ بنگلہ الفاظ کے ہجے اور رسم الخط میں اصلاح لانے کے لئے دو سال قبل بنگلہ اسکالروں اور ماہرین کے ۶ روزہ سیمینار منعقد ہوئے۔ اس

سیمینار میں جو مقالے پڑھے گئے انہیں بعد میں ایک کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ گزشتہ سال اس ریاست میں بنگلہ اکیڈمی قائم کی گئی۔ بنگلہ زبان کی ترقی اور تحقیق کے کام میں اس اکیڈمی کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ گزشتہ فروری کو اس اکیڈمی کے تحت بنگلہ میں "علم کی پرورش و پرداخت" پر ایک سیمینار منعقد ہوا۔

گزشتہ سال ایک آرٹ گیلری بنام "جامینی رائے" اور کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں ایک نمائش گیلری بنام "گگنندرا ناتھ" قائم کی گئی۔ گزشتہ سال نقاشی اور سنگ تراشی میں مصروف عمل نوجوان آرٹسٹوں کے درمیان ایک مسابقت کا انتظام کیا گیا۔ ایک نمائش منعقد کی گئی اور ایک ورک شاپ کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس نے فن کاروں، فن کے شائقین کے درمیان بہت جوش و خروش پیدا کر دیا۔

رقص اور موسیقی میں تحقیق کرنے کے کام میں مدد دینے کے لئے ریاستی موسیقی اکیڈمی قائم کی گئی۔ اس نے کئی ایک پروجیکٹوں کو ہاتھ میں لیا ہے۔ یہ موسیقی اور رقص کی مسابقت کا انتظام کرتی ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کے ترقیاتی پروجیکٹوں میں تحقیق کا کام، مستقل عجائب خانہ اور لائبریری قائم کرنا شامل ہے۔ سازو سنگیت اور لوک گیتوں کو ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ محفوظ رکھنے کے پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ نیز موسیقی پر بحث و مباحثہ کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے نامور آرٹسٹوں جیسے تیمیر برن، جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، بیرو تبندو پادھیہ اور دھنن جوئے بھٹاچاریہ کے انٹرویو بھی ریکارڈ کئے گئے۔ "سنگیت برتا" رسالہ بھی اس شعبہ کے ذریعہ شائع کیا جاتا ہے۔ سال بھر مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں مختلف موقعوں پر میلے منعقد کئے جاتے ہیں۔ یہ میلے بنگالی ثقافت کا پرچار اور فروغ میں نہ صرف نمایاں کردار ادا کرتے ہیں بلکہ یہاں تو مختلف طبقوں کے لوگوں کا ملاپ بھی ہوتا ہے۔ ایسے میلوں کے انعقاد کے لئے اس شعبے سے عطیات دئے جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ شعبہ ایسے میلوں کے انعقاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ ان میں سے چند میلے یہ ہیں:

شانتی نکیتن کا پوس میلہ اور کرشی میلہ، چرولیا کا

ندرل میلہ، ہوڑہ کا بھارت چندر میلہ، ندیا کا کرتی باس میلہ، بانیتراس کا سرت میلہ، بیر بھوم کا کیندولی میلہ، جلپائی گوڑی کا جلپیش میلہ۔

گزشتہ سال ربندرا ناتھ ٹیگور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ ثقافتی شاخ نے بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منانے کے لئے اقدامات کئے۔ ماہرین پر مشتمل ایک مشاہدہ کمیٹی قائم کی گئی اور اس کی مدد اور تعاون سے سال بھر اضلاع میں اور اس ریاست کے باہر کے علاقوں میں ٹیگور کی سالگرہ منائی گئی۔ ٹیگور کی تخلیقات، ان کی مصوری کی بابت نمائشیں منعقد کی گئیں اور ان کی کہانیوں پر مبنی فلمیں دکھائی گئیں۔ ڈرامہ تہوار کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک ربندرا میلہ بھی منعقد کیا گیا۔ اس طرح شاندار طریقے سے ربندرا ناتھ ٹیگور کو عام لوگوں کے قریب تر لانے کی کامیاب کوششیں کی گئیں۔

کلکتہ، اسلی گوڑی، دارجلنگ اور جھاڑگرام میں واقع لوک تفریح شاخ کی مختلف یونٹوں نے مشہور مصنفوں اور شاعروں جیسے ربندرا ناتھ ٹیگور، نذرل اور مانک بندوپادھیہ کے لکھے ڈراموں اور گیتوں کو بہت ہی شاندار طریقے سے پیش کیا۔ پیش کردہ ترجا، پنجابی لوگ گیت، حب الوطنی کے گیت، مضافاتی علاقوں میں لوگوں میں ثقافتی بیداری پیدا کرنے میں کافی معاون ثابت ہوئے۔ لوک تفریح شاخ کی مقبولیت اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں میں بڑھتی ہی جارہی ہے۔

۸۶-۸۷ء میں دو ربندرا بھون کو مالی امداد فراہم کی گئی۔ الوبیڑیا میں ربندرا بھون کو اپنے تعمیراتی کام مکمل کرنے کے لئے ۹۴ ہزار روپے اور چندن نگر میں ربندرا بھون کو، جسے میونسپل کارپوریشن کی ایما پر تعمیر کیا جارہا ہے ۱۵ لاکھ روپئے بطور عطیہ دئے گئے۔ نیز اس شعبہ کے زیر اہتمام آسنسول میں ربندرا بھون کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ گزشتہ سال کے نومبر میں نئی دہلی میں منعقدہ قومی ثقافتی تہوار میں شرکت کرنے کے لئے مغربی بنگال نے ۸۰ کلاکار بھیجے۔ بین ریاستی ثقافتی جماعتوں کا تبادلہ بھی اس شاخ کی ایک ذمہ داری ہے۔ گزشتہ مالی سال میں اس پروجیکٹ کے تحت اس ریاست کی ایک ثقافتی جماعت نے دمن اور گجرات کا دورہ کیا۔

لسانی شاخ: اس شعبہ کی لسانی شاخ تین طرح کے فرائض انجام دیتی ہے۔ سرکاری کام کاج میں بنگلہ کے استعمال کو رائج کرنا، اسی مقصد کے لئے دارجلنگ کے تین پہاڑی سب ڈویژنوں میں نیپالی زبان کے استعمال کو رائج کرنا اور اس ریاست کے بعض علاقوں میں موصول ہونے والے اردو خطوط کا اردو میں جواب دینا۔ سرکاری دفتروں میں بنگلہ کو اور بھی تیزی سے رائج کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس ریاست کے ہر بلاک میں کم از کم ایک بنگلہ ٹائپ رائٹر فراہم کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت اب تک مختلف بلاک دفتروں میں ۱۹۵ بنگلہ ٹائپ رائٹرس سپلائی کئے گئے ہیں۔ اس سے قبل اس شعبہ سے مختلف سرکاری دفتروں معہ کلکتہ میں واقع سرکاری دفتروں میں ۲۰۰ بنگلہ ٹائپ رائٹرس سپلائی کئے گئے تھے۔

بنگلہ اصطلاحات پر شائع کردہ کتابچوں، جنہیں سرکاری دفتروں میں استعمال کیا جائے گا، کو دوسری بار شائع کیا گیا ہے۔ لیکن اب چھ جلدوں کو ایک ہی جلد کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اب اسے تمام شعبوں میں تقسیم کردیا جارہا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ تقسیم کا کام بہت ہی جلد مکمل ہوجائے گا۔ دوسری بار اس کتاب کی ۶۰۰۰ کاپیاں چھاپی گئیں۔

مغربی بنگال کی تمام نظامتوں کے دفتروں، ضلع مجسٹریٹوں اور ڈویژنل کمشنروں کے دفتروں میں ایک ایک بنگلہ مترجم کی تقرری کی جائے گی۔ مغربی بنگال پبلک سروس کمیشن نے اس سلسلے میں اخباروں میں شائع کرنے کے لئے اشتہارات جاری کردئے ہیں۔

انگریزی ٹائپسٹوں کو بنگلہ ٹائپ رائٹنگ کی تربیت دینے کا کام جاری ہے۔ اب تک اس ریاست کے زیر انتظام ۳۴۷ ٹائپسٹوں نے اس کورس کو مکمل کرلیا ہے۔

دارجلنگ میں ایک نیپالی سیل قائم کیا گیا ہے۔ اس سیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ ضلع دارجلنگ کے تین پہاڑی سب ڈویژنوں یعنی دارجلنگ، کرسیونگ اور کلمپونگ میں سرکاری دفتروں میں سرکاری کام کاج میں نیپالی زبان کے استعمال کرنے پر زور دیں۔ اس سیل کو ایک خصوصی افسر کی ذمہ داری میں دے دیا گیا ہے۔ نیز ان تینوں سب ڈویژنوں میں غیر نیپالی ملازمین کو نیپالی زبان کی تعلیم دینے کے لئے مراکز قائم کئے گئے ہیں اور یہاں نیپالی زبان کی تعلیم دینے کا کام جاری ہے۔ دارجلنگ میں نیپالی ٹائپ رائٹر ٹریننگ سنٹر میں نیپالی ٹائپ رائٹنگ کی تربیت انگریزی ٹائپسٹوں کو دی جارہی ہے۔

اس شعبہ کے تحت خط وکتابت کے لئے تین اردو سیل قائم کئے گئے ہیں۔ یہ سیل ان علاقوں میں ہیں جہاں اردو بولنے والے لوگوں کی کافی آبادی ہے۔ یہ سیل آسنسول، اسلام پور اور اس شعبہ کے ہیڈکوارٹرس یعنی رائٹرس

ڈنگس، کلکتہ میں واقع ہیں۔ ان سیلوں کے ذریعہ اردو خطوط کا اردو میں جواب یا جاتا ہے۔

فلم شاخ: مغربی بنگال میں فلم صنعت کو، اس کی ترقی کے سلسلہ میں امداد دینے کے لئے ریاستی حکومت کی کوششیں جاری ہیں۔ براہِ راست ریاستی حکومت کے ذریعہ فلم کی تیاری، غیر سرکاری ادارہ کو فلم تیار کرنے کے لئے عطیات، سینما گھروں کی تعمیر کے لئے عطیات، رنگین فلم تجربہ گاہ کا قیام وغیرہ اس کوشش کے اہم جزو ہیں۔ ان اسکیموں کے لئے ۸۶-۸۷ء میں فنڈ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

یہ پروجیکٹ ابھرتے فلم سازوں کیلئے کافی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ریاستی حکومت کی تیار کردہ دستاویزی اور فیچر فلموں کو ملک میں اور ملک کے باہر کے علاقوں سے کافی انعامات ملے ہیں۔ گزشتہ سال ریاستی حکومت نے براہِ راست نئی فلم تیار نہیں کی۔ مکمل کردہ فلموں کی نمائشوں کے لئے انتظامات کی طرف زیادہ زور دیا گیا۔ مغربی بنگال فلم ترقیات کارپوریشن کو ان فلموں کو کاروباری پیمانہ پر نمائش کے لئے دوسروں کو دینے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ گزشتہ سال اس کارپوریشن نے چار فلمیں، جنہیں حکومت نے تیار کیا تھا، نمائش کے لئے پیش کیں۔ اس عرصہ میں ایک رسالہ اور ہر مہینہ ایک سے زیادہ دستاویزی فلم تیار کی گئی۔ ریاستی حکومت کی تیار کردہ دستاویزی فلم "مٹی کے پھول" نئی دہلی میں منعقدہ بین الاقوامی فلم فیسٹیول میں پیش کی گئی اور اس کی سبھوں نے تعریف کی۔ اس عرصہ میں ایک فیچر فلم، پانچ دستاویزی فلمیں اور بچوں کی دو فلمیں خریدی گئیں۔

مغربی بنگال میں فلم صنعت میں سرمایہ کاری کی کافی کمی ہے۔ ریاستی حکومت، اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود، اس صنعت کی دشواری کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس مقصد کے تحت کوالیٹی کی بنیاد پر تیار کردہ اور سنسر کردہ فلموں کو ریاستی حکومت عطیات کے ذریعہ مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ اس سے صحت مند اور اچھی فلمیں تیار کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ گزشتہ مالی سال (۸۶-۸۷ء) میں نو فیچر فلموں کو، جنہیں سنسر نے پاس کر دیا تھا کل ۸۲۵۰۰۰ روپئے بطور عطیات دئے گئے۔ گزشتہ سال ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ اس ریاست کی اور سارے مشرقی علاقہ کی فلم صنعت کے مفاد کے پیش نظر سالٹ لیک کلکتہ میں ایک رنگین فلم تجربہ گاہ قائم کی گئی۔ مغربی بنگال فلم ترقیات کارپوریشن کے تحت اس تجربہ گاہ کا

گزشتہ سال کے اکتوبر مہینہ میں شری ستیہ جیت رائے نے افتتاح کیا اور انہوں نے اس کا نام "روپائن" رکھا۔ اس تنظیم کی صلاحیت نے مغربی بنگال اور اس کے آس پاس کی ریاستوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے اور انہوں نے اس کی سرپرستی کرنی شروع کر دی۔ اب تک اس تجربہ گاہ کے لئے ۵٫۲۸ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے۔ گزشتہ سال ریاستی حکومت نے اسے ۱۲ لاکھ روپئے کام چلانے کے سرمایہ کے طور پر دیئے۔ ایک ساؤنڈ ریکارڈنگ تھیٹر، جو اس کمپلکس کا ایک جزو ہے، کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کو ہے۔ اس تھیٹر کی تعمیر کے بعد مشرقی علاقہ کی فلم صنعت کو بہت ساری سہولتیں فراہم ہوں گی۔

"نندن" سارے ملک میں اپنی نوعیت کا انوکھا فلم مرکز ہے۔ ستمبر ۱۹۸۵ء میں اس کا افتتاح کیا گیا۔ یہ اس شعبہ کے براہِ راست زیرِ انتظام ہے۔ شری ستیہ جیت رائے کے چیئرمین شپ کے تحت ایک مشاورتی بورڈ اور اکزیکیوٹیو کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ گزشتہ سال صحت مند فلمی ثقافت کے فروغ کے لئے اس مرکز میں بہت سارے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا۔ اس مقصد کے تحت فلم فیسٹیول، سیمینار، نمائش وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔

اس ایکٹ میں جس کے تحت ریاستی حکومت کو ٹکنیشینس اسٹوڈیوز کے انتظامیہ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، ترمیم لائی گئی تاکہ مغربی بنگال فلم ترقیات کارپوریشن اس اسٹوڈیو کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھال لے۔ ۱۹۸۳ء میں اس شعبہ نے اس اسٹوڈیو کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اسی سال تک مذکورہ کارپوریشن کو اس اسٹوڈیو کی ذمہ داریاں دی جائیں گی۔ گزشتہ سال اس اسٹوڈیو کے کاروبار میں کافی بہتری ہوئی۔ ریاستی حکومت میں اس اسٹوڈیو کے ساز و سامان خریدنے کے لئے ۱۳۱۷۶۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

ریاستی حکومت نے مصیبت زدہ فلم ٹکنیشینوں کی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کیا۔ ۸۶-۸۷ء میں اس فنڈ میں ۲۵۰۰۰ روپئے دیئے گئے۔ ایک تجویز یہ ہے کہ موجودہ سال میں بھی اس فنڈ کے لئے رقوم فراہم کئے جائیں۔

ہم لوگ اس تجویز پر بھی غور کر رہے ہیں کہ فلموں کی تقسیم کے نتیجہ

حکومت کے زیر انتظام کم خرچ پر سینما گھروں کی تعمیر کی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔

آثار قدیمہ شاخ: ۸۵-۱۹۸۶ء میں آثار قدیمہ کی نظامت نے مغربی بنگال کے آثار قدیمہ پر ایک کل ہند سیمینار منعقد کی۔ مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر نور الحسن نے بہالہ کے آرکیولوجی میوزیم میں اس سیمینار کا افتتاح کیا۔ مغربی بنگال اور دیگر ریاستوں کی یونیورسٹیوں کے ممتاز پروفیسروں نے اس سیمینار میں شرکت کی۔ اس سیمینار میں انہوں نے جو مضامین پڑھے انہیں کتاب کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس نظامت نے ضلع بانکوڑہ کے سوسونیہ پہاڑ کے علاقوں میں اور مدناپور میں لال جل پہاڑ کے علاقوں میں کھدائی کا کام شروع کر دیا ہے۔ پتھر کے دور کی کچھ چیزیں یہاں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ضلع ۲۴ پرگنہ میں بورل علاقہ میں "پال" خاندان کے دور کی چند آثار قدیمہ کی چیزیں دریافت کی گئی ہیں۔ ضلع جلپائی گوڑی کے منڈا باری جنگل میں نلراج گڑھ میں کھدائی کے کام سے آثار قدیمہ کی کئی چیزیں دریافت ہوئی ہیں۔ اس گڑھ کے سلسلے میں مرکزی حکومت نے بھی کافی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں اس نظامت نے کوچ بہار ضلع میں بنشور شیو مندر کی مرمت کا کام شروع کر دیا ہے۔ نیز اس طرح کے دو اور قدیم مندروں کی مرمت کرنے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ یہ مندر یہ ہے: گنگیشور شیو مندر، ضلع مرشد آباد اور کاشی ناتھ شیو مندر ضلع بردوان۔

مختلف اضلاع کے آثار قدیمہ کی بابت تصانیف کی اشاعت کا کام بہت دنوں سے معطل پڑا تھا۔ اب اس کام کو شروع کر دیا گیا ہے۔ مدناپور کے آثار قدیمہ کی بابت شری پرونب رائے کی لکھی ایک کتاب شائع کر دی گئی ہے ______ ایک اور کتاب "ضلع مدناپور کی آثار قدیمہ کا جائزہ"، جس کے مصنف شری تارا پد رسانترا ہیں، زیر اشاعت ہے۔ عابد علی کی لکھی کتاب "گوڑ اور پانڈوا کی سرگزشت" کو اس سال دوسری بار شائع کیا جارہا ہے۔ اس میں ماہرین کی تمہیدی نوٹ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اب تک قدیم لاٹوں کو محفوظ رکھنے اور آثار قدیمہ پر آٹھ ضلعوں معہ کلکتہ میں لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے سیمینار منعقد کئے گئے۔ اس سال باقی اضلاع میں ایسے سیمینار منعقد کئے جائیں گے۔

بقیہ: توانائی، خوراک اور آبادی ...

۱۹۳۰ء تک دنیا کی آبادی ۲۰۰ کروڑ تھی پھر تیس سال کے بعد یعنی ۱۹۶۰ء میں دنیا کی آبادی بڑھکر ۳۰۰ کروڑ ہو گئی۔ اب آبادی کو ۴۰۰ کروڑ تک پہونچنے کے لئے صرف ۱۵ سال کی ضرورت ہے اور ۱۹۷۵ء میں دنیا کی کل آبادی ۴۰۰ کروڑ ہو گئی۔ آئندہ ۱۳ برسوں میں آبادی میں ۱۰۰ کروڑ کا اضافہ ہوگا۔ اس کے بعد آنے والے برسوں میں آبادی اور بھی تیزی سے بڑھتی جائے گی۔ اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ زراعت کے میدان میں ہم کتنے ہی بہترین کارنامے کیوں نہ انجام دیں، ہمیں بہت پُرآشوب مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا، اگر ہم آبادی میں اس غیر معمولی اضافہ کو مناسب طور پر روک نہ سکے۔ اس میدان میں عام لوگوں کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔ غذائی حکمت عملی معہ خاندانی منصوبہ بندی کے لئے قومی بنیاد پر ایک مشترکہ پروگرام مرتب کرنا چاہئے اور اس پروگرام میں ملک کے تمام لوگوں کی شرکت کی ضرورت ہوگی۔ ہماری زندگی سے وابستہ چند باتیں ایسی ہیں جن سے سبھوں کو روشناس کرانا چاہئے اور جن پر اعتدال اور سائنسی نقطہ نظر سے بحث کرنی چاہئے اور انہیں مشترکہ طور پر روبہ عمل لانا چاہئے۔ یہ مشترکہ غذائی پالیسی ان میں سے ایک حکمت عملی ہے اور یہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے جدوجہد بھی ہے۔ ہر شخص کو اس مسئلہ کی اہمیت اور متانت سے واقف ہونا چاہئے، اور اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ سائنسدانوں، ٹکنالوں اور عام لوگوں کی مشترکہ جدوجہد اس جنگ کو جیتنے کی اہم کنجی ہے ÷÷÷

بقیہ: مرکزی حکومت اور جی این ایل ایف

اور مرکزی حکومت گورکھالینڈ کے حمایتیوں سے براہِ راست گفتگو نہیں کرے گی۔ مرکزی حکومت کے موقف سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ یہ پورے طور پر امن و امان کا مسئلہ ہے اور ریاستی حکومت ہی اس سے نپٹے گی جبکہ ریاستی حکومت نے سیاسی مسائل کی حدود کی نشاندہی کی تھی۔ مثال کے طور پر شہریت کا مسئلہ، ہند نیپال معاہدہ اور الگ کردہ علاقے کے سلسلے میں تاریخی بنیاد پر دعوے ایسے مسائل ہیں جنہیں صرف قومی سطح پر حل کیا جاسکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

توانائی، خوراک اور آبادی

از: ٹی۔ ایم۔ داس

سورج ہر سکنڈ میں خلا میں اتنی ریڈیائی توانائی بھیجتا ہے، جو زمین کے کوئلہ، پٹرولیم اور قدرتی گیس، ــــ جب انہیں یہاں کے لوگ مصرف میں نہیں لائے تھے ــــ کی پیدا کردہ کل توانائیوں سے تقریباً دس لاکھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ زمین یہ توانائی ایک چھوٹی سی کسر میں حاصل کرتی ہے۔ زمین کو فی ہیکٹر قطعہ آراضی پر یومیہ ۴ کروڑ کیلوریز کی ریڈیائی توانائی کی وسیع طیف حاصل ہوتی ہے۔ اگر خوراک کے پودے اپنے دانوں میں سو فیصد ایسی توانائی کو ضم کرتے تو ایسی صورت حال میں فی ہیکٹر قطعہ آراضی سے ۳۰۰۰ کیلوریز یومیہ کے حساب سے سال بھر میں ۱۳۳۳۳ کو خوراک کا فراہم کرنا ممکن ہو سکے گا۔ لیکن قدیم روایتی زرعی طریقہ کار کے تحت غلوں میں ایسی توانائی کی ملوکیت کی صلاحیت بہت ہی کم ہے۔ یہ شرح ۱ر سے ۰ر۱ فیصد ہے۔ مزید برآں ہم لوگ پورے پودے کو نہیں کھاتے بلکہ اس کے پیدا کردہ اناج کو کھاتے ہیں۔ اس طرح ہماری خوراک میں شمسی توانائی کی بس ایک کسر شامل ہوتی ہے۔ ہندوستان میں ۱۹۵۰ء سے یعنی "سبز انقلاب" کی آمد سے قبل، ایک ہیکٹر کھیت میں اتنا اناج پیدا کیا جاتا تھا جو فی کس یومیہ ۳۰۰۰ کیلوریز کے حساب سے سال بھر میں صرف ۴ افراد کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا تھا۔ غلوں میں توانائی کو جذب کرنے کی اتنی کم شرح کی وجوہ یہ ہیں:

(۱) پودوں میں سورج کی روشنی اور توانائی کی مدد سے خوراک تیار کرنے کی صلاحیت حسب خواہ نہیں ہے (۲) اچھے بیج بوئے نہیں جاتے اور کم پیداوار والے بیج بوئے جاتے ہیں۔ (۳) کھیتوں میں حسب خواہ مقدار میں کھاد کے استعمال میں کمی، (۴) پانی کی سپلائی میں کمی (۵) بہت زیادہ گرم یا بہت زیادہ سرد درجۂ حرارت، (۶) پودوں کو جراثیم سے پاک رکھنے کے لئے جراثیم کش ادویہ کا ناکافی استعمال، فصل کی کٹائی اور غلوں کو محفوظ طریقہ سے گوداموں میں رکھنے کے سلسلے میں نااہلیت اور (۷) مختلف ماحولیاتی آلودگی کا ناموافق اثر۔ ۱۹۶۰ء میں ہندوستان قحط کے دہانے پر آ چکا تھا۔ اس وقت ہمیں ہماری آبادی کو خوراک کے لئے غلوں کی درآمد کرنا پڑی۔ لیکن اب یہ صورت حال بالکل بدل چکی ہے اور اس کی وجہ زیادہ پیداوار والے پودے اور سبزیاں، اچھے مویشی اور زراعت میں جدید ترین ٹکنالوجی کا استعمال ہے۔ چین نے ایک نیا قسم کا چاول بنام تائی چنگ نیٹو I (ٹی این I) دریافت کیا ہے۔ اس چاول کا پودا دیگر اقسام کے چاول کے پودوں سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس میں پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ ایک ہیکٹر قطعہ آراضی سے، اگر اسے کافی کھاد اور آبپاشی سہولتیں فراہم کی جائیں، تو پانچ چھ ٹن دھان حاصل ہوں گے۔ جب ۱۹۶۰ء میں فلیپائن میں انٹرنیشنل رائس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ یعنی بین الاقوامی چاول تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا تو وہاں دو تین اقسام کے چاول سے نئی قسم کے چاول پیدا کرنے کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں نئے قسم کا دھان آئی۔ آر۔ ۸ کی کاشت کی گئی جس سے پیداوار بہت زیادہ ہوئی۔ مذکورہ بالا چینی دھان کا پودا بہت چھوٹا ہوتا ہے، برخلاف اس کے انڈونیشیا کے دھان کا پودا کچھ لمبا ہوتا ہے اور ان دونوں دھان کے بیجوں کے ملاپ سے نیا دھان آئی

پیدا کیا جاسکا۔ اگر اچھے طریقہ سے کاشتکاری کی جائے تو ایک ہیکٹر قطعہ آراضی میں آئی آر ۸ دھان کی پیداوار آٹھ تا دس ٹن ہوتی ہے۔ زیادہ پیداوار والے دھان کی کاشت سے دنیا کے تمام ملکوں مع ہندوستان میں چاول کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔

ہمیں امریکہ کے عظیم نورمن ارنسٹ بورلوگ کا مشکور رہنا چاہئے، کیونکہ انہوں نے بہت ہی کوشش اور بہت سارے تجربات کے بعد گیہوں کے زیادہ پیداوار والے بیج پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انہیں سن ۱۹۷۰ء میں نابل پرائز برائے امن بھی ملا تھا۔ گیہوں کے اس نئے تخم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں گزشتہ پندرہ برسوں سے گیہوں کے اس بیج کو کھیتوں میں ڈالا جارہا ہے اور اس کی وجہ سے گیہوں کی پیداوار ۱۲۰ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۴۱۶ لاکھ ٹن ہوگئی، اور اب "سبز انقلاب" کے ماقبل فی ہیکٹر قطعہ آراضی کی پیداوار پر ۴ کی جگہ ۲۷ر۱ افراد کی کفالت کی جاسکتی ہے۔ فی الحال ہندوستان میں قابل کاشت علاقے کا رقبہ ۱۳ر۱۶ کروڑ ہیکٹر ہے اور اب ہم ۱۳ر۱۶ × ۲۷ = ۳۵۴ر۱۵ کروڑ لوگوں کے لئے خوراک فراہم کرسکتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ آبادی تقریباً ۷۰ کروڑ ہے۔ یہ اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ زیادہ پیداوار والے بیج بو کر اور کاشتکاری کے لئے کھاد، جراثیم کش ادویہ اور دیگر ضروری چیزوں کو استعمال کرکے ہم ایک کثیر آبادی یعنی موجودہ آبادی سے چھ گنا زیادہ آبادی کے لئے خوراک فراہم کرسکتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے پاس کافی زمین ہے، کاشت کاری کے جدید طریقہ کار اور تکنک سے ہم واقف ہیں۔ اس طرح ہم اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک کے مسئلہ کو حل کرسکتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمارے پاس زمین ہے، تکنالوجی بھی ہے، لیکن ہمارے پاس کافی وسائل نہیں ہیں یعنی زراعت کے لئے دیگر ضروری چیزیں نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے لئے امکانات کو حقیقت میں تبدیل کردینا بہت ہی مشکل ہے۔

زراعت میں معاون توانائی

جدید زراعت میں ٹریکٹروں، نقل و حمل کی دیگر گاڑیوں، آبپاشی پمپ، کھاد اور جراثیم کش ادویہ تیار کرنے والے کارخانوں اور کاغذ، شیشہ اور دھات کے تھیلے تیار کرنے کے کارخانوں کے لئے توانائی (بجلی) اشد ضروری ہے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ یہ تمام معاون توانائی مقدار میں اس شمسی توانائی کی نصف ہوتی ہے، جسے پودے جذب کرتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں سبز پودے اپنی خوراک خود تیار کرتے ہیں۔ اگر پودے اس طرح ۱۰۰ کیلوریز شمسی توانائی حاصل کرتے ہیں تو ہم اپنے ذرائع سے اسے ۵۰ کیلوریز توانائی فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے پاس، اپنی پیداوار کو مکمل طور پر استعمال کرنے کے لئے توانائی کی سپلائی کے کافی ذرائع نہیں ہیں اور یہیں ہماری سرگرمیاں محدود ہو جاتی ہیں۔

ہندوستان میں توانائی کی کھپت فی ہیکٹر، جہاں اوسط پیداوار ۹۸۰ کیلوگرام ہوتی ہے، تقریباً ۲۳ر ہارس پاور ہے اور اس طرح ۴۲ کیلوگرام پیداوار کے لئے بجلی کی کھپت ۰۱ر ہارس پاور ہوتی ہے۔ جاپان کے کسان اپنے کھیتوں میں زیادہ سے زیادہ توانائی تقریباً ۲ر۲ ہارس پاور فی ہیکٹر استعمال کرتے ہیں یعنی ہندوستان کے مقابلہ میں تقریباً ۵ر۹ گنا زیادہ توانائی استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہاں پیداوار اوسطاً ۵۲۰۰ کیلوگرام فی ہیکٹر ہوتی ہے جو ہندوستان کی پیداوار سے تقریباً ۵ گنا زیادہ ہے۔ اس طرح جاپان میں ۴۲ کیلوگرام پیداوار کے لئے ۰۱ر ہارس پاور توانائی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ حقیقت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ غذائی اجناس کی پیداوار کھیتوں میں بروئے عمل لائی گئی توانائی کے براہ راست متناسب نہیں ہے۔ یوتان میں صرف ۲۸ر ہارس پاور توانائی استعمال کی جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں پیداوار ۳۴۰۰ کیلوگرام ہوتی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۲۱ کیلوگرام پیداوار کے لئے ۰۱ر ہارس پاور توانائی استعمال کی جاتی ہے۔

زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے زراعت میں توانائی کو انتہائی حد تک استعمال میں لانے کے اصول کو اپنانا چاہئے، جیسا کہ یوتان میں کیا جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ زراعت میں توانائی ضائع نہ ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زرعی میدان میں ۸۰ فیصد توانائی ضائع ہو جاتی ہے اور مضافاتی علاقوں کی فضا کی آلودگی کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔ ہم اپنی پرانی انجنوں، مشینوں میں

ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔ نیز زرعی تحقیقات کی ہندوستانی کاؤنسل سے قومی بنیاد پر زرعی تحقیقات میں تال میل قائم رکھنے کی وسیع سہولتیں بھی فراہم کی ہیں۔ لیکن آج بھی کسانوں میں کاشتکاری کی جدید ترین علم اور ٹکنالوجی کی اشاعت کی رفتار ترقی بہت ہی سست اور نامکمل ہے۔ اطلاعات کی نافراہمی سے، غلط اطلاعات کی فراہمی زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ کسان "جو اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے" بے تحاشہ جراثیم کش ادویہ استعمال کر رہے ہیں۔ اے لیکس کی رپورٹ کے مطابق ایک ہندوستانی کے جسم کے رگ و ریشے میں دنیا کے دیگر ملکوں کے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ڈی ڈی ٹی پیوست ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم انتہائی حد تک ڈی ڈی ٹی استعمال کر رہے ہیں بلکہ ہم بلا روک ٹوک اور بلا سمجھے بوجھے اسے استعمال کر رہے ہیں۔ اس بات کی جلد از جلد مرکوز طور پر کوشش کی جانی چاہیئے کہ کسانوں کو کاشتکاری کے جدید علم اور ٹکنالوجی سے مکمل طور پر روشناس کرایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسانوں کو تعلیمی اور معاشی حالت میں بہتری لانی چاہیئے تاکہ وہ موثر طور پر اپنا کردار ادا کر سکیں۔

عام لوگوں کا کردار

ہم لوگ "سبز انقلاب" کے دور سے گزر چکے ہیں۔ اب ہم اس کے بعد کے عرصہ سے گزر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے بہت سارے زرخیز قطعات اراضی کھاد، آبپاشی اور جراثیم کش ادویہ کے غلط استعمال کی وجہ سے اپنی طبعی، کیمیاوی اور حیاتیاتی خصوصیات کو کھو رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے کاشت کاروں کو شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ خدشہ عام لوگوں کی وجہ سے لاحق ہو گیا ہے۔ یہ آبادی میں غیر معمولی افزائش کا دباؤ ہے۔ یہ تو عوام کا زیادہ سے زیادہ خوراک کے لئے بڑھتا ہوا مطالبہ ہے اور جسے مستقبل میں پورا کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ ہر سال ہمارے ملک کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے جو تعداد میں آسٹریلیا کی پوری آبادی کے برابر ہے۔ ۱۸۳۰ء میں دنیا کی کل آبادی صرف ۱۰۰ کروڑ تھی اور تقریباً ۲۰ لاکھ سال کی مدت میں دنیا کی آبادی بڑھ کر اتنی ہوئی۔ لیکن اس آبادی کو بڑھ کر ۲۰۰ کروڑ تک پہنچنے میں صرف ایک سو سال کی ضرورت ہوئی۔ یعنی

(باقی صفحہ ۹ پر)

کوئلہ، لکڑی، پٹرول اور ڈیزل استعمال کرتے ہیں۔ نیز ہمارے استعمال کرنے کے طریقہ کار بھی بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ اسی لئے ہم بہت ہی کم مقدار میں توانائی استعمال کرتے ہیں۔ شدید توانائی بحران کے موجودہ دور میں ایندھن کے ضائع اور برباد ہونے کے سلسلے پر ترجیحی طور پر غائر غور کرنا چاہیئے۔ توانائی کی بچت توانائی کی پیداوار کے مساوی ہے۔ شاید بچت زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس سے ماحولیاتی آلودگی میں کمی ہوتی ہے۔ ۷۰ تا ۹۰ فیصد کیمیاوی کھاد، استعمال کے دوران اور بعد، ضائع ہو جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے جنگلی پودے جیسے کائی وغیرہ جگہ جگہ اگ جاتے ہیں۔ ہم گندے پانی کے نکاس کے ذریعہ ندیوں میں بہت ساری نامیاتی غلاظت پھینک دیتے ہیں اور یہاں سے غلاظت سمندر میں چلی جاتی ہے۔ پیداوار پر ہمیشہ سے بڑھتے ہوئے دباؤ اور کیمیاوی کھادوں کے استعمال میں کمی ہوتی ہے اگر ہم اس نامیاتی غلاظت کو بطور کھاد بار بار استعمال میں لاتے۔ اسی طرح آبپاشی کے لئے فراہم کردہ پانی بھی ضائع ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کے ترسیل اور استعمال میں اہلیت سے کام نہیں لیا جاتا۔ بہت ساری نئی اور سیدھی سادی ٹکنک کو استعمال میں لا کر ان نقصانات کی روک تھام کی جا سکتی ہے اور توانائی کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے ذریعہ غذائی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جا سکتا۔

کسان بذات خود فیصلہ کن فرد ہے

اس بات کا تخمینہ کیا گیا ہے کہ ہندوستانی کسان صرف ایک تہائی پیداواری توانائی کو، جسے سائنس دانوں نے پیدا کیا ہے، کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ لیکن ایک کسان کے کھیت میں ان میں سے زیادہ تر توانائی کو روبہ عمل لانے میں سائنس تن تنہا مدد نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ میں کسان بذات خود ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے لیکن نہ اس کے کردار کو اور اس کی خدمات کو مناسب طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ نہ ان کی احیار نو کی جاتی ہے اور نہ انہیں جدید طرز پر ڈھالا جاتا ہے۔ جہالت اور غربت یہ دونوں اس کام میں سد راہ ثابت ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں آج زرعی اداروں اور زرعی یونیورسٹیوں کا

مرکزی حکومت اور جی این ایل ایف

پہلی قسط

ستمبر کی دستاویز میں گورکھالینڈ کی علیحدگی پسند تحریک کے خطرناک اثرات پر بحث کرنے کے بعد ہم لوگوں نے بڑے شدومد سے واضح کر دیا تھا کہ "کسی سطح پر اصل مسئلہ سے چشم پوشی دراصل گورکھا لینڈ تحریک کے رہنما کے لئے ان کی تحریک کو جاری رکھنے کے سلسلے میں ان کی ہمت افزائی کرنے کا باعث بنے گی"۔ ہم لوگوں نے اگست ۱۹۸۶ء میں گھیشنگ کے جاری کردہ بیان کی طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ حکومت ہند صرف احتجاج کی زبان سمجھتی ہے۔ اور ہر وہ جو اچھی خاصی طاقت کے ساتھ احتجاج کرتا ہے اپنے مطالبات منوا لیتا ہے۔ اس سلسلے میں آسام اور میزورم کی مثالیں موجود ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اہم سیاسی جماعتوں کے قومی رہنماؤں یا مرکزی وزراء کے غیر ذمہ دارانہ اور غلط اطلاعات پر مبنی سیاسی بیانات کے خلاف انتباہ کیا تھا جس سے یہ تاثر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس تحریک کے لئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، یا ان کے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری کمزوری، اختلاف رائے یا دو رخی پالیسی یا اس طرح کی کوئی علامت جی این ایل ایف کے رہنماؤں کے لئے پہاڑی علاقوں کے لاعلم عوام کے درمیان اپنے ایقان کو بڑھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔ ستمبر کی اپنی دستاویز میں ہم نے اس علیحدگی پسند تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے قومی اتحاد کی ضرورت پر زور دیا تھا اور ان موضوعات سے پرہیز کیا تھا جنہیں جماعتی سیاسی مقاصد کی حصولی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر کلکتہ میں قائم کردہ کل جماعتی اتحاد کو ہم نے خوب سراہا اور تمام جماعتوں کے ۲۶ سیاسی رہنماؤں کے مشترکہ بیان کو جس میں اس تحریک کو خاص طور پر "قوم دشمن" اور "علیحدگی پسند" بتایا گیا تھا۔ نیپالی بولنے والے لوگوں پر نہایت ہی موافق اور امید افزا اثر پڑا تھا۔ ہمیں اس بات کی امید تھی کہ کم از کم وہ جماعت جن کا قومی سطح پر ایک مقام ہے تنگ انتخابی مفادات سے بالاتر ہو کر اس موضوع پر متحد ہونے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ لہٰذا اس سلسلے میں بائیں محاذ اور کانگریس (آئی) کے رہنماؤں کے مشترکہ بیان پر دستخط کرنا بہت سارے لوگوں کی نظر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے بعد دریائے گنگا اور تیستا میں اچھی خاصی گندگی بہا دی گئی۔ یہ بڑی ہمت شکن بات ہے کہ اب یہ شورش ایک پارٹی۔ سیاسی مسئلہ بن چکی ہے جس کی ذمہ داری پورے طور پر مرکزی حکومت پر عائد ہوتی ہے جیسا کہ درج ذیل سے واضح ہے:

بالکل ابتدا سے ہی اس تحریک کے شروع ہونے کے فوراً بعد جہاں مرکزی حکومت کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تشویش لاحق ہو گئی ہے۔ وہاں کانگریس (آئی) کی مغربی بنگال یونٹ کا موقف قطعی واضح نہیں تھا۔ جب جیوتی باسو نے جون کے اوائل میں راجیو گاندھی سے ملاقات کی تو راجیو گاندھی نے اعتراف کیا کہ گورکھالینڈ تحریک ایک قومی مسئلہ ہے اور اس مسئلے سے نپٹنے کے لئے مرکزی حکومت ریاستی حکومت کی ہر ممکن مدد کرے گی۔ جب جیوتی باسو نے یہ حقیقت واضح کی کہ ریاستی کانگریس (آئی) کا موقف اس سلسلے میں مبنی نہیں ہے تو وزیراعظم نے انہیں یقین دلایا کہ اس موقف میں اب جلد ہی تبدیلی آئے گی۔ حقیقتاً کانگریس (آئی) کا موقف اس کے بعد بدل گیا اور اس کے سربراہوں نے ریاستی حکومت کو دیگر مسائل کے سلسلے میں اختلافات کے باوجود اس مسئلہ میں اپنی حمایت کا یقین

لایا۔ اس مشترکہ بیان سے قطع نظر جس میں ۸ راگست کو کانگریس (آئی)
ی طرف سے پریہ رنجن داس منشی نے دستخط کیا۔ ریاستی کانگریس (آئی)
نے ریاستی اسمبلی میں اس موضوع پر بحث کے لئے ایک تجویز پیش کی جس
ں اسی تحریک کو قوم دشمن کہتے ہوئے ان کی بڑی مذمت کی گئی۔
ارجلنگ کے دورے کے بعد داس منشی نے یہ الزام لگایا کہ گھیسنگ
ے جلسوں میں شرکت کرنے کے لئے جی۔این۔ایل۔ایف سرحد پار
یپال کے علاقوں سے غنڈے لائے جا رہے ہیں۔ دارجلنگ میں کانگریس
(آئی) یونٹ کے سربراہ دادا۔ نرنگا کو ضلع اور ریاستی سطحوں پر عہدے
سے برطرف کر دیا گیا کیوں کہ اس نے دارجلنگ کے مرکزی انتظامیہ
علاقے کی حمایت میں اپنے موقف کو تبدیل کر دیا ہے۔ اس نکتہ تک
تمام بڑی جماعتوں نے مساوی طور پر اظہار تشویش کیا ہے اور کم و بیش
یکساں رائے ہو کر جی۔این۔ایل۔ایف کی مذمت کی۔ لہٰذا آنے والے
ریاستی اسمبلی انتخابات میں علیحدگی پسند تحریک کے حامیوں کے
مطالبات کا متنازعہ موضوع بننے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے
جب تک کہ سیاسی موافقت برقرار رہے گی۔ یہ موافقت پورے
ایک مہینہ اور دو دن تک قائم رہی۔

شروع سے ہی ریاستی حکومت نے یہ واضح کر دیا تھا
کہ جہاں تک "امن و امان" کے مسائل کا تعلق ہے یہ ذمہ داری پورے
طور سے ریاستی حکومت کی ہے۔ اگرچہ ریاستی حکومت کو اب اس
بات کی پوری امید ہے کہ اسے بوقت ضرورت مرکزی پولیس فورس کی
مدد فراہم ہوگی۔ بہرحال ریاستی حکومت اسے صرف امن و امان
کا مسئلہ نہیں سمجھتی۔ کیوں کہ اس تحریک نے ایسے کئی مسئلوں کو اٹھایا
تھا جنہوں نے اب معلوم ہوتا ہے کہ نیپالی بولنے والی آبادی کی ایک
بڑی تعداد کو متاثر کیا ہے لہٰذا جب ریاستی حکومت اور بائیں محاذ
جماعتیں پہاڑی علاقوں سے لوگوں کے درمیان سیاسی سطح پر ان مسائل سے
نپٹنے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کرنے کو تیار تھیں تو اس وقت وہ مرکزی
حکومت سے اپنی مہم کو عوام کے درمیان فروغ دینے اور موثر بنانے
کے لئے صرف دو بیانات دینے کی توقع کر رہی تھیں: (الف) یہ کہ
یہ تحریک قوم دشمن اور افتراق پسند ہے اور (ب) ہند۔نیپال معاہدہ
سنہ ۱۹۵۰ء کسی بھی طرح نیپالی بولنے والے ہندوستانی شہریوں کے مفاد
کو عصبی طور پر متاثر نہیں کیا ہے۔ ریاستی حکومت نے حلقوں میں اس
سلسلے میں بڑی امیدیں اجاگر ہو گئی تھیں۔ جس طرح مرکزی حکومت
ان سے پیش آ رہی تھی ـــ اسے اس بات کی توقع تھی کہ اس طرح کے
بیانات بہت جلد منظر عام پر آجائیں گے جو اس تحریک کی سیاسی بنیاد
کو کمزور بنانے میں معاون ثابت ہوں گے اور مرکزی حکومت کے موقف
سے متعلق تمام خدشات کو دور کر دیں گے۔ اس بات کی بھی امید تھی کہ
مرکزی حکومت سے متعلق یہ افواہ بھی ختم ہو جائے گی کہ وہ ریاستی حکومت
کو پرے رکھ کر علیحدگی پسند تحریک کے حامیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ/
تصفیہ کرنا چاہتی ہے۔

بہرحال وزیراعظم اور ریاستی وزیر داخلہ مسٹر پی چدمبرم
کے بیانات جو انہوں نے ۱۳ راگست ۱۹۸۶ء کو پارلیمنٹ میں دوسرے
نقطہ کی وضاحت کے لئے دئے تھے وہ پہلے نقطے کے سلسلے میں ذو معنی
ثابت ہوئے۔ حکومت ہند عام الفاظ میں ہر قوم دشمن تحریک کی
مذمت کرتی ہے لیکن اس نے جی۔این۔ایل۔ایف تحریک کو صاف
طور پر قوم دشمن تحریک گردانے سے انکار کر دیا ہے۔ ہم نے یہ
بات ذہن نشین کر لی ہے کہ پارلیمنٹ کا یہ اجلاس گھیسنگ کے
پہلی بار دہلی پہنچنے کے بالکل بعد ہی ہوا اور اس کے بعد کانگریس
(آئی) کے نائب صدر ارجن سنگھ نے یہ بیان دیا کہ اس تحریک کو قوم
دشمن تحریک نہیں کہا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ ہندوستان کی سرحد کے اندر
رہ کر اپنی ریاست کا مطالبہ کر رہی ہے۔ جی، این، ایل، ایف نے ارجن
سنگھ کے اس بیان کی پہاڑی علاقوں میں بڑی تشہیر کی ہے تاکہ یہ
تاثر پیدا کیا جا سکے کہ مرکزی حکومت ان کی حمایت میں ہے۔ حقیقت یہ
ہے کہ کسی بھی مرکزی وزیر نے اس تحریک کی مذمت میں ایک لفظ بھی
نہیں کہا ہے اور اس بات کو پس انداز بھی نہیں کیا۔

بہرحال پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں وزیراعظم نے یہ اعلان
کیا ہے کہ "میں نے وزیراعلیٰ کو یقین دلایا ہے کہ ہم لوگ ان کی پورے
طور پر تائید اور مدد کریں گے۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے
حکومت مغربی بنگال کی صلاحیت پر مجھے مکمل بھروسہ ہے۔" اس
سے قبل ۲۲ر جولائی سنہ ۱۹۸۶ء کو وزیر داخلہ بوٹا سنگھ نے اعلان کیا
تھا کہ ہم لوگ بغیر ریاستی حکومت کے اس سلسلے میں کچھ نہیں کریں گے۔"

(باقی ص۹ پر)



حال ہی میں نلہاٹی مہا پنچایت کمیٹی کے زیر اہتمام کوشو مونخلی گاؤں میں منعقدہ قبائلی رفاہ تقریب میں بیربھوم کے سبھا دھی پتی شری بردجو مکھرجی افتتاحی تقریر کرتے ہوئے

MAGHREBI BANGAL
15 JULY 1987

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol-34 No—14
PRICE 12 Paise

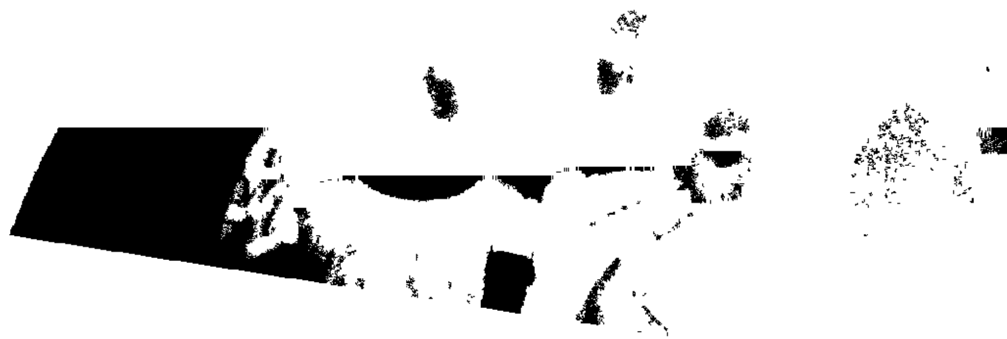
صدر جمہوریہ ہند شری گیانی ذیل سنگھ کو ۱۲ر جولائی ۱۹۸۷ء کو دمدم ہوائی اڈے پر مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر سید نور الحسن اور وزیر
آراضی و اصلاحات آراضی شری بنوئے چودھری الوداع کہتے ہوئے

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md. Mustafa. Published by the Information & Culturdl affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

مغربی بنگال

آزادی نمبر





مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے ۔ اس خصوصی شمارے کی قیمت: ۵۰ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:
بزنس منیجر!
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکرجی روڈ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۷ ★ ۱۶/اگست ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۱۵/۱۶

آزادی کے ۴۰ سال

اس شمارے میں



پندرہ اگست

یہی دن ہے جس کے لئے میں نے کاٹی تھیں آنکھوں میں راتیں
یہی سیلِ آبِ بقا، چشمۂ نور ہے، جلوۂ طور ہے وہ ؟
اسی کیلئے وہ سہانے مدھر رس بھرے گیت گائے تھے میں نے
یہی ماہ وش نشۂ حسن سے چور، بھرپور، مخمور ہے وہ ؟

سُنا تھا نگاہوں میں وہ قیدِ آدابِ محفل نہیں اب
وہ پابندیاں دیدۂ و دل پہ جو تھیں اُٹھی جا رہی ہیں
وہ مجبوریاں اٹھ گئیں، ولولے راہ پانے لگے مسکرانے لگے اب
محبت کٹھن راستوں سے گزر کر لہکتی مہکتی ہوئی آرہی ہے

وہی کس مپرسی، وہی بے حسی آج بھی ہر طرف کیوں ہے طاری
مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے یہ میری محنت کا حاصل نہیں ہے
ابھی تو وہی رنگِ محفل، وہی جبر ہے ہر طرف، زخم خوردہ ہے انساں
جہاں تم مجھے لے کے آئے ہو یہ وادیٔ رنگ بھی میری منزل نہیں ہے

شہیدوں کا خوں اس حسینہ کے چہرے کا غازہ نہیں ہے
جسے تم اٹھائے لئے جارہے ہو یہ شب کا جنازہ نہیں ہے

اختر الایمان

ایک آزاد قوم کی حیثیت سے

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ملک کی گوناگوں ترقی کیلئے اجتماعی کوشش کریں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

"آج ہمیں ان تمام محبانِ وطن کو عقیدت و خلوص کے ساتھ یاد کرنا چاہئے جنہوں نے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہمارے عام بحران کو ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں اخلاقی قدروں کے تیزی سے زوال نے مزید الجھا دیا ہے۔" وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۵ راگست کی شام کو اپنی ایک نشری تقریر میں یہ باتیں کہیں۔ وزیر اعلیٰ کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

ملک کی آزادی کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر میں عوام کے ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو تہِ دل سے مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔ صدیوں سے ہندوستان کو نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ہے۔ آخر اسے تقریباً دو صدیوں تک برٹش سامراجیت کی کالونائی حکومت کے تحت محکوم رہنا پڑا۔ آخر کار اس نے ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو لاتعداد مجاہدین آزادی کی بے لوث خدمات و قربانیوں کے ذریعہ اپنی آزادی حاصل کر لی۔ آج ہمیں ان تمام محبانِ وطن کو عقیدت و خلوص کے ساتھ یاد کرنا چاہئے کیوں کہ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ہمیں ملک کو آزاد کرانے میں مختلف اقسام کی کی گئی جدوجہد کا صحیح پس منظر میں محاسبہ کرنا چاہئے۔

آج اس قومی تقریب کے موقع پر بھی ہمیں ایک قسم کی تشویش لاحق ہو رہی ہے کیونکہ ہمارے اطراف میں کچھ گہرے تشویشناک واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ سماجی، سیاسی اور معاشی حلقوں میں حالات جیتے ہوئے عدم استحکام کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ملک کو شدید خطرہ تخریب پسند اور علیحدگی پسند قوتوں کی ناپاک سرگرمیوں سے لاحق ہو گیا ہے۔ ملک کے بعض حلقوں میں ان کی بڑھتی ہوئی شرمناک سرگرمیوں سے مؤثر طور پر نبرد آزما ہونے کے لئے سیاسی رضا کی کمی پائی جاتی ہے کیونکہ چند موذی علاقائی مفادات کے لئے خود غرضی کرنے سے وہ کترا رہے ہیں۔ ملک کی علیحدگی پسند سرگرمیوں کی بھی چند غیر ملکی طاقتوں کے ذریعہ ہمت افزائی اور مدد کی جا رہی ہے جو ہمارے لئے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ہمارے عام بحران کو ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں اخلاقی قدروں کی تیزی سے زوال نے مزید الجھا دیا ہے۔ ملک کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے

معاشی میدان میں غریب اور امیر کے درمیان بڑھتا ہوا فرقِ معیشت میں شدید عدم توازن پیدا کر رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر عوام میں ایک زبردست محرومی اور جھنجھلاہٹ پیدا ہو رہی ہے۔ یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ مختلف سطحوں پر بدعنوانی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ بیرونی ملک کے بینکوں میں کالا پیسہ جمع رکھنے کا الزام اور چند بیرونی ایجنسیوں کے ساتھ ملک کے اہم معاملات کی

سودے بازی وغیرہ کی بابت بدعنوانیوں کے حالیہ الزامات گہری تشویش کا سبب بن گئے ہیں اور اس معاملات کی کڑی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں عوام اور پارلیمنٹ کو اپنے اعتماد میں لانا ہوگا۔

ہماری قوم کی آزادی کو مستحکم بنانے کے لئے جمہوری قدروں اور اداروں کو مستحکم بنانے کے لئے، تاکہ سبھوں کی شہری آزادی کے حقوق بحال رہیں، غریبی کو دور کرنا اور تیز تر معاشی ترقی بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ آزادی کے بعد سے بہت سارے شعبوں میں ترقی کے باوجود ہمارے لوگوں کی بڑی اکثریت غربت، ناخواندگی اور بے روزگاری کی شکار رہے۔ کارخانوں کی بندی اور صنعتی بیماری نے اس کے مسائل میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ ادارہ جاتی تبدیلیوں، معیشت کے اہم شعبے کی افزائش اور عام لوگوں کے معیار زندگی میں مجموعی بہتری لانے سے غفلت برتی گئی ہے کیوں کہ منصوبہ بندی کے لئے صحیح ہدایت نہیں فراہم کی گئی۔ اس لئے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ زراعت میں قطعات آراضی کی غیر مساوی تقسیم کو دور کیا جائے اور صحیح معنوں میں اصلاحات آراضی کے اقدامات کئے جائیں تاکہ وسیع پیمانے پر کسان مستفیض ہو سکیں۔ چونکہ ہماری معیشت کی بنیاد زراعت ہے اس لئے اس بنیاد کو مضبوط تر بنانے کے مؤثر اور تیز تر اقدامات اپنانے کی ضرورت ہے۔ اگر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے تو صنعت کی تیز تر نشوونما اور گھریلو بازار کے توسیع کے کام کو بڑی آسانی سے ہم انجام دے پائیں گے۔ عوامی سیکٹر کو معیشت میں نمایاں مقام حاصل ہے اور وہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سیکٹر کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ صنعتوں کی ترقی اور بہتری کے لئے مزدوروں کا تعاون ایک بنیادی ماقبل شرط ہے۔

آئیے اب ہم مغربی بنگال کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں۔ ہماری ریاست کے لوگوں نے مسلسل تیسری بار بائیں محاذ حکومت کو منتخب کیا۔ ایک بار پھر برسر اقتدار آنے کے بعد بائیں محاذ نے اپنے اس عہد کو دہرایا کہ مختلف رفاہی پروگرام کی مؤثر طور پر جلد از جلد تکمیل کے ذریعہ عام لوگوں کی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے جاری کوششیں جاری رہیں گی۔ جاری اسکیموں اور پروگراموں کی جلد از جلد تکمیل پر زور دیتے ہوئے ہم لوگ اس بات کی کوشش کریں گے کہ موجودہ نظام کی خامیوں کے شکار لوگوں کی اشد ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے اقدامات کو روبہ عمل لایا جائے۔ شہری اور مضافاتی لوگوں، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب، پہاڑی لوگوں اور سماج کے دیگر غریب اور مفلس لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہماری سرگرمیوں کو تیز تر کردیا جائے گا۔ روزگار کے مواقع پیدا کرکے اور مستقل اثاثے تیار کرکے دیہی باشندوں کی معاشی حالتوں میں مزید بہتری لانے کے لئے ہماری کوشش جاری رہے گی۔ اسی طرح چھوٹے اور بڑے شہروں میں شہری علاقوں کی عرصے کی چند ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئی اسکیموں اور پروگراموں کو روبہ عمل لانے پر زور دیا جائے گا، روزگار کے مواقع اور پیداواری منصوبہ بندی کو ہمارے شہری ترقیاتی پروگراموں میں کافی اہمیت دی جائے گی۔ اس ریاست میں صنعتی افزائش کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے مزید اقدامات کئے جائیں گے۔ اس معاملہ میں ہم پرائیویٹ سیکٹر سے سرگرم تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ ہم سبھوں کو اس بات کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ مغربی بنگال میں جن دشواریوں سے ہم دوچار ہیں ان کو دور کرنے کے لئے مجموعی کوشش بہت ہی لازمی ہے۔ شہروں اور مضافاتی علاقوں میں بہتر رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ایک نئی پالیسی مرتب کی جارہی ہے۔ تیسری بائیں محاذ حکومت نے وقت کی ضرورت کے مطابق سائنس اور ٹیکنولوجی کا شعبہ قائم کیا ہے۔ فی الحال عوام کی تمناؤں اور کامناؤں کو پورا کرنے کے لئے اس ریاست کی تعلیمی اور ثقافتی فضاء بہت ہی سازگار ہے۔

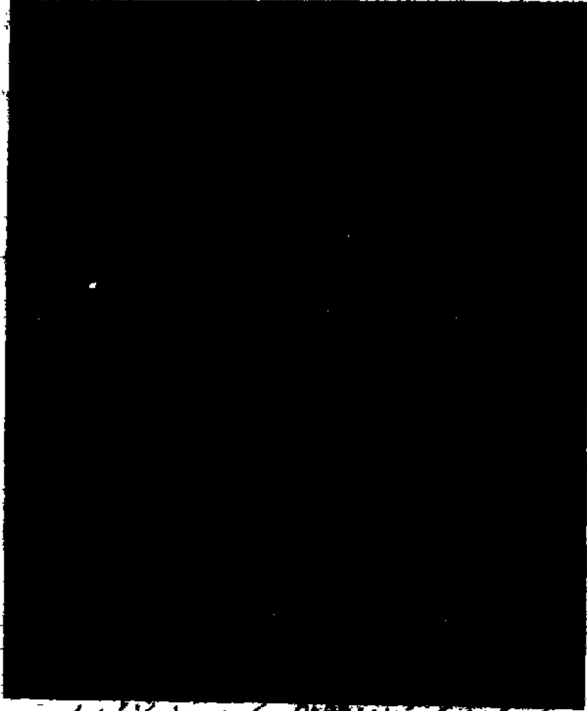
گزشتہ ۱۶ مہینوں سے ضلع دارجلنگ کے تینوں سب ڈویژن جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی شورش پسند افراد کی متشدد و پرتشدد تحریکوں سے بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ جی۔ این۔ ایل۔ ایف کا ایک الگ ریاست گورکھا لینڈ کا مطالبہ ہے۔ جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی شورشوں کی وجہ سے سرکاری اثاثے تباہ و برباد کئے گئے۔ معصوم لوگوں مع پولس والے بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ دارجلنگ کے عام لوگوں کو بہت ہی شدید مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور ضلع کی معیشت کو کافی نقصان پہونچا۔ اس پرتشدد شورش کا مقابلہ کرنے اور جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی علیحدگی پسند تحریک کی مزاحمت کرنے کے لئے ہمارے

انتظامیہ نے فوری اقدامات کئے ہیں۔ حکومت ہند نے بھی صاف اور عیاں لفظوں میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ مغربی بنگال کی تقسیم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہماری حکومت اور مرکزی حکومت دونوں ہی استقلال کے ساتھ دارجلنگ مسئلے کا ایک تشفی بخش حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں دارجلنگ کے لوگوں کے مختلف طبقوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ نیپالی اور غیر نیپالی لوگوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھیں اور باہمی یقین و اعتماد کی فضا میں زندگی بسر کریں۔

یہ ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ ہم اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ مختلف مذہبی اور لسانی جماعتوں کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور تعاون برقرار رکھنے کی مغربی بنگال کے پاس عرصہ دراز کی روایت ہے۔ اس میراث کو برقرار رکھنا پڑے گا اور اقلیتوں، ہریجنوں اور سماج کے دیگر کمزور طبقوں کے مفادات کے تحفظ کا خیال رکھنا پڑے گا۔

ہندوستان کے شہری ہونے کے ناطے آج ہمیں قومی دھاگوں کو مستحکم اور ناوابستہ تحریک کو مضبوط بنانے کی ذمہ داری کو نبھانا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ملک میں تمام صحیح سوچ وچار کی طاقتیں اس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے رجعت پسند اور تقسیم کرنے والی طاقتوں کی سرگرمیوں کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گی۔ ہم سبھوں کو قومی یک جہتی کے علم کو بلند رکھنے اور تمام شعبوں میں ملک کی بہتری کے سلسلے میں کام کرنے کے لئے متحدہ طور پر کھڑا ہوجانا چاہئے۔ ایک اور اہم مقصد جو آج ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ناوابستہ تحریک کو وسیع بنایا جائے اور انسانیت کے خلاف مہلک جنگ کے لئے تیاریوں کے خلاف مہم میں شرکت کی جائے۔ اندرون و بیرون ملک امن اور استحکام تمام قوموں کی ترقی کے لئے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ملک کی گوناگوں ترقی کے لئے اجتماعی کوشش کریں کیوں کہ آج کی عالمی صورت حال میں ہندوستان کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔

اختتام سے قبل میں اپنی حکومت کی طرف سے شمالی بنگال کے سیلاب زدگان سے میری دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جہاں انتظامیہ کے ذریعہ عوام کے اور مختلف عوامی تنظیموں کے تعاون سے متاثر لوگوں کو بچانے اور ان لوگوں تک امدادی سامان پہنچانے کے لئے ممکنہ اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ نیز سیلاب زدگان کو رہائش کے لئے پناہ گاہ اور طبی امداد کی فراہمی کے لئے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ سیلاب سے رونما ہونے والے شدید مسائل پر ہم لوگ بہت ہی جلد قابو پالیں گے۔ ٭٭٭



ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ایک مجاہد آزادی تختۂ دار و رسن پر

آزادی پسندوں کے سر [illegible] کا مجسمہ

آزادی کے چالیس برس بعد

از: محمد عبداللہ رسول

ہندوستانی قومی کانگریس نے ۱۹۲۰ء میں ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف عوامی موالات تحریک کا اعلان کیا تھا۔ پھر اسی وقت کانگریس کے سربراہ، ملک کے عوام، خاص طور پر سماج کے محنت کش طبقہ کو اس بات کی یقین دہانی کراتے رہے کہ سوراج یعنی آزادی کے بعد وہ سب تمام اقسام کے استحصال سے بری اور آزاد ہو جائیں گے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہو گیا۔ ہم سب آزاد ہو گئے لیکن اس وقت کانگریس کے سربراہوں نے اپنے اس فیصلے کا بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ آزاد ہندوستان ملک کی افزائش اور ترقی کے لئے سرمایہ دارانہ نظام کو اپنائے گا۔

اس دور میں اگر ایک ملک کی یہ خواہش ہو کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت اس کی معاشی اور سماجی ترقی ہو تو اسے سب سے پہلے استحصال کے نظام اور طریقۂ کار کو محفوظ رکھنا پڑے گا، انہیں فروغ دینا ہوگا اور ملک کے محنت کش لوگوں کو اس استحصال کا شکار بنانا ہوگا۔ بس اتنا ہی نہیں بلکہ سرمایہ دار طبقہ کو خود کو اور بھی مستحکم بنانے کے پیش نظر استحصال کو جاری رکھنے کے لئے [illegible] سامراجیوں سے ہاتھ ملا کر چلنا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں سرمایہ دارانہ [illegible] کے مفاد کے لئے عوام کو پہلے ہی کی طرح استحصال اور جبر کا شکار [illegible] استحصال کے جنگل سے آزاد نہ ہو سکیں گے۔ اس [illegible] آج ہم آزادی کے چالیس برس بعد بھی دیکھ رہے ہیں [illegible] ملک کے مزدور، کسان، کھیت مزدور [illegible] غریب تر ہو گئے ہیں بلکہ

کارخانوں کے سرمایہ دار مالکان، بینکوں کے مالکان، زمین داروں اور جوتداروں اور وہ تمام افراد جو غریب کسانوں، مزدوروں اور متوسط آمدنی والے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں، امیر سے امیر ترین گئے ہیں۔

امیر اور غریب میں فرق بڑھ گیا ہے

چالیس برس پہلے اس وقت جب آزادی ملی تھی، بہت سارے کسانوں کے پاس چھوٹے چھوٹے قطعات آراضی تھے، جن پر وہ کاشتکاری کیا کرتے تھے، لیکن دھیرے دھیرے ان میں سے لاکھوں لاکھ کسانوں کو مالگذاری، قرض اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے اپنے اپنے قطعات آراضی کو کھو دینا پڑا اور اب وہ بے زمین کھیت مزدور بن گئے۔ آزادی کی جدوجہد کے دوران کانگریس کے سربراہوں نے عوام سے جو وعدے کئے تھے، انہیں ان لوگوں نے پورا نہیں کیا۔ اس وقت ہندوستان کی معاشی حالت بہتر تھی۔ بے روزگاروں کو روزگار مل جاتا تھا لیکن آج جب ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے تو کروڑوں لوگ روزگار کی کمی کی وجہ سے بے روزگار بن گئے ہیں۔ بھکمری کے شکار بن کر جان و عزت سے ہاتھ دھو رہے ہیں تو پھر ملک کی ترقی کیا ہوئی؟ کیا ملک کے لوگوں کی غربت دور ہو گئی؟ سرمایہ دارانہ نظام ہے کس کے لئے؟

اگر چند لوگ امیر سے امیر تر بن جائیں، اگر کارخانوں اور بینکوں کے مالکان اجارہ دار بن جائیں تو اس سے ہمارے ملک کے کروڑوں لوگوں کو استحصال سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مالکوں کے مفاد کے لئے مزدوروں اور ملک کو برباد کیا [illegible]

پیدا کیا جا رہا ہے۔ یہ سرمایہ دار اور امیر لوگ، اپنے مفادات کے لئے
ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ساتھ ہاتھ ملا کر ملک کو اس کے عوام کو اپنا غلام
بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ یہ آزادی کس کے لئے ہے؟ آزادی کی
چالیس سال کے بعد بھی عوام کی آبادی کی اکثریت مفلوک الحال اور محروم ہے اور
یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا اسی لئے آزادی کی لڑائی اسی لئے لڑی تھی؟
حکومت چالیس برسوں سے عام لوگوں پر ٹیکس کا بوجھ لادتی چلی آرہی ہے
جبکہ اس کے مقابلہ میں کروڑپتی لوگوں کو معمولی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ
ازیں یہ کروڑپتی ٹیکس چوری کرکے زرِ مبادلہ کی شرحوں میں من مانی طور پر
اتار چڑھاؤ پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ سب کالے دھن کا پہاڑ جمع کرکے
اپنے اپنے کارخانوں کے مزدوروں کی چھٹنی کرتے ہیں اور مزدوروں کی اجرتوں
میں کمی کر دیتے ہیں اور محنت کش لوگوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔
اب یہ باتیں ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔ ہندوستان کی کانگریسی حکومت
بھی سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے مفاد کے لئے یک طرفہ کام کر رہی ہے
اور غریب، مفلوک الحال عوام جیسے مزدور، کسان اور متوسط آمدنی کے
لوگوں کی خستہ حالی کو دور کرنے کی فکر نہیں کرتی۔ کانگریسی حکومت فرقہ واریت
اور فرقہ پرست طاقتوں کو بڑھاوا دے رہی ہے۔

کانگریس کی بدنظمی

اسی وجہ سے آزادی کے چالیس سال بعد بھی کانگریسی حکومت
کی بدعنوانی، کنبہ پروری اور جمہوریت کے خلاف اقدامات کو دیکھ کر لوگوں
کے دلوں میں اس حکومت کی کارگزاریوں اور خلوص کی بابت شک و شبہ
پیدا ہو گیا ہے اور لوگ اس کے خلاف متحدہ طور پر جدوجہد کرنے کے لئے تیار
ہو رہے ہیں۔ اس وقت تمام ریاستوں میں کم و بیش ایسے ہی حالات ہیں۔
ملک کی ترقی اور فروغ کے نام پر مٹھی بھر امیروں، اجارہ داروں، صنعت
کاروں اور سامراجیوں کے مفاد کے لئے کئے گئے استحصال کا تحفظ
کیا جا رہا ہے۔ یہ بات تو پہلے کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
اب عوام اپنی زندگی کے تجربوں سے یہ جان چکے ہیں کہ ان
کی ترقی اور بہتری کا راستہ سرمایہ کی بہتری اور ترقی کا راستہ نہیں بلکہ
اشتراکیت کا راستہ ہے۔ یہ راستہ تو لوگوں کی جمہوری ترقی کا راستہ
ہے۔ اشتراکیت کے اسی راستے پر ملک کو گامزن رکھنے سے مزدوروں

کو جب سب کام بھی ملے گا اور مناسب [illegible]
آمدنی کے لوگوں کو نفع [illegible] فراہم ہو سکیں گے۔ جن کی
[illegible] ان کے مفاد کے [illegible] نہیں ہوگا۔ ان کا معیارِ زندگی
[illegible] بتدریج بلند ہوتا جائے گا [illegible] اور سماج صحت اور تعلیم
کی [illegible] سنبھالیں گے۔

اشتراکیت کیلئے جدوجہد:

لیکن یہ اشتراکیت اور عوامی جمہوریت خود بخود رونما نہیں
ہوگی۔ اس کے لئے مزدوروں، کسانوں، کھیت مزدوروں اور متوسط
آمدنی والے طبقوں کو اپنی اپنی تنظیم قائم کرنی ہوگی۔ استحصال پر مبنی موجودہ
سماجی نظام کو بدلنے کے لئے ایک منظم تنظیم کی ضرورت ہے اور
اس تنظیم کی کسانوں اور مزدوروں کی اخوت اور بھائی چارگی، یگانگت
اور ہمنوائی کرے گی۔ ایسی تنظیمیں ملک میں جگہ جگہ قائم کی جائیں گی اور باہمی
اور جمہوری طاقتیں سامراجیت، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خلاف
جدوجہد کرتے آگے بڑھیں گی اور اسی طرح خود کو مستحکم بنا کر لوگوں کو
ساتھ لے کر جمہوریت اور اشتراکیت کی راہ پر گامزن ہو جائیں گی۔
آزادی کے چالیس سال بعد آج ہندوستان اور بنگال کے
عوام کو یہ سوچنا پڑ رہا ہے کہ کس طرح ملک کو کانگریس کے فریب کی دنیا
سے باہر نکال کر سرمایہ دارانہ راستہ کی بجائے اشتراکیتی راستہ پر گامزن
کرکے آگے بڑھایا جائے۔ آج لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے
کہ صرف اشتراکیت اور عوامی جمہوریت کو ہی قائم کرنے کی جدوجہد کے
ذریعہ لوگ ترقی کی بلند منزل تک پہنچ سکیں گے۔ اس لئے آج ضرورت
اس بات کی ہے کہ محنت کشوں کی رہنمائی میں مزدور اور کسان ہاتھوں سے
ہاتھ ملا کر اس جدوجہد کو جاری رکھیں اور اتحاد کو مستحکم بنائیں ***

اشعار

دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالیٔ عوام کے اسباب کیا ہوئے

نفرت کا روگ آج بھی کیوں لاعلاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے

ساحر لدھیانوی

آزاد ہندوستان میں معاشی آزادی کیلئے

مزدور طبقہ کی جدوجہد

(محمد امین)

ایک سو نوے برس کی نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ اور سامراجی چیرہ دستی کے خلاف ہندوستان کے عوام کی سرفروشانہ جدوجہد اور شجاعانہ قربانیوں کے طفیل ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک نے آزادی حاصل کی لیکن یہ آزادی اس صورت میں ملی کہ ملک کا بٹوارہ کر دیا گیا اور ہندوستان میں اقتدار انڈین نیشنل کانگریس کو اور پاکستان میں مسٹر جناح کی قیادت میں چلنے والی مسلم لیگ کو منتقل کیا گیا۔

دونوں ملکوں میں خونیں فسادات پھوٹ پڑے اور کروڑوں ہندو مسلمان اور سکھ گھرانے برباد ہو گئے۔ پناہ گزینوں کا ایک سیلاب امڈ پڑے۔ یہ ناسور اتنا گہرا تھا جس کا لہو اب تک بہہ رہا ہے حالانکہ چالیس سال بیت گئے۔

ہندوستان کا حکمراں طبقہ ملک کو درپیش معاشی مسائل حل کرنے کے لئے ارتقاء کے سرمایہ دارانہ راستہ پر چل پڑا جس میں ذرائع پیداوار کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے اور محنت کش عوام کو اپنا پیٹ پالنے کے لئے اپنی محنت بیچنا پڑتی ہے۔ ایسے نظام حیات میں مزدور طبقہ کے مسائل کبھی انصاف نہیں ہو سکتا اس لئے مزدور طبقہ کو اپنی جدوجہد اور اتحاد کے سہارے زندہ رہنا پڑتا ہے۔ حصول آزادی کے بعد چائے باغات، بمبئی اور احمد آباد کی سوتی ملوں، بنگال کی جوٹ صنعت، ریلوے مزدوروں، گودی کے مزدوروں، [illegible] مزدوروں اور کانپور کے فولاد کے کارخانے کے مزدوروں نے مستقل تحریکیں چلائیں میں ہڑتالیں کیں، لاٹھیوں اور گولیوں کا سامنا کیا اور جیل خانوں کو آباد کیا۔

صرف مغربی بنگال کی جیلوں میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک دو ہزار سے زیادہ سیاسی قیدیوں کو بند کر کے رکھا گیا جن کا تعلق مزدور تحریک اور کسان تحریک سے تھا۔ ملک کے دیگر حصوں میں بھی ٹریڈ یونین تحریک کو زبردست استبدادیت کا نشانہ بنایا گیا۔

ارتقاء کے سرمایہ دارانہ راستہ پر چلنے کے سبب ہندوستان میں چالیس برسوں کے دوران مہنگائی، بیکاری، افراط زر، غربت، ناخواندگی اور دیگر سماجی مسائل میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ اس وقت ملک میں بے روزگاروں کی تعداد تین کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور سطح افلاس سے نیچے رہ کر زندگی گزارنے والوں کا تناسب پچاس فیصد پہنچ گیا ہے۔ ملک بیرونی قرض کے بندھن میں جکڑا جا چکا ہے اور کثیرالاقوامی کارپوریشنوں کے دباؤ میں پڑ کر ملک کی بیشتر صنعتیں تشویشناک بحران میں پھنسی ہوئی ہیں۔ پورے ملک میں ایک لاکھ انیس ہزار چھوٹے، درمیانی اور بڑے کارخانے بند ہیں اور اس کی وجہ سے کروڑوں محنت کش لوگوں کی روزی پامال ہو رہی ہے جو ٹریڈ یونین تحریک کے سامنے آج کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔

عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ میں پڑ کر ۱۹۶۶ء میں ہندوستان کو روپے کی قدر گھٹانا پڑی تھی جس کی وجہ سے ادائیگی کے توازن کا مسئلہ بگڑ گیا اور ہندوستان کی درآمدی و برآمدی تجارت کو نقصان پہنچا۔ ان حالات میں سرمایہ دار طبقے نے بحران کا بوجھ مزدور طبقہ کے کندھوں پر منتقل کرنا

پایا اور مزدور طبقے کو اس کی مزاحمت کرنا پڑی تھی۔ جیسے ہڑتال کا استعمال بنا پڑا۔ چالیس برسوں کے دوران ۱۹۷۴ء میں بیس لاکھ ریلوے کے مزدوروں نے بیس دنوں تک ہڑتال کی جسے انتہائی بے رحمی سے کچل دیا گیا۔ اس کے بعد ایک باقی ہیں [illegible] کے مزدوروں نے ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۴ء تک پانچ مرتبہ طویل ہڑتالیں کیں جن میں ۱۹۸۴ء میں ۸۴ دنوں کی ہڑتال ہوئی۔ بمبئی کپڑا ملوں کا مزدور اور ٹرانسپورٹ کے مزدوروں نے بھی طویل ہڑتالیں لیں۔ حکومت ہند کے پیش کردہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہڑتالوں کی وجہ سے ہر سال کتنے کام کے دن ضائع ہو رہے ہیں جو معاشی مطالبات حاصل کرنے کے لئے مزدور طبقہ کی جدوجہد کی منہ بولتی تصویر ہے۔

اس وقت صنعتی تنازعاتی ایکٹ اور انڈین ٹریڈ یونین ایکٹ میں تبدیلیاں کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں جن کا مقصد ٹریڈ یونین جمہوریت پر ضرب لگانا اور یونین بنانے کے حق اور ہڑتال کرنے کے حق پر پابندی لگانا ہے جس کی مخالفت تمام مرکزی ٹریڈ یونینوں نے کی ہے۔ ایک اور ضرر رساں کوشش یہ ہو رہی ہے کہ ضروریات زندگی کے اشاریے طے کرنے کے لئے ۱۹۶۰ء کو بنیادی سال مانا جا رہا ہے اسے بدل کر ۱۹۸۲ء کیا جائے اس کے خلاف ملک گیر احتجاجی تحریک چل رہی ہے۔ سنتھیٹک کے تھیلوں کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کر کے جس طرح جوٹ کی صنعت کو تباہ کیا گیا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ آج جب ہندوستان اپنی آزادی کی چالیسویں سالگرہ منا رہا ہے اس وقت مزدور طبقہ اپنے آپ کو ہمیشہ سے زیادہ مصیبتوں میں گھرا ہوا پا رہا ہے جسے کام کرنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے اور نہ اس غم سے چھٹکارا مل رہا ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے کیا ہوگا۔

مزدور صرف اپنی جدوجہد کے ذریعہ معاشی آزادی حاصل نہیں کر سکیں گے بلکہ اس کے لئے انہیں کسانوں کے بنیادی مطالبے یعنی اصلاحات آراضیات کی حمایت میں بھی جدوجہد کرنا ہوگی کیوں کہ اصلاحات آراضیات کے ذریعہ زمین کا منصفانہ بٹوارہ ان گاؤں کے غریبوں میں ہوگا جن کے پاس زمین نہیں ہے۔ زمین کی ملکیت کسان کو حاصل ہو جائے تو وہ فصلوں کا بھی مالک ہو جائے گا۔ اناج کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور اناج تجارت کے لئے گوداموں میں جمع نہیں کیا جائے گا بلکہ بازار میں بیچا جائے گا جس سے شہری عوام کو اور مزدوروں کو سستے دام میں اناج ملے گا اور مہنگائی گھٹ جائے گی۔ اور اناج کی قیمت کسان پائے گا تو اس کی قوت خرید میں بے

اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی کے عرصہ میں ہندوستان کے انقلابیوں کے شائع کردہ اخبارات و رسائل ۔۔ سوشلسٹ (انگریزی)' اخبار انقلاب' دی ایڈوانس گارڈ' دی میسج آف انڈیا' دی ونگارڈ آف انڈین انڈیپنڈنس' دی لیبر کسان گزٹ (۱۹۲۴ء)

پناہ اضافہ ہوگا جس کے عوض بڑے پیمانے پر صنعت بندی کے لئے میدان تیار ہو جائے گا۔ وسیع صنعت بندی شہر کے بے کاروں کے لئے روزگار کی ضمانت بنے گی اور مزدور طبقہ صحیح معنوں میں معاشی آزادی حاصل کر سکے گا۔

اس وقت سب سے زیادہ قابل رحم حالت غیر منظم صنعتوں کے مزدوروں کی ہے جیسے بیڑی کے مزدور، تعمیراتی کام کرنے والے راج مزدور، نان بائی مزدور، ٹھیلہ اور رکشہ چلانے والے مزدور جن کے لئے سماجی بیمہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور جنہیں اتنا بھی نہیں ملتا کہ دو وقت پیٹ بھر کر دال روٹی کا انتظام کر سکیں۔ ان لوگوں کو کام ملنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے اور اچانک بیماریاں دبوچ لیتی ہیں تو علاج کی بھی سہولت میسر نہیں۔ بھوک، بیماری اور قبل از وقت موت یہی ان کی قسمت ہے۔ اگر اس سے کسی طرح بچے رہے تو بڑھاپے کی ٹھوکریں کھانا اور پھر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا آخری انجام ہوتا ہے۔

چالیس سال کسی ملک کی تاریخ میں بہت طویل عرصہ تو نہیں ہوتا لیکن اتنے دنوں کے اندر اگر ملک کے عوام اور [illegible] مزدور طبقہ کی حالت بجائے سدھرنے کے اور بگڑتی جائے تو [illegible] سمجھنا ہوگا کہ راستہ غلط ہے اور اس راستے [illegible] ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ ***

اردو شاعری میں آزادی کا تصور!

از: ——— سالک لکھنوی

عنوان کی وسعت تو ایک پوری کتاب کی طالب ہے۔ چند صفحوں میں اس سے سارے کیوں کر انصاف کیا جائے؟ کس قسم کی آزادی کے تصور کو اردو شاعری میں تلاش کیا جائے؟ تحریر و تقریر کی آزادی، مذہبی و اعتقادی آزادی، ذہن و فکر کی آزادی، اقتصادی یعنی غربت و محرومی سے آزادی، سیاسی آزادی ـــ کتنے محدود دائرے ہیں یہ۔ لیکن سماج میں ایک انسان کی شعوری آزادی و عمل کا تصور اگر کیا جائے تو یہ سب آزادیاں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔

آزادی کے لفظ کے ساتھ ہی اس کا متخالف یا متضاد لفظ "غلامی" ذہن پر ابھرتا ہے۔ غلام زمین تو ہر زمانے میں انسان کسی نہ کسی استحصالی طاقت کا غلام رہا ہے اور آج تک ہے۔ سلاطینی اور جاگیردارانہ نظام میں انسان کی غلامی اس عروج پر نظر آتی ہے جہاں غلام کی جان و مال، آل اولاد تک اس کے آقاؤں کے قبضے میں تھے۔ غلامی کی بھی دو شکلیں تھیں۔ زر خرید غلام جن کی حالت جانوروں سے بدتر تھی اور عام رعایا جو بالواسطہ غلام تھی۔ کھیتوں میں غلّہ پیدا کرنے والا کسان ہمیشہ بھوکا، کپڑا بننے والا ہمیشہ ننگا اور عمارتیں بنانے والا مزدور ہمیشہ بے گھر نظر آتا ہے۔ صرف اس لئے کہ آقا کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوں، جسم پر اطلس و کم خواب ہو اور رہنے کے لئے بلند عمارتیں ہوں۔ نظام زر میں انسان آج بھی اس بالواسطہ غلامی سے آزاد نہیں ہوا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں آقاؤں نے اپنے جبر و استحصال کو قائم رکھنے کے لئے جو ہتھکنڈے اور ہتھیار استعمال کئے اور کرتے آئے انہیں شاعر مشرق اقبالؔ بڑی خوبصورتی سے صرف ایک شعر میں پیش کر دیتا ہے۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات!
(اقبالؔ)

دنیا کی ہر زبان کے عظیم ادیب نے انسان کی اس غلامی کے خلاف برملا یا استعارتاً صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ فرانس میں والٹیئر اور روسو کی تحریروں نے انقلاب فرانس کی بنیاد رکھی۔ امریکہ میں غلامی کے خلاف ہیریٹ بیچر اسٹو (Harriet Beecher Stowe) کے ناول "انکل ٹامس کیبن" نے اس خانہ جنگی کی راہ ہموار کی جس میں ابراہم لنکن کو فتح حاصل ہوئی اور سرزمین امریکہ سے زر خرید غلامی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ کارل مارکس کی تصانیف اور اقتصادی فلسفے نے روس میں لینن (سنہ ۱۹۱۷ء) اور چین میں (سنہ ۱۹۴۹ء) ماؤزے تنگ کی قیادت میں وہ عظیم انقلابات برپا ہوئے جس نے جاگیرداری اور شخصی سلطنت کے نظام کو ہمیشہ کے لئے ختم کر ڈالا۔ ان دونوں ملکوں میں محنت کشوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں اور وہاں کے عوام کو ہمیشہ کے لئے غلامی سے نجات مل گئی۔

لیکن عنوان ہے "اردو شاعری میں آزادی کا تصور" ـــ ہے۔ ابتدا میں اردو زبان میں لفظ آزادی کو اس وسیع مفہوم میں استعمال نہیں کیا گیا جسے اقبالؔ نے اپنایا، پیش کیا۔ آزادی کے مقابلے میں جس غلامی کا تصور ہمارے شاعروں کے ذہن میں ابھرتا تھا وہ ہندوستان میں انگریز کے تسلط کے غلامی کا تصور تھا۔ ۱۷۵۷ء میں جب میر جعفر کی غداری کے سبب سراج الدولہ کو شہید کر ڈالا گیا تو صوبہ دار راجہ رام نرائن [illegible]

بے ساختہ رو پڑے اور بولے ؎

"غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری!"

اور اعظم اللہ خاں یقینؔ نے قومی بے حسی کا رونا یوں رویا ؎

"حیف ہم نے گو رمقرر کی ہے اپنی جا قفس
ورنہ تنگ ہم سے ہیں تو ہو جائے تہ و بالا قفس!"

پھر انگریزی حکومت کے خلاف سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عظیم الشان جنگِ جہاد سامنے آئی جس نے انگریزی حکومت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں اور اگر کچھ قبائلی مسلمانوں کے جرگے اور سکھوں کے جتھے انگریز کا ساتھ نہ دیے ہوتے تو انگریزی حکومت انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہی ختم ہو چکی ہوتی اور ۱۸۵۷ء کی نوبت ہی نہ آتی۔ لیکن وجوہات مذکورہ کے سبب اس جہادی تحریک کو ناکام ہونا پڑا اور کل مجاہد بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ اس تحریک کے سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزی حکومت کے خلاف مندرجہ ذیل فتویٰ دیا تھا:

"استیصال او عین انتظام است و اہلاک او عین اسلام و اطاعت او متسلط از احکام شرع نیست۔"
(منصبِ امامت ص ۹۸)

ترجمہ: "اس کو (انگریزی حکومت) جڑ سے اکھاڑ پھینکنا عین انتظام ہے اور اس کو ہلاک کر دینا عین اسلام، مسلط ہو جانے والے کی اطاعت کرنا حکم شریعت نہیں۔"

غالبؔ و ذوقؔ کے ہم عصر اور عاشقانہ و رزمیہ غزل کے مشہور شاعر مومن خاں مومنؔ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ارادتِ قلبی تھی۔ اپنی بیماری کے سبب وہ اس جہاد میں شامل نہ ہو سکے اور اپنی بے بسی پر پکار اٹھے ؎

"الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب ، یہ اعلیٰ سے اعلیٰ عبادت نصیب
[illegible] ہوں میں تیرا کا ، یہ تیرے کرم کا ہوں امیدوار
[illegible] عبادت سے توفیق دے ، عروجِ شہید اور صدیق دے"

[illegible] زندہ تھے۔ کسے [illegible] تھی کہ ان کا جیسا غزل کا شاعر "معاملاتِ عشق و عاشقی" میں گم، کھلا ہوا سیاسی شعر بھی کہہ ڈالے گا۔ فرماتے ہیں ؎

"ہندوستاں کی دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بتدبیر کھینچ لی"

اسی زمانے میں شاہ کمال الدین کمالؔ نے بھی ایک شہر آشوب لکھا۔ ایک بند حاضر ہے:

"وہی یہ شہر ہے اور ہے وہی یہ ہندوستاں
کہ جس کو رشکِ جناں جانتے تھے سب انساں
فرنگیوں کے سبب ہو گیا ہے یوں ویراں
نظر پڑے ہے بس اب صورتِ فرنگستاں
نہ شاہ ہے نہ وزیر اب فرنگی ہیں مختار
انہوں پہ تف کرو لعنت کرو ہزاروں بار"

سید احمد شہیدؒ کی ناکام تحریک کے کوئی تیس سال بعد ۱۸۵۷ء میں عوامی انقلابی تحریک ابھری۔ اس سے قبل انگریزی حکومت کا جبر و ظلم اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔

"حیدر آباد سندھ کے محلات کو جس بے دردی سے لوٹا گیا اس کی مثال چنگیزی سفاکیوں کو مات کر دیتی ہے۔ شاہی بیگمات کے کپڑے تک جسموں سے اتار کر ان کو برہنہ کر دیا گیا۔"
(آزادیٔ ہند از خورشید مصطفیٰ رضوی ص ۹۹)

یہ صرف ایک مثال تھی۔ ایسی ہی ہزاروں مثالیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں جنہوں نے انگریز حکومت کے خلاف نفرت و بغاوت کے ان جذبوں کو بیدار اور پرورش کیا جو ۱۸۵۷ء میں ایک آتش فشاں لاوے کی طرح بہہ نکلے۔ تھوڑے سے خوشامدیوں اور جاہ پسندوں کو چھوڑ کر ملک کے مظلوم عوام اس اولین جنگِ آزادی میں شامل ہو گئے جسے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کہا جاتا ہے۔ بحث تصورِ آزادی اور اردو شاعری کی ہے۔ اس اعتراف سے انکار نہیں کہ اس جنگ میں اردو شاعری نے کوئی مثبت رول ادا نہیں کیا لیکن شکست یعنی ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد رفتہ رفتہ جو اردو شاعری ابھری اس میں اس شعور کو توانائی ملی جو انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کی ابتدا تک پہنچتے پہنچتے اعلانیہ طور پر انگریزی غلامی کے خلاف آزادی کا مطالبہ کرنے لگا۔

جب مشہور شاعر، فلسفی اور ادیب، غالبؔ و مومنؔ و ذوقؔ

کے ہم عصر، علامہ امام بخش صہبائی کو انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم میں ان کے بیٹوں سمیت شہید کر دیا گیا تو شیفتہ کے شاگرد رشکی نے کہا ؎

"یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!"
(رشکی)

اور مفتی صدرالدین آزردہ نے یوں خراجِ تہنیت پیش کیا ؎

"لہو نہیں ہے یہ ہے دستِ عاشقی پہ حنا
امام آج گیا سرخ رو زمانے سے"
(آزردہ)

دہلی میں کہرام بپا تھا۔ بہادر شاہ کے سامنے ان کے بیٹوں کو گولی ماردی گئی۔ نواب جھجر کو تختۂ دار پر کھینچ ڈالا گیا۔ لوگوں کو کھینچ کھینچ کر گھروں سے نکالا گیا۔ بہتوں کو گولیاں ماردی گئیں۔ بہتوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ پورا شہر ایک مقتل تھا اور ہر انگریز جلاد۔ ایک نامعلوم شاعر کہہ اٹھتا ہے ؎

"گھروں سے کھینچ کے کشتوں کے پشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں"

دہلی کا ماتم حالی نے بھی کیا ؎

"تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز"
(حالی)

اردو نظم و غزل میں کھلا ہوا سیاسی رجحان علامہ شبلیؔ، علامہ اقبالؔ، پنڈت برج نرائن چکبست اور علامہ اقبال احمد سہیل کے ذریعہ متعارف ہوا۔
زوالِ حکومت پر شبلیؔ کے ماتم میں ایک جلال کی کیفیت ملتی ہے ؎

"حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیبِ انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کب تک

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا ان کا امتحاں کب تک

نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں اپنے زخم ہائے خوں چکاں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

کہاں تک ہم سے لوگے انتقامِ فتحِ ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک"
(شبلی)

پنڈت برج نرائن چکبست کے ذہن میں بھی آزادی کا تصور وطن کی غلامی کی اساس پر قائم نظر آتا ہے۔

ازل کے دن جو تباہی کی فال دیکھی گئی
تو نامِ کشورِ ہندوستان نکل آیا

❋ ❋ ❋

زباں کو بند کریں یا مجھے اسیر کریں
مرے خیال کو بیڑی پنھا نہیں سکتے

❋ ❋ ❋

کچھ ایسا پاسِ غیرت اٹھ گیا اس عہدِ پرفن میں
کہ زیور ہو گیا طوقِ غلامی اپنی گردن میں

❋ ❋ ❋

درِ زنداں پہ لکھا ہے کسی دیوانے نے
وہی آزاد ہے جس نے اسے آباد کیا

❋ ❋ ❋

جنونِ حبِ وطن کا مزا شباب میں ہے لہو میں پھر [illegible] رہے رہے نہ رہے
جو مانگنا ہے ابھی مانگ لو وطن کے لئے یہ آرزو ہے جو [illegible] رہے رہے نہ رہے

علامہ اقبال احمد سہیل کا شمار اپنے [illegible] کے نابغاؤں میں ہوتا ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے ہردل عزیز معلم، [illegible] [illegible] رسی اور اردو [illegible] جید عالم، بے مثال مقرر اور زود گو شاعر۔ قصائد، نعت [illegible] منقبت، ملّی، قومی و سیاسی نظمیں اور سیاسی شعور لئے ہوئے خوبصورت غزلیں۔ کیا کچھ نہیں دے گئے۔ افسوس کہ ان کا کلیات شائع کرنے [illegible] نے کا خیال [illegible]

شعرا یا اہلِ ادب کو اب تک نہیں آیا۔ انگریزی حکومت کے خلاف ان کے دل میں ایک جذبۂ بغاوت ہمیشہ کروٹیں لیتا رہا جو نظم ہو یا نثر، تقریر ہو یا تحریر۔ اگر موضوع وقت اس کہیں کوئی پہلو مل گیا تو بالواسطہ یا بلاواسطہ وہ رفعتِ آزادی اور لعنتِ غلامی تک خود پہنچ جاتے تھے۔ مجھے خود ان کی دو تقریریں سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ پہلی بار لکھنؤ (۱۹۳۷ء) میں جب وہ ایک جلسۂ سیرت کو خطاب کر رہے تھے اور دوسری بار (۱۹۳۲ء) میں جب وہ کلکتے آئے تھے اور "یومِ اقبال" کی صدارت کے لئے انہیں کلکتہ مسلم ایسوسی ایشن میں مدعو کیا گیا تھا۔ پہلی تقریر میں انہوں نے تعلیمِ اسلام کی روشنی میں انسانی آزادی کی عظمت کو پیش کیا تھا اور دوسری تقریر میں اقبال کے تصورِ آزادی پر ان خیالات کا اظہار کیا تھا جو اس سے قبل سامنے نہیں آئے تھے۔ بہر کیف حضرت اقبال سہیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رفعتِ پرواز کیا، اذنِ فغاں تک بھی نہیں
کفر ہے اس زندگانی پر گمانِ زندگی!
سعیٔ آزادی میں جو پیشانی سے ٹپکے عرق
اس کا ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانِ زندگی!

* * *

ایک لمحہ بھی جو آزادی کا ہو جائے بسر
بندگی کی زندگیٔ بیکراں سے کم نہیں
آتشِ دوزخ سے رسواتر غلامی کی حیات
مرگِ آزادی بہشتِ جاوداں سے کم نہیں

* * *

تیور جو اسیروں کے بدلے صیاد کی ہمت چھوٹ گئی
اے ذوقِ جنوں تیرے صدقے زنجیرِ غلامی ٹوٹ گئی

* * *

اسیروں میں بھی ہو جائیں جو کچھ آشفتہ سر پیدا
ابھی دیوارِ زنداں میں ہوا جاتا ہے در پیدا
شبِ ظلمت مٹانے خبر اپنے جیب و دامن کی
ہے دستِ جنوں باقی تو کر لیں گے سحر پیدا

* * *

قفس میں بیٹھ کے کیا طعنِ سست پروازی ہے فضا کھلی ہوئی ملتی تو امتحاں ہوتا

بیسویں صدی میں اردو ایوانِ شاعری میں جو مسندِ بلند ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کو ملی اس تک کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ عظمتِ انسانی کا علمبردار آزادی کا عاشق غلامی اور جبر و استبداد کا دشمن ترقی پسند شعر و ادب کا اولوالعزم پیغمبر۔ اس کی شاعری نے پرانی قدروں کو ہلا ڈالا۔ اس میں انکار کی گنجائش نہیں کہ حکیمِ اقبال سیماب، مجاز اور جوش ملیح آبادی تک اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال نے اپنے اولین دور (۱۹۰۵ء) ہی میں اردو شاعری کو جن خیالات و اسلوب سے آشنا کیا اس نے قدیم ڈگر پر چلنے والوں کو صرف چونکایا ہی نہیں بلکہ ایک بڑے تعلیم یافتہ طبقے اور اہلِ دانش ادیب و شعرا کو شعوری طور پر ایک بڑی حد تک متاثر بھی کیا۔ "صدائے درد" "آفتابِ صبح" "سید کی لوحِ تربت" "نیا شوالہ" "تصویرِ درد" اور "ترانۂ ہندی" جیسی نظموں میں حب الوطنی، انسان دوستی، حق پرستی اور بے باکی کا جو پیغام ملتا ہے اس سے اردو شاعری نا آشنا تھی۔ آگے چل کر اقبال کے تصورِ آزادی کی بنیاد سیاسیات سے زیادہ ان کے فلسفۂ حیات (نظریۂ خودی) اور عظمتِ انسانی کے اس بے باک نظریہ پر مبنی نظر آتی ہے جو اپنی وسعت میں اخلاقی، سماجی، اقتصادی، اعلانِ حق اور ردِّ باطل کی قدروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی جستجو عالمی ہے۔ وہ انسان اور اس کی محرومیوں کو جغرافیائی حدود کے اندر نہیں دیکھتا۔ وہ جبر و استبداد کو کُھلی شکل میں دیکھتا ہے اور ان سے نجات کا طالب ہے۔ اردو شاعری میں آزادی کی نعمت و عظمت اور غلامی کی رسوائی و لعنت کو جس شدت کے ساتھ اقبال نے پیش کیا ہے یہ سعادت دوسرے شعرا کے حصے میں نہیں آئی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری!

* * *

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

* * *

غلام کا ایمان بھی محکوم ہوتا ہے

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز
محکوم کے ایماں سے الٰہی بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

٭٭٭

غلام کی نماز: کہا مجاہدِ ترکی نے مجھ سے بعدِ نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام؟
وہ سادہ مردِ مسلماں وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں
درائے سجدہ غلاموں کو اور ہے کیا کام

٭٭٭

اور پھر: شکوۂ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں!

٭٭٭

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پُر سوز و طربناک
آزاد سراپا دلِ روشن نفسِ گرم
محکوم خوشامد ہے یا پھر دیدۂ نمناک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش
وہ بندۂ خاکی ہے تو یہ خواجۂ افلاک!

اور یہ عبرتناک منظر بھی دیکھ لیجئے۔ محکوم کی میّت سے اس کی قبر تک متنفر ہے:

آہ ظالم تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوزناک
تیری میّت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میّت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک
الحذر محکوم کی میّت سے سو بار الحذر
[illegible] اے جانِ پاک

جوشؔ ملیح آبادی نے وطن کی غلامی کے خلاف اور آزادی کی طلب میں کتنی ہی پُرجوش اور طویل طویل نظمیں لکھی ہیں جو اردو ادب کے لئے باعثِ فخر ہیں لیکن اگر وہ مندرجۂ ذیل شعر لکھ کر ہی خاموش ہو جاتے تو بھی تاحیاتِ اردو ان کا نام روشن رہتا۔

"سنو اے بستگانِ زلفِ گیتی، صدا کیا آ رہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیاتِ جاوداں سے"
(جوشؔ)

فراقؔ، جوشؔ، جذبیؔ، مجازؔ اور دوسرے زیرِیں پر فیض احمد فیضؔ، سردار جعفری، پرویز شاہدی، کیفی اعظمی، مخدوم محی الدین، جاں نثار اختر، ساحرؔ لدھیانوی، انور صابری وغیرہم کی نگارشات برائے آزادیٔ وطن تو اپنی اپنی جگہ قائم و دائم ہیں لیکن اس سلسلے میں شاید ہی کسی کی نظر ایک ایسے شاعر کی جانب اٹھی ہو جو خالص رومانی شاعر تھا۔ جس کی سلمیٰ و عذرا والی نظمیں جوانوں کے دلوں کو گرما اور لبوں پر گنگنا رہی تھیں۔ جس نے اردو شاعری کو جذبۂ عشق سے معمور بڑے پاکیزہ سانیٹ عطا کئے تھے۔ وہی اخترؔ شیرانی اردو ادب کو ایک ایسی لافانی "لوری" بھی سُنا گیا جس میں وطن کی محبت اور آزادی کی لگن کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایک ماں اپنے بچے کو لوری دے رہی ہے۔ سن لیجئے:

مرا ننھا جواں ہوگا
مرا ننھا بہادر ایک دن ہتھیار اٹھائے گا
سپاہی بن کے سوئے عرصہ گاہِ رزم جائے گا
وطن کے دشمنوں کے خون کی نہریں بہائے گا
وہ آخر کامراں ہوگا
مرا ننھا جواں ہوگا
وطن کی جنگِ آزادی میں جس نے سر کٹایا ہے
یہ اس شیدائے ملّت باپ کا پُرعزم بیٹا ہے
ابھی سے عالمِ طفلی کا ہر انداز کہتا ہے
وطن کا پاسباں ہوگا
مرا ننھا جواں ہوگا
ہے اس کے باپ کے گھوڑے کو کب سے انتظار اس کا
ہے رستہ دیکھتی کب سے فضائے کارزار اس کا

(باقی صفحہ پر)

ہندوستاں کا نام رہے جاوداں رہے

چاہے رہے بہار کہ دورِ خزاں رہے
کوئی رہے رہے نہ رہے، باغباں رہے

مجھ کو بلاؤ تاکہ سنو داستانِ عشق
لازم ہے بزمِ عیش میں اک قصّہ خواں رہے

عرضِ نیاز پر بھی لگائی گئی ہے قید
سینے میں دل رہے نہ تو منہ میں زباں رہے

ہے حقِ دوستی بھی یہی رسمِ عشق بھی
تیری کبھی نہیں تو کبھی میری ہاں رہے

پردہ نشیں کے عشق میں کیا کیا کئے جتن
عاشق جو ہم ہوئے تو ہمیں رازداں رہے

اطرافِ ہند میں جو فسادات کی ہے دھوم
پھر کس طرح سے ملک میں امن و اماں رہے

وہ کارنامہ اہلِ وطن پیش ہم کرد
ہندوستاں کا نام رہے جاوداں رہے

پروفیسر اثرؔ صدیقی

زاہد چلو دکھائیں ہم اس بذلہ سنج کو
کل حضرتِ اثرؔ بھی جہاں بے زباں رہے

★★

تحریکِ آزادی کے تناظر میں

اردو شاعری اور قومی یک جہتی

از: پروفیسر عبد السبحان

زبان اپنی تہذیب کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ کوئی بھی زبان اپنے عہد کو فراموش کر کے ترقی نہیں کر سکتی۔ زبان و ادب کا تہذیب و تمدن سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اردو زبان کس طرح وجود میں آئی، اس کا تخمینہ لگانا ذرا مشکل ہے، پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کے وجود میں آنے کے مختلف اسباب ہیں — ہندوستان پر اسلامی فتوحات کے نتیجے کے طور پر ہماری تہذیب نے اسلامی اثر قبول کیا اور عربی و فارسی نے جب سنسکرت کے ساتھ اپنا رشتہ ناطہ جوڑا تو اردو زبان وجود میں آئی، اس کے بعد اردو میں عربی و فارسی کا استعمال ایک عام سی بات ہو گئی۔ ابھی اردو نے آنکھ ہی کھولی تھی کہ مختلف مذاہب اور زبان کے لوگوں نے اس پیاری و شیریں زبان کی خوبیوں کو پرکھ لیا اور اپنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اردو زبان نے ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے اتنی مقبولیت حاصل کر لی کہ اسے قومی زبان کا درجہ دینے کی گفتگو ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے بیشتر صوبوں کی سرکاری و دفتری زبان ہو گئی اور اس زبان کو مختلف مذاہب اور رسم و رواج کے باہمی میل جول پیدا کرنے کا ایک ذریعہ مانا جانے لگا۔

۱۸۵۷ء میں جب آزادی کی جنگ شروع ہوئی تو اور زبانوں کی طرح اردو زبان نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خاص طور پر اردو شاعری نے اس تحریکِ آزادی میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ چوں کہ شاعر حساس ہوتا ہے اس لئے اسے وطن کی ہر شئے سے پیار ہوتا ہے اور اس کے نزدیک وطن کا ایک ایک ذرہ دیوتا کی سی عظمت رکھتا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وطن کی محبت ایک فطری نشہ ہوتی ہے جس سے سرشار ہو کر شاعر اپنے وجود کو بھی بھول جاتا ہے۔ وہ مذہب و ملت سے بیگانہ دنیا کی تمام آسائشوں کو ٹھکرا کر وطن کی عظمت و برتری کو دوبالا کرنے کے لئے صبر شکن اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ شاعر اپنے وقت کا نقیب بھی ہوتا ہے اور جب وہ قومیت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے خیالات و جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتا ہے تو قومی شاعری وجود میں آتی ہے اور تحریک آزادی کے دوران قومی یک جہتی کو تقویت پہونچانے میں وہ ایک نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اردو شاعری نے جنگِ آزادی کے "قومی یک جہتی کی روایت کو قائم رکھنے میں نمایاں حصہ لیا ہے اور ہندوستانی عوام کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنے میں اس نے خاص رول ادا کیا ہے، کیوں کہ شاعر ہمارے جذبات و احساسات کو جھنجھوڑنے کی قوت رکھتے ہیں۔ شعر ایک نشتر ہوتا ہے جو قوم کی سنہ رگوں کو خود بخود ڈھونڈھ لیتا ہے۔ اردو شاعری نے بھی اسی نشتر سے کام لیا اور سوئی ہوئی قوم کو بیدار کیا۔

جب ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کی لہر ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں پھیل چکی تھی اور ہندوستانی عوام کو برطانوی حکومت سے نفرت ہو گئی تھی اور جنگِ آزادی میں ملک کا ہر طبقہ شریک ہو چکا تھا تو پھر شعراء کیوں کر خاموش بیٹھے رہتے۔ شاعروں نے بھی اس تحریک میں بڑھ

چھین کر حاصل کیا جو انگریزوں کی نظر میں "بغاوت" سمجھی جاتی تھی۔ بہت سے شاعر انگریزی حکومت کے زبردست عتاب کا شکار بنے اور انہیں شدید ذہنی، جسمانی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے تباہ و برباد ہو کر رہ گئے تھے کیونکہ حکومتِ وقت کے نزدیک یہ باغی تھے۔ پھر بھی تمام اذیتوں اور تکلیفوں کے باوجود اہلِ وطن کو مغربی چالوں سے باخبر کرتے ان کی عیاری و مکاری سے باخبر کیا کرتے تھے تاکہ معصوم اہلِ وطن ان کے دامِ فریب میں گرفتار ہونے سے بچ سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اپنی آزادی کی راہ ہموار کر سکیں۔

ان باغیانہ قومی نظموں کی فہرست بہت طویل ہے مگر ان نظموں کو جنہوں نے جنگِ آزادی اور قومی یک جہتی کی روح سارے ہندوستان میں پھونک دی تھی، فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شاعروں کے دل سے نکلی ہوئی وہ آواز تھی جسے انگریزی حکومت اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے انہیں "باغیانہ شاعری" قرار دیکر ضبط کر لیا کرتی تھی۔ ان میں سرِفہرست ہے رام پرشاد بسمل کی نظم ؎

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

پھر اسی سلسلے میں اشفاق کی "شورشِ جنوں"، "ہم رہے رہے نہ رہے"، نوبہار صابر کی "پیامِ بیداری"، "جذبۂ ایثار موزوں کو ہونا چاہئے"۔ کنور پرتاپ چند آزاد کی "جذبۂ حریت"، "انقلاب آنے کو ہے"، "ترانۂ آزاد"، "وطن کے واسطے ستم کی انتہا کیا ہے"۔ عثمان کی "وطن کو قید سے اب چھڑانا پڑے گا"۔ خلیق کی "مجھے گولیوں سے اڑا دیا"۔ جاں نثار اختر کی "میں ان کے گیت گاتا ہوں"۔ حسرت موہانی کی "نجاتِ ہند"۔ حفیظ جالندھری کی "آزادی"۔ روش صدیقی کی "بیداریٔ مشرق"۔ احسان دانش کی "امیدِ آزادی" اور "غلامی کی خصوصیات"۔ ساحر لدھیانوی کی "شعلہ نوائی"۔ وقار انبالوی کی "ترانۂ جنگ"، "میدانِ جنگ میں صبح"، "مجبوریاں" اور ٹیکا رام سخن کی "نفرتِ دشمن" قابلِ ذکر نظمیں ہیں جنہوں نے قومی آزادی کو تقویت پہنچائی اور لوگوں میں جذبۂ شہادت پیدا کی۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کو ہندوستان جانِ عزیز کی طرح پیارا تھا جس کو اپنی ابتدائی شعر گوئی سے لیکر زندگی کی آخری سانسوں تک فراموش نہیں کیا۔ انہوں نے بے شمار نظمیں لکھیں جن میں "ہمالہ"، "ترانۂ ہندی" اور "نیا شوالہ" وغیرہ کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ان نظموں میں ہندو مسلم اتحاد کے معاملے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نظم "نیا شوالہ" کے بارے میں یوسف سلیم چشتی کا کہنا ہے کہ "شاعری کے اعتبار سے یہ نظم اقبال کے دورِ وطن پرستی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں شاعر نے وطن پرستی کا نقش دل پہ قائم کرنے کے لئے اپنی تمام تر شاعرانہ قوتوں کو صرف کر دیا ہے۔ اکثر ناقدینِ اقبال کا کہنا ہے کہ "ہندو مسلم اتحاد پر یہ اقبال کی سب سے بہترین نظم ہے۔

اقبال نے فرقہ وارانہ اختلافات پر غم و اندوہ کا اظہار کیا ہے اور ہندوستانیوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی ہے۔ قومی یک جہتی اور میل ملاپ پر اقبال کی نظمیں "صدائے درد" اور "سید کی لوحِ تربت" وغیرہ بڑی اہم شمار کی جاتی ہیں۔ یہاں ہم اقبال کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے فرقہ وارانہ منافرت پر اظہارِ افسوس کیا ہے اور آزادی کے سورج کے طلوع ہونے کی خوشخبری سنائی ہے۔ مثلاً

؎ سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

؎ جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے

؎ وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں

***

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"۔ اردو شاعری کی قومی نظموں میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس نظم کو ہندوستان کے دوسرے "قومی ترانہ" کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا یہ شعر ملکی اتحاد و قومی یک جہتی کی مخلصانہ دعوت فکر دیتا ہے اور زخمی دلوں کے لئے ایک بہترین مرہم ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ان سارے اردو اشعار نے جنگِ آزادی کے دوران تہلکہ سا مچا رکھا تھا اور آج بھی ان کی لے تمام ہندوستانیوں کے

[illegible] ہے۔ قومی یک جہتی کی ضرورت آج پہلے سے
زیادہ ہے کیوں کہ آج ہندوستان میں زبان، مذہب، علاقہ اور ذات پات
کے نام پر فسادات ہو رہے ہیں۔ ہندوؤں کا مسلمانوں پر اور مسلمانوں کا ہندوؤں
پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے اس لئے آج بھی اقبال جیسے محب وطن شاعر کی ضرورت
ہے۔

چکبست کے کلام میں بھی حب وطن اور تحریک آزادی کا اثر نمایاں
ہے۔ وہ اپنی نظم "خاکِ وطن" میں لکھتے ہیں ؎

گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو!

سرور جہاں آبادی کی نظم "گلزارِ وطن" میں حُبِ وطن کا جذبہ
نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ان کا یہ شعر ان کے دل کی آواز ہے ؎

اس گنجِ دل نشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا
جو ہو گلوں کا تختہ، تحفہ ہو اک جہاں کا

جوش ملیح آبادی نے بھی مذہب و ملت کے اختلافات کو مٹانے
کی کوشش کی اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ قوم کو بیدار
کیا۔ جوش کی مشہور نظم "وطن" لاکھوں دلوں کی آواز ہے۔ اس کے علاوہ
جوش کی "لمحۂ آزادی" اور "آثارِ انقلاب" مشہور نظمیں ہیں جنہیں انگریزی
حکومت نے باغیانہ نظمیں قرار دیتے ہوئے ضبط کر لیا تھا۔ ترق دہلوی نے
بھی اپنی شاعری کے ذریعہ اہلِ وطن کے دلوں میں بیداری کی لہر دوڑائی اور
قومی یک جہتی کے جذبے کو تقویت پہنچائی ہے۔ جمیل مظہری کی "اے مادرِ
ہندوستان"، آنند نرائن ملا کی "زمینِ وطن"، سیماب اکبر آبادی کی
"ہندوستان"، شاعر لکھنوی کی "ترانۂ وطن" اور "عہد"۔ افسر میرٹھی کی
"وطن کی راگ"، علی سردار جعفری کی "یہ ہندوستان" قابلِ ذکر نظمیں ہیں۔
یہ شعراء اپنے پیارے وطن کی آبرو کے لئے مر مٹنے کی تلقین کرتے نظر آتے
ہیں اور مذہب و ملت نیز زبان و رسم و رواج کے اختلافات کو مٹا کر
مادرِ وطن سے، اس کے رکھوالے ہمالیہ سے، گنگا کی پیاری لہروں سے،
ہندوستان کی سرسبز وادیوں سے اور بھارت ماتا کے فرزندوں سے پیار کی
امنگیں بڑھانے کے لئے اکساتے نظر آتے ہیں۔ سکندر علی وجد "تذرِ وطن"
میں ملک کی آزادی پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

سیاہ دورِ غلامی خیال و خواب ہے آج ❖ بلند عظمتِ انسان کا آفتاب ہے آج

پہلی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک منظر

مذکورہ بالا شاعروں کے علاوہ محمد حسین آزاد کی "حبِ وطن"
حالی کی "آزادی کی قدر"، اسمٰعیل میرٹھی کی نظم "اچھا زمانہ آنے والا ہے"
وغیرہ نظموں میں حب الوطنی، میل ملاپ اور یک جہتی وغیرہ بڑی کامیابی سے
بیان ہوئے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے بھی اپنی طنزیہ نظموں کے ذریعہ سوئی ہوئی
قوم کو جگایا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی شاعری میں اپنی قوم پرستی کا اظہار
بہت ہی خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

اردو شاعری میں قومی نظمیں بہت بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔
بالخصوص قومی یک جہتی کے موضوع پر اکثر شعراء نے طبع آزمائی کی ہے اور
آج بھی اسی موضوع پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں اس احساس کے ساتھ
کہ ہندوستان میں آج پہلے سے زیادہ مذہب و ملت کے نام پر لڑائیاں ہو
رہی ہیں اور فرقہ پرست طاقتیں پہلے سے کہیں زیادہ ایک دوسرے کا خون
بہا رہی ہیں۔ بقول سید مظفر حسین برنی،

"وقت کی یہ ضرورت آج بھی اسی طرح باقی
ہے کہ یقین و اعتماد اور خودی و خود شناسی کی اس
روح کو تازہ کیا جائے، مگر اس کا حصول تبھی ممکن
ہے جب اس ملک کے تمام فرقوں میں مکمل اتحاد اور
یک جہتی ہو۔ اور وہ سب مل کر اپنے فرقے، مذاہب
اور عقیدے کی محدود دیواروں سے اوپر اٹھتے
ہوئے ترقی کی راہ میں گامزن ہوں۔"

●●

مبارکباد آزادی

ولی رضوی

کسے معلوم
یہ کوئی خواب تھا یا ایک حقیقت تھی
مری آنکھوں نے یہ دیکھا
خزاں پر اک بہار آئی
بہار آئی وطن کی وادیوں میں یوں پکار آئی
"بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی"
بہار آئی کہ ساری خفتہ کلیاں مسکرا اٹھیں
شہیدوں کے لہو سے نم ہے یہ مٹی گلستاں کی
لہو کا رنگ لیکر کتنے ہی گل شاخ پر آئے
ترانے بلبلوں نے گائے
شاخوں پر ثمر آئے

جو مالی تھے انہیں لیکن بھلا بیٹھے چمن والے
ہوئے مشغولِ گل چینی چمن والے، وطن والے
ہوس نے کر دیا اندھا،
وہ شاخیں کاٹنے دوڑے،
چمن کو کر دیا مقتل،
یکایک دلہنوں کے سر پہ کیوں آئے سفید آنچل
یکایک پونچھ ڈالے کس نے یہ سیندور ماؤں کے
ہزاروں رنگ کے جس گلستاں میں پھول کھلتے تھے
وہاں کلیاں سسکتی ہیں
وہاں ہے خون پھولوں کا
تماشا ہے ببولوں کا
نہ پوچھو چاک دامانی
مبارک باد آزادی !!!

★★

علا، شوق قدوائی

مگر ذرا تو سوچئے!

یہ روزِ جشن ہی سہی
مگر ذرا تو سوچئے

تھکے تھکے قدم لئے
لہو لہو عَلَم لئے
ملال و رنج و غم لئے
ہزار چشمِ نم لئے
خیالِ بیش و کم لئے

چلے تو ہم چلے کہاں
وہیں ہیں آج تھے جہاں

یہ روزِ جشن ہی سہی
مگر ذرا تو سوچئے

کیا جوش تھا کیا ولولہ
اُمنگ تھا اُمنگ بھرا
ہر ایک خار و خس ہرا
سبھوں کا خواب ایک سا
مگر چلی عجب ہوا
چمن چمن سُلگ اٹھا

جھلس گئے، بکھر گئے
ہم اپنی رہ سے پھر گئے

دلوں میں دھول، گرد بار
"نہ اتحاد و اعتماد"
رہا نہ ہم کو کچھ بھی یاد

یہ روزِ جشن ہی سہی
مگر ذرا تو سوچئے

(ناتمام)

ڈاکٹر یوسف تقی

تاتیا ٹوپے

بہادر شاہ ظفر

حسرت موہانی

رابندرناتھ ٹیگور

سبرامنیم بھارتی

قاضی نذرالاسلام

سکھ دیو

بھگت سنگھ

راج گرو

فرازِ دار پہ چڑھ کر بھی ہم جنوں پیکر (۲-۱)
دی صفا و صداقت کلمات [illegible]

ناناصاحب کی گرفتاری کیلئے سرکاری اعلانیہ

(۱) ترکی میں تمام ٹیپو جاتیو سرکار کا مہر اور فرمان
(۲) ہندوستان کے باہر ۱۹۱۶ میں قائم کردہ ہندوستانی حکومت کا سرکاری مہر
(۳) مجاہدینِ آزادی (دائیں سے بائیں) لالہ لاجپت رائے، بال گنگا دھر تلک اور بپن چندر پال۔
(۴) نیتا جی سبھاش چندر بوس آزاد ہند فوج کے سربراہوں کے ساتھ۔
(۵) ہندوستانی قومی کانگریس کا بمبئی میں پہلا اجلاس

جدوجہدِ آزادی میں بنگال کا حصّہ

فیروز عابد

"مجھے آزادی دو یا موت" پیٹرک ہنری نے کہا تھا۔
لیکن
بنگال نے ہر دور میں آزادی کا نعرہ سب سے پہلے بلند کیا تھا، موت کا نہیں۔

انگریز سرکار کا ظلم جاری تھا۔ نہتے اور معصوم عوام ان کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے۔

اسی دوران بنگال، مہاراشٹر اور دوسرے کئی صوبوں میں نوجوان یکجا ہوئے اور انہوں نے انگریزوں کے تشدد کا جواب تشدد سے دینے کیلئے ٹولیاں بنانی شروع کر دیں۔ یہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہو کر انگریزی سرکار کے خلاف نکل پڑے۔

۱۹۰۲ء میں بنگال میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کے لئے خفیہ تنظیمیں (ٹولیاں) بننی شروع ہو گئیں۔ چیدہ چیدہ نوجوانوں کو ملا کر کلکتہ، ڈھاکا اور آس پاس کے دوسرے علاقوں میں خفیہ جماعتیں طاقت حاصل کرنے لگیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے پرمو تھا ناتھ متر، جتیندرا ناتھ بندو پادھیائے اور اربندو گھوش نے قدم اٹھائے۔ اربندو گھوش کے ساتھ مہاراشٹر کے انقلابیوں کا گہرا لگاؤ تھا۔ یہ خفیہ جماعتیں اپنا کام کرتی رہیں کچھ دنوں کے بعد بارندر کمار گھوش (اربندو گھوش کے چھوٹے بھائی) اوپندر ناتھ بندو پادھیائے اور بھوپندر ناتھ دت (وویکانند کے بھائی) نے انقلابی خیالات کی اشاعت کے لئے "جگانتر" نامی ایک اخبار شائع کیا۔ بعد میں اسی جگانتر کے نام پر ایک انقلابی پارٹی کلکتہ میں وجود میں آئی۔

ان سب خفیہ جماعتوں نے اپنی تقریروں اور اپنی تحریروں سے لوگوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ ان انقلابیوں نے خفیہ طور سے لوگوں کو لاٹھی، چھرا اور دوسرے ہتھیار استعمال کرنے کا فن سکھایا۔ پستول چلانا اور بم اندازی بھی وہ سیکھ رہے تھے۔ سودیشی ادب اور بیرونی ملکوں کی انقلابی کہانیاں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور ان کے اندر آزادی کا جذبہ جگایا جاتا تھا۔

۱۸۹۹ء میں لارڈ کرزن بنگال کا گورنر جنرل (وائسرائے) بن کر آیا۔ اس نے بنگال میں قومی تحریک کو بہت زیادہ زور پکڑتے دیکھا اور اسے اس تحریک کی طاقت کا بھی اندازہ ہوا۔ بنگال کے لوگ اس تحریک میں جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ یہ تحریک بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی تھی۔ کرزن نے بنگال کی اس تحریک کو کمزور بنانے کا ارادہ کیا۔ اس نے کلکتہ یونیورسٹی اور کارپوریشن کی طاقت کم کر دی۔ ان کو سرکاری منتظمین کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اس کے بعد اس نے بنگال کی تقسیم کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد ہی سارے بنگال میں لارڈ کرزن کے اس اقدام کے خلاف احتجاج بلند ہوا۔ ہر طبقہ کے لوگوں نے بنگال کی تقسیم کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا۔

لیکن تمام احتجاج اور تحریکوں کو نظر انداز کر کے لارڈ کرزن نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بنگال کی تقسیم دو حصوں میں کر دی۔ راج شاہی، ڈھاکا اور چاٹگام کے حصوں کو آسام کے ساتھ ملا کر مشرقی بنگال اور آسام کی ریاست بنی۔ پریسی ڈنسی اور بردوان کے حصوں کے ساتھ بہار اور اڑیسہ

کو ملا کر مغربی بنگال کی تشکیل ہوئی۔

بنگال کو تقسیم کرتے ہوئے لارڈ کرزن نے ملکی انتظام کو بہتر بنانے کا حوالہ دیا لیکن اصل وجہ قومی تحریک کو کمزور بنانا اور اسے کچل دینا تھا۔

لارڈ کرزن کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ پورا بنگال کرزن کی اس حرکت پر پرزور احتجاجی نعروں سے گونج اٹھا۔ سریندر ناتھ بنرجی، پادھیائے، بپن چندر پال، اربندو گھوش، آنند موہن بوس، اشونی کمار دت، رابندر ناتھ ٹیگور اور دوسرے تمام سیاسی لیڈروں نے بنگال کی اس تقسیم کے خلاف آوازیں بلند کیں اور احتجاجی تحریکوں میں حصہ لیا۔ اس احتجاج کے دوران تین اخبار ملک کی آزادی سے متعلق خیالات کی اشاعت کے لئے جاری ہوئے۔ "بندے ماترم" (انگریزی اخبار) "سندھیا" اور "جگانتر" — ان اخبارات کے سہارے انقلابی خیالات کی اشاعت زوروں پر ہوئی۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بنگال کی تقسیم ہوئی تھی۔ اسی دن تقریباً پچاس ہزار لوگوں نے کلکتہ میدان میں اس تقسیم کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ اس جلسہ کی صدارت عظیم رہنما آنند موہن بوس نے کی تھی۔ وہ بہت بیمار تھے پھر بھی اس جلسہ میں انہوں نے شرکت کی تھی۔ ان کی تقریر سریندر ناتھ بندو پادھیائے نے پڑھ کر سنائی تھی۔ سان کے اعلان کو عظیم شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے حاضرین جلسہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

۱۶ اکتوبر کا دن بنگال کا نفرت سے بھرا ہوا دن تھا۔ بنگال کے عوام نے اس دن سارے بنگال میں ہڑتال کی تھی۔ رابندر ناتھ ٹیگور اور دوسرے رہنماؤں نے اس دن کو راکھی بندھن کا دن قرار دیا تھا۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے اسی موقع کے لئے ایک گیت لکھا تھا —

بنگال کی مٹی، بنگال کا پانی، بنگال کی ہوا، بنگال کا پھل
پاک ہو، پاک ہو، پاک ہو، اے معبود

....

بنگالیوں کی زندگی، بنگالیوں کا دل، بنگالیوں کے گھروں کے بھائی بہن
ایک ہوں، ایک ہوں، ایک ہوں، اے معبود

بنگال کی تقسیم کے خلاف جو احتجاج بلند کیا گیا تھا اس نے سودیشی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ رہنماؤں نے سوچا کہ صرف احتجاج سے انگریزوں کو اس ملک سے نکال باہر کرنا مشکل ہے۔ اس کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ تحریک کے مقاصد پھر نئے انداز سے طے کئے گئے۔

(۱) انگریزی سامان کا بائیکاٹ کرنا ہوگا
(۲) دیسی چیزوں کو استعمال کرنا ہوگا
(۳) سودیشی تعلیم حاصل کرنی ہوگی

اس تحریک کا مطلب یہ تھا کہ بدیسی یا غیر ملکیوں کے ساتھ کسی قسم کا بھی رشتہ نہیں رکھا جائے گا۔ دیسی سامان کی کھپت ہو اور دیسی تعلیم سارے ملک میں جاری ہو۔ اس تحریک کو سودیشی تحریک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ انگریزی سرکار نے اس تحریک کو کچلنا چاہا۔

سریندر ناتھ بندو پادھیائے اور بپن چندر پال اس تحریک کے خاص رہنما تھے۔ یہ دونوں ہی بہت کامیاب مقرر تھے۔ ان کی شعلہ بار اور پرجوش تقریروں نے سودیشی تحریک کو سارے ملک میں پھیلا دیا۔

سودیشی تحریک میں شامل ہونے کے لئے اربندو گھوش نے بڑودہ کی سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور وہ بنگال آ گئے۔ انہوں نے "بندے ماترم" اخبار نکالا۔ حب الوطنی سے متعلق مضامین اس اخبار میں چھپنے لگے۔ ملک میں بدیسی مظالم کے خلاف نوجوانوں نے ہتھیار اٹھا لئے۔

جس زمانے میں سودیشی تحریک بہت شدت اختیار کر چکی تھی اسی زمانے میں کنگس فورڈ کلکتہ کے پریسیڈنسی مجسٹریٹ اعلیٰ تھے۔ انقلابیوں کی گرفتاری کے بعد ان کی عدالت میں پیش کیا جاتا تھا۔ وہ انقلابیوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتے تھے۔ بپن چندر پال کا مقدمہ انہی کی عدالت میں چل رہا تھا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ بھیڑ کو ہٹانے کی وجہ بتا کر ایک سارجنٹ نے کئی مظلوم لوگوں کو گھونسے سے بہت مارا۔ اس مجمع میں ایک چودہ سال کا لڑکا سوشیل سین بھی تھا۔ سرجنٹ کی یہ حرکت وہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے سرجنٹ کے منہ پر ایک گھونسا رسید کر دیا۔ کنگس فورڈ نے اسی وقت اس معصوم لڑکے کو پندرہ بید مارنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ نے انقلابیوں کا خون گرم کر دیا۔ جگانتر جماعت نے کنگس فورڈ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ کھودی رام بوس اور پرفلا چاکی کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی دوران کنگس فورڈ کو جج بنا کر مظفرپور بھیج دیا گیا۔

کنگس فورڈ سے بدلہ لینے کے لئے کھودی رام اور پرفلا چاکی

مظفر پور گئے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۸ء کو [illegible] کی گاڑی سمجھ کر کینیڈی صاحب کی گاڑی پر انہوں نے بم اندازی کی۔ کینیڈی صاحب کی بیگم اور ان کی بیٹی اسی جگہ ماری گئیں۔ بم اندازی کے بعد کھودی رام اور پرفلا چاکی فرار ہو گئے۔ دوسرے دن پولیس کی اردو پر گورنمنٹ لال چرنی نام کے ایک پولیس نے پرفلا چاکی کو گرفتار کیا لیکن پرفلا چاکی نے اپنے ہی پستول سے [illegible] اسٹیشن میں خود کو ہلاک کر لیا۔ اس طرح پرفلا چاکی انقلابی تحریک کے پہلے شہید ہوئے۔ اسی دوران مظفر پور سے تقریباً ۲۵ میل دور وائنی اسٹیشن سے کھودی رام گرفتار کر لئے گئے ۱۱ اگست کو کھودی رام جیسے جیالے سپوت کو پھانسی دے دی گئی۔ اس طرح آزادی کے دوسرے شہید کھودی رام ہوئے۔ مظفر پور بم اندازی کے اس کیس کی تحقیقات کلکتہ میں بھی ہوتی اور مانک تلہ میں اربندو گھوش کی تلاشی لی گئی۔ وہاں سے بہت سارے ہتھیاروں کو ضبط کیا گیا۔ اس سلسلے میں اربندو گھوش کے بھائی بارین گھوش، کنہائی لال دت، اپیندر ناتھ بنرجی، الاسکر دت، سریندر ناتھ بوس اور دوسرے ۳۶ انقلابی نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا۔ علی پور جج کورٹ میں اربندو اور ان کے انقلابی ساتھیوں کا مقدمہ شروع ہوا۔ اس کو بنگال کی تاریخ میں "مانک تلہ بم کیس" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بیرسٹر چترنجن داس نے بغیر کسی فیس کے بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ اس مقدمہ کی پیروی کی۔ اربندو گھوش اور ان کے انقلابی ساتھی رہا کر دئے گئے۔ سارے بنگال میں چترنجن داس کی شہرت پھیل گئی۔ آپ نے بیرسٹری کا پیشہ چھوڑ دیا اور تن و من سے ملک، قوم اور سماج کی ترقی میں لگ گئے۔

سودیشی تحریک دن بہ دن زور پکڑتی جا رہی تھی۔ گاؤں اور شہر ہر جگہ لوگ انگریزوں کے خلاف نفرت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ انگریزی کپڑوں کو نذر آتش کیا جا رہا تھا۔ عورتوں نے اپنی چوڑیاں آگ میں ڈال دیں۔ اس سودیشی تحریک سے دیسی صنعت کو ترقی ملی۔ نئے نئے کپڑے کارخانے وجود میں آئے۔ جادو پور انجینئرنگ کالج اور کلکتہ نیشنل میڈیکل کالج اسی سودیشی تحریک ہی میں قائم کئے گئے۔

انگریزوں نے بنگال کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ہندو اور مسلمانوں میں نفاق اور دشمنی پیدا کرنا چاہی تھی لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر سودیشی تحریک میں حصہ لیا۔ بنگال کی تقسیم کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ ۱۹۰۵ء میں کلکتہ کے راجہ بازار میں مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع میں مشہور بیرسٹر عبدالرسول نے انگریزوں کے خلاف ایک [illegible]

انہوں نے بنگال کی تقسیم کے خلاف مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ تحریک میں حصہ لینے کا مشورہ دیا۔ دوسرے سال ماہ اپریل ۱۹۰۶ء میں بریسال شہر کے ایک عظیم جلسے میں آپ دوبارہ صدر چنے گئے۔ بیرسٹر عبدالرسول کے علاوہ اور بہت سارے مسلم رہنماؤں نے سودیشی تحریک میں حصہ لیا تھا۔ ان رہنماؤں میں مولوی ابوالقاسم، دین محمد، عبدالغفور صدیقی، لیاقت حسین اور عبدالحلیم غزنوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

انگریزوں نے تحریک کو دبانے کی ہر طرح سے کوشش کی تھی لیکن تحریک تیزی سے پھیلتی ہی چلی گئی۔ انقلابیوں نے اپنی تحریک میں اور شدت پیدا کر دی۔

انگریزوں نے جب ہندوستان کی اس تحریک کو بہت پھیلتے دیکھا تو انہوں نے قانون میں کچھ نرمی کی اور آخر کار ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی گئی۔

باگھا جوتن نے سارے ہندوستان میں ایک ساتھ انقلاب کا خواب دیکھا تھا۔ ان کے خیال میں انگریز افسروں کو جگہ جگہ گولی مار کر ہلاک ضرور کیا جا سکتا تھا لیکن اس سے ملک آزاد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ایک ساتھ سارے ملک میں انقلاب برپا کیا جائے تو آزادی ممکن ہے لیکن اس انقلاب کے لئے کثیر تعداد میں ہتھیار چاہئے اور ہتھیار کے استعمال کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ ان کے اس خیال کا نریندر ناتھ بھٹا چارجی (ایم۔ این۔ رائے)، راش بہاری، بپن گنگولی، سوامی پرجانند، ڈاکٹر جادو گوپال مکھوپادھیائے اور دوسرے انقلابی رہنماؤں نے ساتھ دیا۔ انقلابی باگھا جوتن یہ جانتے تھے کہ چند انقلابی لیڈر ہندوستان میں آزادی نہیں لا سکتے بلکہ اس آزادی کے لئے عوام کی مدد ضروری اور اہم ہے۔ اس لئے انہوں نے انقلابیوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ گاؤں گاؤں اور شہر شہر جا کر عوام کے دلوں میں انقلاب کی آگ بھڑکائیں اور ان کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کریں۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران باگھا جوتن کی راہ پر چلتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے آزاد ہند فوج کی تشکیل کی تھی۔

صوبہ اڑیسہ کے ضلع بالاسور کے قصبہ جوڑی بالم کی ندی کے کنارے ۹ ستمبر ۱۹۱۵ء کو باگھا جوتن اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ انگریزوں

سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے

۱۹۳۰ء میں تجربہ کار اور مشہور انقلابی ہیم چندر گھوش نے "بنگال والنٹیئر دل" قائم کیا۔ اس وقت انگریزوں کا صدر دفتر رائٹرس بلڈنگ تھا۔ بنگال والنٹیئر کے رہنماؤں نے رائٹرس بلڈنگ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس کام کے لیڈر بنوئے بوس مقرر ہوئے۔

۸ر دسمبر ۱۹۳۰ء رائٹرس بلڈنگ پر حملے کا دن ٹھیک ہوا۔ دینیش گپتا اور سدھیر گپتا (بادل) بنوئے کے مددگار ساتھی کی حیثیت سے ان کے ہمراہ جانے پر راضی ہوئے۔ بنوئے بوس، دینیش گپتا اور سدھیر گپتا (بادل) انگریزوں کا بھیس بدل کر رائٹرس بلڈنگ میں داخل ہوئے اور جیل کے انچارج سمن کے کمرے میں داخل ہو کر تینوں نے اپنے پستول سے سمن پر گولیاں چلائیں۔ سمن چھ گولیوں کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ انقلابیوں کے اس حملہ کی خبر لال بازار پولس اسٹیشن پہنچ چکی تھی۔ کلکتہ پولس کے انسپکٹر جنرل چارلس گورکھا سپاہیوں کے ساتھ رائٹرس بلڈنگ پہنچے۔ انقلابیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ سائنائیٹ لے گئے تھے۔ تینوں نے ایک ساتھ زہر کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔ بادل گپتا کی وہیں موت واقع ہو گئی۔ بنوئے بوس زندہ تھے۔ انہوں نے کانپتی آواز میں گورکھا پولس سے کہا:

I am Benoy Bose, Majore Benoy of the Bengal Volunteer, don't disturb me. Let me die in peace.

دینیش گپتا کو ہسپتال لے جایا گیا۔ صحت یاب ہو جانے کے بعد ان پر مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔ کلکتہ کے ڈلہوزی اسکوائر کا نام انہی تینوں بہادر نوجوانوں کے نام پر بی بی ڈی باغ رکھا گیا۔

باگھا جاتن اور دوسرے انقلابی سرفروشوں کے خواب کو تعبیر سے ہم آغوش کرنے کے لئے چاٹگام کے سوریہ سین نے قدم بڑھایا۔ سوریہ سین جنہیں پورا ہندوستان ماسٹر دا کے نام سے جانتا ہے۔ ماسٹر دا نے انقلاب کی چھپی چنگاری کو ہوا دی۔ گنیش گھوش، اننت لال سنگھ، امبیکا چترویدی، لوک ناتھ، نرمل سین اور پریتی لتا کو ساتھ لے کر ماسٹر دا نے انقلاب کی آگ ہر طرف پھیلا دی۔ ۱۸ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو رات کے وقت لوک ناتھ بل کے ہمراہ انقلابیوں نے چاٹگام شہر سے پانچ میل دور پہاڑتلی کے اسلحہ خانہ پر حملہ کر دیا۔ انقلابی اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے لیکن ۲۲ر اپریل کو جب انگریز سپاہی چاٹگام پہنچ گئے تو بہت سارے انقلابیوں کو زخمی اور شہید کر دیا۔ ۲۴ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو پریتی لتا نے پہاڑتلی یوروپین کلب پر حملہ کیا لیکن وہ گرفتار کر لی گئیں۔ انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

۹ر اگست ۱۹۴۲ء کو "بھارت چھوڑو" کا نعرہ بلند ہوا۔ ستر سال کی بیوہ ماتنگنی ہاجرہ نے انقلابیوں کی رہنمائی کی اور ان کو سینے پر گولی لگی اور وہ شہید ہو گئیں۔ اس اگست کے انقلاب میں بہت سارے آدمی شہید ہوئے۔ ملٹری اور پولس کے ہاتھوں تملوک میں اکتالیس، کانتھی میں اڑتالیس، کلکتہ، بالورگھاٹ، سلی گوڑی اور بیربھوم میں تقریباً ۲۸ آدمی شہید ہوئے۔

بنگال کے انقلابیوں نے کبھی بھی انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کی صلح نہیں کی۔ سبھاش چندر بوس کو دوسری جنگ عظیم کے دوران گرفتار کیا گیا تھا لیکن وہ بھیس بدل کر کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۳ء کو برلن میں "آزاد ہند فوج" تیار کی۔ اس فوج میں انہوں نے جرمنی اور جاپان کے ہاتھوں گرفتار ہندوستانی سپاہیوں کو آزادی دلا کر جدید فوجی تعلیم دی۔

۲ر جولائی ۱۹۴۳ء کو سبھاش چندر بوس سنگاپور آئے۔ اسی زمانے میں راش بہاری بوس اور کیپٹن موہن سنگھ ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے "آزاد ہند فوج" کی تیاری میں مصروف تھے۔ سبھاش چندر بوس جنہیں لوگ عقیدت اور پیار سے نیتا جی کہنے لگے تھے وہ ان لوگوں کے ساتھ مل گئے اور ہر طرح سے آزاد ہند فوج کی تشکیل میں راش بہاری کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے آزاد ہند فوج کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ آزاد ہند فوج میں ساٹھ ہزار جوان تھے۔

۷ر جنوری سنہ ۱۹۴۴ء کو آزاد ہند فوج کا صدر دفتر رنگون میں قائم کیا گیا۔ نیتا جی کی ان فوجوں کے سپہ سالار اعظم شاہ نواز خان تھے۔ شاہ نواز خان کی ماتحتی میں آزاد ہند فوج نے منی پور کی راجدھانی امپھال پر حملہ کیا۔ ۱۸ر مارچ کو منی پور میں آزاد ہندستان کا جھنڈا لہرا کر یہ فوج کوہیما کی جانب بڑھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ آزاد ہند فوج کی ہوائی طاقت کمزور تھی۔ سبھاش بوس کمزور ہوتے ہوئے بنکاک آ گئے۔ اس وقت وہاں دو ہزار سپاہی موجود تھے۔ ۲۳ر اگست ۱۹۴۵ء کو جاپانیوں نے جو

(باقی صفحہ ۲۴۴ پر)

آدی باسی عوام کی جدوجہد اور جنگِ آزادی

از: دھیریندر ناتھ باسکے

ہندوستان کی جنگِ آزادی کی تاریخ میں آدی باسیوں کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ برٹش راج اور اس کے مظالم کے شکنجے سے آزادی حاصل کرنے کے لئے مختلف مقامات و مختلف ادوار میں ہندوستان کے دیگر باشندوں کے دوش بدوش آدی باسیوں نے بھی تحریکیں چلائیں اور علمِ بغاوت بلند کیا۔ حکمراں طبقہ ہزار کوششوں کے باوجود بغاوت کی آگ کو بجھا نہ سکا۔ آدی باسی عوام نے ہزاروں کی تعداد میں علمِ بغاوت اٹھاتے اس آگ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ موت کی پرواہ کئے بغیر بار بار انگریزی حکومت کے جدید ہتھیاروں سے لیس سپاہیوں پر حملہ آور ہوئے۔ اسی دوران انہوں نے سامراجیت کے دلالوں ــــ زمین داروں اور مہاجنوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کے لئے مسلسل جدوجہد کی۔ انہیں لوگوں نے ہندوستان کے کسانوں کو بیدار کیا اور ان کے اندر لڑائی کا جذبہ پیدا کیا۔ نتیجتاً جدوجہدِ آزادی کا دائرہ عمل وسیع تر ہوتا گیا اور یہ مزید طاقتور اور منظم ہو گئی۔ موجودہ سماجی اور معاشی نظام کے پس منظر میں آدی باسیوں کے جدلیاتی کردار کے مطالعہ اور اس کے جائزے کی سخت ضرورت ہے۔ انہیں لوگوں کی جلائی ہوئی آگ کی کسوٹی میں آزادی کے جوہر کو جانچا گیا۔

بہت سارے معاملات میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنتھال، منڈا، بھومج، ہو، پہاڑیا، ناگا وغیرہ جیسے آدی باسیوں کی تحریک اور بغاوت دراصل معاشی اور سماجی آزادی کی جدوجہد تھی۔ زندگی اور زندگی کی بقا کے لئے ان کی مخصوص بیداری تھی۔ ان سب تحریکوں کا اصل مقصد ظالم بدیسیوں کے چنگل سے ملک کو یعنی قوم کو آزادی دلا کر طبقاتی نظام اور ظلم و استبداد سے پاک سماج کی تشکیل کرنا تھا۔ دلیل کے طور پر سنتھالی بغاوت کا ردِ عمل ہم سرکاری رپورٹ میں دیکھتے ہیں:

"سنتھالی عوام کی تحریک کے پیچھے زمین پر حقوقِ ملکیت حاصل کرنے کی خواہش اور اس کے ساتھ سنتھالیوں کے لئے آزادی کا جذبہ کارفرما تھا اور اس جذبہ کے نتیجے میں ان لوگوں نے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ ــــ "ہمیں اپنے سردار کی قیادت میں سنتھالی حکومت چاہئے"۔

(بنگال ڈسٹرکٹ گیزیٹیر ان فور سنتھال پرگناس)

منڈا بغاوت کے پس منظر میں ایک جیسی تصویر ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں بھی سرکاری رپورٹ میں درج ہے ــــ "چھوٹے ناگپور میں آدی باسی لوگ قطعاتِ آراضی کے جن حقوقِ ملکیت سے مستفید ہو رہے تھے ان سے محرومی کے بعد ان کے اندر بے چینی کا جذبہ جاگ اٹھا ہے"۔

(ایڈمنسٹریٹیو رپورٹ، بہار ۱۸۹۹ - ۱۹۰۰ء)

غلام ہندوستان میں آدی باسیوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ وہ زندگی اور زندگی کی بقا کی جنگ میں جو استحصال، مصائب، تغافل اور ناانصافی کے شکار رہیں ان سب کی ذمہ دار انگریز حکومت کا ظالمانہ اور جاگیردارانہ نظام ہے۔ اس غیر انسانی ظالمانہ سلوک کے درد سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے متعدد بار تیر کمان، تلوار، کلہاڑا اور نیزے کی نوک پر علمِ بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے ایک طرف جابر ہندو مسلم زمین داروں کے گھر بار، کھیت کھلیان جلا کر خود پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لیا تو دوسری طرف حکمراں طبقہ (یعنی انگریزوں) کو جنگلاتی قطعاتِ آراضی (جنگل محل) سے مار بھگانے میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آدی باسیوں کی اکثر بغاوتوں کا باعث انگریزوں کی ظالمانہ آراضیاتی پالیسی تھا۔

پہلے گرام سماج کو قطعاتِ آراضی کے حقوقِ ملکیت حاصل تھے۔ انگریزوں نے اپنے آنے کے بعد Permanent Settlement (دوامی بندوبست) کے تحت انفرادی مالکانہ نظام چالو کیا۔ اس کے بعد زمین داری نظام کو رائج کیا۔ زمین داروں کو انفرادی مالکانہ قطعات آراضی کے محصول کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ محصول کی ادائیگی میں ظلم کا بازار گرم ہوا۔ اسی دوران فصل کے ایک حصے کے ذریعہ محصول کے نظام کو توڑ کر سکّوں کے ذریعہ محصول کے نظام کو رائج کیا گیا جس کے نتیجے میں دیہی علاقوں میں مہاجنی نظام قائم ہو گیا۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آدی باسیوں نے بغاوت کے جو شعلے سلگائے تھے ظالم جاگیردارانہ نظام نے اس کے لئے ایندھن کا کام انجام دیا۔

(Permanent Settlement) (دوامی بندوبست) کے بعد سے بہت سے علاقوں میں زرعی زمینوں کو حاصل کرنے کی جدوجہد شروع ہو گئی۔ بانکوڑا، بیربھوم، مدناپور، مالدہ، بھاگلپور وغیرہ اضلاع میں ہزاروں آدی باسی بیگار کسانوں کی جدوجہد کے نتیجے میں یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ برٹش راج کے قبل آدی باسیوں کا طریقِ زندگی ایک سادہ مل جل کر رہنے کا تھا جو پورے ہندوستانی سماج سے مختلف تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا ملک میں رفتہ رفتہ تسلط کے ساتھ ساتھ اس کا اثر سینکڑوں برس سے جداگانہ طور پر زندگی گزارنے والے آدی باسی کی زندگی پر بھی پڑا۔ انگریزوں کے قائم کردہ معاشی نظام اور اس کے ساتھ ساتھ زمین داری اور مہاجنی لوٹ کھسوٹ کا نتیجے میں آدی باسی کا طرزِ معاشرت اور لین دین کا سماجی نظام تباہی کے دہانے پر آ پہونچا۔ سینکڑوں برسوں کے بنیادی سماجی نظام اور اپنی جداگانہ سماجی زندگی کے دھارے سے نکل آنے کے بعد وہ لوگ آزادی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ زمین کے حقوقِ ملکیت، جنگلوں کے حقوقِ ملکیت، فصلوں کے حقوقِ ملکیت کو پھر سے واپس پانے کے خواب جیسے وہ اچانک نیند سے بیدار ہو کر دیکھنے لگے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آدی باسیوں کی بغاوت کے پیچھے ان کے کچھ بنیادی مطالبات تھے۔

فطری طور پر ہمیں یہ جاننے کی خواہش ہوتی ہے کہ انگریز حکومت اور اس کی لوٹ کھسوٹ کے ردِعمل میں آدی باسیوں کی دلی حالت کیا ہوئی ہوگی؟ گھریلو اور سماجی زندگی پر اس کا کیا اثر پڑا؟ ایسے سوال کے جواب کے لئے بغاوتوں سے متعلق جن لوک گیتوں کی تخلیق ہوئی تھی سب سے پہلے ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ غیر ملکی حکومت کے اس طرزِ حکومت اور لوٹ کھسوٹ اور آدی باسیوں کے دکھ درد کی باتیں جس طرح ان گیتوں میں نمایاں ہوتی ہیں اسی طرح آزاد طبع لوگوں کی دلی خواہشات کی ترجمانی بھی ان گیتوں میں ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بنگال کے گیتی۔ادب میں قومیت کا جذبہ اس وقت تک نہیں ابھرا تھا۔ آزادی کی جدوجہد، عوامی جدوجہد، عوامی بیداری وغیرہ کا دائرہ عمل اس قدر وسیع نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا غیر ملکی حکومت کے خلاف گیت بھی لکھے نہیں گئے تھے۔ عملاً اس وقت حکومت کی مذمت کرنا ہی تعلیم یافتہ شہریوں کا شیوہ تھا۔ انگریز مالکان کو ناخوش کرنا یا ان کی مرضی کیخلاف کوئی کام کرنا تو دور کی بات اس دور کے سرکاری ملازمین اور حکومت کے طرفدار زمین دار و مہاجن طبقہ کیلئے ایسا سوچنا تک محال تھا۔ ترقی پسند آدی باسی عوام نے ہی درحقیقت اس دور میں اپنی ہمت کے بل بوتے پر اپنے سماجی دکھ درد اور کمپنی حکومت کے مظالم کے خلاف اپنے جذبات کو ان گیتوں میں پیش کیا۔ جس طرح ہم سنتھالیوں کے باغیانہ گیتوں میں پاتے ہیں

آدی باسیوں کے انقلابی رہنما برشا منڈا اور ان کے ساتھی برٹش سپاہیوں کے زیرِ حراست۔

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ گرچہ صدیوں سے آدی باسی سماج پر ظلم ہوتے رہے تاہم کمپنی حکومت سے قبل ان لوگوں نے اس طرح کے ظلم کے خلاف بغاوت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پہلے کی نا انصافیوں اور مظالم کی جو اذیتیں انہیں برداشت کرنی پڑیں وہ ان کی مختلف لوک کہانیوں اور دیگر حکایات میں عیاں ہیں۔ ان حکایات اور لوک کہانیوں

میں بھی طبقاتی لوٹ کھسوٹ اور مظالم کے خلاف شدید بے اطمینانی اور
نفرت کے جذبات کارفرما نظر آتے ہیں جیسے بھیڑیا بھالو کی محنت کا پھل
کس طرح چالاک لومڑی اپنی مکارانہ چال سے ہضم کر جاتی ہے۔ شیر ببر
اور خرگوش کی کہانیوں میں زمین دار از مظالم کو شیر ببر کے مظالم کے روپ
میں پیش کیا گیا ہے ظالم شیر ببر جنگل کے دوسرے جانوروں پر اپنے
ظلم کو روا رکھتا ہے نتیجۃً جنگل کے دیگر چھوٹے جانور ببر کی خوراک
کے لئے بطور ٹیکس خود میں سے کسی نہ کسی کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ
طاقت ور حکمرانوں کے بدن میں ہاتھ لگانے تک کی ان میں ہمت نہیں تھی
لہٰذا اس طرح کی کہانیوں میں ان کی موت کے اعلان سے انہیں تشفی ملتی
رہی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بدیسی حکمرانوں کے ہاتھوں اور ان کے
انتظامیہ کے تحت وہ اپنی اپنی زمین اور کھیتی باڑی سے ہاتھ دھو چکے ہیں
حتیٰ کہ اپنی بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ رکھنے کے قابل نہیں رہ پائے ہیں تو
ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔
ایک بار نہیں بار بار، انفرادی طور پر نہیں بلکہ متحد ہو کر۔ دیکھا گیا ہے کہ
ہر بغاوت میں آدی باسیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ سنتھالیوں کی
بغاوت کو دبا دینے کے لئے سیوڑی کے میدان میں ہزاروں سنتھالیوں کو
دن دہاڑے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اس طرح اتنے سارے لوگوں کو ایک
ساتھ پھانسی دینے کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس واقعہ سے ان کے
دل و دماغ پر کافی اثر پڑا۔ انقلابی لیڈران سیدھو، کانہو، برسا منڈا
وغیرہ کے نام تک لینے کی کوئی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ آنے والی نسلوں
میں بچوں کے نام رکھنے کے وقت ان ناموں کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا حالانکہ
آدی باسی سماج میں آج بھی بزرگوں کے نام پر نام رکھے جانے کا رواج
قائم ہے۔ چونکہ زمین دار، مہاجن اور صاحب لوگ اس طرح کے نام پسند
نہیں کرتے تھے اس لئے اس طرح کے نام رکھنے کا رواج کم ہو گیا۔ بہرکیف
سنتھالی بغاوت کے وقت سنتھالیوں نے سب سے پہلے اپنے علاقے
میں ہر طبقہ کے محنتی لوگوں کی یکجہتی قائم کی اور برٹش سامراجیت کو ہٹا کر
استحصال سے پاک سماج کی تشکیل کا خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔
غریب کسان، کھیت مزدور، بے زمین کسان اور دیگر محنت کش عوام
ان کی بنیادی طاقت تھے۔ طاقت ور برٹش راج کے مقابلہ میں ان
کی طاقت بہت ہی معمولی تھی پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ سنتھالیوں کی

جدوجہد نے ہندوستان کے استحصال کے شکار عوام کو بغاوت کا پیغام دیا۔
ہم بے جھجک یہ کہہ سکتے ہیں کہ استحصال کے شکار عوام کے لئے یہی سب
سے پہلی عوامی بیداری کی تحریک تھی۔ انیسویں صدی میں آدی باسیوں کی
بغاوت کو برٹش راج کے خلاف جنگ آزادی کا پہلا قدم کہا جا سکتا
ہے۔ اگرچہ یہ بغاوت کامیاب نہیں ہو سکی تاہم یہ آگے چل کر جنگ آزادی
کے لئے مشعل راہ بنی ٭٭٭

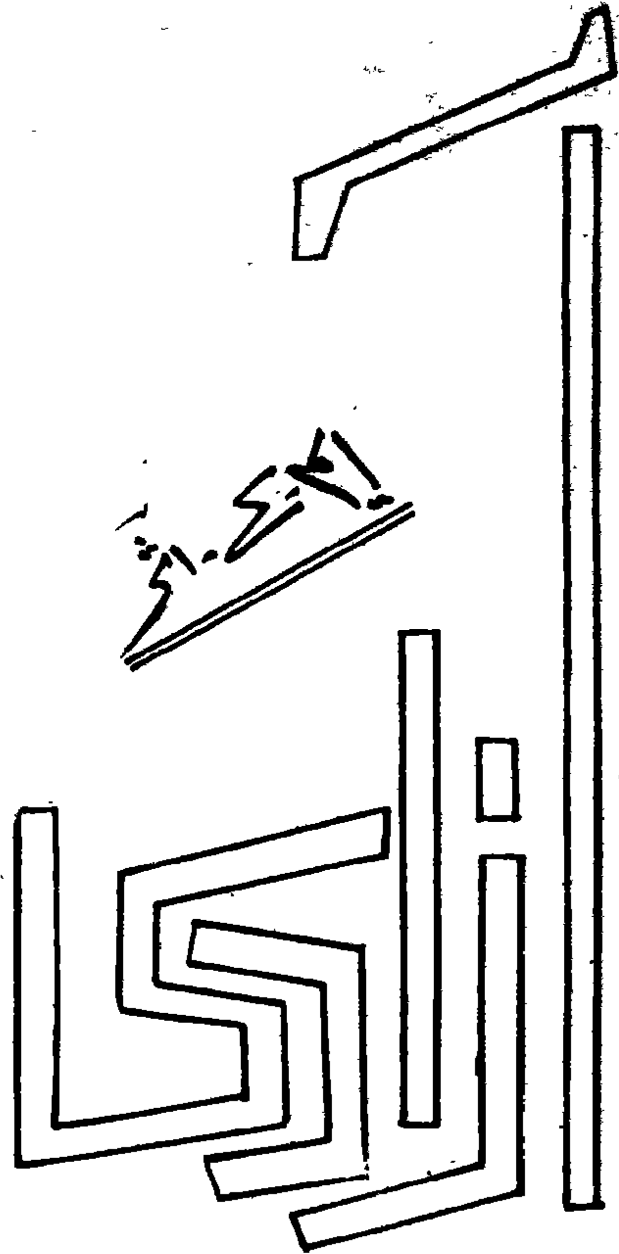
برٹش پولس کے ظلم کا شکار ایک مجاہدِ آزادی۔

بقیہ: اردو شاعری میں تصور آزادی

ہمیشہ حافظ و ناصر رہے پروردگار اس کا
بہادر پہلوان ہوگا
مرا ننھا جوان ہوگا
وطن کے نام پر اک روز یہ تلوار اٹھائے گا
وطن کے دشمنوں کو تیغ تربت میں سلائے گا
اور اپنے ملک کو غیروں کے پنجے سے چھڑائے گا
غرورِ خاندان ہوگا
مرا ننھا جوان ہوگا

٭٭٭

بلا خوف و تردد کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک
جدوجہد آزادی کے لئے اردو شاعری نے جو رول ادا کیا ہے اس کی مثال
ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں مشکل ہی سے مل سکے گی ٭٭٭



ایک مدت کے بعد در پہ مرے
اپنی پہچان بتلانے کے لئے
جسم پر دھول
تھکی پاؤں میں لے کر
گُم صُم
زرد آنکھوں سے تک رہی ہے مجھے
لیکن خود لاش اٹھائے میں بھی

بے اماں اپنے ہی در پر اکثر
اپنی پہچان ڈھونڈتا ہوں مگر
بے ہنر ہاتھ، تشنہ لب، گریزاں پاؤں
بے اماں تیز ہواؤں کی نوائیں سن کر
جلتی ساعت میں پلٹ آنے کو

ذہن جب
اپنا ہی ہوتا ہے یہاں آمادہ
جشنِ آزادی کا اٹھتا ہے سوال
شہر در شہر یتیموں کی قطار
چیخ بن کر ہے تعاقب میں ہنوز
مختلف میرے بھی احساس نہیں
اپنے کندھوں کے شکنجے میں لٹکتے بازو
جھونک آیا تھا
چھوڑ آیا تھا
آج پھر کیوں وہی منحوس گھڑی
شکل تبدیل کئے

در پہ مرے
ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے لیکن
کہہ دو اس سے کہ پلٹ جائے اثر
ہم نے کرلی ہے نئی اپنی شناخت



جنگِ آزادی کے دوران اُردو کے معتوب ادباء و شعراء

اقبال جاوید

برطانوی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی دین ہے، انگریز سوداگروں نے مکر، فریب اور سیاسی چالوں سے ہندوستانی حکمرانوں کے راز معلوم کرکے اور ان سے بے جا مراعات حاصل کرکے رفتہ رفتہ سلطنتِ مغلیہ کو بے عمل کیا۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی، جس میں شاطر وقت جنرل لارڈ کلائیو نے سازش کرکے نواب سراج الدولہ کے سپہ سالار میر جعفر کو توڑ لیا اور میر جعفر کی غداری کی وجہ سے "جنگِ پلاسی" جیت لی۔ نواب سراج الدولہ میدان جنگ سے فرار ہوئے اور پھر کسی گاؤں میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ نواب سراج الدولہ میدان جنگ سے فرار ہوئے اور پھر کسی گاؤں میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ نواب سراج الدولہ کی شکست "ہندوستان کی سیاسی تاریخ" کا ایک المیہ ہے۔ ہندوستانی قوم نازک موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ سارے بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سلطنت وسیع ہو گئی اور شمالی ہند کا بڑا حصہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آ گیا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی قوم کے اندر بغاوت، شعلگی کا روپ اختیار کر گئی۔ "بغاوت" (بقول انگریز مصنفین) میرٹھ اور بارکھپور کی چھاؤنیوں میں شروع ہو گئی۔ ہندوستانی سپاہیوں کی یہ بغاوت دراصل پہلی جنگِ آزادی تھی جو ملک بھر میں انگریزوں کے تسلط کو کاندھے سے پھینکنے کی پہلی کوشش تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے سپہ سالار تاجدارِ مغلیہ بہادر شاہ ظفر مقرر ہوئے۔ پہلی جنگِ آزادی ہندوستانی قوم ہار گئی۔ برطانوی حکومت مضبوط و مستحکم بنیاد پر قائم ہو گئی۔ غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کی پہلی جدوجہد ۱۸۵۷ء میں شروع ہوئی تھی، جس کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ جب ۱۵ اگست کو ہندوستان نے آزادی کی جنگ جیت لی۔

اس ڈیڑھ سو سال میں اردو شعراء و ادباء نے ہندوستانی قوم کے سوئے جذبات کو انقلابی نغموں اور شعلہ بیان تحریروں سے جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی جدوجہد مسلسل کیں۔ یہ ادباء و شعراء معتوب ہوئے۔ اقبالؔ کی نظمیں آزادی کا جذبہ بڑے حسین اور علامتی پیرائے میں ابھارتی رہیں۔ مگر انگریز حکمرانوں کو اقبالؔ کو سزا دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اقبالؔ سے پہلے اور بعد جن شعراء نے بدیسی سلطنت اور حکومت کے خلاف باغیانہ نظمیں کہیں، بغاوت پر قوم کو اکسایا۔ وہ سب معتوب ہوئے۔ ایسے معتوب شعراء و ادباء کا ذکر یہاں اختصار سے کیا جا رہا ہے۔

بہادر شاہ ظفرؔ دہلوی: دہلی میں بہادر شاہ ظفرؔ کی پیدائش ۱۷۷۵ء میں ہوئی۔ ان کے والد محترم کا نام اکبر شاہ ثانی تھا جو بادشاہ شاہ عالم کی دوسری اولاد تھے۔

بہادر شاہ ظفرؔ نے قرآن مجید قاری حافظ محمد خلیل صاحب سے پڑھا۔ عربی و فارسی درسیات کی بھی تعلیم حاصل کی۔ نشانہ بازی اور تفنگ اندازی پر قدرت حاصل کیا۔ بہادر شاہ ظفرؔ شہسواری اور تیغ زنی میں اپنی مثال آپ تھے۔

بہادر شاہ ظفر دلی تاج و تخت کے وارث تھے۔ انھوں نے شاعری بھی کی۔ ان کا شمار اردو کے ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے۔ ولی عہدی کے زمانے میں بہادر شاہ ظفر نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی، شاہ نصیر کے دکن جانے کے بعد انہوں نے اصلاح ابراہیم ذوق سے لی اور کبھی کبھی مرزا غالب کو بھی اپنے کلام دکھاتے رہے۔ بہادر شاہ ظفر کی شاعری میں نازک خیالی اور درد انگیزی نمایاں ہے۔ ان کے بیشتر اشعار لوگوں کو اپیل کرتے ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا سینہ غم سے فگار ہے
یہ ستم کسی نے کبھی سنا، دی ہے پھانسی لاکھوں کو بے گناہ
ولے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے
ولے شہر دلی یہ تھا چمن سب طرح کا یاں تھا امن
وہ خطاب اس کا جو مٹ گیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تلیں بھلا خارِ غم کو وہ کیا سہیں
گلے میں طوق، پاؤں میں بیڑیاں، کہاں گل کے بدلے یہ ہار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیسی ان پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے روز ہمایوں کے مقبرے میں ہڈسن کی قیادت میں فوج داخل ہوئی اور وہاں بہادر شاہ ظفر کے ہمراہ مرزا جواں بخت، بیگم نواب زینت محل، بیگم تاج محل اور حکیم احسن اللہ خاں، مرزا قیصر شکوہ اور دیگر اشخاص کو شاہی خاندان کے سات سرافراد کو گرفتار کیا اور ان کے دو بیٹے مرزا مغل اور ابوبکر کو دہلی کے جیل خانہ کے قریب فیروز شاہ کوٹلہ ہڈسن نے اپنے ہاتھ سے تین تین گولیاں ان کے سینے پر ماریں اور شہ رگ کو سنگین سے چھید کر ہلاک کر دیا۔

بہادر شاہ ظفر کو زینت محل، جواں بخت اور زوجہ جواں بخت اور ایک چھوٹی سی بچی کے ہمراہ سخت پہرے میں رنگون بھیج دیا گیا۔ رنگون کے سفر کے دوران بہادر شاہ ظفر کو راستے میں کافی دشواریوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تکلیف میں کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ان سے بات کر سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی سے بات چیت کر سکتے تھے۔ عام خیال ہے کہ بہادر شاہ ظفر نے دوران سفر یہ شعر

نوحہ کہا تھا ؎

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

بہادر شاہ ظفر کو قیدِ فرنگ اور قیدِ حیات سے نواسی سال کی عمر میں جمعہ کے روز ۷ نومبر ۱۸۶۲ء میں نجات ملی۔ بہادر شاہ ظفر رنگون ہی میں قید خانے کے احاطے میں پیوندِ خاک ہو گئے۔

مرزا آغا جان آغا دہلوی: ان کے خاندان کا تعلق عیسائی مذہب سے تھا لیکن انہوں نے اپنے استاد محمد امیر پنجہ کش کے کہنے پر اسلام قبول کیا تھا اور اپنا نام مرزا آغا جان رکھا اور آغا تخلص کرتے تھے۔ انہیں شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ ان کا شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

کوئی دارا کوئی جم کوئی اسکندر ہو
داغ میرا اپنا جہیں نام خدا [illegible]

میرزا آغا جان دہلوی نے [illegible] ملازمت کی۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران میرزا آغا جان [illegible] محترم میر پنجہ کش کو انگریز گوروں نے گولی مار کر شہید کر دیا۔

مرزا احمد بیگ احمد دہلوی: مرزا احمد بیگ دہلوی کے والد کا نام مرزا عاشور بیگ تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ انہیں شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ احمد تخلص کرتے تھے۔ مرزا احمد بیگ دہلوی کا [illegible]

[illegible]

مرزا انعام محی الدین اشتیاق: [illegible]

[illegible]

مفتی محمد صدر الدین صاحب آزردہ سے استفادہ کیا۔

غدر میں شہزادہ ... کے ساتھ مرزا علی الدین اشکی انگریزوں کے ہاتھوں چالیس سال کی عمر میں ١٢٧٤ھ میں شہید ہوئے۔ ان کا شعر نمونے کے طور پر درج ہے ؎

جب سے میں گھر سے دیکھ کر تصویر بت اشکی
معدوم ہوا آپ کا خرقہ تقدس ریا کا

شاہزادہ مرزا رحیم الدین : شاہزادہ مرزا رحیم الدین نام اور تخلص ایجاد تھا۔ آپ کے والد محترم مرزا حسین بخش تھے۔ صاحب علم مرزا قادر بخش صابر کے تلمیذ رشید تھے۔ شاہزادہ مرزا رحیم الدین ایجاد نے اپنی اکثر غزلوں پر اصلاح مولینا امام بخش صہبائی سے لی۔ انہیں ۳۷ سال کی عمر میں غدر کے دوران انگریزوں نے پھانسی کی سزا دے دی۔ ان کا شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

شب جا کے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
سب تھے تری محفل میں پر ایجاد نہیں تھا

عبد الحکیم دہلوی بسمل : بسمل کا اصل نام عبد الحکیم تھا اور وہ حکیم پیر بخش کے صاحبزادے تھے۔ بسمل کا شمار اپنے عہد کے نامور حکیم اور ماہرین طب میں ہوتا ہے۔ انہیں شعر و شاعری سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ انہوں نے اس فن سخن میں حضرت امام بخش صہبائی کی شاگردی اختیار کی۔

عبد الحکیم دہلوی بسمل کو انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے زمانے میں ان کے چچا زاد بھائیوں اور چچا کے ہمراہ قتل کر دیا تھا۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

لوٹئے بلبل و بوئے چمن تو آ جاتی
قفس کے گرد سے نزدیک گلستاں ہوتا

مرزا خضر سلطان خضر دہلوی : مرزا خضر سلطان نام اور خضر تخلص تھا۔ آخری تاجدار ہند بہادر شاہ ظفر کے چھوٹے بیٹے تھے۔ مرزا خضر سلطان دہلوی کو بھی اپنے والد محترم کی طرح شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا۔ ان کا شمار ان کے عہد کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے بعض اشعار بہت موثر اور دردناک ہیں۔

مرزا خضر سلطان دہلوی کو انگریزوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں ہمایوں کے مقبرے پر ان کے بھائیوں کے ساتھ منشی رجب علی اور مرزا الٰہی بخش کے مخبری دینے پر گرفتار کیا تھا اور شہر سے ایک میل کی دوری پر ڈسن نے انہیں اپنے تمام بھائیوں کے ہمراہ شہید کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

جام جمشید کو آئینہ سکندر کو ملا
خضر میں وہ ہوں کہ حصے میں مرا دل آیا

حافظ داؤد دہلوی : داؤد خاں اصل نام تھا اور داؤد تخلص کرتے تھے۔ آپ مشہور قاری حافظ محمد خلیل کے صاحبزادے تھے۔ آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے حافظ داؤد دہلوی ہی کے والد ماجد سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ ندیم الدولہ، خلیفۃ الملک حافظ داؤد خاں داؤد مستقیم جنگ کو "حافظ داؤد" کے نام سے کافی شہرت ملی۔

حافظ داؤد دہلوی شروع ہی سے بہادر شاہ ظفر کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان پر بہادر شاہ ظفر کے دوسرے متعلقین کی طرح انگریزی کا عتاب نازل ہوا اور ان کا انتقال بھی قلعہ ہی میں ١٢٨٨ھ میں ہوا۔

شعر و شاعری کے لئے حافظ داؤد کی طبیعت موزوں تھی مگر انہیں شعر کہنے کا کم شوق تھا۔ انہوں نے صرف دو چار غزلیں ہی کہی ہیں۔ ان کا شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

مر چکا داؤد کب کا اس کے غم میں ہم نشیں
دم چرانے کا ابھی تک اس صنم کو دھیان ہے

مولوی فیض احمد رسوا بدایونی : حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک مولوی فیض احمد رسوا بدایونی کا سلسلۂ نسب جا پہنچا ہے۔ ان کے والد کا نام حافظ غلام احمد تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال ہندوستان عراق سے آئے تھے اور بدایوں میں سکونت اختیار کی تھی۔

مولوی فیض احمد رسوا نواب مرشد آباد کے طبیب تھے۔ حافظ غلام احمد کا انتقال اس وقت ہوا جب مولوی فیض احمد رسوا بدایونی کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ ان کے ماموں مولانا فضل رسول نے انہیں تمام علوم منقول و معقول کی تعلیم دلائی۔

نیاز احمد خاں اور ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ مولوی فیض احمد رسوا نے بھی بغاوت کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جنگ آزادی میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان کے دوسرے ساتھیوں کی طرح انگریزوں نے انہیں بھی ١٢٧٤ء میں بے دردی سے قتل کر دیا۔

مولانا فضل احمد ... تھے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

کچھ ہیں جس نے چھوڑ دی خودی وہ خدا ہوا
ور گزرنے ہم خدائی سے بندو کرے کوئی

نواب ظفریار خاں راسخ : ان کا پورا نام نواب ظفریار خاں راسخ تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام فتح یاب خاں تھا۔ راسخ کہنہ مشق شاعر تھے۔ انہیں شاعری کا بے حد شوق تھا۔ خواجہ آتش اور ناسخ کے ہم عصر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں آزادی کی بھرپور سے ہندوستان میں دوڑ ہوئی تھی مگر بریلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اسی دوران راسخ بریلی میں مقیم تھے۔ نواب ظفریار خاں راسخ نے بغاوت میں سرگرم حصہ لیا تھا اس لئے ان کا شمار بھی انگریزوں کے نزدیک باغیوں میں ہوتا تھا۔ خان بہادر (جو راسخ کے رشتہ دار تھے) کی شکست کے بعد نواب ظفریار خاں راسخ کو پھانسی دے دی اور شہید ہوئے۔ ان کا شعر نمونے کے طور پر درج ہے ؎

اس آب حیات سے جدا ہوں
مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

مرزا پیارے رفعت دہلوی : ان کا اصل نام شاہزادہ مرزا پیارے اور رفعت تخلص تھا۔ رفعت گورگانوی کا جنم ۱۲۴۱ھ میں ہوا۔ غدر میں حصہ لینے کے الزام میں رفعت کو دار پر کھینچا دیا۔

مرزا رفعت دہلوی بڑے نامور اور خوش فکر شاعر تھے۔ ان کے اشعار نہایت شیریں اور عمدہ ہوتے تھے۔ اپنے استاد کی طرح رفعت بھی نڈر اور جاں باز شاعر تھے۔ ان کے مزاج میں وہی تیکھا پن اور بانکپن تھا۔ نمونے کے طور پر ایک شعر درج ہے ؎

اب انہیں ظلم کرنے کی عادت نہیں رہی
جب ہم میں سانس لینے کی طاقت نہیں رہی

منشی اکرام الدین رند دہلوی : منشی اکرام الدین ان کا اصل نام اور رند تخلص تھا۔ انہیں شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ مولوی عبد الکریم سوز سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ رند بڑے خلاق ذہین شاعر تھے۔ علم طب پر قدرت حاصل تھی۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں مولانا امام بخش صہبائی کے ساتھ جو خونی جوالی میں انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

میرے نام سے ہے ظاہر مرا حال مے کشی کا
مجھے رند کون کہتا جو نہ بادہ خوار ہوتا !

نواب غضنفر حسین خاں سعید فرخ آبادی : نواب غضنفر حسین خاں نام اور سعید تخلص تھا فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ اردو فارسی کے علاوہ انہیں سنسکرت پر بھی کمال حاصل تھا۔ شعر و سخن سے انہیں کافی دلچسپی اور لگاؤ تھا۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کے خاندان کے تمام افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور انگریزوں کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ اس وجہ کر نواب غضنفر حسین خاں سعید پر گوروں نے مقدمہ دائر کیا تھا اور انہیں ۱۳ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو فرخ آباد کے گھومنی کے پیپل کے درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی گئی۔ نواب سعید کا یہ شعر نمونتاً نقل ہے ؎

سعید اپنی مرضی بھلا کب چلی
وہ سنتا نہیں میری، مغرور ہے

مرزا عزیز الدین سرور گورگانوی : اصل نام مرزا عزیز الدین تھا اور تخلص سرور۔ گورگاؤں کے رہنے والے تھے۔ مرزا معظم بخت عرف شاہ عالم ان کے والد تھے۔ مرزا عزیز الدین کی شادی بہادر شاہ ظفر کی عزیز اور لائق بیٹی آغا بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ شعر و شاعری سے بھی انہیں شوق تھا۔ حضرت ذوق کی شاگردی اختیار کی تھی۔ گوروں کے عتاب ان پر نازل ہوا۔ انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

یہ بھی سرور ترک کیا چاہتے ہیں ہم
الفت جو ہم سے ان سے ہے یہ گاہ گاہ کی

مرزا غیاث الدین شرر دہلوی : اصل نام مرزا غیاث الدین اور تخلص شرر تھا۔ آپ کا جنم ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں ہوا۔ بادشاہ شاہ عالم آپ کے دادا تھے۔ مرزا قمر الدین شیدا آپ کے والد بزرگوار ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ مرزا غیاث الدین شرر کو جنگ آزادی کے دوران انگریزوں نے ۴۵ برس کی عمر میں پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ نمونۂ شعر ہے ؎

روز کے ظلم و ستم اٹھ نہ سکے اے ظالم
تنگ آخر ترے ہاتھوں سے شرر آ ہی گیا

مرزا قمر الدین شیدا دہلوی : مرزا قمر الدین نام تھا، شیدا تخلص

کرتے تھے۔ انہیں بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا اور ساقی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق سے اصلاح لی۔ انگریزوں نے انہیں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے بچپن برس کی عمر میں پھانسی دی۔ نمونۂ شعر ہے

[illegible] مقرر شہید اگر اس گلی میں
[illegible] ہوا ہے آج ایک نوجواں کا

مولانا امام بخش صہبائی: صہبائی کا اصل نام امام بخش تھا۔ ان کا شمار ایسی ہستیوں میں ہوتا ہے جو بہت کم ہی مدتوں میں اس زمین پر جنم لیتے ہیں۔ امام بخش صہبائی ایسے جامع صفات بزرگ تھے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ دہلی میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک مولانا امام بخش صہبائی دہلوی کا سلسلۂ نسب جا پہونچتا ہے۔ آپ کے والد تھانیسر سے دہلی آئے اور کوچہ چیلان میں رہنے لگے۔ ان کے دو بیٹے مولانا امام بخش صہبائی اور حکیم پیر محمد بخش تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے صاحبزادوں کا شمار ان کے زمانے کے مشہور شاعروں میں ہوتا ہے۔ مولوی عبدالکریم سوز اور مولوی عبدالعزیز عزیز مولانا امام بخش صہبائی کے بیٹے تھے اور عبدالحکیم بسمل پیر محمد بخش کے صاحبزادے تھے۔ مولانا امام بخش صہبائی کے سا تھ یہ [illegible] بیٹے اپنے خاندان کے اکیس افراد کے ہمراہ انگریزوں کی گولیوں سے شہید ہو گئے۔

علامہ عبداللہ خاں علوی سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ان پر قدرت حاصل کی۔ شعر و سخن سے دلی لگاؤ تھا۔ اس میدان میں بھی کافی شہرت نصیب ہوئی۔ ان کے علم و فضل کو جلا بخشنے والا ان کا علمی و ادبی ماحول تھا۔ اس ماحول کی رونق علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ، حکیم مومن خاں مومن، حکیم آغا جان عیش، مولوی کریم الدین، مرزا غالب، مولوی مملوک علی، الشیخ ابراہیم ذوق، شاہ نصیر، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، سید غلام علی وحشت، سر سید اور ڈاکٹر سپرانگر وغیرہ تھے۔

دہلی میں ۱۸۴۲ء میں جب نئے اصول پر کالج قائم کیا گیا تھا تو اس کالج میں ٹامسن سکریٹری گورنمنٹ ہند نے عربی کی طرح فارسی کا بھی مدرس مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ مرزا غالب اور مومن خاں مومن نے اس عہدے سے انکار کر دیا تب مولوی امام بخش صہبائی جن کے پاس کوئی نوکری نہیں تھی یہ خدمت چالیس روپے ماہانہ کی قبول کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد پرنسپل بوترس کے عہد میں آپ مدرس اول کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔

[illegible] شرف الحق [illegible] دہلوی: [illegible] اصل نام [illegible] تھا اور تخلص [illegible] کرتے تھے [illegible] اختیار کر لی۔ حضرت جلال الدین تھانیسری قدس سرہ تک ان کا سلسلۂ نسب جا پہونچتا ہے۔ وہ کوتوال کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے اور نیک نامی و دیانت داری سے اپنے کام کو انجام دیتے رہے۔ وہ کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ ان پر بھی انگریزوں کا عتاب نازل ہوا اور گولیوں سے شہید ہوئے۔ شعر درج ذیل ہے

مت سے چھوڑ بیٹھا اس جسم ناتواں کو
دم تیرے دیکھنے کو آنکھوں میں آ رہا ہے

منشی گھنشیام رائے عاصی دہلوی: منشی گھنشیام رائے نام اور عاصی تخلص تھا۔ کایستھ ماتھر دہلی کے رہنے والے تھے۔ انہیں شعر و شاعری کا شوق اور ذوق تھا۔ شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی تھی۔ منشی گھنشیام رائے عاصی نے شاہی دفتر میں شاہ عالم ثانی سے بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک ملازمت کی تھی۔

ایام غدر میں فرنگیوں کی گولیوں کا نشانہ منشی گھنشیام رائے عاصی دہلوی بھی بنے۔ ان کے بڑے صاحبزادے سکھدیو لال بھی بہادر شاہ ظفر کے میر منشی اور چھوٹے صاحبزادے منشی جسی لال تحصیلدار تھے۔ نمونۂ شعر ہے

سو جائیں ایسے سخت کہ جاگیں نہ پھر کبھی
ہو آرزو اگر مجھے فرقت میں خواب کی

مرزا عباس بیگ عباس بریلوی: اصل نام مرزا عباس بیگ اور تخلص عباس تھا۔ بریلی میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ آپ کے والد ماجد کا نام مرزا ذکی ندیم تھا۔ انہیں بچپن ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا۔ انگریزی اور فارسی پر بھی قدرت حاصل تھی۔ کافی عرصے تک ریاست رام پور میں ملازمت کی، پھر لکھنؤ کا رخ کیا اور ریاست [illegible] کے دربار کا شاعر مقرر کئے گئے۔

مرزا عباس بیگ عباس کا شمار [illegible] کے ممتاز اساتذۂ شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ میر اور رشید [illegible] کے ہم عصر تھے۔ مرزا عباس بیگ کہنہ مشق اور خوش فکر شاعر تھے۔ انہوں نے [illegible] سے شعر گوئی میں فیض حاصل کیا تھا۔ انہوں نے [illegible]

خواجہ حیدر علی آتش کے مشہور ہے دکھا۔

مرزا عباس بیگ نادر کو گوروں سے سخت نفرت تھی اور انگریزوں کی مخالفت میں اکثر و بیشتر شعر کہا کرتے تھے۔ مرزا عباس بیگ کو ۱۸۵۷ء میں چالیس سال کی عمر میں انگریزوں نے باندہ میں بغاوت کے جرم میں تختہ دار پر کھینچ لیا تھا۔ انہوں نے تختۂ دار پر چڑھنے سے پہلے یہ شعر کہا تھا جو مقبول انام ہوا ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

خلیفہ محمد اسمٰعیل فوق دہلوی: اصل نام محمد اسمٰعیل اور فوق تخلص تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ وہ ملک الشعراء خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کے اکلوتے بیٹے تھے۔ انہیں حضرت ذوق بہت عزیز رکھتے تھے۔ خلیفہ محمد اسمٰعیل فوق پر ان کے والد کا بہت گہرا اثر مرتب ہوا۔ انہیں بھی شروع ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور شعر کہنے کا شوق تھا۔ محمد اسمٰعیل فوق کی قلعہ معلیٰ میں رسائی تھی اس لئے وہ قلعہ کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

غدر میں انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر اور شہزادوں کے تمام قریبی اور تعلقاتی لوگوں کو قدم شریف میں گرفتار کرلیا تھا جن میں خلیفہ محمد اسمٰعیل فوق بھی شامل تھے اور پھانسی دے دی تھی۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

ہر درد و غم کا دیکھا علاج اس جہاں میں فوق
پر لاعلاج پایا درد پدر کا غم

پہلی جنگ آزادی میں ہندوستانی قوم کی شکست اور باغی شاعروں کی شہادت کا ذکر مختصراً کیا جا چکا ہے۔ برطانوی حکومت کی جڑیں بہت گہرائیوں میں پیوست ہو چکی تھیں اور اس کی بنیاد بہت مستحکم ہو گئی تھی۔ لہٰذا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی شکست خوردہ قوم کے اندر آزادی کا احساس مر چکا تھا۔ بہت دنوں تک اردو شاعروں نے اپنی شاعری کا موضوع خالص غزل کو جس میں ہجر و وصال اور گل و بلبل کا ذکر ہوتا تھا موضوع بنایا۔ اسی محور پر اردو شاعری گردش کرتی رہی۔ البتہ جب اقبال افق شاعری پر جلوہ گر ہوا تو اس نے اردو شاعری کو نیا آہنگ، نیا لب و لہجہ اور نئے تیور عطا کئے۔ اقبال نے اپنی نظموں کے ذریعہ ہندوستانی قوم کے خفتہ احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ سن ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۵ء میں جب آزادی کی تحریک میں پھر سے شدت پیدا ہوئی تو اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں حکومت وقت کے خلاف باغیانہ جذبات کو ہوا دی جس کے لئے انہیں معتوب ہونا پڑا۔ ایسے شاعروں اور ادیبوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، جوش ملیح آبادی، رام پرشاد بسمل، اشفاق اللہ خاں، فیض احمد فیض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس صدی کی تیسری دہائی میں آزادی کی لہر ملک کے چپے چپے میں پھیل چکی تھی۔ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے بھی اثر قبول کیا اور شعوری اور غیر شعوری طور پر اس لہر کے ساتھ بہنے لگے۔

مولانا ابوالکلام آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد بڑے ذہین اور خلاق ادیب، شاعر اور صحافی ہوئے۔ انہوں نے انگریزوں کی غلامی کے خلاف دل کھول کر اپنی شعلہ بیانی سے بغاوت کا جذبہ عوام میں ابھارا۔ ان کا اخبار "الہلال" میں حکومت کے خلاف باغیانہ مضامین شائع ہونے لگے۔ لوگوں کے اندر بدیسی حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی اور آزادی کی تڑپ بھی۔ مولانا آزاد پر برطانوی حکومت کا عتاب نازل ہوا۔ اخبار "الہلال" پر پابندی لگادی گئی اور مولانا موصوف کو شہر بدر کر کے کلکتہ سے رانچی جیل میں ڈال دیا گیا مگر وہ باغیانہ آواز جو مولانا نے بلند کی تھی ملک بھر میں گونج رہی تھی اور عوام اسی آواز پر لبیک کہتے ہوئے غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان عمل میں آ چکے تھے۔ "الہلال" نے یہی جذبۂ بیداری اردو شاعروں کے اندر بھی پیدا کیا۔ حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، چکبست لکھنوی، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، سجاد ظہیر، رام پرشاد بسمل، اشفاق اللہ خاں اور بنگال میں قاضی نذرالاسلام اور کھودی رام بوس کی بغاوت اور قربانی نے اردو شاعروں کو بھی "بدروہی" جیسی باغیانہ نظم کے نہج پر باغی نظمیں تخلیق کرنے کا حوصلہ دیا۔

چکبست لکھنوی: انہوں نے بھی مکمل آزادی کا نعرہ لگایا تھا اور انگریزوں کی نظر میں معتوب ہوئے۔ ان کی نظم "ہوم رول" میں مکمل آزادی کی مانگ کی گئی اور بدیسی حکومت سے ہندوستان چھوڑ کر چلے جانے کی صدا بلند کی گئی ہے اور ان کی شاعری پر حب وطن اور تحریک آزادی

کا اظہر نمایاں تھا۔ ان کی نظم "خاکِ وطن" کا ایک شعر درج ہے ؎

[illegible] غلامیاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
[illegible] چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

حسرت موہانی: حسرت موہانی صرف باکمال شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بیباک صحافی، نڈر ادیب اور رفاہی قومی سیاست داں بھی تھے۔ انہوں نے عملی سیاست میں حصہ لیا تھا اور آزادی کی تحریک کو عام کرنے کے لئے اپنی قوتِ تخلیق صرف کر دی تھی۔ انہوں نے کئی اعلیٰ مضامین تحریر کئے اور انہیں شائع بھی کرایا۔ حسرت نے تقریر اور تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات کا پرچار کیا۔ مکمل آزادی ان کا دین اور ایمان تھی۔ ان کی تخلیقات کو انگریزوں نے بغاوت سے تعبیر کیا اور اس کی پاداش میں حسرت کو کئی بار قید و زنگ کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور جیل کی سزا بھی کاٹنی پڑی۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

رسمِ جفا دیکھئے کامیاب کب تک رہے
حبِّ وطن مستِ خواب دیکھئے کب تک رہے

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

مولانا محمد علی جوہر: مولانا محمد علی جوہر نے بھی ابوالکلام آزاد، گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور دیگر سیاست دانوں کے ہمراہ جنگِ آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اہم رول ادا کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال سیاسی رہنما بھی تھے۔ ان کا شمار آزادی کی تحریک میں شامل اہم لیڈروں میں ہوتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر، حسرت موہانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ہم خیال تھے لیکن تحریکِ آزادی کے دوران کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ ان پر برطانوی حکمرانوں کا عتاب نازل ہوا اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

جوش ملیح آبادی: جوش ملیح آبادی نے بھی آزادی کی جنگ میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے بعض ایسی باغیانہ اور جوشیلی نظمیں لکھیں کہ ایوانِ حکومت انگلستان میں زلزلہ سا آگیا۔ انگریز حکمرانوں کے اندر ہلچل پیدا ہوگئی اور ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ جوش ملیح آبادی روپوش ہوگئے لیکن ان کی باغیانہ نظمیں "وطن"، "[illegible] وطن کی صدا ہے" اس کے علاوہ "[illegible] ہند کا پیغام ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام"، "[illegible]" "[illegible] آزادی"، "آوازِ انقلاب"، "شکستِ زنداں کا خواب" وغیرہ پر برطانوی حکومت نے پابندی لگادی اور ان کی نظموں کو ضبط کر لیا۔ ان کی تمام نظموں کی کڑی نگرانی ہونے لگی۔ جوش کا ایک شعر دیکھئے ؎

جو سبزوں میں خوں، محل میں خوں، شبستانوں میں خوں
دشت میں خوں، وادیوں میں خوں، بیابانوں میں خوں

رام پرشاد بسمل: رام پرشاد بسمل نے بھی جنگِ آزادی کی تحریک میں اہم رول ادا کیا تھا اور ان کی نظموں نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت اور بغاوت کی چنگاری بھڑکا دی تھی۔ ایسی باغیانہ نظموں کو انگریزی حکومت نے ضبط کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ ان کی شاہکار نظموں "سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے"، "دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو" اور "زندگی کا راز مضمر خنجرِ قاتل میں ہے" میں ان نظموں کا شمار ہوتا ہے۔ بسمل کا یہ شعر زبان زدِ خاص و عام ہے ؎

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اشفاق اللہ خاں: بسمل کے ساتھ اشفاق اللہ خاں نے بھی جنگِ آزادی میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ ان کی کئی نظمیں "شورشِ جنوں" اور "ہم رہے نہ رہے" وغیرہ کو بھی برطانوی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔ بسمل اور اشفاق اللہ خاں کو انگریزوں نے بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا کر ۱۹۲۵ء میں پھانسی دے دی تھی۔

علی جواد زیدی، فیض احمد فیض، سجاد ظہیر، کنور پرتاپ چند آزاد، پرویز شاہدی اور دیگر ادبا و شعرا نے بھی تحریکِ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان کی بعض نظمیں اور تخلیقات ضبط کی گئیں اور بعض کو بغاوت کے جرم میں جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ المختصر یہ کہ اردو شاعری اور نثر نگاری کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اردو کے ادیب اور شاعروں نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ٭٭٭

بکھر رہے ہیں ایک ایک کر کے عقیدتوں کے نگینے
اس اندھیرے کا بھی لیکن سامنا کرنا تو ہے

ساحر لدھیانوی

کچھ دیے بن گئے کچھ شفق ہو گئے

جادۂ حق میں جو جاں بحق ہو گئے
جاودانی کے وہ مستحق ہو گئے

جیسے جیسے تساہل پسندی بڑھی
آدمی کے مسائل ادق ہو گئے

زندگی بے لباسِ معانی رہی
صرف تفسیر لاکھوں ورق ہو گئے

مہر و ایثار، اخلاق و پاسِ انا
محو ذہنوں سے سارے سبق ہو گئے

قیسِ صحرائی کا جسم خوں تو ہوا
پتھروں کے کلیجے بھی شق ہو گئے

مندمل ہو نہ پائے جو زخمِ جنوں
کچھ دیے بن گئے، کچھ شفق ہو گئے

افضل حسین افضل

جدوجہد آزادی

انقلابی تحریک سنہ ۱۹۴۲-۴۵ء

محمد اعظم

دوسری عالمی جنگ سنہ ۱۹۳۹ء میں چھڑ گئی اور سنہ ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ یہ دور ساری دنیا اور خاص طور پر ہندوستان کے لئے بہت ہی ہلاکت خیز تھا۔ ہندوستان کے لوگ اس جنگ میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے حکمراں یعنی برٹش نے ہندوستان کو جنگ میں دھکیل دیا۔ یورپ میں جرمنی اور اٹلی کے ساتھ امریکہ، روس، برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک نبرد آزما تھے اور ایشیا میں جاپان کی فوجیں بڑھتے بڑھتے [illegible] ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت نے بہت سارے احتیاطی اقدامات کئے جن کی وجہ سے ہندوستانیوں کے مصائب میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ہزاروں لوگوں کو سمندر کے ساحلی علاقوں خاص طور پر بنگال اور اڑیسہ میں ان کے گھروں سے نکال کر دیگر علاقوں میں پھینک دیا گیا۔ اس طرح وہ سب بے مکان بن گئے اور انہیں روزی روزگار سے ہاتھ دھونا پڑا۔ دوسری طرح لوگوں سے جنگ کے لئے زبردستی چندے وصول کئے جانے لگے۔ کالے بازار والوں نے بھی اس صورت حال سے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ بڑھتی ہوئی مانگ اور گرتی ہوئی سپلائی سے کالے بازار والے امیر سے امیر تر بن گئے۔ حکومت بھی نوٹ پر نوٹ چھاپنے لگی تاکہ جنگ کے لئے مصارف کی چیزیں خریدی جا سکیں۔ ہندوستان کو ان تمام باتوں کے لئے مالی امداد فراہم کرنی پڑی اور اسے ایک بیس [illegible] جنگ میں شرکت کرنی پڑی جسے اس پر لاد دیا گیا۔ گاندھی کے کہنے کے مطابق انگریزوں کے متعدد محاذوں کی [illegible] بوجھ تلے دبے ہم

ہندوستان پنپ رہا تھا۔ "ایک غیر ملکی حکومت نے ہندوستان کو ان دشواریوں کا سامنا کرایا ہے"۔ انہوں نے پوچھا۔ پھر انہوں نے [illegible] سے کہا وہ سب چیخ چیخ کر انگریزوں سے کہیں "ہندوستان چھوڑ دو۔ ہندوستان چھوڑ دو"۔ انہوں نے انگریزوں سے کہا کہ وہ سب ہندوستان سے چلے جائیں۔ انہوں نے کہا "ہندوستان کو بھگوان کے حوالے کر دو، اگر نہیں تو اسے طوائف الملوکی کے حوالے کر دو"۔ انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ سب انگریزوں سے چھٹکارا پانے کے لئے جاپانیوں کا سہارا نہ لیں۔

کل ہند کانگریس کمیٹی نے ۸ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں ایک تاریخی نشست میں "ہندوستان چھوڑو" قرارداد کو منظور کر لیا۔ اس قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ اب قوم کو آمرانہ سامراج حکومت کے خلاف جو ہم پر مسلط ہے اور جس نے اپنے مفادات کے لئے لوٹ مار اور جور و جبر کے بازار کو گرم کر رکھا ہے نبرد آزما ہونے سے روکے رکھنا غیر منصفانہ بات ہوگی۔ اس تحریک کی سربراہی گاندھی جی کے حوالے کر دی گئی۔ گاندھی جی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "مجھے فوراً آزادی چاہئے۔ اسی رات کو صبح ہونے سے قبل، اگر ایسا ممکن ہو سکے۔ فرقہ وارانہ اتحاد کی حصولیابی کا آزادی انتظار نہیں کر سکتی۔ ہر مرد و عورت کو اسی لمحہ سے خود کو آزاد سمجھنا چاہئے اور ایک آزاد شخص کی طرح کام کرنا چاہئے۔ اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ اب وہ سامراجیت کے

قبضہ میں نہیں ہے۔ میں جو کچھ آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں وہ فرضی بات نہیں ہے بلکہ یہ آزادی کا نچوڑ ہے۔ جب آپ خود کو آزاد سمجھیں گے غلامی کا طوق اسی وقت ٹوٹ جائے گا۔ میں ایک منتر جانتا ہوں، میں منتر آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ وہ منتر ہے "کرو یا مرو"۔ ہم لوگ یا تو ہندوستان کو آزاد کرا کے رہیں گے یا اس کوشش میں اپنی جان دے دیں گے۔ ہم لوگ غلامی کی زندگی دیکھنے کو زندہ نہیں رہیں گے۔ یہی ہمارا عہد ہونا چاہئے۔ یہ ایک کھلی بغاوت ہے۔ اب ہمیں پوشیدہ طور پر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس جد و جہد میں پوشیدگی ایک گناہ ہے۔ ایک آزاد شخص کو پوشیدہ تحریکوں میں مشغول ہونا نہیں چاہئے۔ آزادی کو کل نہیں آج ہی آنا ہے۔ یہ میرا اور ہم سبھوں کا عہد ہے۔"

اسی دوران حکومت بھی خاموش بیٹھی نہیں رہی۔ اس نے دوسرے دن یعنی ۹ راگست کی صبح کو کانگریس کے تمام سربراہوں اور دیگر لیڈروں کے رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔ یہ خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ بھی میدان عمل میں کود پڑے۔ دیہاتوں میں لوگوں نے ایک ہی رات کو سینکڑوں میلوں تک پھیلی ہوئی ریلوے لائن کو اکھاڑ ڈالا تاکہ حکومت فوج کو بھیج نہ سکے۔ جگہ جگہ لوگوں نے مظاہرے کئے اور انہیں دبانے کے لئے حکام نے لاٹھی چارج کیا، فائرنگ کی، مظاہرین کو پکڑ کر مارا پیٹا۔

اب عام اور کھلی بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ باغی خود اپنے سربراہ تھے۔ وہ خود ہی فیصلہ کرتے کہ کس طرح اور کس جگہ حکام پر حملے کئے جائیں۔ ہجوم غفیر نے سرکاری عمارتوں کو جلانا، ٹیلی فون اور ٹیلی گرام کے تاروں کو توڑنا اور حرکت پذیر سرکاری اثاثے کو برباد کرنا شروع کردیا۔ تھانوں جو برٹش حکام کی بنیاد تھے، اور ریلوے اسٹیشن جو رسل و رسائل پر کنٹرول کرتے، کو اہم نشانہ بنایا گیا۔ طلبا، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل آئے اور باغیانہ سرگرمیوں میں سرگرم عمل ہوگئے۔ اب یہ تحریک ان لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی جن کا کانگریس سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہجوم در ہجوم جاکر تھانے کا گھیراؤ کر لیتے اور پولس سے کہتے کہ وہ تھانہ چھوڑ دے۔ اگر پولس چوں چرا کئے بغیر تھانہ خالی کردیتی تو اس کا اسباب جلا دیتے اور اسے جلا دیتے۔ اگر پولس مقابلہ کرتی تو وہ سب ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور پولس کو مار بھگاتے۔

یوں تو بغاوت سارے ملک میں پھیل گئی تاہم چار مراکز یعنی بہار، مشرقی اتر پردیش، مدناپور، اڑیسہ اور مہاراشٹرا، کرناٹک میں بہت ہی وسیع پیمانے پر بغاوت ہوئی۔ بہار میں مجاہدین نے سب سے پہلے جیلوں اور قید خانوں پر حملے کئے اور وہاں مقید لوگوں کو جن میں سیاسی رہنما شامل تھے، آزاد کرایا۔ اس کے بعد انہوں نے دس ضلعوں میں ۸۰ فیصد تھانوں پر قبضہ کرلیا۔ اتر پردیش کے ضلع بلیا میں مجاہدین نے پورے ضلع انتظامیہ پر قبضہ کرلیا اور ۱۹ راگست کو "سوراج حکومت" قائم کرلی۔ اسی طرح بنارس، غازی پور اور اعظم گڑھ اور دیگر علاقوں میں عوام نے تھانوں پر قبضہ کرلیا۔ ان شورشوں کو دبانے کے لئے حکومت کو پولس اور فوج کی مدد لینی پڑی۔ فوجیوں نے تو لوگوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑ دیا۔ مجاہدین تو مادر وطن کے لئے لاٹھی، بھالا، کلہاڑی اور اسی طرح کے دیگر ہتھیاروں سے لیس ہوکر میدان میں کود پڑے تھے۔ اسی لئے ان کی تعداد اور ہمت کی وجہ سے انہیں وقتی طور پر کامیابی حاصل ہوئی لیکن مسلح افواج کا وہ مقابلہ نہ کرسکے۔ اسی لئے ان کے ناگفتہ بہ سلوک کیا۔ گاؤں کے گاؤں کو جلا ڈالا۔ گھروں کی تلاشی لینے کے بہانے گھروں کو لوٹ لیا۔ قیدیوں کو رائفل کے کندوں، لاٹھی، ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کیا۔ لیکن اتنے تشدد و ظلم کے باوجود وہ لوگوں کے دلوں میں موجود حب الوطنی کے دیئے کو بجھا نہ سکے اور مجاہدین نے چوری چھپے ۱۹۴۴ء تک اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔

اسی طرح مدناپور کے تملوک سب ڈویژن میں مجاہدین نے ایک قومی حکومت قائم کردی، اور "تملوک جاتیہ سرکار" کے پہلے سربراہ ادھینائک بنے۔ اس حکومت میں کونتائی سب ڈویژن کا بھی علاقہ شامل تھا۔ اس علاقہ میں مجاہدین نے بہت ہی منظم طریقے سے اقدامات کئے۔ انگریزوں کی حکومت نے دوسری عالمی جنگ کے عرصہ میں جاپان کی پیش قدمی کے پیش نظر بنگال کے ساحلی علاقوں سے لوگوں کو نکال دیا۔ ان کی کشتیاں چھین لیں۔ اسی دوران ۱۷ راکتوبر ۱۹۴۲ء کے طوفان اور اس کے بعد کے سال میں خشک سالی سے ان علاقوں کے لوگ معاشی لحاظ سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے یہاں کے لوگوں نے حکومت کے خلاف ایک مزاحمتی مہم چلائی، اور اس علاقہ سے اناج کی برآمدگی کی مزاحمت کرنی

دیا گیا اور ۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو تملوک سب ڈویژن میں پہلی ضرب
لگائی گئی جب دیہی باشندوں نے بذاتِ خود مہاتی پور کے ایک پل
کے جانے کو وہاں سے لے جانے کے راستہ کو بند کر دیا۔ اس کے
بعد ہی ان لوگوں نے قومی رضاکاروں سے مدد کرنے کی درخواست کی
۲۹ ستمبر ۱۹۴۲ء کو دیہی باشندوں نے قومی رضاکاروں کے
ساتھ مل کر منصوبہ بند طریقے سے تملوک، مہیشادل، سوتاہاٹا اور
نندی گرام اور پنچکان پور کی گرفتاری میں ذرائع رسل و رسائل اور پولیس
تھانوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ جم غفیر تھانہ کو گھیر لیتے۔ سوتاہاٹا کے
تھانہ پر اسی طرح قبضہ کر لیا۔ لیکن دیگر جگہوں پر اچھی خونی جدوجہد ہوئی۔
تملوک میں ۴۴ لوگ مارے گئے ان میں شری متی ماتنگنی ہاجرہ بھی
تھیں۔ شری متی تملوک میں ۷۰ سالہ غریب کسان کی بیوہ تھیں۔ جب انہیں
گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تو ان کے ہاتھوں میں ترنگا جھنڈا تھا۔ اسے تھامے
ہوئے وہ جاں بحق تسلیم ہوگئیں۔ اس کے دو ہفتے کے بعد تملوک سب
ڈویژن میں آندھی اور طوفان سے ۵۰ فیصد کھڑی فصلیں تباہ ہوگئیں۔
ہزار مویشی مارے گئے۔ کافی سرکاری امداد کی کمی کی وجہ سے وہاں
پر رضاکاروں نے وسیع پیمانے پر "اپنی مدد آپ کرو" کے اقدامات کو
عمل لانا شروع کر دیا۔ یہ کام روپوش تامرلپتا جاتیہ سرکار جسے
دسمبر ۱۹۴۲ء کو قائم کیا گیا تھا کا ایک اہم فرض بن گیا۔ بعد میں پولیس
تھانے سوتاہاٹا، نندی گرام اور مہیشادل میں اپنی ماتحت شاخیں
قائم کیں۔ جاتیہ سرکار نے جو ستمبر ۱۹۴۴ء تک قائم رہی ایک مسلح
ودیوت باہنی یعنی فوج تیار کی تھی۔ جگہ جگہ ثالثی عدالتیں قائم کی تھیں۔
کہا جاتا ہے کہ ان عدالتوں نے ۱۶۸۱ مقدموں کا فیصلہ کیا۔ جاتیہ سرکار
نے اسکولوں کو عطیات دئے اور ۷۹۰۰۰ روپئے بطور امداد مصیبت زدہ
کسانوں کے درمیان تقسیم کئے۔ یہ کھاتے پیتے مالدار کسانوں کے یہاں
سے فاضل دھان حاصل کر کے غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیتے،
جاتیہ سرکار کی طرف سے امیر ذخیرہ اندوزوں اور نفع خوروں کے نام
نوٹس جاری کئے جاتے کہ وہ غریب کسانوں اور مزدوروں کا استحصال نہ
کریں۔ ان امیر لوگوں کو کافی رقوم ادا کرنی پڑتی اور دھان بھی دینا پڑتا
اور یہ دونوں مصیبت زدہ کسانوں کے درمیان تقسیم کر دئے جاتے۔
اڑیسہ کا ضلع بالاسور ضلع مدناپور سے متصل ہے۔ یہاں کے
مجاہدوں اور عوام پر بیت رضاکاروں نے دیہی سوراج پنچایتیں قائم کر لیں۔
یہ منظم طور پر بینک ڈاک لوٹ لیا کرتے تھے [illegible] کی [illegible]
کر دیتے۔ سوراج پنچایتیں کو غذائی اجناس کو حفاظت کے ساتھ
محفوظ رکھنے کی ذمہ داری سونپتے۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۲ء کو جب ان لوگوں نے
ابراہم۔ باسودیو پور تھانہ پر حملہ کیا تو اس وقت پولیس کی گولیوں سے ۳۵
مجاہدین ہلاک ہوئے۔ گرفتاری علاقہ میں کچھ عرصہ کے لئے قومی حکومت
کام کرتی رہی۔ اس فائرنگ کی تفتیش کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ اس
بات کی افواہ پھیلائی گئی کہ ایک ہفتہ میں سوراج قائم ہو جائے گا اور
سوراج حکومت کے تحت لوگوں کو کوئی ٹیکس ادا کرنا نہیں پڑے گا۔
امیروں کے دھان غریبوں کو فراہم کئے جائیں گے۔ ڈھنکنال ایک دوسرا مرکز
تھا، لیکن یہاں مقامی رکتو باہنی نے لوٹ مار کی سرگرمیاں جاری
رکھیں۔ کوراپٹ میں قبائلیوں کی کثیر آبادی تھی۔ یہاں وسیع پیمانے پر
شورشیں رونما ہوئیں۔ ان میں جیسے پور زمینداری کو کرایہ نہ دینے کی تحریک،
محفوظ جنگلات میں جلسے، اور تھانوں میں جلسے شامل ہیں۔ ان کی سربراہی
میں ان پڑھ دیہاتی لکشمن نائیک نے کی جسے ایک جنگل گارڈ کو قتل کرنے
کے الزام میں ۱۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ تلچر ریاست
میں مئی ۱۹۴۳ء تک گوریلا سرگرمیاں جاری رہیں۔ یہاں چاشی مولیا
(کسان۔ مزدور) راج تقریباً ۴۰۰ مربع میل کے علاقوں پر پھیلا ہوا تھا۔
۷ ستمبر ۱۹۴۲ء کو ان لوگوں نے تلچر شہر پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کرنے
کے لئے حکومت نے ہوائی جہاز سے ان پر بم گرائے۔ ستمبر ۱۹۳۸ء میں
جبری مزدوری، جنگلاتی قوانین اور مطلق العنانی کے خلاف وسیع پیمانہ پر
عوامی جدوجہد کی گئی اور تلچر میں اس عوامی جدوجہد کے پس پردہ، یہ کہا جاتا
ہے کہ یہ ایک افواہ تھی کہ ریاستی پرجا منڈل کے صدر پوترا موہن پردھان
کو قتل کر دیا گیا۔

ہندوستان کے مختلف شہروں اور شہری علاقوں میں اس
دور میں جتنی شورشیں رونما ہوئیں انہیں پولیس اور فوج کے ذریعہ دبا دیا
گیا۔ لیکن اس شہری تحریک نے بمبئی پریسیڈنسی میں دو مختلف شکلیں
اختیار کر لیں یعنی چند علاقوں میں کسانوں کی گوریلا جنگ اور خاص طور پر
تنظیم یافتہ مجاہدین کی وسیع پیمانے پر منظم دہشت انگیز سرگرمیاں اور تخریب
کاری۔ ان دونوں سرگرمیوں کو عوام کی تائید حاصل تھی۔ مہاراشٹر میں

(باقی صفحہ پر)

آزادی کی چالیسویں سالگرہ کی تقریبات

حکومتِ مغربی بنگال نے ہندوستان کی آزادی کی ۴۰ ویں
سالگرہ بڑے تزک و احتشام سے منائی۔ اس موقع پر ۱۵ اگست
۱۹۸۷ء کی شام کو مہاجاتی سدن، کلکتہ میں ایک جشن منعقد ہوا۔ مغربی
بنگال کے گورنر پروفیسر ایس۔ نورالحسن نے اس جشن کی صدارت کی اور وزیر
اعلیٰ جیوتی باسو نے بطور مہمان خصوصی اس جشن میں شرکت کی۔ سب سے
پہلے گورنر نے ایک مستقل نمائش بنام "مکتیر سندھانے بھارت" (یعنی
ہندوستان آزادی کی تلاش میں) کا افتتاح کیا۔ یہ نمائش مہاجاتی سدن
کی تیسری منزل پر واقع ہے اور اس میں تصویروں، دیگر تصاویر، تاریخ
وار سلسلۂ واقعات اور تحریری بیان کے ذریعہ ہماری جدوجہد آزادی کی
پوری تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ نے ایک انگریزی
کتاب "آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد" گورنر کو پیش کیا۔ اس
کتاب کو حکومتِ مغربی بنگال نے شائع کیا تھا۔ وزیر اعلیٰ نے اس
کتاب کو لکھنے اور مرتب کرنے میں آنجہانی جمنوین اسنہا بنیس کی عظیم
خدمات کا ذکر کیا اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ ہمارے ملک کی تحریک آزادی نے
بہت سارے طریقۂ کار کو اپنایا۔ ایک طرف تو عدم تشدد کی تحریک تھی
جس کے سربراہ مہاتما گاندھی تھے تو دوسری طرف مسلح جدوجہد اور
بغاوتیں بھی رونما ہوئیں۔ جدوجہد آزادی میں تمام طبقوں کے مجاہدین
نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اگر ہم ان کا ذکر نہ کریں، اگر ہم آزادی
کی جدوجہد میں مختلف طبقوں کی خدمات کو تسلیم نہ کریں، تو یہ بات
مجاہدینِ آزادی کی خدمات سے ناانصافی کرنے کے برابر ہوگی۔ وزیر
اعلیٰ نے مزید کہا کہ آزادی کے بعد متعدد بڑی صنعتیں قائم کی گئیں، لیکن
حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہم نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ ناکافی ہے۔
آزادی کے عرصہ دراز قبل ہمارے قومی سربراہوں نے معاشی منصوبہ
کے سوال پر غور کیا تھا۔ آزادی کے بعد پنج سالہ منصوبہ مرتب کئے گئے اور انہیں
پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ وزیر اعلیٰ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا
کہ ان منصوبوں کو نہ صحیح طور پر مرتب کیا گیا اور نہ انہیں صحیح طور پر بروئے عمل
لایا گیا ـــ انہیں اس طریقہ سے بروئے عمل لایا نہیں گیا جس کے ذریعہ عوام
کے لئے صحیح معنوں میں معاشی فلاح و بہبود کے اقدامات کئے جا سکتے۔
انہوں نے مزید کہا اس بات کی وجہ سے آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ
بے روزگاری تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے، قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا
ہے، غربت اور جہالت عام ہو چکی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ تو
جاری رہیں گے اس لئے ہمیں اپنے مستقبل کی بابت ابھی سے غور کرنا
چاہئے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ۴۰ سال کے بعد بھی بدعنوانی کو
ختم نہیں کیا جا سکا۔ ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں فرقہ پرستی اور
افتراق پسندی نے اپنے سر اٹھائے ہیں۔ پہلے ہم اس کے لئے برٹش
سامراجیوں کو موردِ الزام ٹھہراتے تھے لیکن اب ہم کس پر الزام عائد کریں
گے۔ آج کے آزاد ہندوستان میں اب بھی چھوت چھات ہے، ذات
پات کی لڑائی ہے۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے
کہ یہ ایک خود مختار اور آزاد ملک ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر ہم متحدہ
طور پر ان بلاؤں کا مقابلہ نہ کریں، تو آزادی بے معنی سی ہو جائے گی۔

ان کے بعد مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر ایس۔ نورالحسن
نے اپنی صدارتی تقریر میں مجاہدین آزادی کی قربانیوں کا ذکر کرتے
ہوئے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ گورنر نے مزید کہا کہ صرف
غیر ملکیوں کی حکومت سے رہائی کے معنی آزادی نہیں ہیں اس کے صحیح
معنی یہ ہیں کہ ملک کو پسماندگی سے آزاد کرایا جائے اور اسے ترقی کی راہ
پر گامزن کر دیا جائے۔ اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ آنے والی نسلوں
کے لئے تمام مواقع اور سہولتیں فراہم کی جائیں۔ گورنر نے لوگوں سے پرزور
اپیل کی کہ وہ ملک میں فرقہ وارانہ اور تفریق پسند رجحانات کی
مزاحمت کریں۔ انہوں نے تحریف پسندی کی بھی مزاحمت کی۔ انہوں نے
ہمارے سماج کے جمہوری ڈھانچہ کی طرف سبھوں کی توجہ مبذول کرائی اور
اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ مسائل پر غور و خوض کرنے اور ان کے سلسلے
میں فیصلہ کرنا کسی خاص شخص کا اجارہ نہیں ہے۔ لوگوں کے طبقوں سے
بات چیت کرنے کے بعد فیصلے کئے جانے چاہئیں۔ انہوں نے عوام کے
سماجی انصاف اور بنیادی حقوق کے تحفظ اور فروغ پر اور عوام

ترنگے کو بلند کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم دوسروں کی زمین پر قبضہ نہیں کریں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنی خود مختاری کے ساتھ غیر ملکی دشمنوں کے حملہ سے ہماری مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہیں گے۔

جشن کے اختتام پر کلکتہ ہائیکورٹ نے شری میتی رو ما گھوش کی زیرِ ہدایت حب الوطنی کے گیت اور رقص پیش گئے۔

اسی دن صبح کے ۸ بجے ریاستی حکومت نے بارک پور میں گھاٹ میں ایک پرارتھنا سبھا کا انتظام کیا تھا۔ اس سبھا میں پروفیسر ایس۔ نور الحسن، وزیر تعمیرات عامہ شری جوتن چکرورتی اور چیف سکریٹری شری رتھین سین گپتا نے بارک پور میں شہداء کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھائے۔ رسمی سوت کاتنے کا بھی انتظام کیا گیا اور حب الوطنی اور بھکتی سنگیت بھی پیش کئے گئے۔

اسی دن صبح ۹ بجے وزیر آراضی و اصلاحات آراضی و پنچایت شری بینوئے چودھری نے رائٹرس بلڈنگس کے سامنے قومی پرچم لہرائے۔ شری چودھری نے شہیدوں کے مینار پر بھی پھول چڑھائے۔ اسی دن صبح کے گیارہ بجے گورنر شری ایس۔ نور الحسن اور وزیر تعمیرات عامہ شری جوتن چکرورتی نے ریڈ روڈ اور ڈفرن روڈ کی کراسنگ پر گاندھی کے مجسمے پر پھولوں کے ہار پیش کر کے گاندھی جی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

آزادی کی ۴۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ۱۴ اگست کی صبح کو کلکتہ اور ہوڑہ میں پانچ جگہوں سے پربھات پھیریاں نکالی گئیں۔ کلکتہ کے مختلف علاقوں کے اسکولوں کے طلباء اور طالبات نے بڑی تعداد میں ان پھیریوں میں حصہ لیا۔ یہ تمام جلوس نیتا جی انڈور اسٹیڈیم پہنچے جہاں ہماری آزادی کی ۴۰ ویں سالگرہ کی تقریبات کے سلسلہ میں ایک جشن کا انتظام کیا گیا تھا۔ مشہور مجاہدِ آزادی اور انقلابی شری گھوش نے اس جشن میں شرکت کی۔ وزیر کھیل کود اور خدمات نوجوان اور سیاحت شری سبھاش چکرورتی نے شری گھوش کا استقبال کیا۔ شری گھوش نے ایک مختصر تقریر میں مجاہدینِ آزادی کی قربانیوں کا ذکر کیا اور آزادی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے لوگوں کو اپنا دلی مبارک باد پیش کیا۔ (پی۔ این۔ رائے)

بقیہ: تحریکِ آزادی اور بنگال ......

اطلاع دی اس سے پیشتر کہ ۲۰ اگست کو تیاجی کے جہاز کا حادثہ ہو گیا اور وہ مارے گئے۔ جدوجہدِ آزادی میں بنگال نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس مضمون میں جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان سے الگ ہٹ کر ایک نہیں ان گنت نام ہیں جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا جیسے سوامی وویکانند، سسٹر نویدیتا، آشوتوش مکھوپادھیائے، جگدیش چندر بوس، پرفلو چندر رائے، اشونی کمار دت، قاضی نذر الاسلام اور بدھان چندر رائے۔

بنگال جس نے ہر دور اور ہر عہد میں اپنی شناخت سنہرے حرفوں میں کروائی آزادی کی جدوجہد میں اس کی قربانیاں بھی سنہری حرفوں سے لکھی ہوئی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور تاریخ داں اس امانت کو نسل در نسل سنبھالے ہوئے ہیں کہ جب ملک پر کوئی برا وقت پڑا بنگال نے ملک کی یکجہتی کو قائم رکھ کر پورے ہندوستان کو سچائی، امن، محبت اور بھائی چارگی کی راہ دکھائی ــــ!

بقیہ: انقلابی تحریک ۴۵ء — ۱۹۴۲ء

ستارا اور کھاندیش کے مشرقی علاقے اور گجرات کے ضلع بروچ میں جمبوسر تعلق میں کسانوں کی بغاوت پھیل گئی تھی۔ ستارا تحریک عمومی برہمن باہیا جان سماج نے ۱۹۴۳ء کے درمیانی عرصہ میں ایک متوازی حکومت قائم کی اور یہ حکومت ۱۹۴۵ء–۴۶ء تک قائم رہی۔ اس نے عوامی عدالت قائم کی۔ دیہاتوں کی ترقی کے لئے بہت سارے تعمیراتی کام کئے اس کے ساتھ گوریلا جنگ بھی جاری رکھی۔

ان تمام جدوجہد اور بغاوتوں میں سماجی اور معاشی لحاظ سے نچلے طبقے کے لوگوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا لیکن ۱۹۴۳ء کے آخر تک برٹش حکومت نے ان بغاوتوں کو دبا دیا کیونکہ اس وقت دوسری عالمگیر جنگ جاری تھی۔ برٹش نے اپنی فوجی طاقت کا استعمال کیا۔ اس کے بعد دو ڈھائی سال تک جنگ کے دوران ملک کے اندر حکام کو شدید سیاسی بحران کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ جب ۱۹۴۵ء میں برطانیہ میں نئی لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو اس نے یہ بہتر سمجھا کہ بات چیت کے ذریعہ ہندوستانیوں کو اقتدار سونپ دیا جائے۔ "ہندوستان چھوڑو" تحریک ۱۹۴۲ء کی بغاوتوں اور اس کے بعد رونما ہوئے واقعات نے برٹش کو مجبور کر دیا کہ وہ مصالحت کے ذریعہ ہندوستان کو آزاد کر دے، اور آخر کار ہندوستان ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہو گیا ٭٭٭



ہندوستان کی آزادی کی
۴۰ ویں سالگرہ کے موقع
پر ۱۵ اگست سنہ ۸۷ء کو
مہاجاتی سدن، کلکتہ
میں منعقدہ ایک تقریب
میں مغربی بنگال کے گورنر
پروفیسر سید نورالحسن
تقریر کرتے ہوئے۔ تقریر
میں وزیراعلیٰ شری جیوتی
باسو کو دیکھا جا سکتا ہے۔

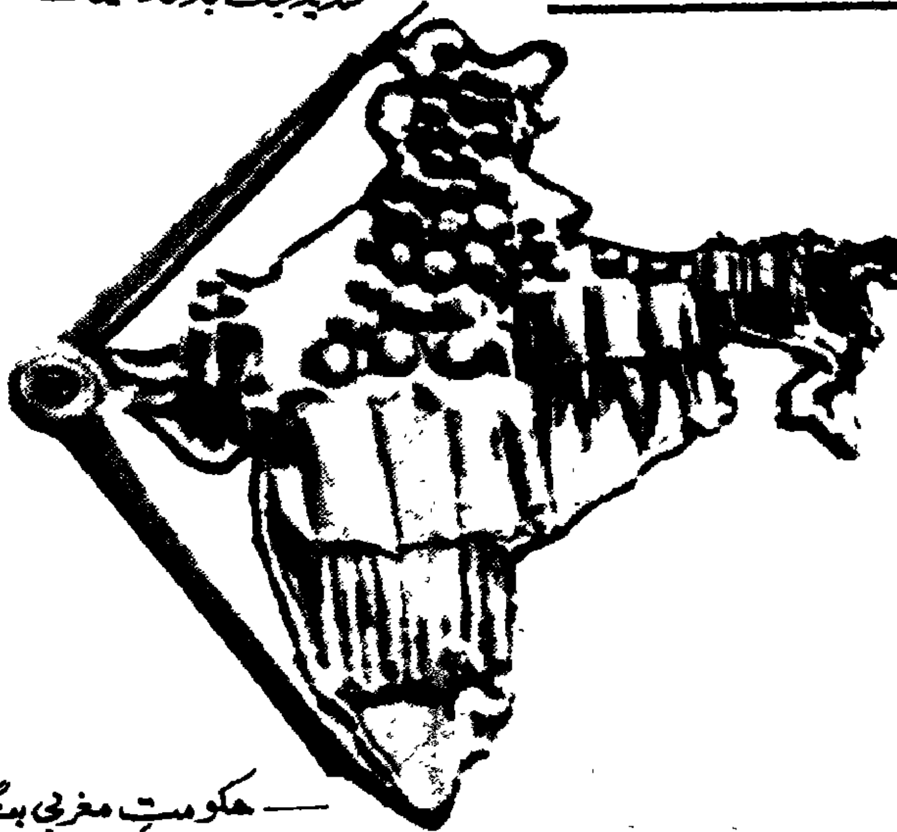
AGHREBI BANGAL
16 AUGUST 1987

Postal Regd. No. WB/CC-5
Vol-34 No—1
PRICE 50 Pais



یوم آزادی کے موقع پر ہمارا پرعزم عہد

ملک کی سالمیت کو بنائے رکھیں گے
قومی یک جہتی کو برقرار رکھیں گے
ملک کو فرقہ پرست اور علیحدگی پسند
طاقتوں کے چنگل سے بچائے رکھیں گے
بھوک، غربت اور جہالت کے خلاف
شدید جنگ جاری رکھیں گے

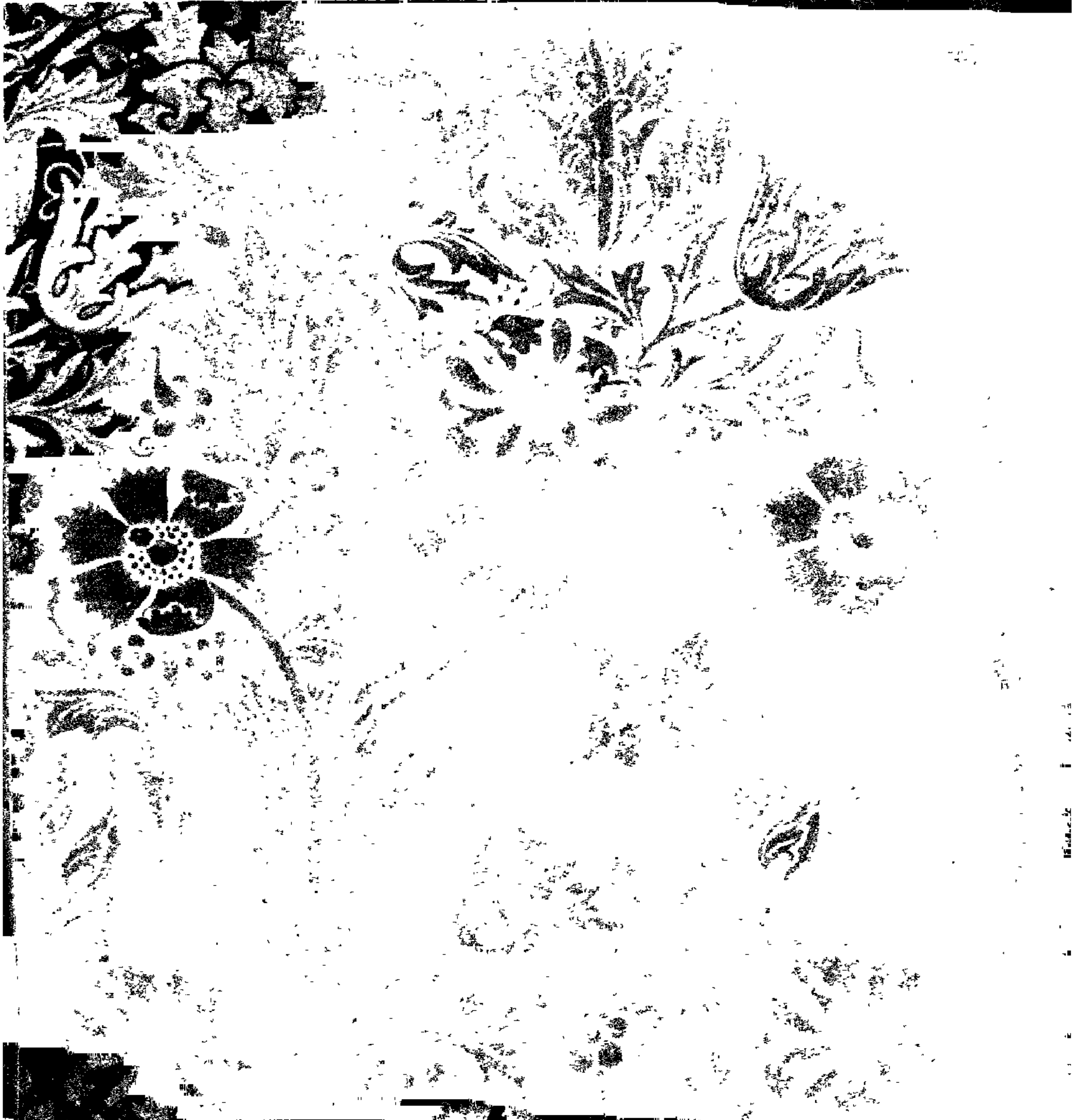


— حکومت مغربی بنگال

hief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. zam. Asstt. Editor. Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of ovt. of West Bengal and Printed by G R. T Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

مغربی بنگال

۱۵ ستمبر ۱۹۸۷ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرحِ خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۵ پیسے

ترسیلِ زر کا پتہ :
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال
۲۳- آر، این، مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ یکم اور ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ء ★ شمارہ نمبر ۱۷ اور ۱۸

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۸ ستمبر ۸۶ء کو رابندر سدن میں بین الاقوامی یوم خواندگی کے موقع پر منعقدہ تقریب میں تقریر کرتے ہوئے

کہاں جاؤ گے



فیض احمد فیض

اور کچھ دیر میں لُٹ جائے گا ہر بام پہ چاند
عکس کھو جائیں گے آئینے ترس جائیں گے
عرش کے دیدۂ نمناک سے باری باری
سب ستارے سرِ خاشاک برس جائیں گے
آس کے مارے تھکے ہارے شبستانوں میں
اپنی تنہائی سمیٹے گا، بچھائے گا کوئی

بے وفائی کی گھڑی، ترکِ مدارات کا وقت
اس گھڑی اپنے سوا یاد نہ آئے گا کوئی
ترکِ دنیا کا سماں، ختمِ ملاقات کا وقت
اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے
اس گھڑی کوئی کسی کا بھی نہیں، رہنے دو
کوئی اس وقت ملے گا ہی نہیں، رہنے دو
اور ملے گا بھی تو اس طور کہ پچھتاؤ گے
اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے
اور کچھ دیر ٹھہر جاؤ کہ پھر نشترِ صبح
زخم کی طرح ہر آنکھ کو بیدار کرے
اور ہر کشتۂ بیگانگیٔ آخرِ شب
بھول کر ساعتِ درماندگیٔ آخرِ شب
جان پہچان ملاقات پہ اصرار کرے

ہندوستان میں جدوجہد آزادی

اور

عورتوں کی تحریک

کنک مکھرجی

دنیا کے بہت سارے ملکوں میں محکوم عورتوں کی نجات اور آزادی کے لئے جدوجہد صدیوں سے جاری ہے۔ ہندوستان پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ لیکن یہ جاننا بہت دلچسپ ہوگا کہ کس طرح [illegible] میں آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آزادی کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا اور کس طرح آج بھی ہندوستان میں عورتوں کی جمہوری تحریک عوام کے مختلف طبقوں کی، ان کی معاشی نجات کے لئے جمہوری تحریک اور سماج کو بدلنے کے لئے ان کی جدوجہد کے ساتھ فروغ پا رہی ہے۔

جس وقت برٹش نے اس ملک پر قبضہ کیا تھا، اس وقت ہندوستانی سماج بہت گہری سماجی اور سیاسی بدحالی کی تصویر تھا۔ اس قرون وسطی کے ہندوستانی سماج میں عورتوں کی حیثیت روبہ زوال تھی۔ اس بات سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عام طور پر عورتوں کو مردوں کی نہ صرف ملکیت، جائیداد منقولہ اور ان کا غلام سمجھا جاتا تھا، بلکہ عورتیں بذات خود وسطی مذہبی جنون، اوہام پرستی اور رجعت پسند رسومات، قوانین کی شکار بن جاتی ہیں۔ ستی، بچیوں کا قتل، کثرت ازدواج، بچوں کی شادی، کولین (یعنی اعلی خاندان) کا نظام، پارکیسل کا نظام، عورتوں کی فروخت، جہیز کا نظام وغیرہ کی عورتیں شکار رہتی تھیں۔ سماج کے اعلی طبقہ کی عورتوں کو خوشحالی کی چند سہولتیں فراہم تھیں لیکن سماج میں ان کا مقام ان عورتوں سے بہتر نہ تھا جو شدید غربت میں زندگی بسر کرتی ہیں۔

عورت اپنا بچپن باپ کے تحت، جوانی شوہر کے تحت اور ضعیفی اپنے بیٹوں کے تحت گذارتی ہے۔

[illegible] فائدہ اٹھاتے ہوئے برٹش نے سارے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ برطانوی راج کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی دیسی صنعت اور مضافاتی معیشت بالکل تباہ و برباد ہو گئی۔ برٹش نے اپنے ملک کے صنعتی انقلاب کو ایندھن فراہم کرنے کے لئے ہندوستان کو لوٹ لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ ہم لوگ ان کی صنعتوں کے لئے خام اشیاء سپلائی کرتے رہیں۔

بلاشبہ برطانوی تسلط کے خلاف نہ صرف جاگیردار امراء جو برٹش تسلط سے متاثر نہیں ہوئے تھے، کی طرف سے بلکہ کسانوں اور مزدوروں کی طرف سے بھی، جنہیں برٹش ظلم کا نشانہ بننا پڑا تھا، مزاحمتیں کی گئیں۔ سارے ملک میں کسانوں کی بے چینی اور بغاوتیں، سنیاسیوں کی بغاوتیں، چوآر بغاوت، وہابی شورشیں، سنتھالی بغاوتیں اور مو پلا بغاوت اور اسی طرح کی دیگر بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ برٹش حکمران کے خلاف یہ شورشیں اور بغاوتیں ۱۸۵۷ء میں آزادی کی پہلی جنگ کی صورت میں رونما ہوئیں۔

لیکن اس دوران ۱۹ویں صدی کے یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا تھا اور اس سے ساری دنیا متاثر ہوئی تھی۔ یورپ کی بیداری کے عرصے میں دنیا کے بہت سارے علاقوں میں عظیم

عظیم واقعات، جیسے برطانیہ میں صنعتی انقلاب، فرانسیسی انقلاب، امریکیوں کی جدوجہد آزادی وغیرہ رونما ہوئے۔ انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، یورپ، گویا ہر جگہ سرمایہ داری کے آمد سے بڑی تیزی سے سائنسی اور تکنیکی ترقی ہوئی۔ قرونِ وسطیٰ کا کمزور جاگیردارانہ سماجی نظام صنعت کاری کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا، اور یہ معدوم ہو گیا۔ بقول مارکس، انجیلس، اس سلسلے میں بورژواؤں نے تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم انقلابی کردار ادا کیا۔

یہاں ہندوستان میں بھی برٹش حکومت کی وجہ سے ایسے نتائج برآمد ہوئے جن کی حکومت کو توقع نہ تھی اور وہ سب ان کی روک تھام بھی نہ کر سکے۔ یہاں برٹش حکومت نے اپنے مفاد کی خاطر رسل و رسائل اور نقل و حمل کے جدید نظام کو رائج کیا اور تعلیم کی بھی چند سہولتیں فراہم کیں۔ مغربی نشاۃِ ثانیہ کی روشنی قدرتی طور پر ہندوستان میں بھی داخل ہو چکی تھی۔ ایسی تمام کوششوں کے باوجود برٹش ہندوستان کو اپنی کالونی حکومت اور استعمال کے لئے خام اشیاء کا صرف گودام گھر بنا کر نہ رکھ سکا۔ سماجی ترقی کے قدرتی طریقہ کار میں، تاریخ کے منافع میں، سرمایہ داری بھی ہندوستان میں ترقی کرنے لگی۔ گویا مغربی احیاءِ نو کا امنڈتا ہوا سیلاب ہندوستان کے کنارے تک پہنچ چکا تھا۔

عقلیت اور انسان دوستی جو اس نشاۃِ ثانیہ سے وابستہ تھیں، کی روشنی میں ذاتی آزادی اور ایک فرد کی حیثیت سے خود کو ترقی دینے کی آزادی کا سوال بالکل عیاں ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کیلئے تعلیم، آزادی، سماجی اور انسانی حقوق کا سوال بھی اجاگر ہو جاتا ہے۔ ۱۹ویں صدی میں جو سماجی بیداری ہوئی اسے ہندوستانی نشاۃِ ثانیہ کہا جا سکتا ہے۔ ۱۹ویں صدی کی نشاۃِ ثانیہ کا مرکز بنگال تھا یا یوں کہئے کہ کلکتہ تھا یہیں نشاۃِ ثانیہ کے اس دور کے سربراہ "جدید پروہیتی"

راجہ رام موہن رائے نے جاگیردارانہ غلامی کے خلاف بغاوت کی۔ یہ تو ان کی خصوصی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ سن ۱۸۲۹ء میں سماجی اصلاح کا بہت بڑا قدم، یعنی ستی کی قانونی ممانعت، اٹھایا گیا۔

یہ بات نہیں کہ راجہ رام موہن رائے جیسے سماجی مصلحین نے عورتوں کی سماجی نابرابری کے مسئلہ پر یونہی غور نہیں کیا بلکہ ان مصلحین نے انسان دوستی کے جذبہ سے سرشار ہو کر سماجی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ان لوگوں نے مرد۔عورت کے رشتہ کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھا تھا اور صرف ستی کے رسم کو اٹھا کر وہ مطمئن ہو کر خاموش بیٹھے نہیں رہے۔ ان لوگوں نے کثرتِ ازدواج، دو بیویوں کا رکھنا اور کنٹرولن نظام کے خلاف مہم چلائی۔ ان لوگوں نے جائیداد پر عورتوں کے حقوق کے لئے بھی جدوجہد کی۔ وہ سب جہیز نظام اور لڑکیوں کی فروخت کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ رام موہن رائے کی قائم کردہ "آتمیہ سبھا" کا اہم مقصد ہی یہ تھا کہ قرونِ وسطیٰ کی ان پرانی روایتوں کے خلاف لوگوں میں بیداری پیدا کی جائے۔ اس کام میں دوارکا ناتھ ٹیگور، پرسنا کمار ٹیگور، نند کشور بوس، بدیہ ناتھ مکھوپادھیہ اور دیوان موتی چند نے ان کا ساتھ دیا۔ اس سلسلے میں ڈیروزیو اور اس کے "نوجوان بنگال" اور برہمو سماج کا کردار خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

بیداری کے اس جگ میں رام موہن کے بعد ایشور چند ودیاساگر نے بھی سماجی اصلاح کے میدان میں بہت ہی اہم اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک بار یہ کہا تھا "میں نے اپنی زندگی میں اگر کوئی نیک کام کیا ہے تو ان میں سے ایک یعنی بیوہ کی دوبارہ شادی سب سے بہتر ہے۔" ودیاساگر بہت عالم فاضل اور رحمدل تھے۔ مذکورہ جملے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مظلوم عورتوں کے مصائب سے وہ کس حد تک متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ کتابچہ بنام "کیا بیوہ کی دوبارہ شادی ہونی چاہئے" لکھیں اور اس کی وجہ سے اس وقت کے سماج میں ایک ہلچل مچ گئی۔ قدامت پسند اور رجعت پسند لوگوں نے بیوہ کی دوبارہ شادی کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، لیکن ودیاساگر اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ آخر میں بیوہ کی دوبارہ شادی ایکٹ سن ۱۸۵۶ء میں پاس کیا گیا۔ ودیاساگر نے کثرتِ ازدواج اور بچپن کی شادی کی روک تھام کرنے کی بھی حتی الامکان کوششیں کیں۔ انہوں نے عورتوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

ملک کے دیگر علاقوں میں سماجی اصلاح کے لئے بہت سارے رہنماؤں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ شمالی ہندوستان میں دیانند سرسوتی کے قائم کردہ آریہ سماج کے ممبران عورتوں کی تعلیم اور بیوہ کی شادی کو فروغ دینے نیز بچوں کی شادی اور جہیز کی روک تھام کرنے کے لئے

سارے ملک میں پھیل گئے۔ بہرام جی ملاباری، دھوندے کیشوکاروے، دیا اسلیم پنڈتا، آر۔ دیکیٹ رمن نائیڈو، گوپال کرشنا گوکھلے وغیرہ چند نامی معاشی مصلحین تھے جنہوں نے عورتوں کی تعلیم اور عورتوں کے حقوق کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

یہ بات باعث تعجب نہ ہوگی کہ اس زمانہ کے سماجی مصلحین میں چند عورتیں بھی شامل تھیں۔ آج بھی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ تعلیم یافتہ عورتیں اس اصلاحی تحریک میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان میں برہمو سماج کی عورتیں جیسے سورنا کماری دیوی، سرلا دیوی چودھرانی، پنڈتیہ راما بائی، آنندی بائی جوشی، فرانسیسکا سہراب جی، اینی جگن ناتھ، رکھما بائی وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح ۱۹ ویں صدی میں عورتوں کی ترقی کے لئے تحریکیں، تعلیم، بیوہ کی دوسری شادی کا فروغ اور کثرتِ ازدواج اور بچپن کی شادی کی روک تھام اور عورتوں کے دیگر قانونی حقوق کے قیام وغیرہ تک محدود تھیں۔ لیکن یہ تحریکیں اس وقت ہندوستان میں بڑی قومی بیداری کی جز تھیں۔ اسی طرح ہندوستان میں ترقی پذیر عورتوں کی تحریک کے مستقبل کی راہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔

ہندوستانی قومی کانگریس کی سنہ ۱۸۸۵ء میں تشکیل نے ہندوستان میں عورتوں کی آزادی اور نجات کی تحریک کو جلا بخشی۔ قومی کانگریس شروع سے ہی اپنے دائرہ میں عورتوں کو شامل کیا۔ گاندھی جی نے عورتوں کو آواز دی۔ انہوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ عورتوں کو آزادی حاصل کرنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ مردوں کو ہے۔ عدم تعاون اور شہری نافرمانی تحریکوں میں عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں عورتوں کے حقوق رائے دہندگی کی تحریک شروع ہوئی۔ سروجنی نائیڈو کے زیر سربراہی ایک وفد نے مونٹیگو چیلمسفورڈ مشن سے ملاقات کی اور ان کے سامنے عورتوں کی تعلیم، بستر زچگی مراعات اور عورتوں کو مردوں کے مساوی رائے دہندگی کے حق کے سلسلے میں مطالبات پیش کئے لیکن اس وفد کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی سال کلکتہ میں منعقدہ کانگریس کے اجلاس میں اجس کی صدارت اینی بیسنٹ نے کی تھی عورتوں کے مطالبات کے اجس منشور کی تائید کی۔ عورتوں کے حقوق رائے دہندگی کو آخر میں صوبائی موضوع میں تبدیل کر دیا گیا۔ سارے ملک کی عورتوں کے مطالبہ اور دباؤ کی وجہ سے سنہ ۱۹۲۹ء میں تمام صوبوں میں عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دے دیا گیا۔ آئرلینڈ کی عورتوں کی رائے دہندگی لیگ کی بانی مارگریٹ کزنس ہندوستان میں عورتوں کی رائے دہندگی تحریک میں پیش پیش تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر عورتیں، جیسی سروجنی نائیڈو، امو سوامی ناتھن، دیوی، چتر سائی گانگولی، نیلی سین گپتا، ابنہ پردا چیندا، بسنتی دیوی وغیرہ بھی آزادی کی تحریک اور عورتوں کی تحریک میں پیش پیش رہیں۔

اسی دوران انقلابی جماعتوں کی سربراہی میں تخریف پسند تحریک سارے ملک میں خاص طور پر بنگال اور پنجاب میں پھیل گئی۔ بہت ساری عورتوں نے ان تحریکوں میں بھی عملی طور پر حصہ لیا۔ عورتوں نے اسلحہ جات کے استعمال کے سلسلہ میں تربیت بھی حاصل کی۔ اس سلسلے میں مشہور مجاہدۂ آزادی میڈم کاما کا خاص طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے انقلابیوں کی اس سلسلے میں مدد کی کہ وہ سب باہر کے ملکوں سے ہتھیار حاصل کر سکیں۔ انہوں نے کلارا زیٹکن کے زیر اہتمام اسٹٹگارٹ میں منعقدہ عورتوں کی بین الاقوامی سوشلسٹ کانفرنس میں شرکت کی۔

چاٹگام اسلحہ خانہ کیس میں شریک پریتی لتا واڈار کو شہید کر دیا گیا۔ تخویف پسند تحریکوں میں شانتی گھوش، سومیتی چٹرجی، کلپنا دت، بینا داس، لیلا رائے، کملا چٹرجی، سبھاسینی گانگولی، ایندو سدھا گھوش، کملا داس گپتا اور دیگر عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

ان قومی تحریکوں کے ساتھ ساتھ سارے ملک میں کسانوں اور مزدوروں کی تحریکیں بھی پھیل گئیں، اور انہوں نے تنظیمیں، ٹریڈ یونینیں اور کسان سبھا قائم کئے۔ ان طبقاتی تنظیموں اور تحریکوں میں خاص طور پر چائے کے باغات، سوتی کپڑے کی ملوں، اور کسانوں کی ٹیکس ادا نہ کرنے کی تحریکوں میں عورتوں کی شرکت قابل ذکر ہے۔ مزدور، کسان تحریکوں میں ممتاز عورت رہنماؤں میں مہاراشٹر کی سندری بائی، ٹریڈ یونین کی پسواتی دیوی اور کمل پریتا

دہلی اور کلکتہ کارپوریشن کی سکینہ بیگم کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قومی تحریک کی تمام شاخوں میں لاتعداد عورتوں نے شرکت کی۔ ان تحریکوں میں کافی طالبات نے بھی شرکت کی۔ چونکہ ہندوستان ایک محکوم کالونیائی ملک تھا، اس لئے یہاں عورتوں کی نجات کی تحریک آزادی کی تحریک کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر آگے بڑھتی رہی۔

ان تحریکوں کے ذریعہ عورتوں کی بھی کئی ایک تنظیمیں قائم وجود میں آئیں جن میں سے زیادہ تر تنظیمیں مقامی تھیں۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں مارگریٹ کزنس کی سربراہی میں آل انڈیا وومینس کانفرنس (اے۔ آئی۔ ڈبلیو۔ سی) یعنی عورتوں کی کل ہند تنظیم "قومی نوعیت کی پہلی تنظیم قائم ہوئی۔ شروع سے ہی قومی تحریک میں شامل ممتاز خواتین [illegible] سروجنی نائیڈو، کملا دیوی چٹوپادھیائے، راجکماری امرت کور، [illegible] مثو لکشمی ریڈی [illegible] اس تنظیم سے وابستہ تھیں۔ [illegible] یہ تنظیم سماجی [illegible] ملک کے مختلف ضلعوں میں اس کی شاخیں بھی قائم کی گئیں۔ لیکن یہ مقامی ادارہ تھا۔ یہ کل ہند اہمیت کا حامل نہ تھا۔

آزادی کی تحریک میں شامل ہونے والی بہت ساری عورت مجاہدین میں ماتنگنی ہاجرہ اور کنک لتا بروا نے جو تھی دہائی کے عرصہ میں جام شہادت نوش کیا۔

اگرچہ عورتوں نے کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں اور تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تاہم اس سے قبل ان کے لئے اپنا کوئی الگ پلیٹ فارم نہیں تھا۔ چوتھی دہائی کے عرصہ میں جب دوسری عالم گیر جنگ جاری تھی اور فاسزم سے شدید خطرہ ہو گیا تھا اور ملک تباہ کن قحط سے دوچار تھا اس وقت ملک کے [illegible] سارے علاقوں میں عورتوں کی عوامی تنظیمیں عالم وجود میں آ گئیں۔ کمیونسٹ پارٹی کی عورت کارکنان عورتوں کی نجات [illegible] کی تصورات سے سرشار نے اس عظیم تاریخی مہم کی [illegible] بنگال، آسام، تریپورا، آندھرا، مدراس، مالابار، [illegible]

پنجاب، بمبئی اور دیگر صوبوں میں عورتوں کی عوامی تنظیمیں قائم کی گئیں۔ ان میں بنگال کی مہیلا آتمارکشا سمیتی (ایم۔ اے۔ آر۔ ایس) کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ اگرچہ عورتوں کی محنت کش جماعتیں مارس کی اہم طاقت تھیں، تاہم یہ زندگی کے تمام شعبوں کی عورتوں کے لئے کھلی تھی۔ اس نے فاشزم کے حملے کے خلاف ملک کے دفاع کے لئے، آزادی کے لئے، لوگوں کو بھکمری اور موت سے بچانے کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔ ایک وسیع پلیٹ فارم تھا۔ اس تنظیم کی رہنماؤں میں مانی کنتلا سین، رینو چکرورتی، کملا مکرجی، ایلا ریڈ [illegible] مجمدار، للیتا کاسین، بینا لاہری، لانیا مترا، پورنو بنرجی [illegible] داس گپتا، اگیتا ملک، ناظم النساء احمد، [illegible] للیتا کاسین، سوبریا اچاریہ، [illegible] اور دیگر ممتاز عورتیں شامل تھیں۔

اسی طرح [illegible] تنظیموں [illegible] کانگریس مہیلا [illegible] تعاون کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ [illegible] کی تعداد ۴۳۰۰۰ ہو گئی اور بنگال کے ۲۸ ضلعوں میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بعد میں مارس کو عورتوں کی بین الاقوامی جمہوری وفاق میں شامل کر دیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد کے دنوں میں یعنی سنہ ۱۹۷۰ء میں مارس کو دو حصوں میں تقسیم [illegible] پشچم بنگ گنتانترک مہیلا سمیتی اور [illegible] سمیتی [illegible] رجحانات کی [illegible] مہیلا سمیتی [illegible] رجحانات [illegible] تحریک کی روایت کو [illegible] بڑھا رہی ہیں۔

[illegible] اسی طرح [illegible] جو تھی دہائی [illegible] ہندوستان کے دیگر [illegible] عورتوں کی اسی طرح کی [illegible] عورتوں کی تنظیمیں قائم ہوئیں۔

عورتوں کی تحریک کی، آزادی کے قبل کے دنوں کے دور میں، ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ منظم طور پر مزدوروں اور کسانوں کی عوامی تحریکوں [illegible] وابستہ تھی۔ مہیلا سمیتی کی سینکڑوں ورکروں، تیبھاگا شورش [illegible] حصہ لیا اور ان میں سے بہت سارے ورکروں نے جام شہادت نوش کیا۔ آندھرا مہیلا سنگم نے تیلنگانہ کے کسانوں کی جدوجہد یہاں تک کہ مسلح لڑائی میں شرکت کی۔ عورتوں نے پاٹ مزدوروں، چائے باغات کے مزدوروں اور کان کے مزدوروں کی جدوجہد میں عملی طور پر شرکت کی۔ کیرالا کے علاقہ میں مزاحمتی تحریک میں عورتوں کی تنظیموں نے کوئی غیر اہم کردار ادا نہیں کیا۔ گوداوری پارولکر جیسی عورت سربراہوں نے مہاراشٹر میں قبائلی جدوجہد کی رہنمائی کی۔ المختصر، اس صدی کی چوتھائی دہائی کی عورتوں کی عوامی تحریکوں اور تنظیموں نے سماجی اور قانونی حقوق کے لئے عورتوں کی تحریک کی ماضی کی روایتوں کو آگے بڑھایا، سماج کی نچلی سطح کی محنت کش عورتوں کو تنظیم کے دائرہ میں لایا اور آزادی کی جدوجہد سے انہیں وسیع پیمانہ پر وابستہ کر دیا۔ اس طرح ہمارے ملک میں جدوجہد آزادی کے ہر دور میں عورتوں کی نجات کی تحریک آزادی کی تحریک سے وابستہ رہی اور ہمارے ملک میں عورتوں نے آزادی کی جدوجہد میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

آج ہماری آزادی کی چار دہائی کے بعد، عورتوں کی نجات کی تحریک وسیع پیمانے پر اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے رواں دواں ہے۔ ہمارے ملک کی عورتیں آج بھی ناخواندگی، بے روزگاری اور لاتعداد سماجی تعزیرات سے دوچار ہیں۔ ہمارے ملک کی ہزاروں عورتیں ہر قسم کی سماجی ناانصافی اور جبر کی شکاری بن جاتی ہیں۔ عام طور پر عورتوں کی حیثیت مردوں کی حیثیت کے برابر تو کجا، اس سے کافی پیچھے اور دور ہے، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ چند طبقوں کی عورتیں تعلیم، روزگار اور علم اور ترقیاتی سرگرمیوں کے دیگر شعبوں میں آگے بڑھ چکی ہیں۔ لیکن آج عورتیں اپنی حالت اور حقوق سے زیادہ سے زیادہ بیدار ہو چکی ہیں۔ وہ سب اس بات کو شدت سے محسوس کر رہی ہیں کہ عورتوں کی نجات کے سوال پر الگ تھلگ سے غور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس سوال پر عوام کے تمام طبقات کے مظلوم لوگوں کی نجات کے سوال کے ساتھ غور کیا جانا چاہئے۔ عورتوں کے سماجی اور معاشی مطالبات پر ان کی روزمرہ کی جدوجہد کو موجودہ سماجی ڈھانچہ کو بدلنے کے لئے وسیع تر جدوجہد کے ساتھ منسلک کر دینا چاہئے۔ اس لئے آزادی کی جدوجہد کے دوران ملک میں عورتوں کی نجات کی تحریکیں جن دشواریوں سے دوچار ہوئیں انہیں دور کرنا ہے اور آج ان خوابوں کی تعبیر سماج کو بدلنے کیلئے جدوجہد سے بالکل منسلک ہے ٭٭

بقیہ: 'آزادی کے ۴۰ برس کے بعد عوام کا مقدر......

دے رہی ہے اور سرمایہ دار راستے کو دیوالیہ قرار دئے جانے کی بات صحیح ثابت کر رہا ہے۔

حکمراں پارٹی میں موجود زلزلے، سیاسی زندگی سماجی، اقتصادی ڈھانچے میں بحران حادثہ نہیں، یہ آزادی کے بعد سے منتخب شدہ راستے اور اس پر چلنے کا منطقی نقطۂ عروج ہیں۔

چونکہ عوامی بے چینی دفعتاً اور منظم کردہ جدوجہدوں کے روپ میں بھڑک رہی ہے اور سرکار کی بے وقعتی انتہائی نچلے نقطے پر جا پہنچی ہے اسی لئے درمیانی مدت کے چناؤ کی اپوزیشن کی پکار کو انتہا وسیع حمایت حاصل ہو رہی ہے اور یہ ملک کے طول و عرض میں شدت پکڑ رہی ہے۔

ملک کی وحدت اور سالمیت کے تحفظ کے لئے عوام کی تخلیقی توانائیاں کام میں لانے کے لئے اور ان کی امنگیں پوری کرنے کے لئے اس راستے کو تبدیل کرنا ضروری ہے جس پر گذشتہ ۴۰ برسوں کے دوران چلا گیا ہے۔ بائیں بازو کی جمہوری اور سیکولر قوتوں کو سرمایہ دار، زمیندار حکمران کانگریس کو بدلنے کی راہ میں قائدانہ کردار ادا کرنا ہے ـــ یہ کام کئے بغیر سرمایہ دار ترقی کا دیوالیہ راستہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا ٭٭٭

(بشکریہ "لوک لہر" نئی دہلی)

فضا تیری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں
ـــــ علامہ اقبال

آزادی کے چالیس ۴۰ برس کے بعد عوام کا مقدر

دکھ درد، جبر و ستم، فساد اور عدم تحفّظ

۴۰ سال قبل ۱۵ اگست کو ایک سو نوے سالہ نوآبادیاتی حکمرانی کے بعد ہندوستان نے سیاسی آزادی حاصل کی تھی۔ یہ تاریخ ساز واقعہ ان سرفروش قربانیوں کا نتیجہ تھا جو اس ملک کے عوام نے اپنی صبر آزما نجات جدوجہد کے درمیان پیش کی تھیں۔ یہ فاشیت کی شکست کا ایک اہم حاصل تھا۔ اس وقت عالمی سامراجیت نوآبادیاتی ممالک کے عوام کے خروج کا مقابلہ کرنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوگئی تھی۔ ہندوستان میں کسانوں کی بے مثال بغاوتوں کی لہر سی چلی، مزدوروں کی عام ہڑتال ہوئی، طلباء کی ہڑتالیں ہوئیں، ریاستوں کے عوام نے عوامی جدوجہدیں کیں۔ یہاں تک کہ ہتھیار بند قوتوں اور بحری قوتوں نے بغاوتوں کے عَلَم بلند کئے۔

اس وقت بھی اقتصادی اعتبار سے "تاج کے سب سے چمکدار ہیرے" کو دبوچے رکھنے کی عاجزانہ کوششیں کرتے ہوئے سامراجیت نے گردن اسی وقت ڈالی جب اسے فوج اور بحریہ کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اپنے کردار کے عین مطابق اس نے ملک کو فرقہ وارانہ خطوط پر منقسم کر دیا۔ ہندوستان میں انڈین نیشنل کانگریس کو اور پاکستان میں مسلم لیگ کو اقتدار سونپ دیا گیا جس کی رہنمائی جناب محمد علی جناح کر رہے تھے۔ ملک کا فرقہ وارانہ بٹوارہ متعلقہ ملکوں اور لوگوں کے لئے ایک رستا ہوا ناسور ثابت ہوا ہے۔ برصغیر کا سارا سماجی تانا بانا مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ آزاد ہندوستان میں سرمایہ دار۔ زمین دار حکومت اور ریاست نے جاگیرداری کے ساتھ اشتراک اور غیر ملکی مالیاتی سرمائے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تال میل کرتے ہوئے سرمایہ دار ترقی کا راستہ اختیار کیا — ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے اسے سرمایہ دار ترقی کا دیوالیہ راستہ قرار دیا — جاگیرداری کا خاتمہ نہیں کیا گیا، ملک میں سامراجی مفادات کی بیڑیاں نہیں کاٹی گئیں اور مزید یہ کہ یہ راستہ ایک ایسے وقت اختیار کیا گیا جبکہ سرمایہ داری عالمی سطح پر عمومی بحران کے سنگین مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ اس منتخب کردہ راستے کی بحران زدہ نوعیت کے باوجود، صنعت میں کچھ محدود سی ترقی اور زراعت میں ترقی کے امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن گزشتہ ۴۰ سال کے واقعات نے عوام کی امیدوں اور امنگوں پر پوری طرح سے پانی پھیر دیا ہے۔ آج بھی لوگوں کی ۵۰ فیصد تعداد غریبی کی سطح سے نیچے گزر بسر کرنے پر مجبور رہے، ۴۰ فیصد آج بھی ناخواندہ ہیں، عوامی قرضے کی رقم ۸۸ ہزار سات سو ستر کروڑ روپئے ہو چکی ہے جس میں ۱۸ ہزار ۳ سو ۴۲ کروڑ روپئے غیر ملکی قرضے کی مد میں ہیں۔ ۱۹۷۰ء – ۱۹۷۱ء کی بنیاد پر تھوک قیمت کا اعشاریہ ۳۵۷.۶ ہے جبکہ ۱۹۶۰ - ۱۹۶۱ء کی بنیاد پر روزمرّہ کی کھپت کی چیزوں کی قیمت کا اعشاریہ ۶۲۰ کے نشان پر پہنچ چکا ہے، اس وقت ملک میں بے روزگاروں کی مجموعی تعداد ۳۰۳ لاکھ ہو چکی ہے۔

زرعی چیزوں کی قیمتوں میں بھاری کمی کرکے کسانوں کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ عوام کے جمہوری اور شہری حقوق پر حملے بڑھتے جا رہے ہیں۔ صنعتی تنازعات کے ایکٹ میں ترمیمیں کرکے ٹریڈ یونین حقوق میں مزید کٹوتی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے — ریاستوں کی داخلی خودمختاری مزید کم کی جا رہی ہے اور صدارتی راج کا تھوپا جانا ایک

مسلسل جاری سلسلہ بن گیا ہے۔

ایک طرف جاگیردارانہ [illegible] دوسری طرف سامراجیت کے سمجھوتے کے عمل [illegible] فرقہ پرستانہ قوتوں کے سامنے ملک میں پھلنے پھولنے کے روپ میں دیکھے جا سکتے ہیں جو ملک کی سالمیت اور وحدت ہی کے لیے خطرہ پیدا کر رہی ہیں۔ حکمران کانگریس پارٹی نے گذشتہ ۴۰ برسوں میں جن پالیسیوں پر عمل کیا ہے انہوں نے ہمارے ملک کو غیر مستحکم کرنے کے لیے سامراجیت کو مداخلت کے اسباب فراہم کیے ہیں۔

جاگیردارانہ خیالات اور اعمال نے ہندوستان کی سیاسی زندگی میں اپنے پنجے گہرے گاڑ دیئے ہیں۔ سیکولرزم کی بس لفظی جاپ کی جاتی ہے اور حکمران پارٹی اور اس کی حکومت کے کارکنوں کی بڑی تعداد مذہب کو سیاست کے ساتھ شیر و شکر کرتی نظر آتی ہے۔ جاگیردارانہ پچھڑے ہوئے خیالات اور اعمال کانگریس (آئی) کے زیر قیادت ریاستوں میں [illegible]

[illegible] ریاستوں نے اپنی سیاسی زندگی اور عوام کے اقتصادی نظام کو جدید بنانے کے لیے بھی اہم تبدیلیاں کی ہیں۔

اگرچہ ملک نے ۱۹۵۰ء میں ایک جمہوری آئین اختیار کیا تھا، حکمران کانگریس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام جمہوری خصوصیات کو کمزور کرتی رہی ہے۔

آئین کی وفاقی خصوصیات کو منظم طریقے سے کمزور تر کیا جا رہا ہے اور مرکز۔ ریاست تعلقات مزید خراب ہو گئے ہیں۔ سرکاریہ کمیشن کو اپوزیشن پارٹیوں کے انتھک مطالبے کے بعد مرکز۔ ریاست تعلقات کے گرما گرم سوال کا جائزہ لینے کے لیے مقرر کیا گیا تھا لیکن وہ تین برس گزر جانے کے بعد بھی اپنی رپورٹ پیش نہیں کر سکا۔

حکمران پارٹی کو ایک سائنٹفک لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تنظیم نو پر مجبور کرنے کے لیے زبردست عوامی مہمیں چلانی پڑی تھیں۔ حکمران کانگریس جماعت اور اس کی سرکار نے یہ کام اس طرح کیا کہ بہت سے مسائل بے حل چھوڑ دئے جو آج تک رس رہے ہیں اور بہت سی تفرقہ پسند انتشار پسند تحریکوں کو بنیاد فراہم کر رہے ہیں۔

عوام کے جمہوری فیصلے کی نفی کرتے ہوئے اپوزیشن کے زیر حکومت ریاستوں [illegible] بار بار [illegible] راج تھوپا گیا ہے۔ ان برسوں کے دوران حکمران کانگریس نے غیر کانگریسی حکومتوں کے تئیں زبردست عدم رواداری کا اظہار کیا ہے اور آئین کا اس طرح استعمال کیا ہے کہ جمہوری اپوزیشن ابھرنے نہ پائے۔

آج آزادی کے چالیس برس بعد حکمران پارٹی اور اس کی سرکار کی وقعت کم ہو چکی ہے۔ عوام میں اعتماد بالکل کھو چکی ہے جس کے نتیجے میں ساری اپوزیشن درمیانی مدت کے چناؤ کا مطالبہ کر رہی ہے۔ خود اس کی اپنی صفوں کے اندر بدعنوانی کے الزامات جس طرح اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں، اس کی اس سے قبل کوئی مثال موجود نہیں۔

حکمران پارٹی کا بذات خود شیرازہ بکھر رہا ہے اور وہ طویل عرصہ سے حقیقی معنوں میں ایک پارٹی نہیں رہی۔ ۲۰ برس سال سے اپنی اندرونی کارکردگی میں جمہوریت پر عمل نہیں کر رہی۔ یہ گرتے گرتے عظمند ولا کی ایک رنگ برنگی بھیڑ بن کر رہ گئی ہے جسے دل بدلی مخالف قانون کی چابک کے بل پر یکجا کیا جا رہا ہے۔ [illegible] اقتدار کی کرسی سے گھسیٹ پھینکا جائے گا اور یہ لوگ عہدے کی نعمتوں اور روپے کی طاقت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

سامراجیت نے یہ صورت حال اپنے فائدے کے لیے استعمال کی ہے۔ باقی کی تیسری دنیا کی طرح بین الاقوامی اقتصادی اداروں اور تعلقات میں اپنے غلبے کو اس نے ہندوستان کو بھی اپنی زیادہ سے زیادہ سخت شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ تمام برسوں کے دوران حکمران کانگریس کی سرکار سامراجیت سے درپیش خطرات کے تئیں لاپرواہ رہی ہے اور سی آئی اے جیسی اس کی ایجنسیوں کو ملک میں کھیل کھیلنے کی اجازت دی ہے۔

کسی بھی طرح کی لفاظی ملک کو درپیش بدنما حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ آئی آر ڈی پی، این آر ای پی وغیرہ جیسی غریبی دور کرنے کی بہت سی اسکیمیں ملک میں غریبی کے دیو قامت مسئلے پر خراش بھی نہیں ڈال سکیں۔ آر بی آئی، آئی ایف ایم آر، این سی پی اے آر ڈی اور پی ای او جیسی سرکاری ایجنسیوں اور منصوبہ بندی کمیشن کے جائزے بھی ان اسکیموں کے موثر ہونے کے بارے میں بہت مشکوک ہیں۔

موجودہ بحران کی شدت کے تئیں مرکزی سرکار کا رد عمل مخصوص:

ہے۔ اس کا نے بیلک سیکٹر کا خون نچوڑنے کی کوشش کی ہے اور سامراجی کمپنیوں کے لئے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ان کے لئے اقتصادیات میں دخل ہو رہا ہے۔ یہ سارے کام اس نے ۲۱ ویں صدی میں پیش قدمی کے نام پر دکھائے ہیں۔ یوں اس نے خود کفالت کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔

حکمراں کانگریس پارٹی نے ان حالات میں وہی واحد حوالی عمل کیا ہے جو دیوالیہ کے راستے پر گامزن سرمایہ دار۔ زمیندار سرکار کر سکتی ہے۔ یہ کہ ایک طرف بے لگام اشتراک کئے جائیں اور دوسری طرف بڑھتی ہوئی بے چینی کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ گزشتہ ۴ سال کے واقعات سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہیں۔

ان برسوں کے دوران حکمراں کانگریس پارٹی نے ذات پات پرست، فرقہ پرست اور دیگر سماج دشمن قوتوں کے ساتھ گٹھ بندھن کیا ہے اور عوامی اور جمہوری بے چینی کی للکار کا مقابلہ کرنے کیلئے منتشر رجعت پسند گٹھوں کے ساتھ تال میل کیا ہے۔ ایسے پہلی للکار کا ۱۹۵۲ء میں منعقدہ عام چناؤ میں سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جب اس نے سابقہ مدراس پریذیڈنسی میں موقعہ پرست، چالبازی اور گٹھ بندھن کے ذریعہ غیر کانگریسی سرکار نہیں بننے دی تھی۔ آندھرا پردیش میں ایسے ۱۹۵۵ء میں دوسری للکار کا سامنا کرنا پڑا تو اس وقت بھی اس نے کمیونسٹوں کے خلاف ہر ایسے غیرے نتھو خیرے کا گٹھ بندھن بنایا تھا۔

لیکن دو برس بعد یہ تاریخ کی منطق کو ٹال نہ سکی۔ بائیں بازو کی اور جمہوری قوتوں کے ہاتھوں ہوشربا شکست کھا کر اس نے ایک بار پھر کھلے عام اور بڑی ہی بے شرمی سے نام نہاد "نجات جدوجہد" میں مذہبی بنیاد پرست قوتوں کے گٹھ جوڑ کا حربہ اختیار کیا تاکہ عوام پسند حکومت کا تختہ پلٹا جا سکے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں ملک کی اقتصادی پالیسی پر سامراجیت کا زبردست دباؤ پڑا۔ روپیہ کی قیمت گھٹانے پر مجبور کیا گیا۔ یہ کام سامراجیت کے حکم کی تعمیل میں ہوا لیکن اس سے حکمراں پارٹی کو بحران پر قابو پانے میں مدد نہیں ملی۔

۱۹۶۷ء تک حکمراں پارٹی کے خلاف بے چینی کا نتیجہ ملک کے اندر ایک چوتھائی یعنی پوری دس ریاستوں میں غیر کانگریسی سرکاروں کے روپ میں برآمد ہوا۔ ان میں سے دو ریاستوں کیرالا اور مغربی بنگال میں بائیں بازو کی قوتوں نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ ان حکومتوں میں سی پی آئی۔ ایم ایک بڑی شراکت دار تھی۔

سرکار کے خلاف بڑھتے ہوئے عوامی خروج کی للکار کا مقابلہ کرنے کے لئے حکمراں پارٹی نے بے لگام ہتھکنڈوں کا سہارا لیا۔ وہ جمہوری ضابطوں کو کمزور کرنے لگی اور اس نے زیادہ سے زیادہ جبر و ستم کا سہارا لینا شروع کیا۔ اس وقفے کے دوران یہ انتہائی ناگوار منظر دیکھنے میں آیا کہ گورنر راج، حکمراں پارٹی کے ایک آلے کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ یوں آئین کی جمہوری بنیاد ہی کو کمزور کیا جانے لگا۔ مغربی بنگال میں نیم فاشی دہشت گردی سے کام لیا گیا اور کیرالا میں بے مثال جبر و ستم سے جہاں بائیں بازو کی قوتیں خصوصاً سی پی آئی۔ ایم کی جدوجہد کی صف اول میں تھیں۔ حکمراں پارٹی کے بحران کا نتیجہ ۱۹۶۹ء میں اس کے بٹوارے کی صورت میں برآمد ہوا۔

۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوائل میں حکمراں پارٹی کو اس وقت تھوڑی سی دیر کے لئے سانس لینے کا موقع ملا جب اندرا گاندھی نے "غریبی ہٹاؤ" اور نوابی بٹوے ختم کرنے جیسے عامیانہ نعروں کے نقلی ہتھکنڈوں کے ذریعہ پارلیمنٹ میں زبردست اکثریت حاصل کی۔

لیکن بحران کی نوعیت اس وقت اتنی گہری ہو چکی تھی کہ چند برسوں ہی کے اندر عوامی بے چینی کا لاوا ایک بار پھر سارے ملک میں پھوٹ پڑا۔ اس کا نقطۂ عروج ۱۹۷۴ء میں ہڑتالوں کی لہر تھی۔ ان سب کے باوجود اس وقفے کا سب سے امتیازی کارنامہ ریل ہڑتال تھی جسے وحشیانہ جبر و ستم سے کچلنے کی کوشش کی گئی ـــــ اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ بھارت بند کی کئی کامیاب پکاریں دی گئیں جو عوام کی بہت بڑی تعداد سے حکمراں کانگریس پارٹی کے الگ تھلگ پڑ جانے کی علامتیں تھیں۔

اس کے تئیں حکمراں کانگریس پارٹی کا مخصوص جواب جمہوری نظام پر سیدھا حملہ تھا۔ اس نے شہری آزادیوں کو پیروں تلے روندا اور جون ۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی نافذ کر کے اپوزیشن کا گلا دبانے کی کوشش کی۔ بدتر اقتصادی حالات نے بے چینی اور عوامی جدوجہدوں کو جنم دیا جن کے نتیجے میں دو برس بعد نفرت انگیز ایمرجنسی سرکار کا تختہ پلٹ گیا۔

جنتا حکمرانی کے مختصر سے وقفے کے دوران بحران کا لاوا ایک بار پھر پھٹ پڑا۔ مذہبی بنیاد پرستوں کو عروج حاصل ہوا، اقلیتوں اور درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں پر حملوں میں ہر طرف اضافہ ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں کانگریس (آئی) کے دوبارہ رونما ہونے سے بحران کی نشانیوں کی شدت نہ مل سکی جب کہ سی پی آئی۔ ایم کا احتساب تھا۔ علیحدگی پسند انتشار پسند اور فرقہ پرست تحریکیں ایک بار پھر سے سارے ملک کے طول و عرض میں پھٹ پڑیں ـــــ صرف ان علاقوں کے سوا جہاں سی پی آئی ایم کے زیر قیادت بائیں بازو کی تحریک کو غلبہ حاصل تھا یعنی مغربی بنگال، تری پورہ اور کیرالا کے سوا۔ پنجاب میں علیحدگی پسند ایجی ٹیشن جسے سامراجیت کی حمایت حاصل ہے، بھنڈران والے کے عروج حکمراں کانگریس کے موقع پرست ردِ عمل کا نتیجہ "آپریشن نیلا ستارہ" ت میں برآمد ہوا۔

آسام میں علیحدگی پسند ایجی ٹیشن اور وہ فرقہ وارانہ ہذیان جس ت اور شمالی ہند کے دیگر حصوں کو اپنی گرفت میں لے لیا، آج ملک و ... ریشی سنگین بحران کا اظہار ہیں۔ ان ایجی ٹیشنوں کے مقابلے ملک کی وحدت اور سالمیت ہی کو خطرہ درپیش ہے۔

راجیو سرکار نے جیسے شریمتی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد گدی سنبھالیا گیا سرکار اور حکمراں پارٹی کے معاملات کو اس طرح سنبھالا ہے بحران مزید شدید ہو گیا ہے۔ جن تصفیوں پر دستخط کئے گئے ان کے نتیجے میں درحقیقت نااتفاقی میں مزید اضافہ ہوا۔ ملک کی اقتصادیات کو کثیر قومی کمپنیوں پر اتنا انحصار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جس کی اس سے ... کی نظیر موجود نہیں۔ غیر وابستگی اور عالمی امن کی خارجہ پالیسی پر سامراجیوں کا دباؤ زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔

چین کے ساتھ غیر حل شدہ سرحدی جھگڑا، اس بحران کی ایک اور نشانی ہے جو ہندوستان کے حکمراں طبقوں کو درپیش ہے۔

حکمراں پارٹی اور سرکار کے بڑے لیڈر عوام کی نظروں میں ... بازی کے سبب مشکوک ہو گئے ہیں۔ حکمراں پارٹی کو خود اپنے ذات کے فروغ کی غرض سے بنیاد پرست، رجعت پسند اور فرقہ پرست قوتوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں ذرا سی بھی جھجک محسوس نہیں رہی۔

حکمراں پارٹی کا عوام سے زیادہ سے زیادہ بیگانہ ہوتے جانا کسی بھی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس سال کے شروع میں مغربی بنگال اور کیرالا کے اسمبلی انتخابات میں بائیں بازو کے اور جمہوری مورچوں کے ہاتھوں اور ہریانہ اسمبلی چناؤ میں لوک دل کے ہاتھوں کانگریس (آئی) کی کمر توڑ اور ہوش ربا شکستیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حکمراں پارٹی کے خلاف جمہوری عوام کے خروج کو یکجا کرنے کی ذمہ داری بائیں بازو کی اور جمہوری تحریک، خصوصاً سی پی آئی ایم اور سی پی آئی کے کندھوں پر ہے۔

حکمراں کانگریس پارٹی کے اس ریکارڈ کے مقابلے بائیں بازو کی زیر قیادت مغربی بنگال، کیرالا اور تری پورہ کی حکومتوں کا روشن ریکارڈ ہے۔

آئین کے تحت ریاستی حکومتوں پر عائد شدید بندشوں کے باوجود ان حکومتوں نے یہ دکھا دیا ہے کہ متبادل پالیسیوں پر عمل کر کے فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھی جا سکتی ہے، عوام کے جمہوری حقوق کا دفاع کیا جا سکتا ہے اور قانون اور انتظام برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ سرمایہ دار آئین کی بندشوں کے تحت یہ حکومتیں زرعی اصلاحات نافذ کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ انہوں نے قومی وحدت کی علمبرداری کی ہے اور وہ ملک کی جمہوری تحریک کا ہراول ہیں۔

سی پی آئی۔ ایم کے پروگرام میں آج سے ۲۳ سال قبل یعنی ۱۹۶۴ء میں یہ بات ملاحظہ کی گئی تھی کہ:

"تجربہ ..... ذرا سے بھی شک و شبہ کے بغیر اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ سرمایہ داری کے عمومی بحران کے وقفے میں، خصوصاً ایسے وقت جبکہ یہ ایک شدید مرحلے میں داخل ہو گیا ہے، کم ترقی یافتہ ملکوں کے لئے سرمایہ دار راستے کے ذریعہ ترقی کی کاوش فضول ہے۔ ایسی ترقی کے امکانات انتہائی محدود ہیں۔ یہ اقتصادی آزادی اور غریبی اور پسماندگی اور غریبی اور بے روزگاری کے ہمارے بنیادی مسائل حل نہیں کر سکتا۔ یہ ملک کے انسانی اور مادی وسائل کے مکمل ترین استعمال کی ضمانت دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ مسلسل بڑھتے ہوئے تضادات کو فروغ بخشتا ہے اور عدم توازن اور بحران سے دوچار رہتا ہے۔"

گزشتہ ۲۳ سال کی تاریخ اس اصرار کی صحت کی شہادت

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

زعفران

اور اس کی کاشت

از: ——— موتی لال ساقی

زعفران اور عنبری سیب کشمیر کے دو ایسے تحفے ہیں جنہوں نے قدرت کے اس شاہکار کے خدوخال کو زیادہ دل کش اور دلفریب بنا دیا ہے۔ شاید اسی بات کے پیشِ نظر حسن شناس اور حسن تراش شہنشاہ جہانگیر نے لکھا ہے کہ اس قطعہ آراضی کو ملک نہیں بلکہ باغ کہا جانا چاہیئے۔

کشمیر کے تحفے زعفران اور عنبری سیب اس وقت بہاری فضاؤں کو معطر کر دیتے ہیں جب خزاں کی خنک ہواؤں کی آمد آمد ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب وادی کے اطراف واکناف میں سبھی پھول اپنی بہار دکھا کر رخصت ہونے کو ہوتے ہیں مگر اس موڑ پر زعفران کے مخملی پھول کھلتے ہیں اور عنبری سیب کی خوشبو دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے۔ زعفران اور عنبری کی خوشبو سے میلوں تک کی فضا مہک اٹھتی ہے۔ آپ زعفران زار میں جائیے یا عنبری سیبوں کے باغ میں، یہی محسوس کریں گے کہ آپ عطر فروش کی دکان میں ہیں جہاں عطر کی شیشیوں کے ڈھکن کھلے پڑے ہیں۔

زعفران کو سنسکرت میں کم کم کنکم کہا جاتا ہے۔ ہندی میں زعفران کو کیسر اور کشمیری میں "کونگ" کہا جاتا ہے۔ کشمیر میں زعفران کی کاشت زمانۂ قدیم سے ہوتی چلی آئی ہے۔ کلہن نے راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ زعفران کی گٹھی تکشک ناگ نے مہاراجہ للتادت (۷۳۱ - ۷۶۵ء) کے وزیر کو تحفے کے طور پر دی تھی اور تب ہی سے اس کی کاشت تکشک ناگ کے آس پاس پانپور کے علاقے میں ہوتی ہے۔ مگر کلہن کے اس بیان کی تردید خود اس کے اپنے ہی لکھے سے ہوتی ہے کیونکہ راج ترنگنی کی پہلی ترنگ میں ہی کلہن نے کشمیر کو کیسر کی دھرتی کہا ہے۔ کلہن کے بیان کی تردید نیل مت پوران سے بھی ہوتی ہے جس میں زعفران کا ذکر واضح الفاظ میں ہوا ہے۔ نیل مت پوران ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان لکھا گیا ہے جبکہ راج ترنگنی بارہویں صدی میں لکھی گئی ہے۔ نیل مت پوران پر ہی بس نہیں مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (۶۳۱ - ۶۲۹) نے بھی اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ کشمیر میں زعفران کی کاشت کا سہرا بودھ ارہت مدھانتک کے سر ہے جو زعفران کی گٹھی گندھ میدان سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ خزاں میں کشمیر کے لوگ زعفران کے پھولوں کی مالا بیل کو پہناتے تھے اور پوجا کے دوران بدھ دھرم کے ماننے والے زعفران کو استعمال میں لاتے تھے۔ مدھیانتک بھگوان بدھ کے نروان کے بعد چوتھی صدی قبلِ مسیح میں اجات شترو کے دورِ حکومت میں بہت سے ... ہٹ کے ساتھ لیا کشمیر آیا۔ کشمیر میں بدھ دھرم کا ... اسی نے شروع کیا ... ... کا ہو کر رہ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ... نگر ... ریراہ سنگ ... امن زندہ تھا۔ ہیون سانگ سے پہلے بھی ایک چینی کتاب میں جو بنیادی طور پر سنسکرت میں لکھی گئی مہایان بدھ مت کے بارے میں ہے، کشمیری زعفران کا ذکر ہوا ہے۔ اس کتاب کا اصلی نام "مہا سنتا" ہے اور اس کا چینی ترجمہ ۵۸۹ اور ۶۱۸ء کے درمیان ہوا ہے۔ اس کتاب میں زعفران کا چینی نام "کونگ مورزکیں" لکھا ہے ——— بعض عالموں نے زعفران کے کشمیری نام "کونگ" کو کم کم سے ماخوذ بتایا ہے مگر میرا خیال ہے کہ صوتی اعتبار سے کشمیری "کونگ" "چینی کونگ" سے زیادہ قریب ہے۔ قاعدے کے مطابق چینی نام کے باقی حروف حذف ہو گئے ہیں اور صرف "کونگ" باقی رہا ہے جو اکثر صورتوں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ چینی ... میں زعفران کے لئے متبادل نام مروج ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ چین میں بھی زعفران کی کاشت ہوتی تھی یا ہوتی ہو۔

کشمیر میں بدھ پرچارک مدھیانتک کی بدولت زعفران کی کاشت کو بڑھاوا ملا کہاں تک درست ہے یہ ایک

بحث طلب امر ہے مگر اس بات کی تصدیق کہ جو عیانگ کشمیر
آیا تھا لیکن کی قومی [illegible] یادداشتوں اور [illegible] کی
ہندوستان میں بودھ دھرم کی تاریخ حوالہ جات کی روشنی میں
کشمیر میں زعفران کی کاشت گزشتہ ۲۲ سو سال سے چلی آئی
ہے۔ چونکہ ایشیا میں زعفران کی کاشت صدیوں سے کشمیر سے
مخصوص ہے شاید اسی بنا پر زعفران کو کشمیر جا [illegible] کہا
گیا ہے۔

زعفران زمانہ قدیم سے استعمال میں لایا جاتا رہا ہے۔ کشمیر میں
اس کا استعمال ہندو لوگ ٹیکہ [illegible] اور پوجا کے لئے زمانہ قدیم
سے کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ زعفران سے خاص قسم کا عطر
اور دوائی بھی تیار کی [illegible] تیار کرنے میں زعفران
خوشبو اور مسالے کے طور [illegible] جا سکتے [illegible]
کشمیری مہیوہ [illegible] خوش [illegible]
کرتے [illegible] مرغوب [illegible]
[illegible]
ہم نے لیا ہے [illegible]
محبت سے اس [illegible] دل [illegible]

یا

ہے رہے کہی پانپور کے زعفران زار میں زعفران چنتے چنتے
گیا تو زر و زیورات پانے کے لئے دیر لگا رہی ہے

یا

ایک خاص قسم کا پلاؤ تیار کرنے میں بھی زعفران کا استعمال ہوتا ہے۔
اس پلاؤ کو زعفرانی پلاؤ کہا جاتا ہے۔ کشمیر کے علاوہ زعفرانی
پلاؤ ایران اور اسپین میں بھی کافی مقبول ہے۔ [illegible] دنیا میں جو بھی
[illegible] کے علاوہ [illegible] زعفران کی کاشت [illegible]
[illegible] پہلے تو سب سے پہلے یونان
سامنے آجاتا ہے [illegible] دربار، عدالتوں اور تھیٹروں کو
معطر کرنے [illegible] لایا جاتا تھا۔ روم کے لوگ
غسل [illegible] زعفرانی [illegible] چھڑکاؤ کرتے تھے۔ اس بات کے
حوالہ جات موجود [illegible] کشمیر میں داخل
ہوا اس وقت وہاں کے گلی کوچوں کو زعفرانی عطر کے چھڑکاؤ سے
مہکا دیا گیا تھا۔ عطر کے علاوہ [illegible] زعفران کا
استعمال طباخی اور ادویات کی تیاری [illegible] ہوتا تھا۔ عرب فاتحین
نے زعفران کی کاشت کو [illegible] میں شروع کیا۔ انگلستان میں
لندن سے ۴۴ میل دور والڈن [illegible] میں زعفران کی کاشت کو
رواج دینے سے متعلق آراء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا
ہے کہ وہاں پر زعفران کی کاشت کو فروغ کرنے کا سہرا [illegible]
کے ایک زائر کے سر ہے جو زعفران کی ایک گٹھلی اپنے عصا کے
خول میں چھپا کر لایا تھا جبکہ دوسرے کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ
انگلستان میں زعفران کی کاشت صلیبی جنگوں کے بعد شروع
ہوئی۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ زعفران کا اصلی وطن
[illegible] ہے جہاں اس کی کاشت [illegible]
[illegible] مشرق اور [illegible]
[illegible] قابل ذکر ہے کہ زعفران [illegible] کسی
قسم کا بیج نہیں نکلتا۔ البتہ زمین میں لگائی گئی گٹھلیوں کی تعداد
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ اگرچہ کچھ لوگوں
نے کشمیر کو زعفران کا آبائی وطن مانا ہے مگر بودھ ادب میں
مدھیانتک کے حوالے سے جو بات زعفران کی کاشت کے بارے
میں کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ زعفران کی گٹھلی کشمیر میں باہر سے
لائی گئی تھی۔ اگرچہ یہ کام آج سے دو ڈھائی ہزار سال پہلے انجام
دیا گیا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں وادی کے علاوہ زعفران
کی کاشت کشتواڑہ میں بھی ہوتی ہے۔ وہاں پر جو زعفران پیدا
ہوتا ہے رنگ کے اعتبار سے وہ زیادہ شوخ ہے مگر اس کی
خوشبو کشمیری زعفران کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

زعفران کے جو کھیت آج ہمارے گاؤں کے لئے
خوشحالی اور فارغ البالی کے ضامن ہیں۔ شخصی دور میں یہی سونا
اگلنے والے کھیت ان کے لئے مصیبت کی آماجگاہ تھے۔ ہندو دور
کے بارے میں تو معلوم نہیں البتہ شاہی سلاطین کے زمانے

میں زعفران پر سرکاری اجارہ داری تھی۔ پھول چننا اور زعفران کو پھولوں سے الگ کرنا یہ کام لوگوں سے زبردستی کروایا جاتا تھا۔ اس بیگار کے عوض ان کو تھوڑا سا نمک دیا جاتا تھا۔ (یاد رہے کہ پرانے زمانے میں نمک کشمیر میں کافی مہنگا اور نایاب تھا) دو پل زعفران چننے کے بدلے ایک پل نمک زعفران چننے والوں کو دیا جاتا تھا۔ غازی خاں چک کے زمانے میں زعفران چننے کے لازمی بیگار کو ختم کر دیا گیا۔ اس نے ۵۵ سیر زعفران کے پھول چننے کے عوض پانچ سیر چھنے ہوئے پھول مزدوروں کے لئے اجرت کے طور پر مقرر کئے۔

زعفران چننے اور صاف کرنے کے پرانے غیر منصفانہ اور ظالمانہ طریقہ کار کو شہنشاہ اکبر نے ۱۵۹۷ء میں ختم کر دیا۔ مگر شہنشاہ کی وفات کے ساتھ ہی بیگار کا پرانا طریقہ کار پھر سے لاگو کر دیا گیا اور لوگ ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ شاہجہاں کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ بیگار کے طریقے کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ زعفران کے کھیت چونکہ سرکاری ملکیت ہیں اس لئے ان کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو باقاعدہ مزدوری دی جانی چاہیئے مگر شہنشاہ نے جاگیر داروں کو یہ آزادی دے رکھی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنا زعفران جمع کروا سکتے ہیں۔ اس بات سے اشارہ ملتا ہے کہ سرکار کے علاوہ زعفران کی کاشت اس زمین پر بھی ہوتی ہے جو جاگیر داروں کی ملکیت تھی۔ پٹھان دور میں زعفران کے کھیتوں کو نیلامی کے ذریعہ ٹھیکے پر دیا جاتا تھا۔ کامیاب بولی دہندہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کر دیتا تھا اور بعد میں زعفران کے پھول اپنی مرضی کے مطابق اکٹھے کروا کر زعفران بیچ دیتا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ٹھیکے دار دوسرے علاقوں سے مزدور لا کر پھول چننے میں لگا دیتا تھا۔ پٹھانوں کے بعد سکھوں اور ڈوگرہ مہاراجوں نے بھی ٹھیکے کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اس زمانے میں زعفران سرکاری آمدنی کا ایک خاص ذریعہ تھا مگر قحط کے دوران جان بچانے کی خاطر لوگ زعفران کی گنٹھیاں کھا لیتے تھے اور پیداوار گر جاتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۳۴ء کے قحط میں جب لوگ کہ بیشتر زعفران کی تمام گنٹھیاں کھا گئے تو کاشت کرنے کے لئے بیج کی گنٹھیاں کشتواڑ سے لائی گئیں۔ ۱۹۵۰ء میں کسانوں کو زمین کے مالکانہ حقوق مل جانے کے ساتھ ہی استحصال کا صدیوں سے مروج سلسلہ آئندہ کے لئے ختم ہو گیا۔

گذشتہ زمانے میں اس کی کاشت پانپور سے مخصوص تھی اگرچہ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اندرکوٹ میں ایک میل کے رقبے میں زعفران کی کاشت ہوتی تھی مگر جہانگیر نے اس کے بیان کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ کشمیر بھر میں زعفران صرف پانپور میں اگایا جاتا ہے۔ سکھ گورنر مہان سنگھ نے کریوہ ملن اور کریوہ ماعدر پر زعفران کاشت کرنے کا تجربہ کیا تھا مگر ناکام رہا۔ پر اب صورت حال نے پلٹا کھایا ہے۔ آج کل ناگام کریوہ ستمبر کے مہینے میں زعفران کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے اور میلوں تک زعفران کے پھول لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی زعفران اگایا جاتا ہے جو پانپور کے زعفران سے کسی لحاظ سے کمتر درجے کا نہیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب وسعت پکڑتا جا رہا ہے۔ حالانکہ جو ہے زعفران کی کاشت میں کافی اڑچن [illegible] تے ہیں گ[illegible] اس مشکل پہ بھی قابو پایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں محکمۂ زراعت بھی کافی سرگرم عمل ہے۔ اس نئی صورت حال نے اس اساطیری روایت کو مسمار کر کے رکھ دیا ہے کہ پانپور کے سوا زعفران کی کاشت دوسرے مقامات پر کامیابی کے ساتھ کرنا ممکن نہیں۔

زمانے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ زعفران کی پیداوار میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہی ہے۔ اکبر نامے میں درج ہے کہ اس زمانے میں ایک گنٹھی پر تین پھول کھلتے تھے اور سرکار کو کبھی ۲۵۰۰ من اور کبھی ساڑھے ۸۰۰ من پھول حاصل ہوتے تھے۔ مرزا حیدر دوغلات کے وقت ۳۵۰ من زعفران کے پھول حاصل ہوتے تھے اور ۱۵۹۵ء میں جب زعفران کے زیر کاشت رقبے کو سرکاری تحویل میں لیا گیا اس سال ہر گنٹھی پر آٹھ پھول کھل اٹھے اور پیداوار ۱۲۸۰ من تھی۔ قدیم اندازے کے مطابق ایک سیر خالص زعفران ۲۸ سیر پھولوں سے حاصل ہوتا ہے۔

ابوالفضل کے مطابق زعفران کی گنٹھی لہسن کی گنٹھی جیسی ہوتی ہے اور اسے اپریل کے مہینے میں زمین پر لگایا جاتا ہے۔

بارش سے گنٹھی اپنی جڑیں جما لیتی ہے اور ستمبر کے مہینے میں پھول کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ زعفران کا پودا ایک فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے مگر پودے کی اونچائی کا دارومدار زمین کی زرخیزی پر منحصر ہے۔ ممکن ہے کہ مغلوں کے زمانے میں گنٹھیاں اپریل میں بوئی جاتی رہی ہوں مگر اب یہ طریقہ بدل گیا ہے۔ آج کل گنٹھیاں جولائی اور اگست کے دوران کیاریوں میں لگائی جاتی ہیں۔ ہر کیاری جسے کشمیری میں "کونگ وار" کہتے ہیں چوکور ہوتی ہے جس کی لمبائی آٹھ فٹ اور چوڑائی سات فٹ ہوتی ہے۔ زمین میں ہل چلا کر سب سے پہلے مٹی کے ڈھیلے اچھی طرح توڑے جاتے [illegible] ڈھیلے مہین ہو جائیں اس کے بعد اسے کیاریوں میں [illegible] بانٹا جاتا ہے۔ کیاریوں کا ڈھلوان ہونا ضروری ہے تاکہ بارش کا فاضل پانی ان میں ٹھہر نہ سکے کیونکہ پانی ٹھہرنے سے گنٹھیاں سڑ جاتی ہیں۔ پانی کے نکاس کے لئے کیاری کے اردگرد کا راستہ اپنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد کیاری [illegible] انچ سے [illegible] ایک فٹ کی اونچائی تک مینڈھیں لگائی جاتی [illegible]۔ زعفران کی کاشت کے لئے غیر آبپاشی اراضی کی ضرورت ہوتی ہے مگر زمین بنیادی طور پر کافی زرخیز ہونی چاہئے کیونکہ کاشت کے لئے نہ تو زمین میں کسی قسم کی کھاد کا استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی اسے پانی دیا جاتا ہے حالانکہ چند ایک سال تک زیر کاشت لانے کے بعد زعفران کی کیاریوں کو سالہا سال تک خالی چھوڑنا پڑتا ہے تاکہ ان کی زرخیزی کا قدرتی عمل خود بخود بحال ہو جائے۔ گنٹھیاں چودہ سال تک بھی زمین میں صحیح و سالم رہتی ہیں اس کے بعد ان کی جگہ نئی گنٹھیاں لے لیتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اتنی دیر تک گنٹھیوں کو زمین میں رہنے نہیں دیا جاتا اور ہر تین سال کے بعد گنٹھیاں اکھاڑنے اور نئے سرے سے ان کو بونے کا طریقہ اپنایا گیا ہے جس کی بدولت پیداوار اچھی ہوتی ہے۔

زعفران کا مخملی رنگ پھول کیسو سے ملتا جلتا ہے۔ جب زعفران زار کھل اٹھتا ہے اس وقت ہر طرف خوشبو کی لہریں دوڑ جاتی ہیں اور کیف و سرور کا سماں بندھ جاتا ہے۔ حالانکہ زعفران کی اس خوشبو کا اثر ان لوگوں پر بہت ہوتا ہے جو زعفران چننے کے عادی ہوتے ہیں مگر یہ بات ہر ایک کے لئے سچ ثابت نہیں ہو سکتی۔ جہانگیر نے یہاں تک لکھا ہے کہ جب اہل کاروں سمیت زعفران زار کا نظارہ دیکھنے کے لئے گئے تو سبھی لوگ سردرد کا شکار ہو کر رہ گئے۔ زعفران چننے کا عمل بھی خاصا دلچسپ اور صبر آزما ہے۔ چننے کے بعد پھولوں کو دھوپ میں سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے پر پھول کے بیچ میں موجود ڈنڈیوں کو چن لیا جاتا ہے۔ یہ ڈنڈیاں کیسری رنگ کی ہوتی ہیں مگر اس کا کچھ حصہ سفید ہوتا ہے۔ زعفران کی ان ڈنڈیوں کو کشمیری میں "تیجہ" کہا جاتا ہے۔ ڈنڈیوں کا سرخ حصہ شاہی زعفران کہلاتا ہے۔ اس کا سفید حصہ بھی زعفران ہی ہوتا ہے۔ مگر شاہی زعفران سے کمتر درجے کا۔ شاہی زعفران کا شمار اعلیٰ درجے میں ہوتا ہے جبکہ سفید حصے والا دوسرے درجے کا زعفران ہوتا ہے۔ ڈنڈیاں الگ کرنے کے بعد پھولوں کو پھر دھوپ میں سکھایا جاتا ہے۔ پھر ان پھولوں کو چھڑی سے ہلکے ہلکے کوٹا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد پھولوں کو پانی میں ڈالا جاتا ہے۔ پھول پانی پر تیرتے رہتے ہیں اور بچا کھچا زعفران جس میں زرگل بھی شامل ہوتا ہے تہہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پانی کو نتھار کر تہہ میں جمع زعفران کو سکھایا جاتا ہے۔ یہ طریقہ تین بار دہرایا جاتا ہے۔ شاہی زعفران کو کشمیری میں "مہنگر" اور دوسرے درجے کے زعفران کو "پیٹ" کہتے ہیں۔ زعفران کی کیاریوں سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس کے بارے میں جانکاری دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ زعفران کاشت کرنے والوں کی زبان میں پچاس کیاریوں پر محیط رقبے کو "پٹھہ" کہتے ہیں۔ اس ایک پٹھہ سے پہلے سال ڈھائی سیر پھول حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے سال پیداوار ساڑھے چار سیر اور تیسرے سال ۹ سیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر کیاریوں کی نگہداشت اچھی طرح نہ کی جائے اور چوہوں کا سدباب نہ ہو تو پیداوار کافی گھٹ جاتی ہے۔ سال میں زمین کی چار بار گوڈائی کرنا ضروری ہے۔ زمین میں نمی کا قائم رکھنا اچھی فصل نہ ہونے کی علامت ہے۔ اگر اپریل اور مئی کے دوران بارشیں اچھی ہوں تو زعفران کی بھرپور کھیتی کی امید کی جا سکتی ہے ورنہ اس میں کمی ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ ابھی تک زعفران بیماریوں سے بچا رہا ہے۔ مستقبل کیا گل کھلائے گا معلوم نہیں۔ ایک اور دلچسپ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

وزیر اعلیٰ نے سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کیا

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے سیلاب زدہ ضلع مالدہ کا ۱۸ ر اگست کو ہیلی کوپٹر کے ذریعہ دورہ کیا۔ اسی دن انہوں نے موٹر گاڑی کے ذریعہ گاجل تھانہ کے علاقوں میں قائم کردہ امدادی کیمپ کا بھی معائنہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس ضلع کے اعلیٰ سرکاری افسران کے ساتھ سیلاب کی صورت حال کی بابت بات چیت کی۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ سیلاب کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لئے ریاستی حکومت نے ہنگامی طور پر مختلف اقدامات کرے گی۔

سیلاب سے ضلع مالدہ کے ۱۲ بلاکوں اور دو میونسپلٹیوں کے علاقے متاثر ہوئے ہیں۔ ان میں باون گولہ، حبیب پور، پرانا مالدہ، چنچل اور رتوا کے علاقے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اس ضلع میں سیلاب زدہ کل علاقے کا رقبہ ۱۵۶۰ مربع کیلومیٹر ہے، ۹ر۵۵ لاکھ افراد سیلاب سے متاثر ہوئے۔ ۳ر۷۰ لاکھ افراد کو محفوظ جگہوں پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ ضلع انتظامیہ کے ذریعہ ۱ر۲ لاکھ لوگوں کی پناہ کا انتظام کیا گیا۔ امدادی اور بچاؤ کے کام کے لئے فوجیوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ ۳۳ مشینی کشتیاں اور ۲۷۵ دیسی کشتیاں بچاؤ اور امدادی کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔

ضلع مالدہ میں امدادی مہم جاری ہے۔ اس ضلع میں اب تک مندرجہ ذیل چیزیں سیلاب زدگان کی امداد کے لئے فراہم کی گئیں۔ ۲۱۵ میٹرک ٹن چاول، ۵۶۳ میٹرک ٹن گیہوں، ۱۱۰۰۷ عدد پولی تھین کی چادر، ۹۳ بستے دودھ پوڈر، ۲۱۰ بستے چوڑے اور ۶۷ بستے گڑ ۔۔۔ اس ضلع میں امداد کے لئے اب تک ۱۳ر۷ لاکھ روپئے خرچ کر دئے گئے ہیں۔

سیلاب زدگان کی امداد

ریاستی انتظامیہ سیلاب زدگان کی امداد اور بچاؤ کے کام میں بہت ہی مرکوز طور پر سرگرم عمل ہے، کیونکہ شمالی بنگال کا تقریباً پورا علاقہ اور خاص طور پر اضلاع مالدہ اور مغربی دیناجپور کے بہت سارے علاقے زبردست سیلاب سے بری طرح متاثر ہوئے۔

سیلاب زدگان کو کچھ نہ کچھ امداد فراہم کرنے اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے پیش نظر ریاستی حکومت نے اپنے تمام وسائل کو، جو اس کی پہونچ میں تھے، روبہ کار لایا۔ ۲۴ ر اگست سنہ ۷۸ء تک ریاستی حکومت نے جلپائی گوڑی ضلع میں ۸۰۴ میٹرک ٹن گیہوں، ۱۰۷۰۰۰ روپئے بطور اتفاقی اخراجات، ۱۱۳۸۰ عدد ترپال، ۲۵۰ عدد ساڑی، دھوتی اور بچوں کا لباس، ۵۰۰ کیلوگرام دودھ پاؤڈر، اور ضلع کوچ بہار میں ۶۷۰ میٹرک ٹن گیہوں، ۴۰۰ میٹرک ٹن چاول، ۱۲۵۶۰۰۰ روپئے بطور اتفاقی اخراجات، ۵۴۵۰ عدد ترپال، ۳۵۰ عدد ساڑی، دھوتی اور بچوں کا لباس، اور ۱۰۰۰ کیلوگرام دودھ پاؤڈر فراہم کئے۔

ضلع مغربی دیناجپور میں سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ریاستی حکومت نے ۱۶۹۵ میٹرک ٹن گیہوں، ۱۲۸۲ میٹرک ٹن چاول، ۴۱۶۵۰۰ روپئے بطور اتفاقی اخراجات، ۱۹۳۵۰ عدد ترپال، ۲۷۵۰۰ عدد ساڑی، دھوتی اور بچوں کا لباس، ۷۵ میٹرک ٹن چوڑا، ۲۴ میٹرک ٹن گڑ، ۸۵۰۰ کیلوگرام دودھ پاؤڈر اور ۴۸۰۳ میٹرک ٹن روٹی، ضلع مالدہ میں ۹۳۵ میٹرک ٹن گیہوں، ۹۴۰ میٹرک ٹن چاول، ۱۵۵۰۰۰۰ روپئے بطور اتفاقی اخراجات، ۱۳۸۰۰ عدد ترپال، ۱۷۵۰۰ عدد ساڑی، دھوتی اور بچوں کی پوشاک، ۵۷ میٹرک ٹن چوڑا، ۱۲ میٹرک ٹن گڑ اور ۸۰۰۰ کیلوگرام دودھ پاؤڈر اور ضلع دارجلنگ میں ۱۲۰ میٹرک ٹن گیہوں، ۱۲۰۰۰۰ روپئے بطور اتفاقی اخراجات، ۱۰۰۰ عدد ترپال، ۲۵۰۰ عدد دھوتی اور ساری اور ۵۰۰ عدد بچوں کی پوشاک فراہم کئے۔

وزیر اعلیٰ اور دیگر کئی وزراء نے متاثرہ ضلعوں کا دورہ کیا اور سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ضروری ہدایات دیں۔ نیز اعلیٰ حکام کی ایک جماعت کو سیلاب زدہ ضلعوں میں امدادی

کام کی جانچ پڑتال کے لئے بھیجا گیا۔ بہت سارے علاقوں میں سیلاب زدگان کو پناہ گاہ فراہم کرنے کے لئے امدادی کیمپ قائم کئے گئے۔

ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے پاس ایک پیغام بھیجا جس میں سیلاب سے رونما ہونے والے نقصانات کا ذکر کیا گیا۔ ساتھ ہی مرکز سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایک مرکزی ٹیم یہاں بھیجے تاکہ سیلاب سے ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگایا جا سکے اور اس طرح عطیات کے لئے سفارش پیش کر سکے۔

صحت عامہ خدمات کے افراد کو بھی چوکنا کر دیا گیا ہے کیونکہ سیلاب زدہ علاقوں میں وبائی امراض کے پھوٹ پڑنے کا خدشہ لاحق ہے۔ ضلعوں کے چیف میڈیکل افسروں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صحت عامہ ورکروں کی ٹیموں کو تیار رکھیں تاکہ آفات ناگہانی کا مقابلہ کیا جا سکے۔

دریں اثنا وزیراعلیٰ شری راجیو گاندھی نے گزشتہ ۵ اگست کو اضلاع مالدہ اور دیناج پور کے سیلاب زدہ علاقوں کا ہوائی جہاز سے معائنہ کیا اور فوراً ۱۱ر۸۷ کروڑ روپئے بطور امداد دینے کی فوری منظوری دی۔ اتنی رقم ریاستی حکومت سیلاب زدگان کی امداد کے لئے خرچ کر چکی تھی۔

۔بقیہ: زعفران کی کاشت

بات یہ ہے کہ شہد کے جو چھتے زعفران کے کھیتوں کے آس پاس لگے ہوتے ہیں ان کا شہد کافی لذیذ اور خوشبودار ہوتا ہے۔ زعفران کی دھرتی کشمیر رنگوں اور نظاروں کی سرزمین ہے۔ اس سرزمین کو کبھی سارہ دا پیٹھ تو کبھی ایران صغیر اور کبھی زعفران کی نسبت سے کیسر کی دھرتی کا نام دیا گیا ہے۔ ہماری دھرتی نام کی ہی نہیں بلکہ سونا اگلنے والی دھرتی ہے جس کے چمن زاروں میں زعفران پیدا ہوتا ہے۔ جو سونے سے کسی طرح کم نہیں۔ ہمارے یہاں زعفران زار سونے کی ایک ایسی کان ہے جو کبھی بھی خالی نہیں ہو سکتی۔

سیلاب زدہ علاقوں میں صحت عامہ کے انتظامات کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے ۱۹۸۷ء میں مغربی دیناج پور کے اضلاع کے سیلاب زدہ علاقوں میں عوام کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے مغربی دیناج پور کے بالورگھاٹ کے چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ کو ایک لاکھ روپیہ بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ اس طرح عطیات دینے کی رقم دو لاکھ روپئے ہو گئی۔ دیگر ایک لاکھ روپئے اسی مقصد کے لئے ضلع مالدہ کے چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ کو دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس طرح ضلع مالدہ کو عطیہ دینے کی رقم ۲ لاکھ پچاس ہزار ہو گئی۔

ریاستی حکومت نے مرشدآباد کے چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ کو پچاس ہزار روپئے اور کوچ بہار کے چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ کو مرشدآباد اور کوچ بہار اضلاع کے سیلاب زدہ علاقوں میں سیلاب امداد/صحت عامہ کے اقدامات اور دیگر متعلقہ کاموں کے لئے ۵۰ ہزار روپیہ بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ اس طرح کوچ بہار کو عطیہ کے طور پر دی جانے والی رقم ایک لاکھ روپئے ہو گئی۔ اسی طبی مقصد کے لئے جلپائی گوڑی کے چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ کو مزید ۵۰ ہزار روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ اس طرح جلپائی گوڑی کو بطور عطیہ دی جانے والی رقم ایک لاکھ روپئے ہو گئی۔

شیڈولڈ کاسٹ عوام کی معاشی ترقیاتی اسکیم کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے ۸۸-۱۹۸۷ء کے دوران شیڈولڈ کاسٹ کے لئے مرکزی خصوصی امداد پروگرام کے تحت شیڈولڈ کاسٹ لوگوں کی معاشی ترقیاتی اسکیم کی تکمیل کے لئے ایک کروڑ پچاس ہزار روپئے کے عطیہ کی اخراجات کیلئے منظوری دے دی ہے۔ یہ روپئے ریاست کے ۱۶ اضلاع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور انتظامیہ افسروں کے حوالے کر دئے گئے ہیں۔

وزیر مالیات شری اشیم داس گپتا، مالدہ ضلع کے کاجول بلاک میں امدادی کیمپ میں سیلاب زدگان سے بات چیت کرتے ہوئے۔

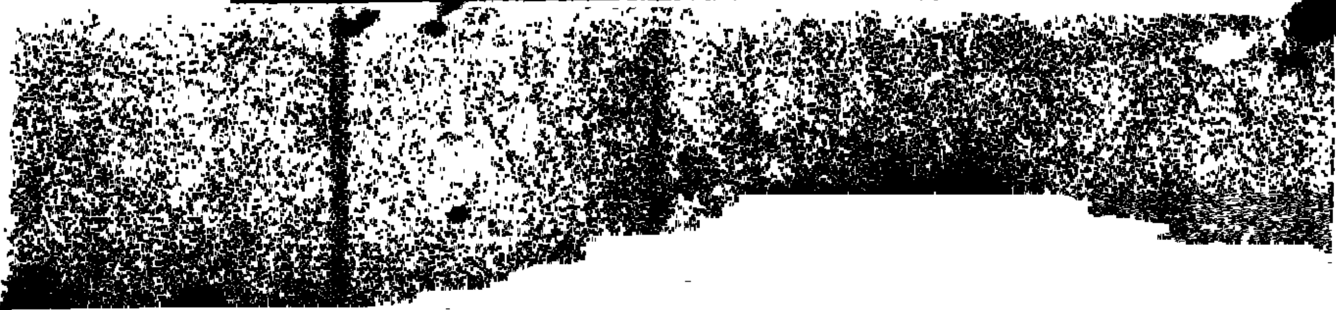
سیلاب زدگان کی امداد

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.

MAGHREBI BANGAL
15 SEPTEMBER 1987

Postal Regd. No. WB/CC-52
Vol-34 No—19
PRICE 15 Paise

ضلع مالدہ کے سیلاب زدہ علاقے (اوپر) حبیب پور اور (نیچے) بادرے گولہ





مغربی بنگال

۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۶ء

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

نائب مدیر : محمد اعظم

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : تین روپئے ★ اس شمارے کی قیمت : ۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ :

بزنس منیجر :

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومتِ مغربی بنگال

۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۱۹



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۲۶؍ ستمبر ۸۵ء کو گریش منچ کلکتہ میں ناٹک تہوار کا افتتاح کرتے ہوئے

فکر تونسوی

اردو ادب کے طنز و مزاح کے عظیم فنکار

از : محمد اعظم

اس برصغیر کے مقبول ترین طنز نگار فکر تونسوی نے پیاز کے چھلکے اتارتے اتارتے ۱۲ ستمبر ۱۹۸۷ء کو اپنی زندگی کی پیاز کا آخری چھلکا اتار دیا اور آج ہمارے پاس صرف ان کی یادوں کی پیاز کے چھلکے رہ گئے۔

۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ یہ تیسرا حملہ تھا۔ اس سے قبل دو بار ان پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ انہیں فوراً دہلی کے صفدر جنگ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ یہاں ان کی حالت میں کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ پھر تین دن کے بعد انہیں جی۔بی۔ پنت ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی وہ بے ہوشی کے عالم میں پڑے رہے اور اس کے چار دن کے بعد ۱۲ ستمبر ۱۹۸۷ء کی رات کو ۲ بجے اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ اسی دن ان کے جسد خاکی کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس طرح اردو ادب اور اردو صحافت کا ایک درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔

فکر تونسوی کا اصل نام رام نارائن تھا۔ وہ اپنے والد دھنپت رائے کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ فکر تونسوی کی پیدائش ۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ۴ بجے صبح کے وقت شجاع آباد، ضلع ملتان میں ہوئی۔ اس وقت ان کے والد وہاں ہیڈ منشی کے طور پر ایک زمین دار کے یہاں کام کرتے تھے۔ جب فکر کی عمر دو یا تین مہینے کی تھی ان کے والد وہاں سے نوکری چھوڑ کر اپنے آبائی وطن قصبہ تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان، پنجاب پاکستان) میں واپس آ گئے۔ ابتدائی تعلیم فکر تونسوی نے گھر پہ حاصل کی، پھر درجہ ہشتم تک مڈل اسکول منگروٹھ تحصیل تونسہ میں اور اس کے بعد میٹرک اسکول تونسہ سے انہوں نے میٹرک پاس کیا۔ اردو زبان سے انہیں شروع ہی سے دلچسپی تھی، اس لئے میٹرک کے امتحان میں انہوں نے اردو زبان میں بہت ہی اچھے نمبر حاصل کئے۔ اس کے بعد انہوں نے "ایمرسن کالج" ملتان میں ایف۔اے میں داخلہ لیا۔ یہاں انہوں نے کالج میں پہلا سال مکمل کر لیا اور دوسرے سال میں بھی آ گئے، لیکن اسی دوران ان کی والدہ کی موت کی وجہ سے وہ تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور روزی روٹی کمانے کی فکر میں لگ گئے۔

فکر اپنے اسکول میں بحث و مباحثہ اور تقریری و تحریری مقابلے میں حصہ لیا کرتے تھے۔ تحریری مقابلہ میں وہ اول نمبر پر آتے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہائی اسکول کے زمانے سے ہوا، اور یہ تقریری اور تحریری مقابلے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ جس زبان کے ممتاز و مقبول مصنف و طنز نگار بننے والے تھے اس کے جراثیم ان میں داخل ہو گئے تھے۔

فکر کی عمر ۱۸ برس کی تھی جب انہوں نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور ۱۹۳۶ء سے روزی روٹی کے جنگی میدان میں تن تنہا کود پڑے ـــــ خوش نویسی سے ان کی ملازمت کا آغاز ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک مقامی خوش نویس سے چند دنوں میں خوش نویسی کے فن پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ سیکرٹریٹ ڈیرہ کے ہفتہ وار رسالہ "کسان" میں بحیثیت خوش نویس

ایک سال [illegible] کام کیا ۔ اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں کام کیا ۔ بہت [illegible] کی وجہ سے انہوں نے اس نوکری کو بھی ترک کر دیا [illegible] خود مختلف فرموں اور کمپنیوں کے سائن بورڈ اور اشتہارات پینٹ کرنا شروع کر دیا ۔ لیکن مالی لحاظ سے یہ کام بھی نفع بخش ثابت نہیں ہوا ۔ اس کے بعد انہوں نے عام پورہ ضلع ڈیرہ غازی میں واقع ایک مقامی آریہ پرائمری اسکول میں مدرس کے عہدہ پر فائز ہو گئے ۔ یہاں انہوں نے بحیثیت مدرس اپنی بہتر صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا لیکن یہاں انکی تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ جس سے گزر بسر کے اخراجات پورے ہوں ۔ اس لئے ایک سال کے بعد انہوں نے اس نوکری کو چھوڑ دیا ۔ پھر ایک خوشبودار تیل بنانے والی کمپنی "تیل چنبیلی اسپیشل" کی ایجنسی لے لی ۔ خوشبودار تیل کی فروخت کے لئے انہیں دن رات محنت کرنی پڑتی ۔ لیکن یہاں بھی وہ مروت میں مار کھا گئے ۔ اس کام سے انہیں فائدہ کی جگہ نقصان ہونے لگا ۔ آخرکار انہوں نے اس کام کو بھی چھوڑ دیا ۔

اس طرح ساڑھے تین سال تک وہ فکر معاش میں جدوجہد کرتے رہے ۔ غم روزگار نے انہیں خوب ستایا لیکن وہ غم روزگار سے عاجز نہیں آئے ۔ اس کے بعد انہوں نے لاہور کا رخ کیا اور یہاں ایک کتب خانہ میں برسر روزگار ہو گئے ۔ یہاں انہیں سماجی، ادبی، سیاسی، تاریخی، مذہبی اور علمی غرض کہ ہر طرح کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا ۔ لیکن یہاں بھی وہ زیادہ دنوں تک کام نہ کر سکے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر جو انسان چھپا بیٹھا تھا وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ سب کام کریں ۔ ان میں لکھنے لکھانے کی خداداد صلاحیت تھی اس لئے وہ انسان ان سے کچھ اور ہی کام لینا چاہتا تھا ۔ ان کا مزاج لڑکپن سے ہی ادیبانہ تھا اور وہ ادب کی خدمت کے لئے سرگرم عمل بھی تھے ۔ اسی دوران انہیں ادبی خدمات کا موقع ملا ۔ شیخ پورہ سے ایک نیم ادبی اور نیم فلمی ہفتہ وار رسالہ شائع ہوتا تھا ۔ اس رسالہ کا نام تھا "مستی کی موج" اور وہ اس رسالہ کے مدیر بن گئے اس رسالہ سے آٹھ نو ماہ تک وابستہ رہے ۔ اس طرح اب ہم دیکھتے ہیں کہ اب فکر فکر معاش کے ساتھ ساتھ فکر سخن میں بھی مشغول ہو گئے ۔ اس کے بعد لاہور سے شائع ہونے والے رسالہ "ادب لطیف" میں بحیثیت ایک کلرک کے شامل ہوئے لیکن ایک دو سال بعد وہ "ادب لطیف" کے مدیر بن گئے ۔ فکر کو ایک مدت کے بعد وہ ماحول اور وہ فضا حاصل ہوئی جس کا گویا بچپن ہی سے وہ انتظار کر رہے تھے ۔ اس لئے انہوں نے جی جان سے ادب لطیف کی خدمت میں اور اس کی ترقی و فروغ میں بہترین صلاحیتیں صرف کیں ۔ ادب لطیف اس زمانہ کا ایک معیاری رسالہ تھا اور اس کے ادبی رنگ و روپ کو نکھارنے میں انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں ۔

فکر ۱۹۴۲ء میں ادارہ "ادب لطیف" سے وابستہ ہوئے ۔ یہاں دو تین سال رہنے کے بعد انہوں نے لاہور کے ممتاز ادیب و افسانہ نگار ممتاز مفتی کے ساتھ ملکر اپنا ایک علیحدہ رسالہ "سویرا" نکالا ۔ یہ رسالہ دو ماہی تھا اور اردو رسالوں میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا ۔ "سویرا" نے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا ۔ اسے اردو کے اچھے اچھے اہل قلم کا تعاون حاصل تھا ۔ "سویرا" کے معاونین اردو شعر و ادب کی دنیا کے درخشاں ستارے تھے ۔ ان لکھنے والوں میں کرشن چندر، سعادت حسین منٹو، راجندر سنگھ بیدی، فراق گورکھپوری، جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی، وامق جونپوری اور دیگر قابل فخر ادیب اور شاعر شامل ہیں ۔ "سویرا" کو ایک مستحکم بنیاد پر قائم کرنے کے بعد فکر دوبارہ "ادب لطیف" سے وابستہ ہو گئے ۔

اس طرح قلم کے مزدور فکر کی ادبی زندگی کا آغاز مختلف رسالوں کی ادارت سے شروع ہوا ۔ لیکن بہت ہی جلد اس ادبی زندگی میں وہ مدیر کے علاوہ شاعر بھی بن کر ابھرے اور رام نارائن کو ان کے ادبی ذوق اور شعری صلاحیت نے فکر تونسوی بنا دیا ۔

فکر ترقی پسند شاعر تھے اور ادب برائے زندگی کے قائل تھے ادب کو سماج کی بھلائی اور خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتے تھے ۔ زندگی کے مسائل کو بیان کرتے اور ان کے حل اور اصلاح کے خواہاں تھے ۔ ملک و قوم کی خدمت کو فرض سمجھتے تھے ۔ انسان دوست تھے اور سبھوں کی خاص طور پر محنت کشوں کی بہتری کے خواہاں تھے ۔

فکر کی شاعری کا آغاز اس وقت سے ہوا جب وہ اسکول میں زیرِ تعلیم تھے اور دیگر شاعروں کی طرح ان کی شاعری کا آغاز بھی غزل گوئی سے ہوا۔ ان کی پہلی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

دیکھا تو عقب سے جیتا، دل میں ادب سے ہارا
ابھی تو نے روک رکھا ہے کہیں کوئی اک اشارا
مجھے کھوجنے کی جدت، تجھے بے رخی میں لذت
مجھے سوز و غم نے لوٹا، تجھے کیف و کم نے مارا
تری شدّت پسندی سے نباہ رہا ہوں اب تک
کبھی کھو گیا سمندر، کبھی کھو گیا کنارا

ان کی چند اور غزلوں کے منتخب اشعار درج ذیل ہیں

تو پاس آ بھی نہیں سکتا ترا گلہ بھی نہیں
مجھے بھلا نہیں سکتا، مری خطا بھی نہیں

٭٭٭

ان خاک کے ذروں پر ہے دامانِ حرم تنگ
خود مٹ کر جو کرتے رہے تعمیرِ دلِ سنگ

٭٭٭

بنا چکا مری تقدیر کے وہ جب نقشے
نہ جانے رو دیا کیوں مجھ پہ نقش کار مرا

٭٭٭

اک حوصلے کی جست بہ اندازِ براہیم
اور ہونے لگے فاش مشیت کا ارادہ
احساسِ تخیّل کی بلندی ہوئی آواز
پرواز کے کونین کشادہ ہے کشادہ

٭٭٭

زمانے بھر کے لئے دل مرا برا ہی سہی
تری قسم ہے کچھ ایسا مگر برا بھی نہیں

٭٭٭

بڑھتا ہوا راہی میں، اٹھتی ہوئی منزل تو
تیری بھی ہوسناکی، میری بھی ہوسناکی

فکر جدت پسند تھے۔ ان کی غزلوں میں جدت، شگفتگی اور تازگی ہے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد انہوں نے غزل کو خیرباد کہا اور نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ محبت کے سوا زمانے کے اور بھی دکھ ہوتے ہیں جو خیال و توجہ کو اپنی طرف مبذول کراتے ہیں، اور بقول شاعر "اقتصادی جدوجہد کے دوران نظم گوئی کی طرف رجحان مبذول ہو گیا"۔ انہوں نے اپنی پہلی نظم "تنہائی" ۱۹۴۲ء میں لکھی جس نے "ادبی دنیا" میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کے بعد ان کی نظم گوئی کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ ۱۹۴۷ء میں ان کا مجموعۂ کلام "ہیولے" کے نام سے لاہور میں شائع ہوا۔ اس میں چند غزلوں کے علاوہ اکتیس نظمیں شامل ہیں۔

فکر نے ۱۹۴۹ء میں شاعری ترک کر دی۔ وہ انسان دوست تھے۔ ملک و قوم کی خدمت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ انسانیت کی حالت میں بہتری، ترقی اور اصلاح کے طالب تھے۔ اس لئے وہ یہ بات شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ہر شخص، ہر ادیب، ہر شاعر اور ہر فنکار کو اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنا چاہئے۔ یہی جذبہ تھا کہ فکر غزل سے نظم کی طرف رجوع ہوئے اور یہی جذبہ ان کو شاعری سے طنز نگاری کی طرف لے گیا۔

۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء کا زمانہ فکر کے لئے کئی لحاظ سے بارآور ثابت ہوا۔ اسی زمانہ میں ان کی شاعرانہ صلاحیت منظرِ عام پر آئی۔ ادبی زندگی سے جو انہیں شغف تھا، اسی زمانہ میں وہ پورا ہوا۔ وہ اس وقت "ادبِ لطیف"، "سویرا" اور دیگر رسالوں کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہیں غمِ روزگار سے جب کچھ فرصت ملی تو غمِ جاناں کی جال میں پھنس گئے۔ یعنی ۱۹۴۲ء میں ان کی شادی ان کی برادری میں کیلاش کماری سے ہو گئی۔ لاہور میں ان کے دوست احباب کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ ازدواجی زندگی کا سکون بھی انہیں میسر آ گیا تھا۔ ادب کی دنیا میں شہرت اور مقبولیت ان کے قدم چومنے لگی تھی۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے وقت فکرؔ کو بہت ہی ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تقسیم کے بعد رونما ہونے والے انسانیت سوز ہولناک واقعات نے ان سے ناقابلِ فراموش ادبی رپورتاژ "چھٹا دریا" لکھوادیا۔ لاہور میں حالات ایسے ہو گئے کہ ان کے دل میں بھی ایک عجیب قسم کا ذہنی اور جذباتی بھونچال پیدا ہو گیا، وہ اس شعر کی ؎

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

تصویر بن گئے۔ یعنی وہ امید و بیم کے دوراہے پر کھڑے ہوئے تھے اور انہیں یہ ڈر تھا کہ "دیر و حرم" کی اس کشمکش میں کہیں وہ اپنے گھر کا راستہ نہ بھول جائیں۔

فکرؔ کے اندر کا انسان جاگ اٹھا تھا اور وہ انسان اور انسانیت کی تحفظ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو گئے۔ انسان اور انسانیت کی خدمت کو کہیں بھی کسی بھی صورت میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سے زندگی کی جدوجہد ان کی مطمحِ نظر بن گئی۔ انہوں نے اس سلسلے میں اپنی رپورتاژ "چھٹا دریا" (صفحہ ۱۳۲) میں ایک سو ہزار باتیں یوں درج کیں۔

"یکم نومبر ۱۹۴۷ء، دو دن سے میں کمیونسٹ پارٹی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ پارٹی آفس (لاہور) جہاں میں آج کل ٹھہرا ہوا ہوں صرف چند ممبر رہتے ہیں لیکن نہ جانے ان میں کون سا طلسم چھپا ہوا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ گنتی کے آدمی ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ باہر جنگ ہو رہی ہے، لاکھوں انسانوں پر آفت ٹوٹی ہوئی ہے لیکن ان کامریڈوں کے دل کے اندر ایک عجیب و غریب شانتی ہے، ایک چنچل اور سپید سا سکون جیسے تاریخ کی اس ہولناک آفت سے یہ ذرا بھی نہیں گھبراتے، جیسے یہ سبھی جانتے ہیں کہ یہ آفت کیوں ٹوٹی۔ جانتا تو کچھ کچھ میں بھی ہوں، لیکن ان کے جاننے اور میرے جاننے میں کوئی ضرور امتیازی لکیر ہے کیونکہ میرے اندر سکون کی وہ سپیدی، اطمینان کا وہ نورانی لہراؤ مفقود ہے۔"

"........ اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے یوں میری آنکھوں کے سامنے اور میں ذرا حیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس بکھری حالت کو دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ میری روح کے اندر وہ سپیدی کیونکر ہو سکے گی، کیا پارٹی ممبر بن جانے سے؟ میں اس لو کو پا سکوں گا جو ان سب کے اندر ہے؟"

"کامریڈ منصور کی نگاہیں جیسے مجھے خاموشی کے ساتھ جواب دے رہی تھیں کہ شاعر پارٹی کا مریڈ بن جانے سے کچھ نہیں بنے گا۔ زندگی اور اس کی جدوجہد کے ممبر بن جاؤ۔ یہاں ممبری عیاشی اور فیشن کی خاطر قبول نہیں کی جاتی بلکہ زندگی کی جدوجہد میں کودنے والے کے اندر، زندگی کا لمس محسوس کرنے والے کی روح میں سپیدی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے تم ممبری سمجھتے ہو، اٹھو، اٹھو، کود جاؤ اس نئی زندگی میں، اس نئے طوفان میں۔ یہ طوفان جو زندگی کو ایک فیصلہ کن اور مسرت اور محبت عطا کرے گی، ابدی، آخری اور مسلسل۔"

اور فکرؔ تو نسوی کود گئے اس نئی زندگی میں اور بن گئے ممبر اس کی جدوجہد کے۔

لاہور کے قیام کے دوران وہ ایک کشمکش کے دور سے گزر رہے تھے۔ ان کے خیال میں "انسانیت کی بقا، اس کا تحفظ، اس کی ترقی اور اس کا حصول، زندگی کا سب سے اعلیٰ اور اہم آدرش ہو سکتے ہیں۔ اس وقت وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہو کر اشتراکیت کی تبلیغ کے ذریعہ انسان اور انسانیت کی خدمت کی جا سکتی ہے اور انسانیت کی خدمت تو ہر جگہ کی جا سکتی ہے اور اسی لئے انہوں نے پاکستان سے ہمیشہ کے لئے ہندوستان آنے کا فیصلہ کیا۔

فکرؔ تو ہندوستان آ گئے لیکن وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو ہندوستان اور پاکستان کی آزادی سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے، کیونکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ آزادی کا یہ سورج اپنے ساتھ اس روشنی کو نہیں لا سکا، جس کے لئے محبانِ وطن نے تن من دھن کی بازی لگا دی تھی۔ فیضؔ کی طرح وہ بھی یہ محسوس کر رہے تھے کہ آزادی کا اجالا داغ داغ ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے "چھٹا دریا" میں یوں لکھا :-

"کہاں ہے مستقبل، کہاں ہے صبح، کہاں ہے
آزادی کہاں ہے، آؤ، آؤ، دوستو ہمیں ایک
زبردست دھوکہ دیا گیا ہے۔ ہماری تلاش،
جستجو اور جدوجہد کو منجمد کر دیا گیا ہے۔ آؤ،
آؤ، یہ وہ صبح نہیں ہے، یہ وہ مقام نہیں
ہے جس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم یہاں
تک آ پہنچے ہیں — آؤ پھر آگے چلیں —
آگے اور آگے — اور آگے۔"

فکر آگے بڑھنے کی خواہش شدت سے محسوس کر رہے
تھے کیوں کہ آزادی کی تمام برکتوں سے سماج مستفید نہیں ہوا تھا۔
دونوں ممالک اپنے بنیادی مسائل کو حل کرنے کے قابل نہیں ہوئے تھے
اس لئے انہوں نے اپنے "چھٹا دریا" میں یوں لکھا:

"آج ہمارے سامنے پھر سے نئے دھندلکے
نئے استبداد کھڑے کر دیئے گئے ہیں، آؤ انہیں
چیر جائیں، انہیں پھاند جائیں اور اس صبح
کے نقشِ قدم ڈھونڈیں جس کے عکس تین سو
سال سے ہمارے دلوں کے نہاں خانوں میں
لہراتے رہے ہیں۔ ہجوم بدستور نعرے لگا رہا
تھا۔ ہم دیوالی نہیں منائیں گے۔ ہمیں روٹی
دو۔ ہمیں مکان دو — ہم دیوالی نہیں
منائیں گے۔"

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تقسیم کا سانحہ فکر کی زندگی میں
ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ان کی طنز نگاری کے پیچھے انکی
شخصی زندگی کے یہ واقعات کارفرما تھے اور اس طرح آزادی کے
ساتھ جو ناانصافیاں، سماجی اور سیاسی خرابیاں بھی آئیں، انہیں
دور کرنے کے لئے انہوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ فکر رجائیت
پسند تھے۔ ہمیشہ مستقبل پر نگاہ رکھتے اور تاریک ترین ماضی اور حال
میں بھی مستقبل کی مدہم روشنی کو ہی مشعلِ راہ بنا لیتے۔ ان کی یہ
رجائیت پسندی ہی نے انہیں ایک اچھا طنز نگار بنا دیا۔
ہندوستان میں منتقل ہونے کے بعد انہوں نے ملک اور قوم
اور انسانیت کی خدمت کیلئے کمیونسٹ پارٹی سے اپنا رشتہ جوڑ لیا۔
یہاں آکر انہوں نے اپنی ادبی مصروفیات برابر جاری رکھیں۔ وہ خود
کو "قلم کے مزدور" کہتے تھے اور صحیح معنوں میں ان کا ذریعۂ معاش
قلم ہی تھا۔ مخمور جالندھری کے ساتھ ملکر انہوں نے مختلف رسالوں
کی ادارت کی۔ "ادبی میگزین" اور "نقوش" کے نام سے رسالے جاری
کئے۔

سنہ ۱۹۴۹ء اور سنہ ۱۹۵۰ء کے دوران انہوں نے آل انڈیا
ریڈیو، جالندھر میں فری لانس اسکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے خدمات
انجام دیں اور مختلف موضوع پر ان کے لکھے مضامین نشر کیے گئے۔
انہیں آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے مستقل ملازمت کی پیشکش کی گئی، لیکن
انہوں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا، کیوں کہ کمیونسٹ ہونے کے ناطے
وہ اپنے مضامین میں اشتراکی خیالات اور تعلیمات کو جگہ دیا کرتے
تھے جو مرکز کی کانگریس حکومت پسند نہیں کرتی۔ کمیونسٹ پارٹی
سے وابستہ ہونے کے بعد انہوں نے خلوص اور لگن کے ساتھ پارٹی
کے ادبی اور ثقافتی محاذ پر کام کیا جس سے پارٹی کو فروغ حاصل ہوا۔
دوبار انہوں نے پنجاب سے وفد کی حیثیت سے انجمن ترقی پسند
مصنفین کی کانفرنس میں شرکت کی۔

فکر سنہ ۱۹۵۲ء میں جب دہلی آئے تو یہاں ایک نیم ادبی
نیم فلمی رسالہ کی ادارت کے فرائض انجام دئے۔ انہوں نے یہاں
ترقی پسند ادبی حلقوں کے ساتھ ترقی پسند ادب کیلئے کام کرنا شروع
کر دیا، اور پھر کچھ دنوں کے بعد دہلی میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔
سنہ ۱۹۵۲ء سے قلم کے مزدور فکر نے روزنامہ "نیا زمانہ" میں ایک
طنزیہ کالم "آج کی خبر" کے عنوان سے روزانہ لکھنا شروع کر دیا۔
ان کے اس کالم کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگ بڑے ذوق و
شوق سے اس کالم کو پڑھا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں فکر روزنامہ
"ملاپ" میں برسرِ روزگار ہو گئے اور اس اخبار میں "پیاز کے چھلکے"
کے عنوان سے اپنا طنزیہ کالم لکھنا شروع کیا اور تادم آخر وہ یہ کالم
لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دوسرے رسالوں کے لئے
بھی طنزیہ مضامین لکھے۔ ماہنامہ بیسویں صدی کے لئے تو وہ مسلسل
اور متواتر لکھتے رہے۔ اپنے زورِ قلم کے ذریعہ، سماجی اور سیاسی

مسائل کو اپنے طنز و مزاح کا موضوع بنا کر ان میں ایسی ادبی چاشنی پیدا کرتے کہ عوام و خواص دونوں ہی ان کے گرویدہ بن جاتے۔

[illegible] مضحک" اور "توبہ" کے علاوہ فکر نے لاتعداد ڈرامے، فیچرس اور مزاحیہ تقریریں آل انڈیا ریڈیو کے لئے لکھا۔ ان کے ڈرامے اور تقریریں ملک کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر کئے گئے اور اب بھی کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ٹیلی ویژن کے لئے بھی انہوں نے بہت سارے طنزیہ مضامین، ڈرامے اور فیچرس لکھا کرتے۔ ان کی نگارشات بے حد پسند کی جاتی ہیں۔ انہوں نے "سیتا دان اور ساوتری"، "نیا موری"، "اپیل"، "سری شتابدی"، نیز اور بھی کئی ڈرامے لکھے۔ انہوں نے اپنے ڈراموں میں بدلتے ہوئے وقت اور زمانہ کی ترقی پر روشنی ڈالی، اور ان ڈراموں میں انہوں نے قدامت پرستی سے نجات پانے اور زندگی کی راہ میں آگے بڑھنے کا حل پیش کیا۔ ان کے ڈرامے دہلی کے اندرپرستھ تھیٹر اور دیگر ثقافتی انجمنوں نے پیش کیا۔ ان کے ڈراموں کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ فکر کی تخلیقات کا ہندی میں بھی ترجمہ ہوا اور انہیں شائع بھی کیا گیا، ہندی ادبی دنیا میں فکر ہندی ہی کے بھی مشہور طنز نگار سمجھے جاتے ہیں۔ ہندی میں ان کی پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انہوں نے سوانح حیات بعنوان "فکر بیتی" لکھی۔ اردو ماہنامہ "بیسویں صدی" میں "فکر بیتی" قسط وار شائع ہو چکی ہے۔

فکر نے اپنی زندگی کی ساتویں دہائی میں جب قدم رکھا تو انہیں زندگی میں کسی قدر سکون میسر آگیا اور اس وقت سے وہ بڑی ہنسی خوشی کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ ان کی ازدواجی زندگی پرسکون تھی۔ ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ یہ تینوں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو بھی بحسن و خوبی نبھایا۔ فکرِ معاش، فکرِ ازدواج اور فکرِ اولاد ان تینوں فکروں سے فکر خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ انہوں نے شعر و ادب کے لئے، ملک و قوم کے لئے گرتی ہوئی سماجی اور سیاسی قدروں کی اصلاح کے لئے اور ملک و قوم کی معاشی و اقتصادی جدوجہد کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔ فکر تونسوی ایک انسان دوست شاعر اور ادیب تھے

عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لئے طنز کو ایک سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا۔ ان کی تحریر میں انفرادیت اور شگفتگی تھی۔ وہ آج سے زیادہ کل کے ادیب تھے۔ وہ خود کو پہلے ایک انسان سمجھتے اور پھر بعد میں ادیب۔ انسانیت ہی سے ان کے گہرے تعلقات نے قلب و نظر کی انہیں اتنی وسعت عطا کی۔ اسی وجہ سے ان کی تحریر کی اپیل کسی ایک شخص، قبیلے، فرقے، طبقے، علاقے یا ملک تک محدود نہیں رہی۔ ان کے قلم کا نشانہ پوری انسانیت کا دکھ تھا، اور ان کا مخاطب اس سرزمین کا ہر انسان تھا۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں کسی بڑے آدمی یا بڑے واقعہ کو موضوع نہیں بنایا۔ سماج کے محروم و مظلوم، غریب و نادار لوگ ہی ان کا واحد موضوع رہے اور مخاطب بھی۔ اپنی موت کے ایک ہفتہ قبل تک انہوں نے انسان دشمن طاقتوں کے خلاف قلمی محاذ پر اپنی جنگ جاری رکھی۔ غربت، فلاکت، پسماندگی، فرقہ واریت، سرمایہ دارانہ نظام، التعلقات اور منافقوں کے خلاف انہوں نے آخر تک لڑائی جاری رکھی۔

فکر تونسوی بڑے خوش مزاج اور حاضر جواب تھے۔ ان کے ایک دوست ان کے گھر آئے اور گھر کا فریج کھولا تو دیکھا کہ ان کی لکھی "بدنام کتاب" کے دو نسخے بڑی قابلِ رحم حالت میں وہاں پڑے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے بولے "بھئی میں نے اصل میں پانی پینے کے لئے فریج کھولا تھا۔ شاید غلطی سے یہ نسخے وہاں رہ گئے، ایمان سے" پھر خود ہی کچھ سوچ کر ایک طنزیہ فقرہ اپنے دوست کی طرف اچھالتے ہوئے کہا "مگر یار، یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ اردو کی کتابیں اب ریفریجریٹر میں ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔"

اسی طرح اپنے فن کی بابت اپنے دوستوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا "میں اوروں پر کیوں ہنسوں جبکہ خود میرے پاس اپنے اوپر ہنسنے کے لئے اتھاہ خزانہ موجود ہے"۔ اور انہوں نے اپنے اوپر ہنس کر لاکھوں لوگوں کو روزانہ پہلے ہنسایا، پھر کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور پھر اسی سے آنسوؤں کے موتیوں کی سوغات انہیں عطا کی۔

ایک بار اپنے ایک دوست سے موت کا ذکر کرتے

آہستہ انہوں نے کہا: "بس صرف موت کا مزا لینا ہی باقی ہے۔ دیکھنا ہے کہ یہ موت کم بخت کیسی ہوتی ہے، آتی ہے تو جاتی نہیں"۔ اسی لمحہ ان کے دوست نے کہا "فکر صاحب، آپ مرنا چاہیں تو آج ہی مرجایئے مگر سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ موت سے اس ملاقات کا مزہ بیان کرنے کے لئے پیاز کے چھلکے کون اتارے گا"۔ انہوں نے فوراً جواب دیا "فکر تونسوی بقلم خود" اپنے پر اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں؟"

فکر تونسوی صحیح معنوں میں زندگی کے ادیب تھے، ان کے قلم کا لکھا ہوا ہر حرف زندگی تھا۔ وہ زندگی کی خوفناک تاریکیوں سے گزر کر شہرت اور عظمت کی بلندیوں تک پہنچے تھے۔ وہ لوگوں کو صرف ہنسانے کے لئے نہیں ہنساتے تھے بلکہ وہ اپنے گہرے تجربوں سے ہم سبھوں کو مجبور کرتے تھے کہ ہم بیٹھ کر سوچیں اور اپنے گرد و نواح پر نظر ڈالیں اور سماج کی ترقی اور سماجی برائیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے طور پر کوشش کریں۔

میں اس عظیم فکر تونسوی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ ان کی آتما کو شانتی پہونچے

'مغربی بنگال' بھی اس عظیم ہستی فکر کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور سوگوار خاندان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے



گوشہ فکر تونسوی

(پیدائش) ۷ار اکتوبر ۱۹۱۸ء — (وفات) ۱۲ر ستمبر ۱۹۸۷ء

معبود

فکر تونسوی

میرا معبود ابھی تک ہے دھندلکوں میں کہا
کوئی تصویر بھی واضح نہیں آئینہ
کتنے الجھے ہوئے بے جان دبے سکار خطو
مرتسم ہیں مری ادراک کی پیشانی پ
صورتیں کتنی بدلتا ہے لکیروں کا جما
کبھی مندر، کبھی مسجد، کبھی گنگا، کبھی نیل
میرا معبود نہیں، ان میں تو کوئی بھی نہیں
نیلگوں عرش کی رفعت میں کہیں مخفی ہے

بقیہ، تعلیم بالغان

ترقی کی رفتار کو سست کر دے گی۔

لیکن آج بالغوں کی تعلیم کے لئے ہماری لائبریریوں اور اسکولوں سے عوام کس حد تک مستفید ہوتے ہیں، کس حد تک ہماری غیر رسمی تعلیم سے چھوٹے چھوٹے دکاندار کو کارخانوں کے مزدور اور کسان مستفید ہوتے ہیں اور ہوتے ہیں؟ جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کچھ حد تک آگے بڑھے ہیں۔ (باقی آئندہ)

پوجا کی تعطیل کی وجہ سے "مغربی بنگال" کا یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء کا شمارہ شائع نہ ہو سکا۔
——— ادارہ

فکر تونسوی کی یاد میں

نیاز حیدر

وہ میرا عزیز ترین دوست تھا ——— نیاز حیدر

موت سے جو لڑ سکتے ہیں کب ان کو موت نے مارا ہے
مجاہدوں کی زندہ ہستی، ہستی کا شہ پارا ہے[1]
وقت مقرر، طے ہو ساعت، پھر بھی تجاوز ہے ممکن
فنا پذیر اجسام ہیں پر کب جینے والا ہارا ہے

موت سے جو لڑ سکتے ہیں کب ان کو موت نے مارا ہے
پر اب وہ موجود نہیں، یہ بات کہیں تو کیسے کہیں
اے دلِ مضطر اس کے بچھڑ جانے کا غم کس طرح کہیں
طناز ادا، معصوم ہنسی کی یاد میں کیسا خاموش رہیں
کم ہے جتنا رنج و الم ہو، کم ہے جتنے اشک بہیں
فکرِ تونسوی کا وہ شیدائی قبل از وقت سدھارا ہے
مفکرِ انقلاب زندہ، زندہ فکر ہمارا ہے
موت سے جو لڑ سکتے ہیں کب ان کو موت نے مارا ہے

[1] ہائے ہوز کے بجائے الف لکھا ہے ۔

تنہائی

فکر کی پہلی نظم

دور جہاں کے ہنگاموں سے
سونی سونی ہے اک وادی
بنجر راہیں سنسان ٹیلے
کالی گہری لمبی درازیں
آگے پیچھے دائیں بائیں
مایوسی کی لہریں گائیں
غم کے جھولے میں لہرائے
ایک مسلسل سائیں سائیں
چرچر چرمر کرتے جائیں
رومانی تخیل کے ڈھانچے
لاکھوں ہلکی ہلکی نیندیں
ایسے آئیں ایسے جائیں
بادل کے پردے کے پیچھے
چاند کی آنکھ مچولی جیسے
آہوں کی یہ طوفاں خیزی
ہانپ گیا تنہا فریادی
دور جہاں کے ہنگاموں سے
سونی سونی ہے اک وادی

فکر تونسوی

تحریر : ست سونی ★ ترجمہ : خالدہ حسینی

فکر تونسوی کی وفات ہوگئی اور ان کے ساتھ ہی میری زندگی کا ایک حصہ دفن ہوگیا۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں میری کمی محسوس نہیں کی ہوگی۔ وہ محسوس کر بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ دس دنوں تک وہ بے ہوش تھے اور اگر انہیں تھوڑی دیر کے لئے ہوش آیا بھی ہوگا تو وہ خاموشی کے ساتھ جنوبی دہلی کے اس اسپتال کا مذاق اڑانے میں مصروف رہے ہوں گے جہاں اردو کے اس عظیم طنز و مزاح نگار کا علاج مناسب طور پر نہیں ہو رہا تھا۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ جب میں چھٹیوں میں کشمیر میں تھا۔ ایک دن سری نگر میں خشک میوے کی دکان پر گیا۔ دکان دار نے مجھے سیاح سمجھ کر اخروٹ کی قیمت زیادہ بتائی۔ اس نے یوں ہی مجھ سے پوچھ لیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے بتایا "دلی سے"۔ "دہلی"؟ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے کہا "تب آپ فکر تونسوی کو تو ضرور جانتے ہوں گے"؟

میں نے اسے بتایا کہ میں ان کا پڑوسی ہوں اور ہم دونوں دوست ہیں۔ دکاندار نے کہا "میں ان کا بڑا مداح ہوں اور ان کا کوئی مضمون بھی پڑھے بغیر نہیں چھوڑتا۔ وہ بذاتِ خود کیسے دکھائی دیتے ہیں؟ کیا وہ اصلی زندگی میں مزاحیہ آدمی ہیں؟ اگر میں دلی گیا تو کیا وہ مجھ سے گفتگو کریں گے؟" میرے اور فکر کے تعلقات سے متاثر ہو کر اس نے آدھی قیمت لی اور خشک میوے کا ایک پیکٹ بھی اپنے محبوب ادیب کے لئے دیا۔

فکر تونسوی (اصل نام رام لعل بھاٹیہ) سے میری پہلی ملاقات پانچویں دہائی کے اوائل میں جالندھر میں ہوئی تھی جہاں سے میں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کے ایک سرگرم ممبر تھے اور کچھ سال سے نظم اور نثر لکھ رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنے لکھانے کا پیشہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور محض ادیب اور صحافی بن کر کسی کا زندہ رہنا بڑا مشکل تھا۔ فری لانسنگ کی بات اس زمانے میں کسی نے سنی بھی نہیں تھی۔ ان دنوں فکر افلاس کی زندگی گزار رہے تھے اور بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی کا انتظام کر پاتے تھے۔ بقول ان کی بیگم کے "وہ دن بھی تھے جب ہمارے پریوار کو کچی پیاز کے ساتھ روٹی کھانی پڑتی تھی"۔ ایک دن گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ فکر نے اپنی کتابیں بیچ کر گیہوں مہیا کیا۔ بعد میں اپنے سخت دنوں کا ذکر کرتے ہوئے فکر کہا کرتے تھے "جب مجھے روپئے کی ضرورت تھی تو کوئی بھی روپئے دینے کو تیار نہیں تھا اور اب بڑھاپے میں جب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں تو لوگ مجھ پر روپے کی ہی نہیں بلکہ طرح طرح کے اعزاز و اکرام کی بارش کر رہے ہیں"۔ ان اعزازات میں غالب ایوارڈ اور سوویت لینڈ ایوارڈ شامل ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد فکر کو کمیونسٹ روزنامہ "نیا زمانہ" میں ملازمت مل گئی۔ انہوں نے ایک مخصوص کالم لکھنا شروع کیا جو بہت جلد مقبول ہوگیا لیکن وہ اخبار اور فکر دونوں ایک ہی کشتی پر سوار تھے۔ "نیا زمانہ" کی مالی حالت بھی کبھی ایسی نہیں ہوئی کہ وہ زندہ رہ سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس اخبار کے ملازمین شاذ و نادر ہی ہر مہینے اپنی پوری تنخواہ پاتے تھے۔

تجربہ کار صحافی اور اردو روزنامہ "ملاپ" کے مالک و مدیر مسٹر رنبیر اس وقت تک فکر کے مداحوں میں شامل ہو چکے تھے انہوں نے فکر کو کالم نویسی کا عہدہ پیش کیا۔ ہندستانی زبان کے کسی اخبار میں اس طرح کا عہدہ پہلی بار پیش کیا گیا تھا۔ فکر تو اپنی غریبی سے

پریشان تھے ہی، دورا ... ہو گئے اور دی آ گئے۔ وزیر سے ملے تو
انہوں نے ... میں کمیونسٹ اور پارٹی کے خلاف کچھ نہیں لکھوں گا اور
آپ کانگریسی ہونے کے ناطے حکمران پارٹی اور اس کے لیڈروں کے
خلاف کوئی بات پسند نہیں کریں گے۔

اس پر ایک لمبی بحث ہوئی اور بحث کے بعد یہ طے ہوا
کہ ان کے کالم کا بنیادی موضوع عام لوگوں کے مسائل ہوں گے خواہ
وہ مردوں کے مسائل ہوں یا عورتوں کے۔ اس طرح فکر کے مشہور زمانہ
کالم "پیاز کے چھلکے" کا آغاز ہوا جس نے بعد میں عوامی مقبولیت
حاصل کی جو کسی ہندوستانی زبان کے اخبار کے اس طرح کے کالم کو نصیب
نہیں ہوئی۔ روزانہ ہزاروں لوگ اس کو پڑھتے تھے اور جو لوگ اردو
نہیں جانتے تھے اپنے دوستوں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔

"پیاز کے چھلکے" کا سلسلہ دو دہائیوں سے بھی کچھ زیادہ عرصے
تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ سرگرم صحافت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی
فکر کو اخبار کے مالک کی درخواست پر اپنا کالم جاری رکھنا پڑا لیکن
اب وہ تھکے تھکے سے رہنے لگے تھے، چنانچہ ایک یا دو سال کے بعد
انہیں مجبوراً یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔

فکر نے اپنے کالم کا عنوان "پیاز کے چھلکے" کیوں رکھا تھا؟
ان کا کہنا تھا کہ انسان پیاز کے چھلکے اتار سکتا ہے اور وہ اتارنے بیٹھے
تو چھلکے اترتے ہی چلے جاتے ہیں اور آخر میں سوائے چھلکے کے کچھ
ہاتھ نہیں آتا۔ وہ عوام الناس کی امیدوں، آرزوؤں اور ٹوٹے ہوئے
خوابوں کے بارے میں لکھتے تھے۔ وہ شہریوں کے روزمرہ کے مسائل،
مثلاً بس سروس، بجلی، پانی، دودھ کی قلت، راشن دکانوں اور اسپتالوں
سے متعلق مسائل، پر اظہار خیال کرتے تھے۔ وہ افسر شاہی کا مذاق
اڑاتے تھے، لیڈروں پر طنز کے کوڑے برساتے تھے اور حکومت کے
لمبے دعووں کی قلعی کھولا کرتے تھے۔

فکر نے مغربی طنز نگاروں کا مطالعہ کیا تھا جن میں جیمس تھربر،
اسٹیفن لیکاک، پی جی ووڈ ہاؤس اور دوسرے نامور مزاح نگار شامل
تھے لیکن جہاں تک اسلوب کا تعلق ہے فکر نے اپنی راہ الگ نکالی تھی۔
ان کے اسلوب میں تصنع نام کو نہیں ہے بلکہ لطافت ہے اور ساتھ
ہی مزاح بھی۔ ان کی زبان سہل اور سادا ہے۔ وہ جارج برنارڈ شا کی
ذہانت کے بڑے مداح تھے۔

فکر نے اپنی زندگی کو اور زندگی کے تاریک گوشوں کو بہت
قریب سے دیکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کسی بے روزگار اور بھوکے
انسان کے لیے روٹی کا کیا مفہوم ہے اور اسی سلسلے میں وہ اپنی تحریروں
میں اپنے تجربات کو نمایاں طور پر پیش کرنے کا گر جانتے تھے۔ وہ اس ملک
کے عوام کا ایک فرد رہنا پسند کرتے تھے اور ان سے کبھی الگ ہونا نہیں
چاہتے تھے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کے دل کے نہاں خانے میں یہ
خوف چھپا بیٹھا تھا کہ زیادہ دولت ہاتھ آگئی تو ان کی تحریریں اس سے
متاثر ہو جائیں گی۔ یہی وجہ تھی کہ جب انہیں ہفتہ وار ٹی۔ وی سیریل
"فکر نامہ" کے لئے زیادہ رقم پیش کی گئی تو انہوں نے قبول کرنے
سے انکار کر دیا۔ جب ٹی وی پر ۸ ستمبر کو اس سیریل کا پہلا حصہ
ٹیلی کاسٹ ہوا تو اس وقت وہ بے ہوش پڑے تھے۔

بیشتر مشہور مزاحیہ ادیبوں کے برعکس فکر شاذ و نادر
ہی سنجیدہ نظر آتے تھے۔ وہ ہمیشہ مسکراتے ہوئے اپنے بے مثل
انداز میں لطیفے یا دلچسپ واقعات بیان کیا کرتے تھے۔

مختلف چیزوں کے بارے میں ان کا اپنا نظریہ تھا۔ وہ
اپنے مخصوص انداز میں بعض چیزوں کی کیسی تعریف کرتے ہیں ملاحظہ
فرمائیے:

بائیسیکل — کلرک کی دوسری بیوی
الیکشن — ووٹروں اور لیڈروں کے درمیان کشتی کا
ایک ایسا مقابلہ جس میں جیت لیڈروں کی ہوتی ہے۔
سچ — ایک ایسا چور جو خوف کے مارے باہر نہیں
آسکتا۔
قبرستان — مردوں کا حال اور زندوں کا مستقبل

فکر حقائق سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے لیکن زندگی
کے دو حقائق وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دو حقائق تھے —
بڑھاپا اور بیماری۔ چند سال پہلے ان پر دل کا دورہ پڑا تھا اور اس
سے حقیقتاً وہ کبھی شفایاب نہیں ہوئے۔ وہ گزشتہ ایک سال
سے پورے طور پر اچھے نہیں تھے۔ ان سے میری آخری ملاقات ایک
اردو شاعر رویا شنکر تنظر کی تعزیتی میٹنگ میں ہوئی تھی۔ وہ میرے پاس

(باقی صفحہ [illegible] پر)

نندن
خود اختیار ادارہ بن جائے گا

مغربی بنگال کے فلمی مرکز "نندن" کی دوسری سالگرہ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۶ء کو منائی گئی۔ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور اور شہری ترقیات کے وزیر شری بدھادیب بھٹاچاریہ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ریاستی حکومت نے سینما سے متعلق امور کی ترقی کے لئے نندن فلم کمپلکس تعمیر کی۔ لیکن کبھی بھی ریاستی حکومت کا اسے حکومت کے زیر اختیار شعبہ جاتی شاخ بنائے رکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ریاستی حکومت چاہتی ہے کہ نندن ایک خود اختیار ادارہ بن جائے۔ اسی مقصد کے تحت ایک کمیٹی کی تشکیل کی جائے گی جسے اس کے انتظامیہ کی ذمہ داری سونپ دی جائے گی۔ یہ انتظام جلد از جلد کر دیا جائے گا لیکن اب بھی اس کا ترقیاتی کام باقی رہ گیا ہے جسے جلد پورا کر دیا جائے گا۔ مثلاً سرکاری تاریخی دستاویزات اور لائبریری کا کام مکمل کر دیا جائے گا۔

شری بھٹاچاریہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا ملک ایک غریب ملک ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس بات کی وجہ سے ہمیں آرٹ اور ثقافت پر اس طرح بے دریغ پیسے خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ شری بھٹاچاریہ نے اس بات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی کہ ہماری غربت کے باوجود جب ہم معاشی ترقی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، ہمیں چاہیئے کہ آرٹ اور ثقافت کی ترقی کے لئے بھی اقدامات کریں۔ فلم کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ فلم بالٹ یا اسپات کی صنعتوں کی ہی طرح ایک صنعت نہیں ہے۔ فلم صنعت آرٹ اور ثقافت کی بنیاد پر قائم و دائم ہے۔ ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

شری بھٹاچاریہ نے تجویز پیش کی کہ یہاں فلموں کی لائبریری کا نام فلمی ڈائریکٹر آنجہانی رتوِیک گھٹک کے نام پر رکھنا چاہیئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ نندن ایک بہت بڑا ادارہ بننے کو جا رہا ہے گرچہ اس کا تعلق مغربی بنگال سے ہے مگر اپنی خصوصیت اور اہمیت کے اعتبار سے کل ہند سطح پر بھی اس کی حیثیت مسلم ہو جائے گی۔

اس دوسری سالگرہ کی تقریب میں مشہور فلم ڈائریکٹر شری مرنال سین مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے۔ شری سین نے اپنی تقریر میں کہا کہ اب نندن کلکتہ کی زندگی کا جز لاینفک بن چکا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ نندن نے مختلف پروگراموں جیسے بیرونی فلم کاروں کے ساتھ بات چیت، تحقیقی کام، ورک شاپ، سیمینار، نمائش اور فلم دکھانے کی خصوصی سیشن کے ذریعہ قابل ذکر طور پر پیش قدمی کی اور یہ سب کچھ یہاں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کیا گیا۔

تقریب کے آخر میں فلم "میفسٹو" دکھائی گئی۔

بقیہ: سلسلہ ص ۱۲ کا

بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دھیرے سے کہا "میرے تمام دوست چلے گئے، وقت آگیا ہے کہ میں بھی مر جاؤں"۔ میں نے انہیں کے کہے ہوئے الفاظ دہرا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی "موت کبھی زندگی کا متبادل نہیں ہو سکتی تو پھر کیوں نہ زندگی کے ایک ایک لمحے کا لطف اٹھا لیا جائے"۔

ایک لمحہ کے لئے وہ خوش ہوئے اور اپنے بیٹے بپول کا (جس کو وہ بہت چاہتے تھے) کے سہارے کے بغیر چلنے کی کوشش لیکن چل نہیں سکے۔ میں نے کہا آپ سے دو ایک دن میں ملوں گا اور رخصت ہو گیا۔

لیکن میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا حالانکہ وہ میرے گھر سے زیادہ دور نہیں رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے مکان کی سیڑھی سے گر پڑے اور ان پر دوسری بار دل کا دورہ پڑا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۷ء کو وہ اس دنیا سے سدھار گئے۔

انہوں نے یقیناً سوچا ہوگا کہ میں جھوٹا ہوں۔ وہ جھوٹ بالکل نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ (بشکریہ "دی ٹیلیگراف")

تعلیم بالغاں اور لائبریری

از : پرابودھ بسواس

ہندوستان میں مردوں اور عورتوں کی، جنہیں ملک کے مستقبل کو سنوارنا ہے، بڑی اکثریت یعنی مزدور اور کسان، ناخواندہ ہے۔ ہندوستان میں موجودہ ناخواندگی بہت ہی تشویشناک ہے۔ ہندوستان میں سال ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ۴۶ر۷۴ فیصد مرد اور ۲۴ر۸۸ فی صد عورتیں تعلیم یافتہ تھیں۔ مجموعی طور پر خواندگی کی شرح پوری آبادی کی صرف ۳۶ر۱۷ فیصد ہے۔ اس سے قبل کی مردم شماری کی رپورٹ میں خواندگی کی شرح اتنی ہی کم تھی۔

تعلیم بالغان آج ہماری ایک اہم اور لازمی ضرورت ہے۔ یہ تعلیم اتنی اہم اور ضروری ہے کہ تمام شہریوں کی اس طرح مدد کی جانی چاہیئے کہ وہ حسب خواہ ہنر اور تعلیم حاصل کر سکیں جن کے ذریعہ وہ اجتماعی زندگی کی جمہوری ساخت میں جس کی طرف وہ تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں، خود کو مناسب طور پر سمو سکیں۔ مادی اور اخلاقی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے ایک شخص میں اتنی قابلیت ہونی چاہیئے کہ وہ عالمی تعلیم، جو اب گنے چنے لوگوں کی میراث نہیں ہے، کے امور میں سرگرمی سے حصہ لے سکیں۔ یہ ایک شخص کا بنیادی حق ہے۔ ہمارے لاکھوں لاکھ لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے لئے تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں اور اس طرح انہیں جدید سائنسی تکنیکی اور سماجی ترقی کی سطح تک بلند کر دیا جائے۔ عوام کو عالمی حقوق رائے دہندگی دئے گئے ہیں۔ ان حقوق میں عوام کی تعلیم کی اہمیت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ہمیں اس ضرب المثل کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ "جہالت تاریکی ہوتی ہے" (شیکسپیئر)۔ اور اس لئے ہمارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ ہم جہالت کی تاریکی کو دور کریں۔ تمام لوگوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کے لئے عام تعلیم آگے بڑھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اندرون یا بیرون ملک سے حملوں کے خلاف یہ ایک قوم کی خاص دفاعی عنصر ہے۔ تعلیم تو ریاستی حکومت کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے اور جن ریاستوں نے لوگوں کی تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ اقدامات کئے وہی سب سے زیادہ خوشحال بن گئیں۔ موجودہ جمہوری ریاستوں کو اپنی بقا کے لئے عوام کی تعلیم و ذہانت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انہیں دفاع خود کے اقدامات کے طور پر ایسی سہولتیں سبھوں کے لئے فراہم کرنی چاہئیں جن کے ذریعہ وہ سب ذہین اور اچھے شہری بن جائیں۔ ایک جمہوری حکومت، جس کا انحصار اپنے شہریوں کے حق رائے دہندگی پر ہے، کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ تعلیم کو عام بنا دے، کیوں کہ ایسا کرنا اس کے استحکام کے لئے معاون ثابت ہوگا اس لئے موجودہ دور میں ہمارے ملک کو دیگر چیزوں سے زیادہ تعلیم کی ضرورت ہے، اور تعلیم سے مراد چند لوگوں کے لئے تعلیم نہیں بلکہ سبھوں کے لئے تعلیم ہے۔ اپنی حکومت آپ کروا کارگر ثابت نہیں ہوگی اگر اس کے معنی یہ نہیں کہ چھوٹی اور اچھی تعلیم یافتہ اقلیت کا کثیر بے آواز اور ان پڑھ اکثریت پر تسلط ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے ہم زیادہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہندوستان میں شہروں سے ہی عام تعلیم پھیلتی ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے لئے شہروں میں لائبریریاں اور رات کے اسکول ہیں اور یہی عوام کی تعلیم کے لئے مراکز ہوں گے، کیونکہ اسکولوں اور کالجوں میں چند طلبار کو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں عام لوگوں کی کثیر تعداد کی تعلیم کا بندوبست کرنا ممکن نہیں، ورنہ ناخواندگی کو ناکوہ

(باقی صفحہ ۹ پر)



وزیر اصلاحات آراضی شری بنوئے کرشنا چودھری ۲ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو مہاتما گاندھی جینتی کے موقع پر گاندھی گھاٹ پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہوئے۔ چیف سکریٹری شری آر۔ این۔ سین گپتا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ تصویر از: (پی این چکرورتی)

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor. Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.



(اوپر): وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۱۸ ستمبر ۸۷ء کو ہگلی ریور برج کارپوریشن کے پروجیکٹ کے تعمیر کردہ پل کا افتتاح کرتے ہوئے۔

(نیچے): اس موقع پر منعقد ایک جلسہ میں مذکورہ کارپوریشن کے ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے

(تصویر از: مدھو سدن گھوش)



مغربی بنگال

۱۱

یکم نومبر ۱۹۸۲ء



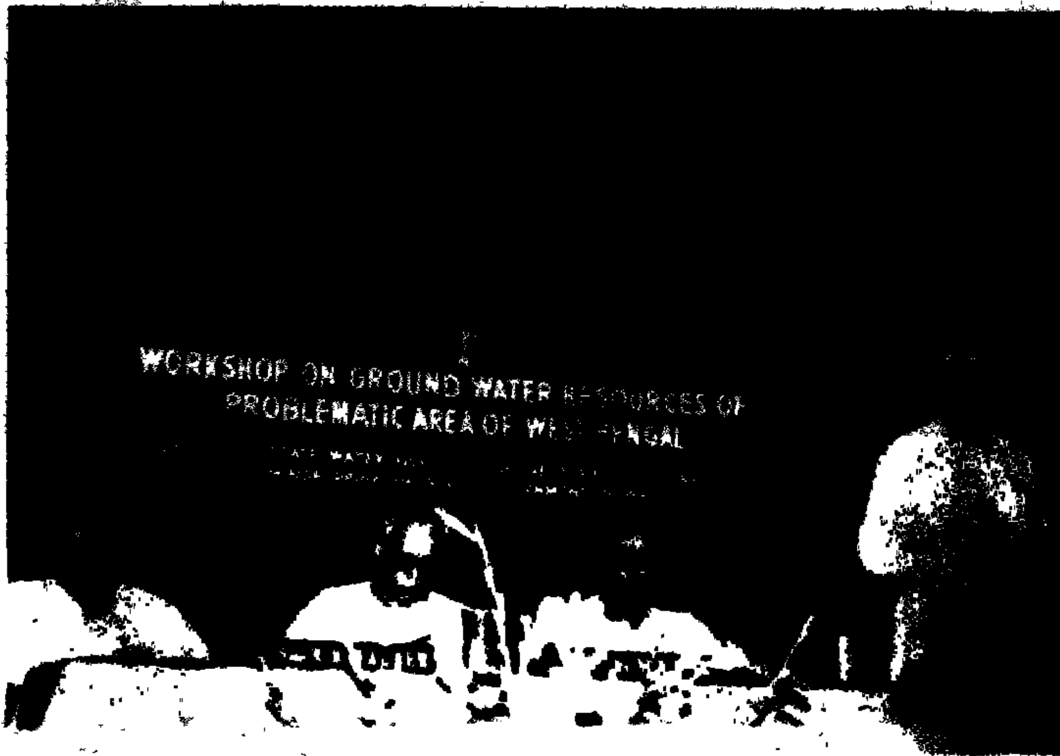
پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری
سالانہ: تین روپئے، اس شمارے کی قیمت: بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:
بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳-آر، این، مکھرجی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۲ ★ یکم نومبر ۱۹۸۶ء ★ شمارہ نمبر ۲۰



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سالٹ لیک کے [illegible] میں منعقدہ مغربی بنگال میں مسائل سے دوچار علاقے کے زیر زمین پانی کے مسائل پر ورکشاپ کا افتتاح کرتے ہوئے۔ تصویر از: (پی این چکرورتی)

سلامِ رخصت

اسکول کے آخری امتحان کے موقع پر

آخری بار، گنگنا جاؤں میں، اشعار مرے
بزمِ احباب سے رخصت کیلئے آئے ہیں
میرے اسکول کے ساتھی، میرے پیارے بھائی
آخری لمحوں میں آ تجھ سے گلے مل لوں میں
اب نہ ہم ہوں گے، نہ یہ صحبتِ یاراں ہوگی
نہ وفا مہکے گی ایسی، نہ بہاراں ہوگی

رخصت اے دوست، خدا تجھ کو سلامت رکھے
چھوٹنے پائے نہ آزادی و فن میرے بعد
راس آئے تجھے الفت کا چلن میرے بعد
جو محبت مری نظروں سے رہی دور رہی دور
بخش دے تجھ کو امنگوں کا، ترنگوں کا سرور
تیرے دن خواب کی آغوش میں جھولا جھولیں
راحتیں ہوں ترے دامن میں، تری خوشبو لیں

الوداع! چاہے کہیں ہوں میں، کسی حال میں ہوں،
جنگ کی آگ ہو یا چین کی نگری کا مزا!
تجھ سے جو عہدِ وفا ہے، وہ نبھا جاؤں گا
سن لے تقدیر دعائیں یہ مری، یاد رہیں
تیرے سب دوست، سبھی یار ترے شاد رہیں

تخلیق : پوشکن

ترجمہ : ظ۔ انصاری

رجعت پسند اور خطرناک للکاروں کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کی عظیم ذمہ داری

سیاسی پارٹیوں، عوامی انجمنوں اور ترقی پسند افراد پر عائد ہوتی ہے

ہماری ریاست میں حکام اور پولس فورس کو اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ امن کو نقصان پہنچانے والی قوتوں کے ساتھ نہایت ہی سختی سے پیش آئیں ——— (شری جیوتی باسو)

۱۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو نئی دہلی میں فرقہ واریت اور علیحدگی پسندی کے خلاف ایک اجتماع ہوا اور اس اجتماع میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے تقریر کی۔ تقریر کا متن درج ذیل ہے:

جناب صدر اور دوستو!

قومی اتحاد اور سالمیت جیسے اہم اور سنجیدہ موضوع پر اجتماع کا انعقاد کرنے پر میں اس اجتماع کا انعقاد کرنے والوں کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج آزادی حاصل کئے ہوئے ۴۰ سال ہو گئے اور یہ ۴۰ سال موجودہ صورت حال پر ایک افسوسناک تنقید ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تمام محبانِ وطن کے لئے ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ ہے۔ مجھے اس تجویز سے اتفاق ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان قوتوں کو شکست دینے کے لئے جو مذہب، زبان، ذات پات، ظلمت پسند اور بنیاد پرست خیالات کو بنیاد بنا کر فسادات برپا کرنے میں ملوث ہوتے ہیں، عوامی تحریکوں کی طرف کھینچا جا سکتا ہے۔ ہم میں سے تمام لوگوں کو ہمارے پاس موجود تمام ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے سیاسی قوت ارادی سے لیس ہونا چاہئے۔ سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی، ثقافتی وغیرہ جیسے میدانوں میں یہ ایک مشکل اور جامع کام ہے [illegible]ت پسند اور خطرناک للکاروں کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کی عظیم [illegible] سیاسی پارٹیوں، عوامی انجمنوں اور ترقی پسند افراد پر عائد ہوتی [illegible] یہ بھی طرح سبھوں کو معلوم ہے کہ یہاں ایسی سیاسی پارٹیاں اور ا[illegible] میں جو فرقہ واریت اعتقادی

عصبیت اور منقسم کرنے والے عناصر سے بری طرح جڑی ہوئی ہیں۔ یہ ہمارے ملک کو کمزور اور غیر استقامت پذیر بنانے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کو شہنشاہیت کے حامیوں کی طرف سے شہ دی جاتی ہے اور مدد پہنچائی جاتی ہے۔ مگر جس بات پر میں آپ سبھوں کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ ہے سب سے بڑی سیاسی پارٹی کی ایسی قوتوں سے مقابلہ میں ناکامی اور یہ مرکز اور دیگر ریاستوں پر حکمراں ہے۔ ان لوگوں نے ایسی قوتوں کے ساتھ صرف مصالحت ہی نہیں کی ہے بلکہ بے شمار موقعوں پر فوری انتخابی فوائد کے لئے انہیں شہ بھی دی ہے یا اندرونِ پارٹی فرقہ بند جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے ورغلایا ہے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں لیکن میرے پاس انہیں بیان کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ میں چند حالیہ واقعات پیش کروں گا جو میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ مغربی بنگال کی گزشتہ اسمبلی انتخابات میں کانگریس[1] کے رہنما وزیر اعظم نے ہمیں شکست دینے کی ناکام کوشش میں لوگوں سے کہا کہ وہ ہمیں ووٹ نہ دیں کیوں کہ جیسا کہ انہوں نے کہا "کمیونسٹوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے" وہ کیا مثال قائم کرنا چاہتے تھے نوجوانوں کے سامنے؟ اس کے علاوہ اس طرح کے پروپیگنڈے انتخابی قوانین کے تحت [illegible] ممنوع ہیں۔ مغربی بنگال [illegible] دورہ کے دو[illegible]

گھنٹے کے دوران وہ اسی روز کیرالا پہنچ گئے اور وہاں مسلم لیگ جیسی کٹر فرقہ پرست انجمن اور دیگر ذات پات پر یقین رکھنے والی پارٹیوں کی صحبت میں ووٹروں سے خطاب کیا۔ پنجاب کی منتخب برنالا حکومت کو ہریانہ انتخابات میں ہندو ووٹوں کی حصولی کے لئے توڑ دیا گیا۔ تری پورہ میں کانگریس(آئی) نے ٹی۔ یو۔ جے۔ ایس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ ٹی۔ یو۔ جے۔ ایس ایک ایسی قبائلی تنظیم ہے جو مسلح قبائلی انتہا پسندوں پر مشتمل ہے۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد دہلی میں سکھ دشمن دنگے پھوٹ پڑے۔ ان میں کچھ کانگریس کے لوگ تقریباً ۳۰۰۰ سکھ مرد، عورتیں اور بچوں کی ہلاکت میں ملوث تھے، ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ میرٹھ اور دیگر مقامات پر ہونے والے حالیہ فسادات میں پی۔ اے۔ سی کے دستے اگلے موقعوں کی طرح اقلیتوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے لیکن اس خطرناک رجحان سے نپٹنے کے لئے کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا۔

مسلم مطلقہ خواتین ایکٹ کے ذریعہ مسلم بنیاد پرستوں کی ہمت افزائی کانگریس(آئی) حکومت کا دوسرا شرمناک قدم ہے۔ راجستھان میں حالیہ ستی کے واقعہ کی مذمت کانگریس(آئی) نے تین ہفتوں کے بعد کی۔ جن ریاستوں پر کانگریس(آئی) حکمراں ہے وہاں سے مسلسل یہ خبریں آرہی ہیں کہ ان مقامات پر رجعت پسند اور امن دشمن عناصر شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ ان عناصر میں سے بیشتر کانگریس(آئی) سے وابستہ ہیں۔ کانگریس(آئی) حکومتیں ان ذمہ داریوں سے بری نہیں ہو سکتی ہیں۔ گجرات جیسے معاشی طور پر ترقی یافتہ ریاست میں بھی لگاتار دو برسوں سے فرقہ وارانہ اور ذات پات پر مبنی فسادات ہو رہے ہیں۔ اس کی ذمہ داری کانگریس(آئی) پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ گزشتہ انتخابات میں کانگریس(آئی) کے رہنماؤں نے انتخابی فوائد کے لئے پچھڑے طبقے کے افراد سے جھوٹے وعدے کئے تھے، یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ یہ وعدے پورے نہیں کئے جا سکیں گے۔ مزید برآں کچھ سیاسی پارٹیوں اور فرقوں نے اسے لیکر فرقہ وارانہ فضا کو زہریلا بنا دیا۔ کانگریس حکومت نے ایسی صورت حال میں ایک موقع پرست کا کردار ادا کیا ہے۔

مغربی بنگال میں بایاں محاذ حکومت دس سال سے موجود ہے اور حال ہی میں تیسری بار بھی عوام نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ ایک طرف وشوا ہندو پریشد، آر۔ ایس۔ ایس۔، بی۔ جے۔ پی، آمرا بنگالی جیسی بنیاد پرست قوتیں اور دوسری طرف جماعت اسلامی، مسلم لیگ اور چند تخریبی جماعتیں فرقہ وارانہ اور سیکٹرین جذبات ابھارنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ کچھ کانگریس (آئی) عناصر ایسی قوتوں، جو فسادات کو ہوا دیتی ہیں، سے مقابلہ کرنے کے بجائے ان کی پیدا کردہ کشیدگیوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عوام کی مدد اور سیاسی مداخلت سے بایاں محاذ حکومت ان تفرقہ انگیز قوتوں کو شکست دینے کے قابل بنی ہوئی ہے۔ مغربی بنگال میں مذہبی، لسانی اور ایتھنک اقلیتیں حفاظت اور عزت کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ اس سال گارڈن ریچ اور مالدہ میں چند لوگوں نے محرم کے جلوسوں کو روکا تھا۔ حکام اور سیاسی کارکنان کی بروقت مداخلت نے روکنے والوں کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ اس سلسلہ میں سخت قدم اٹھائے گئے تھے اور بدقسمتی سے مالدہ میں کچھ لوگ مارے گئے تھے۔ اس کے بعد محرم کا جلوس اپنے روایتی راستوں سے ہوتا ہوا امن کے ساتھ گزر گیا۔

دارجلنگ کی صورت حال ہمارے لئے جانکنی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ کچھ عرصہ پہلے ہماری حکومت اور مرکزی حکومت کے مابین ایک معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اس مسئلہ کو ہم نے گزشتہ اسمبلی انتخابات کی مہم سے الگ رکھ چھوڑا تھا۔ ہم لوگوں نے کبھی بھی فوری فائدہ کے لئے اصولوں کی قربانی نہیں دی ہے۔ خواہ یہ انتخابی ہو یا کوئی اور۔

میں اس بات کو یہاں پھر ایک بار دہرا رہا ہوں کہ ہم لوگ دارجلنگ کے مسئلہ کو سیاسی اور انتظامی دونوں طریقے سے سلجھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس حقیقت پر فخر ہے کہ دارجلنگ میں نیپالی عوام کا ایک طبقہ اور ٹریڈ یونین کے سرگرم عمل کارکنان دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں نیپالی اور بنگالی لوگوں کے بیچ دوستی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے نیپالی کامریڈوں میں سے ۴۲ کامریڈ جی۔ این۔ ایل۔ ایف کے حملوں کا نشانہ ہو کر اپنی جانیں دے چکے ہیں۔ ہماری ریاست میں حکام اور پولیس فورس کو اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ امن کو نقصان پہنچانے والی قوتوں کے ساتھ نہایت

ہی سختی سے پیش آئیں۔ راجہ رام موہن رائے، ودیا ساگر اور دیگر سماجی اصلاح لانے والوں کے کام کے اثر سے بھی ہم مستفیض ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا لوگوں نے انگریزی حکومت کے دوران ستی، چھوت چھات جیسی غیر مہذب اور غیر انسانی رسم کے خلاف جنگ کی اور بیوہ کی شادی کی اہمیت پر زور دیا۔ ہم لوگ ان اعلیٰ روایتوں کو پیش پیش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ عوامی زندگی میں ہم لوگوں کی رہنمائی ترقی پسند اصولوں اور اخلاق سے ہوئی ہے۔ اور ہم مسلسل یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں کثرت میں وحدت کا خیال پیدا ہو کیوں کہ انہیں ہندوستان کی عظمت کو برقرار رکھنے میں ایک عظیم کردار ادا کرنا ہے۔ ہم انہیں شہنشاہیت کے حامیوں کو کبھی نہ فراموش کرنے کی تلقین کرتے ہیں کیوں کہ یہی شہنشاہیت کے حامی ملک کے اندر ہنگامی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان میں مختلف قسم کی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ مواقع کے ساتھ ساتھ خطرے بھی موجود ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد شعور کی آواز سنے گی اور انہیں ہمارے ملک کی سالمیت اور اتحاد کو مضبوط بنانے کے مقصد کے تحت عوامی تحریک کے لئے تیار کیا جا سکے گا۔ یہاں تک کہ کانگریس پارٹی میں، جو اپنے پرانے اصولوں اور روایتوں سے بچھڑ گئی ہے، مجھے یقین ہے کہ اب بھی کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جو اپنی پارٹی اور حکومت کی اختیار کردہ ان مسائل سے متعلق پالیسی سے جس پر آج ہم بحث کر رہے ہیں، ناخوش ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ حقائق کو منظر عام پر لائیں گے اور انکی آواز سنی جائے گی۔ موجودہ صورت حال پر مجھے شیکسپیئر کے جولیس سیزر میں کیسیئس کو کہی گئی بروٹس کی باتیں یاد پڑتی ہیں:

> "انسان کی زندگی میں ایک ایسا لمحہ بھی آتا ہے
> جس کی بروقت پہچان اور اس کا صحیح استعمال خوش
> قسمتی کا سبب بنتا ہے۔"

اس لئے ہمیں اعتماد کے ساتھ منقسم کرنے والی اور فرقہ پرست قوتوں اور ناکارے حکمرانوں کے خلاف آگے بڑھنا چاہئے۔



بقیہ: تعلیم بالغان ....

کے دوکروں کو دوبارہ آباد کرنے کشہروں اور دیہاتوں میں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ اور یہ سب عوامی تقاریر، اعلانیہ اور تجاویز، فلم، ٹیلیویژن، ریڈیو، پروجیکٹرس وغیرہ کے ذریعہ عوام کے لئے لائبریری کو مفید بنا سکتے ہیں۔ لائبریریوں کو کتابوں کی فہرست تیار کرنا چاہئے اور اسے مقامی اخبارات میں شائع کرانا چاہئے۔ نیز انہیں اپنے طور پر رسالے اور جریدے شائع کرنے چاہئیں۔ انہیں لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے سلسلے میں بالغوں کے لئے شام کے کلاس، مطالعہ کتب، اجتماعی بحث، تقاریر، سنگیت کے پروگرام اور نمائش کا انتظام کرنا چاہئے۔

ہمیں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ لوگوں کی قدروں میں بہتری لانے کے لئے لائبریریاں بہترین اور سب سے زیادہ موثر ایجنسیاں ہیں کیوں کہ یہ بہت کچھ دیتی ہیں لیکن اس کا صلہ کچھ نہیں طلب کرتیں۔

ذمہ دار شہریوں کی تشکیل لائبریری تحریک کی کامیابی ہے، کیوں کہ ان ذمہ دار شہریوں پر ہی ایک ذمہ دار حکومت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ لائبریریاں اور ان کے ناظمین برائیوں اور جہالت کی طاقتوں پر منظم حملے کر سکتے ہیں، کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے ملک کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

بقیہ: دارجلنگ کے مسائل

چیت جاری ہے۔ میں نے مرکزی لیڈروں کو آگاہ کیا تھا کہ ایسے موڑ پر میرے لئے ضروری ہے کہ مغربی بنگال کی سیاسی پارٹیوں کو بات چیت کی نوعیت اور امکانات سے آگاہ کیا جائے تاکہ گفت و شنید کے بعد ہم اس ممکنہ حد تک پہنچ سکیں جس کے لئے کوشش کی جا رہی ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر یہ میٹنگ بلائی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمام سیاسی پارٹیوں کی مدد سے ہمارے لئے یہ ممکن ہوگا کہ ایک عملی سیاسی حل تلاش کر لیں۔ ★★

دارجلنگ کے مسائل

حل کی تلاش!

دارجلنگ کی صورت حال پر ۱۸ر ستمبر سنہ ۱۹۸۷ء کو رائٹرس بلڈنگس میں وزیر اعلیٰ کی طرف سے طلب کی گئی ایک آل پارٹی میٹنگ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ایک بیان جاری کیا تھا۔ بیان درج ذیل ہے:—

گورکھالینڈ تحریک جو گورکھا نیشنل لبریشن فرنٹ کی طرف سے اپریل سنہ ۸۶ء کو شروع کی گئی تھی، جاری ہے۔ شروع سے یہ تحریک پے بہ پے ہڑتالوں، آتش زنی، سڑکوں میں رکاوٹ اور پولس اور اس تحریک کے مخالفین پر پُر تشدد حملوں کی راہ پر گامزن رہی۔ میں نے ۱۸ر اگست سنہ ۸۶ء کو آل پارٹی میٹنگ طلب کی اور ہم نے متفقہ رائے سے ایک قرارداد منظور کی۔ لیکن حکومت ہند اور ہمارے بیچ یہ طے ہونے میں کچھ مہینے لگ گئے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک ہی طریقہ کار ہو۔

۸ر اور ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۸۷ء کو وزیر اعظم اور مرکزی وزیر داخلہ کے ساتھ میری بات چیت دراصل دارجلنگ کے مسائل کے سیاسی حل تلاش کرنے کے لئے مشترکہ کوششوں کا نقطۂ آغاز تھی۔ اس میٹنگ میں متفقہ طور پر یہ مان لیا گیا کہ مغربی بنگال کی تقسیم نہیں ہوگی، دارجلنگ کے سلسلے میں ریاستی حکومت کے مشورے کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جائے گا اور انتظامیہ کے اسی حکم نامہ کو برقرار رکھا جائے گا۔ حکومت ہند نے اس بات کی بھی رضامندی ظاہر کی کہ وہ لوگ جی این ایل ایف لیڈر شپ کو کانفرنس میز پر لانے کے لئے قدم اٹھائیں گے۔ حکومت ہند ہی کی طرف سے پہل کی جاسکتی ہے کیونکہ جی این ایل ایف اس بات پر قائم رہی کہ ریاستی حکومت کے ساتھ بات چیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان کے مطالبات صرف حکومت ہند سے ہی منوائے جاسکتے ہیں لہٰذا حکومت ہند نے بات چیت کے لئے پہل کی۔ ہمیں حکومت ہند اور جی این ایل ایف لیڈر شپ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا رہا۔ پُرامن فضا میں انتخابات ہونے کے فوراً بعد، انتخابات کے بائیکاٹ کے ساتھ، جی این ایل ایف نے ۲۰ر جون سنہ ۸۷ء سے غیر معین مدت تک کے لئے "بند" کی پکار کی، تشدد دوبارہ پھوٹ پڑا۔

مرکزی وزیر داخلہ ۱۵ر جون سنہ ۱۹۸۷ء کو کلکتہ آئے۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ وزیر اعظم نے قطعی طور پر بیان دیا تھا کہ مغربی بنگال کی تقسیم نہیں ہوگی۔ انہوں نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کو "علاقائی خود اختیاری" دینے کے لئے دستور میں ترمیم کے سوال کو، جس کی ہم لوگوں نے وکالت کی تھی یکسر رد کردیا۔ اس ضمن میں ہم نے حل کا ایک وسیع خاکہ تیار کیا تھا اور میں نے ۱۵ر اور ۱۶ر جون سنہ ۸۷ء کو، کلکتہ کی ایک نشست میں مرکزی وزیر داخلہ سے اس سلسلے میں بات چیت کی تھی۔ جی این ایل ایف کی طرف سے ۲۰ر تاریخ سے شروع ہونے والے ۱۲ر دن کے "بند کی پکار" کے سلسلے میں ہم نے وزیر داخلہ پر اس بات پر زور دیا کہ وہ جی این ایل ایف کو روکیں کہ وہ بند کا راستہ نہ اپنائے کیونکہ سیاسی حل کے لئے بات چیت کی باضابطہ شروعات ہو چکی ہے۔

۱۹ر جون کی رات سے دارجلنگ کی پہاڑیوں میں تشدد کی راہ کھول دی گئی۔ یہاں ایک سو سے زائد حملوں کی وارداتیں پیش آئیں اور ریاستی

حکومت کی املاک کو نقصان پہونچایا گیا اور مرکزی حکومت کی ۱۳ املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور انہیں آگ لگادی گئی۔ ۱۲ پولیس پوزیشن بشمول پولیس کیمپ آتش زنی کے شکار ہوئے۔ واقعات کے دوران ایک پولیس جوان مارا گیا اور چھ پولیس والے زخمی ہوئے۔ آتش زنی کے ۱۱۳ واقعات پیش آئے جس کے نتیجے میں ۵۰۷ عمارتیں مکمل طور پر اور ۳۸ عمارتیں جزوی طور پر منہدم ہو گئیں۔ بم پھٹنے کے ۴۹ واقعات، لوٹ مار کے ۴ واقعات، آتشیں ہتھیاروں کے لوٹنے اور چھینے جانے کے ۲ واقعات پیش آئے۔ بڑے پیمانے پر اسلحہ جات اور آتشیں ہتھیاروں کے اکٹھا ہونے کی بھی اطلاع ملی ہے۔

میں نے مرکزی وزیر داخلہ کو وسیع پیمانے پر املاک کی وحشت ناک اور اندھا دھند بربادی، آمدورفت میں رکاوٹ اور تشدد کے واقعات سے آگاہ کیا۔ میں ۲۶ جون کو دہلی گیا اور مرکزی وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کے ساتھ میں نے مزید بات چیت کی۔ میں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جی این ایل ایف کی طرف سے تشدد کی راہ پر گامزنی کے باوجود سیاسی حل تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مرکزی وزیر داخلہ نے سُبھاش گھیشنگ کو ۲۲ جولائی کو دہلی میں مدعو کیا۔ میں نے ۲۱ جولائی کو مرکزی وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کے ساتھ دوسری میٹنگ کی۔ اس وقت سے پہاڑیوں میں صورت حال کچھ معمول پر آئی۔ اگرچہ وقفہ وقفہ سے تشدد، قتل وغیرہ کے واقعات ہوتے رہے اور جی این ایل ایف کے مخالفین پر ان کی حمایت کرنے کیلئے دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ ایسے کثیر التعداد نیپالیوں کو اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ جانے کیلئے مجبور کیا گیا اور ان میں بہت سے لوگوں کو امدادی کیمپ میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔

وسیع لائحہ عمل جو ۱۶ جون ۱۹۸۶ء کو کلکتہ میں مرکزی وزیر داخلہ کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کے دوران وجود میں آیا تھا اس کو بنیاد بنا کر میں نے ۲۸ اگست کو وزیر اعظم کے ساتھ مزید بات چیت کی۔ وسیع نکات پر مبنی ایک معاہدہ تیار کیا گیا جو میری معلومات کے مطابق حکومتِ ہند کی طرف سے جی این ایل ایف کے لیڈروں کو پہنچا دیا گیا۔

[illegible] تین پہاڑی سب ڈویژن علاقوں پر مبنی ایک [illegible] کونسل کی تجویز رکھی گئی [illegible] جو نمایاں طور پر منتخب ادارہ ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے امیدواروں کی نامزدگی ریاستی حکومت کرے گی۔ اس کے ممبران جنگلات، چائے باغات اور مضافاتی اور شہری علاقوں پر مبنی تینوں پہاڑی سب ڈویژن علاقوں کے مستحق ووٹروں کے ذریعہ منتخب کئے جائیں گے۔ سلی گوڑی سب ڈویژن میں ترقیاتی سرگرمیوں کے لئے علیحدہ باڈی کی تشکیل کے لئے آزادانہ طور پر بندوبست کیا جائے گا۔

سلی گوڑی سمیت چار سب ڈویژنوں پر مشتمل ضلع دارجلنگ کا جیسا کہ ابھی ہے بنیادی انتظامی یونٹ یوں ہی برقرار رہے گی۔ اس سلسلے میں بے شک ریاستی پالیسی کے تحت وسیع لائحہ عمل کے دائرے میں رہ کر پہاڑی علاقوں کی سماجی اور معاشی ترقی "پہاڑی کاؤنسل" کے ذمہ ہوگی۔ جبکہ امن وامان، انصاف، چائے باغات، محفوظ جنگلات، بجلی وغیرہ پہاڑی کاؤنسل اتھارٹی کے اختیار میں نہ ہوں گے۔ پہاڑی کونسل پنچایتوں اور آمدورفت، تعلیم، صحت، سیاحت، صحت عامہ سے متعلقہ تمام معاملات پر اختیارات رکھے گی۔ اس طرح کے اختیارات میں توسیع اور گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے۔ کاؤنسل کے فنڈ کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے مالی امداد کی جائے گی جس کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے ریاستی حکومت کی طرف سے مناسب قانون سازی ضروری ہے۔

اس نئے قانون میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ انتظامی ساخت کی حد بندی اور انتخاب کے ضابطہ، حساب کتاب کی جانچ پڑتال کے طریقے اور کاؤنسل کی کارکردگی پر ریاستی حکومت کے اختیارات کے لئے مناسب گنجائش رکھی گئی ہے۔

شہریت، زبان وغیرہ کا مسئلہ حکومتِ ہند کے ذمہ ہے اور وہ اس سلسلے میں تدبیر کر رہی ہے۔ ہم نے بار بار اس ضرورت کی نمایاں طور پر وضاحت کی کہ نیپالی کو دستورِ ہند کے آٹھویں شیڈول میں شامل کیا جائے۔ ہم اپنی تمام تر کوششوں میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ تشدد کے ماحول کو ختم کیا جائے اور دیرپا حل کے مفاد اور ان سب سے ہٹ کر دارجلنگ کے عوام کے مفادات کے لئے مناسب طور پر پُرامن اور دوستانہ ماحول کو برقرار رکھا جائے۔ ابھی جبکہ حکومتِ ہند کی جی این ایل ایف کے لیڈروں کے ساتھ بات

(باقی ہے)

تعلیم بالغان اور لائبریری

دوسری اور آخری قسط

از: پرامودھ بسواس

ہمیں اس لئے کیا کرنا چاہئے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ شہروں کی سڑکیں یا دیہاتوں کی پگڈنڈیاں تو ہمارے پاس نہیں آئیں گی، تو کیا ہم شہروں اور دیہاتوں میں جا سکتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے اور اسے تمام تعلیم یافتہ لوگوں کو حل کرنا ہے۔

تعلیم بالغان کے نظام میں لائبریریوں اور ان کے ناظموں دونوں کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔ اگر تعلیم بالغان سے ہر مرد اور عورت کو فیض یاب کرنا ہے تو ہم لائبریریوں سے گریز نہیں کر سکتے۔ ان دونوں ایک لائبریری صحیح معنوں میں ایک یونیورسٹی کے فرائض انجام دیتی ہے۔ ان لائبریریوں میں تربیت یافتہ اسٹاف رہتے ہیں جو قارئین کی ضرورتوں کے مطابق کتابیں فراہم کرتے ہیں۔ لائبریری کے تربیت یافتہ اور عالم ناظم کی، معت تعلیم بالغان کے تحت، اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اس شخص کی تعلیم کے سلسلے میں، جو لائبریری میں مطالعہ کتب کیلئے آتا ہے، رہنمائی کرنی پڑتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہندستان میں ہمارا یہ دور صرف تعلیم حاصل کرنے کا دور نہیں ہے۔ روزی روٹی کمانے کی ضرورت اتنی عظیم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے تعلیم یا تو ایک لطیف تکلف نظر آتی ہے یا تعلیم حاصل کرنے میں وقت کی بربادی ہوتی ہے، حالانکہ کوشش کے ہر میدان میں تعلیم تو درحقیقت ایک اثاثہ ہوتی ہے۔ کس طرح لائبریریاں اور رات کے اسکول عام لوگوں کی بے بسی کو دور کر کے ان کے دلوں کو تعلیم کی ضرورت اور اہمیت سے آگاہ کر سکتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ، امریکہ اور خوشحال ملکوں میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور اس کی وجہ سے ان کے معیارِ زندگی میں کافی بہتری ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں اسکولوں، کالجوں اور لائبریریوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اخباروں کی اشاعت میں اور تعدادِ فروخت بھی کافی بڑھ گئی ہے۔ ہمیں اس جذبہ کی جس نے روسیوں، جرمنوں، انگریزوں، فرانسیسیوں یا ہمارے ہمسایہ چینی اور جاپانیوں کی سماجی اور تعلیمی زندگی میں اتنی شاندار تبدیلی لائی، طاقت اور تقویت کا احساس کرنا چاہئے۔

عالمی حق رائے دہندگی اور عالمی تعلیم دونوں کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھنا چاہئے اور اس کے ساتھ تعلیم کے ایک قومی نظام قائم کئے بغیر اور اس نظام کو شہریوں اور صحراؤں کے باسیوں کے لئے فراہم کئے بغیر قومیت پر کسی قسم کا حقیقی تجربہ کرنا ممکن نہیں۔

تعلیم بالغان کا تصور بیرونی نہیں ہے۔ اس کی پیدائش اور پرورش و پرداخت یہیں، اسی ملک میں ہوئی۔ پھر جمہوری ملکوں کی ہموار سرزمین میں جمہوریت کی بنیاد مستحکم بن گئی۔ شروع سے ہی اس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم کے نظام میں نامناسب جانبداری کو دور کیا جائے اور اس بات کی کوشش شاہی ادوار سے اور اس وقت سے جب لوگ طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، کی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صرف کتابی تعلیم کے ناموافق اثرات کو دور کیا جائے۔ مزید براں اس نظام تعلیم کا اہم مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اچھے شہری ہونے کے اصولوں اور تصورات سے روشناس کرایا جائے اور ان لوگوں کو، جنہوں نے کسی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل نہیں کی ہے، امرار میں شامل کر لیا جائے۔

بالغوں کی تعلیم کے نظام کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کو تعلیم دی جائے جنہوں نے اپنے بچپن میں غربت یا ابتدائی تعلیمی نظام میں خامیوں کی وجہ سے مناسب طور پر تعلیم حاصل نہ کر سکے۔

ہمارے ملک کو اس راہ میں آگے بڑھانے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرنا ہوگی اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب تعلیم یافتہ لوگ اور ریاستی حکومت متحدہ طور پر کوشش کریں۔ اگر گذشتہ ۳۷ برسوں میں اس سلسلے میں کی گئی کوششوں کے نتائج کو (یعنی سنہ ۱۹۰۱ء ۵٫۳۵، سنہ ۱۹۱۱ء ۵٫۹۲، سنہ ۱۹۲۱ء

۱، ۷، سنہ ۱۹۶۱ء ـ ۵۰ء۹، سنہ ۱۹۴۱ء ـ ۱۰ء۱۶، سنہ ۱۹۵۱ء
۹ء۱۶، سنہ ۱۹۹۱ ـ ۲ء۰۲ء۲۴، سنہ ۱۹۷۱ء ـ ۴۵ء۲۹ء۱ اور
سنہ ۱۹۸۱ء ـ ۱۷ء۳۶) زیر غور رکھیں تو ہمارے خواب کو
شرمندۂ تعبیر ہونے کے لئے مزید ایک سو سال کی ضرورت ہوگی،
حالانکہ دنیا کے بہت سارے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ خواب شرمندۂ
تعبیر ہو چکا ہے۔ اس کام کی رفتار ترقی کو تیز تر کرنے کے لئے
ہمیں اس ملک کے مادی اور انسانی وسائل کو انتہائی حد تک کام
میں لانا ہوگا، اور اس طرح تعلیم کو عام کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔
ایک مدت مقرر کر دینی چاہئے اور اسی مدت کے اندر ہمیں اپنے
کام کو مکمل کر دینا چاہئے۔ ہم ہندوستانی اپنی روحانی میراث اور اعلیٰ
روایتوں پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں لیکن منظم کوششوں کے میدان
میں تباہ کن طاقتیں قومی تعمیری سرگرمیوں سے زیادہ طاقت ور
ثابت ہوتی ہیں۔

بالغوں کی تعلیم کے لئے کافی انتظامات کرنے کی ضرورت
ہے کیونکہ یہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مبنی ہے کہ تعلیم تو
زندگی بھر حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ کہ ایک یونیورسٹی گراجویٹ
یا تعلیم یافتہ شخص کو مزید تربیت اور ذہنی نشو و نما کے
لئے تعلیم کی مسلسل ضرورت ہے۔

اسکولوں اور کالجوں میں تربیت صرف بنیادی باتوں تک
محدود رہتی ہے۔ ایک شخص کی صحیح معنوں میں ترقی اسی وقت
ہوگی جب وہ آزادانہ طور پر اپنی کوشش سے علم کی جستجو میں آگے
بڑھے اور اس سے فیضیاب ہو۔

اس سلسلہ میں یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم بالغاں
دراصل جمہوریت کی ایک اہم پیداوار ہے۔ مغربی ممالک میں
تعلیم یافتہ لوگوں کی مساوات کے فروغ کی کوشش کی وجہ سے تعلیم
بالغاں کا نظام عالم وجود میں آیا۔ ناخواندگی کو دور کرنے اور لوگوں کے
دلوں میں ادب، فنون لطیفہ، سائنس کا مطالعہ کرنے کا شوق ابھارنے
کے لئے اسکولوں اور کالجوں کی کوششوں کی ہمت افزائی کی گئی،
اور اس طرح دنیا کے ان ملکوں میں لوگوں کی ثقافتی سطح کو بلند
کیا گیا۔

لیکن ہندوستان میں ہم اب بھی خود کو مایوس سمجھتے
ہیں کہ اب تک برسوں سے دوران اور بچے بڑے انسانی معاشرے کو
ثقافت کے تحت لانے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی اور آج
بھی نہیں دی جا رہی ہے۔ اگر ہندوستانی معاشرے کی پیداواری
قدروں میں اضافہ نہیں کیا گیا، اقدار کی ویرانی کو دور نہیں کیا گیا اور
ثقافتی اداروں (اسکولوں، کالج، لائبریری اور بالغوں کے لئے نائٹ
اسکول) کے ذریعہ اعلیٰ درجہ کی ذہنی ثقافت کو برقرار نہیں رکھا
گیا، تو پھر ہم اس بات کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ہمیں دنیا کے
بڑے ملکوں میں شمار کیا جائے اگرچہ ہمارا ملک رقبہ، آبادی اور قدرتی
وسائل کے لحاظ سے بہت سارے ملکوں سے بڑا ہے۔

ناخواندگی کو دور کرنے اور غیر رسمی تعلیم کے نظام کو
روبہ عمل لانے کے لئے ہمارا سب سے اہم اور پہلا فرض یہ ہے کہ ہم
اپنے ملک میں ایک حقیقی لائبریری تحریک کا افتتاح کریں۔ لائبریریوں
اور ان کے ناظموں کو ناخواندگی اور تاریکی، جو ہماری سرزمین پر چھائی ہوئی
ہے، کی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت ہی اہم کردار ادا کرنا
ہے۔ ہم لوگ اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ شہری اور
مضافاتی علاقوں میں عوامی، نیم عوامی، ادارہ جاتی، غیر سرکاری اور
سرکار کے زیر سرپرستی لائبریریاں ہیں۔ ناظمانِ لائبریریوں کی تعداد
میں اضافہ کرنے اور بہتر منظم لائبریریاں قائم کرنے میں گراں قدر
خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ ہم لوگ بھی اور بھی زیادہ منظم اور بہتر
شہری اور مضافاتی لائبریریاں قائم کرنے اور ملک کے کونے کونے
میں تعلیم کی اشاعت کے سلسلے میں خدمات انجام دے سکتے ہیں۔
عوام میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کرنے میں ناظمین لائبریریاں کو پہل
کرنی چاہئے۔ لوگوں کے اخلاق، ان کی زندگی اور ثقافت کو سنوارنے
میں لائبریریاں جو خدمات انجام دیتی ہیں، ان سے وہ لوگ واقف
ہیں جو تعلیم سے فیضیاب ہوتے ہیں اور لائبریریوں سے مستفید
ہوتے ہیں۔

گشتی لائبریریوں کے ذریعہ کتابیں لوگوں کے گھروں میں
خاص طور پر عورتوں کو، مریضوں کو، معذوروں کو، گاؤں میں کسانوں
کو اور کارخانوں میں مزدوروں کو فراہم کی جا سکتی ہیں۔ لائبریریاں

(باقی صفحہ ۲ پر)

مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی سرگرمیاں

(دسمبر ۸۶ء تا جولائی ۸۷ء)

تعلیمی سرگرمیاں : (الف) اشاعتی پروگرام۔

حکومت مغربی بنگال کے ڈائریکٹر برائے اسکولی تعلیم کے حسبِ منشاء پرائمری درجات کے سوم تا ششم کی گیارہ کتابیں ۲۵،۲۵ ہزار کی تعداد میں شائع کر کے حکومت کے حوالے کی جا چکی ہیں۔ بقیہ تین کتابوں میں سے علم الحساب (پنجم) اور علم الحساب (ششم) اشاعتی مرحلے کے آخری دور میں ہیں ایک کتاب جغرافیہ برائے پنجم کی اشاعت ڈائریکٹر برائے اسکولی تعلیم نے روک دی ہے کیوں کہ اس کا نصاب تبدیل کیا جا رہا ہے۔

اکاڈمی کے فیصلے کے مطابق مدھیامک اور ہائی مدرسہ کے لئے ٹسٹ پیپر ۱۹۸۷ء شائع کیا گیا تھا۔ اس سال بھی ٹسٹ پیپر ۱۹۸۸ء کے لئے تیاری جاری ہے۔

مغربی بنگال بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کے ساتھ ایک معاہدے کے بعد منتخبات اردو برائے مدھیامک کا نظرثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا جا چکا ہے۔ بورڈ کے ساتھ ایک دوسرے معاہدے کے تحت ریاضیات برائے ہفتم شائع ہو چکی ہے جبکہ ریاضیات ہشتم، نہم اور دہم اشاعتی مرحلے میں ہیں۔

نصاب کی مندرجہ ذیل کتابیں تیاری اور اشاعت کے مرحلے سے گزر رہی ہیں اور امید ہے کہ آئندہ تعلیمی سال سے قبل منظرِ عام پر آجائیں گی۔

۱۔ سلیس اردو برائے ہفتم، ۲۔ سلیس اردو برائے ہشتم، ۳۔ دنیا کا معاشی جغرافیہ ہائر سکنڈری، ۴۔ لائف سائنس برائے دہم، ۵۔ بائیلوجی برائے ہائر سکنڈری، ۶۔ تاریخ برائے درجہ نہم و دہم، ۷۔ ان آرگنک کیمسٹری برائے ہائر سکنڈری، ۸۔ فیزیکل سائنس برائے ہفتم و ہشتم۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں جن کی تیاری شروع ہو چکی ہے۔ مکمل ہو جانے کے بعد اسکول کی سطح تک کی تقریباً تمام کتابیں مہیا ہو جائیں گی۔

۱۔ لائف سائنس (ششم، ہفتم و ہشتم)، ۲۔ جغرافیہ (ششم، ہفتم، ہشتم، نہم و دہم)، ۳۔ تاریخ (ششم، ہفتم و ہشتم)۔

یکساں سوال نامہ اور یکساں نصاب کی اسکیم اسکولوں اور طلباء میں مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ جولائی ۸۷ء میں ہونے والے ششماہی امتحان کے لئے ۴۲ اسکولوں نے اکاڈمی کے سوالنامے حل کئے۔ سالانہ امتحانات کے سوالات کی تیاریاں جاری ہیں۔

(ب) اسکولوں کی منظوری ــــ اردو اسکولوں اور مدرسوں کی منظوری کے لئے اکاڈمی کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ متعلقہ وزراء سے اکاڈمی کے چیئرمین مل چکے ہیں اور جلد ہی گورننگ باڈی کا ایک وفد وزیر اعلیٰ سے ملاقات کرنے والا ہے جب کہ اسکولوں کی منظوری اور دیگر تعلیمی مسائل پر وزیر اعلیٰ سے تبادلۂ خیال کیا جائے گا۔

(ج) وظائف و انعامات : اکاڈمی کی منظور شدہ پالیسی کے تحت وظائف کا سلسلہ جاری ہے۔ درجہ ششم تا ایم اے کے ۲۴۲ طلباء و طالبات کو وظائف دئے جا رہے ہیں۔

گزشتہ سال مدھیامک اور ہائر سکنڈری میں بالترتیب مندرجہ ذیل طلبہ نے اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے اور انہیں اکاڈمی کی طرف سے پانچ پانچ سو روپئے کے مندرجہ ذیل انعامات دئے گئے۔

۱۔ عبدالخالق ولد خلیق الرحمٰن، ۱۲ تانتی باگان لین کلکتہ ۱۲۔ عباس علی خان بیخود انعام

۲۔ شگفتہ یاسمین۔ معرفت عبدالستار شاہدی۔ کوتمس مینشن، ۲۰ ریگالیڈ اسٹریٹ کلکتہ ۔ ۱۴/ آغا حشر کاشمیری انعام

اکاڈمی کی [illegible] فیلوشپ اسکیم کے تحت محترمہ شبانہ نسرین نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ نگراں کی رپورٹ کا انتظار ہے اور نئے فیلوشپ کے لئے درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔

تربیتی سرگرمیاں : (الف) غیر اردو داں لوگوں کو اردو سکھانے اور اردو سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اکاڈمی نے جو تربیتی مرکز کھول رکھا ہے اس کے ابتدائی درجے کا فائنل امتحان ۳۱ جولائی کو ہوا جس میں ۱۹ طلبہ نے حصہ لیا۔ آئندہ سیشن کے لئے داخلہ یکم اگست ۸۷ء سے شروع ہوگا۔

(ب) : اکاڈمی کے زیر اہتمام اردو ٹائپ رائٹنگ سنٹر بھی چل رہا ہے۔ گزشتہ فائنل امتحان میں ۸ طلبہ نے کامیابی حاصل کی اور فی الوقت ۱۱ طلبہ زیر تربیت ہیں۔

(ج) : اکاڈمی کا کتابت سنٹر بھی کامیابی کے ساتھ گامزن ہے۔ اس وقت موجودہ سیشن کا دوسرا سال چل رہا ہے۔ پہلے سال کے فائنل امتحان کے موقع پر ۱۸ طلبہ وطالبات نے شرکت کی اور سبھی طلباء وطالبات کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

(د) : اکاڈمی کے اردو صحافتی تربیتی مرکز کو دوبارہ شروع کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

ادبی سرگرمیاں : (الف) : ادبی کتابوں کی اشاعت کے تحت گزشتہ دنوں "روحِ ادب کے ڈرامے" (جلد اوّل) کی اشاعت ہو چکی ہے۔

(ب) مندرجہ ذیل ادبی کتابوں کی اشاعت کا پروگرام شروع ہو چکا ہے امید ہے کہ جلد ہی یہ کتابیں منظر عام پر آجائیں گی۔

۱۔ روحِ ادب کے [illegible] دوم)
۲۔ روحِ ادب کے افسانے۔
۳۔ روحِ ادب کے انشائیے۔
۴۔ تاریخ سے وحشت [illegible] ایڈیشن) از سید لطف الرحمٰن

۵۔ بنگال میں اردو تذکرہ نگاری از : ڈاکٹر عبدالمنان۔
۶۔ بیمار بلبل از : کلیم سہسرامی
۷۔ صدائے زنداں (قاضی نذرالاسلام کی نظموں کے اردو ترجمے)

(ج) اشاعتی اعانت کی اسکیم کے تحت جناب کمال احمد کے ڈراموں کا مجموعہ "گرداب" اشاعت کے لئے منظور کر لیا گیا ہے۔

(د) اکاڈمی نے بچوں کے لئے مختلف موضوعات پر ۱۵ مختصر کتابیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس سلسلے میں کارروائی جاری ہے۔

(ہ) ۱۹۸۷ء کی مطبوعہ کتابوں پر انعام کے لئے کل ہند پیمانے پر ۱۴۰ کتابیں اور مغربی بنگال سطح پر ۱۱ کتابیں موصول ہوئی ہیں۔

(و) مغربی بنگال میں اردو زبان وادب کی تاریخ کی تیاری کے کام میں پیش رفت ہوئی ہے اور اب تک مندرجہ ذیل حصے موصول ہو چکے ہیں۔

۱۔ بنگال میں اردو صحافت از : شانتی رنجن بھٹاچاریہ
۲۔ بنگال میں اردو شاعری از : ڈاکٹر جاوید نہال
۳۔ بنگال میں اردو ڈرامہ از : پروفیسر مشتاق احمد
۴۔ بنگال میں تاریخ زبانِ اردو تا قیام آزادی از : ڈاکٹر عبدالرؤف

(ز) بنگلہ اردو لغت کا کام جاری ہے اور اب تک ۳۴ حروف کے ۳۲ ہزار کارڈس تیار کئے جا چکے ہیں۔

بنگلہ۔ اردو کی چھوٹی لغت کی تالیف ہو رہی ہے اور اس سال کے خاتمہ پر تالیف کا کام مکمل ہو جانے کی امید ہے جس کے بعد ہی اشاعت کا کام انجام پائے گا۔

(ح) اردو ادب کو فروغ دینے اور طلباء میں لکھنے کا شوق پیدا کرنے کی خاطر "شام ادب" کا پروگرام جاری ہے۔ اب تک اس کے پانچ کامیاب جلسے ہو چکے ہیں۔

(ط) سہ ماہی رسالہ "روحِ ادب" کا "فیض نمبر" ستمبر میں منظر عام پر آجائے گا۔

(ی) اکاڈمی نے فیصلہ کیا ہے کہ پرویز شاہدی ایوارڈ اور ملیح آبادی ایوارڈ کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں قواعد وضوابط میں چند ترمیمات کے بعد بلیٹ پیپرس روانہ کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔

لائبریریوں کو اردو کتابوں کی فراہمی : ۸۴-۱۹۸۳ء میں جن ۹۸ لائبریریوں کو کتابیں دینا منظور کیا گیا تھا مگر بعض دشواریوں کی بنا

پر کتابیں نہیں دی جا سکی تھیں۔ انہیں کتابیں مہیا کر دی گئی ہیں۔

اردو لائبریری: (الف) اکاڈمی کی اردو لائبریری کافی مقبول ہو چکی ہے۔ گذشتہ نشست کے بعد سے اب تک ۲۲۳ کتابوں کا اضافہ ہوا ہے جن میں "نقوش" کے رسول نمبر کی مکمل تیرہ جلدیں قابلِ ذکر ہیں۔ اس وقت لائبریری میں کتابوں کی تعداد ۲۰۲۶ ہے۔ ریڈنگ اور لینڈنگ سیکشنوں کے ممبروں کی تعداد بالترتیب ۶۰۴ اور ۵۵۸ ہے۔

(ب) اکاڈمی کوشاں ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی میں محفوظ اردو کے قلمی نسخوں اور نادر کتابوں کی زیرکس نقلیں حاصل کر کے انہیں اردو لائبریری میں محفوظ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں ایشیاٹک سوسائٹی کے اربابِ اختیار سے خط و کتابت جاری ہے۔

اکاڈمی کی عمارت: اکاڈمی کی عمارت کے پلان کو کلکتہ میونسپل کارپوریشن سے منظوری مل چکی ہے۔ اس مد میں اب تک حکومت سے ۴ لاکھ روپئے مل چکے ہیں۔ حکومت سے مزید رقم کے لئے رجوع کیا گیا ہے۔ رقم حاصل ہوتے ہی تعمیر کا کام شروع کیا جائے گا۔

دیگر سرگرمیاں: (الف) یکساں سوالنامے کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اکاڈمی نے زیرکس آفسٹ مشین کی خریداری کی ہے جس میں ۴/۱ ڈیمائی سائز پر آفسیٹ کی طباعت کی جا سکتی ہے۔ ششماہی امتحانات ۸۶ء کے سوالات اور روحِ ادب کے ڈرامے جلد اول کی طباعت اسی مشین پر ہوئی ہے۔ آئندہ چند کتابیں سوالنامے اور ٹسٹ پیپر اسی مشین پر طبع کئے جائیں گے۔ سوالنامہ کا پروجیکٹ جب سے شروع کیا گیا ہے اکاڈمی کو اس پر کافی خسارے کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن ششماہی امتحان ۸۷ء کے موقع پر اخراجات بڑھ جانے کے باوجود اکاڈمی کو تقریباً ڈیڑھ ہزار روپئے کی بچت ہوئی ہے۔

(ب) کلکتہ میں ہر سال حکومت مغربی بنگال کی طرف سے ویسٹ بنگال بک فیئر کے نام سے کتابوں کا ایک زبردست میلہ لگتا ہے جہاں ناشرین اپنی اپنی مطبوعات اسٹالوں میں پیش کرتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے کلکتہ اور ۲۴ پرگنہ ضلع کی دیہی لائبریریوں کو کتابیں خریدنے کے لئے گرانٹ ملتے ہیں [illegible] منظور شدہ رقم کی کتابیں اس میلے سے خریدیں۔ کئی برسوں سے اردو کا کوئی بھی بک اسٹال نہیں ہوتا تھا۔ اسی سال جب اکاڈمی نے اپنا بک اسٹال ——— پہلی مرتبہ اس میلے میں لگایا تو ڈائرکٹر آف لائبریریز کی طرف سے ہدایت آئی کہ اردو اکاڈمی اردو کی منظور شدہ لائبریریوں کو منظور شدہ رقم کی اردو کتابیں مہیا کرے۔ چنانچہ آٹھ لائبریریوں کو بارہ ہزار روپئے کی کتابیں مہیا کی گئیں۔ اس کے علاوہ حکومت کو اردو لائبریریوں کے لئے اکاڈمی کی تمام مطبوعات کی سات سات جلدیں فروخت کی گئیں۔

(ج) اکاڈمی کے ایک معزز رکن جناب رئیس الدین فریدی کی شدید علالت کے موقع پر اکاڈمی کی طرف سے انہیں ۵ ہزار روپئے دو قسطوں میں بغرض علاج دئے گئے۔ ہمیں مسرت ہے کہ جناب رئیس الدین فریدی صحت یاب ہو کر اردو کی خدمت میں مصروف ہیں۔

(د) اردو کے مشہور ادیب، صحافی اور دانشور جناب خواجہ احمد عباس اور مولانا یحییٰ ——— کے سانحۂ ارتحال پر عوامی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مشاہیرِ اردو نے شرکت کی۔

بشکریہ: محمد فخرالدین
سکریٹری مغربی بنگال اردو اکاڈمی

شیڈولڈ کاسٹ برگہ داروں کیلئے مالی امداد

حکومت مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے شعبہ نے شیڈولڈ کاسٹ سے تعلق رکھنے والے برگہ داروں اور بیکار زمینوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کو مالی امداد فراہم کرنے کی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ۲۱۸ لاکھ روپئے کی منظوری دے دی ہے۔ یہ امداد ۸۹-۱۹۸۷ء کے دوران شیڈولڈ کاسٹ پر مشتمل خصوصی منصوبہ کے لئے مرکز کے خصوصی امدادی پروگرام کے تحت دی گئی ہے۔ +++

سندربن علاقے کیلئے نئی سڑک

ریاستی حکومت نے سندربن کے پس ماندہ علاقے کی ترقی کیلئے ۲۴ پرگنہ (شمالی) کے [illegible] پولس اسٹیشن کے تحت پاکر تمہ سے تخمینہ کل ۶۲۲۹۹۰ روپئے کی لاگت سے بننے والی ۲ کیلو میٹر لمبی سڑک کی تعمیر کے لئے ۳۰۰۰۰۰ روپئے کی منظوری دے دی ہے۔ +++

فکر تونسوی اور احمد جمال پاشا کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی جلسہ

مغربی بنگال اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام سیجر، ۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو اکاڈمی کے لائبریری ہال میں ملک کے مشہور ادیب، طنز نگار جناب فکر تونسوی اور جناب احمد جمال پاشا کا سوگ منانے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں ارکانِ اکاڈمی، اساتذہ اور دانشوروں نے شرکت کی۔

اکاڈمی کے سکریٹری جناب محمد فخرالدین نے جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ جلسے کی صدارت اکاڈمی کے چیئرمین جناب محمد امین نے کی اور اپنے صدارتی خطبے میں انہوں نے جناب فکر تونسوی اور جناب احمد جمال پاشا کے فن و شخصیت پر روشنی ڈالی۔ اکاڈمی کی گورننگ باڈی کے رکن جناب سالک لکھنوی نے جناب فکر تونسوی کے فن پر اپنا بصیرت افروز مقالہ بعنوان "ایک منفرد طنز نگار ــ فکر تونسوی" پڑھا۔ آخر میں مندرجہ ذیل تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں:

(۱) مغربی بنگال اردو اکاڈمی، اردو کے عظیم طنز نگار فکر تونسوی کی وفات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ یہ عوامی جلسہ محسوس کرتا ہے کہ ان کی رحلت سے طنز و مزاح کی دنیا میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے۔ مسائلِ حیات پر ان کے طنزیہ تبصرے اور حالاتِ حاضرہ کی مزاحیہ صورت گری اردو ادب میں قیمتی اضافہ ہے۔ انہوں نے صحافت میں بھی اپنی طنز نگاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ اکاڈمی ان کی موت کو اردو کا عظیم نقصان تصور کرتے ہوئے ان کے پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔

(۲) مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا یہ اجتماع اردو کے عظیم المرتبت ادیب، مزاح نگار اور ناقد جناب احمد جمال پاشا کے انتقالِ پُرملال پر اپنے گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ اردو دنیا بجا طور پر یہ محسوس کرتی ہے کہ ان کی ناگہانی موت اردو ادب کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ انہوں نے زندگی کے مسائل پر طنز و مزاح کے پیرائے میں جو تبصرہ کیا ہے وہ ہمارے ادبی سرمایہ کا بیش بہا حصہ ہے۔ طنز نگاری اور مزاح نگاری کے ذریعہ انہیں نہ صرف ہنسنے ہنسانے کا موقع دیا بلکہ خوبصورت انداز میں ہماری بصیرت میں اضافہ بھی کیا ہے۔

اکاڈمی اس موقع پر مرحوم کے پسماندگان سے اپنی گہری ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔

ادھیر چکرورتی کی موت پر جلسۂ تعزیت

معروف صحافی اور شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومتِ مغربی بنگال کے سابق اطلاعاتی مشیر ادھیر چکرورتی گزشتہ ۱۳ اکتوبر کی دوپہر کو انتقال کر گئے۔ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے ملازمین اور افسران کی طرف سے ۱۴ اکتوبر کو ان کی موت پر تعزیت اور ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک یادگار جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ جلسہ کا آغاز ان کے پسندیدہ "رابندرا سنگیت" سے کیا گیا۔ مختلف مقررین نے آنجہانی ادھیر چکرورتی کی زندگی اور سرگرمیوں پر ان کی گوناگوں خوبیوں اور اصولوں، ان کے صحافتی خدمات وغیرہ پر روشنی ڈالی اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ان کی یاد میں دو منٹ کے وقفہ کے لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ اس جلسہ میں انکی موت پر ایک تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئی۔

ضلع وار خون بینک کے قیام کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے تاملوک ضلع مدناپور کے تاملوک سب ڈویژنل ہسپتال سے ملحق ایک ضلع وار خون بینک کے قیام کے لئے ۲۴۵۰۰ روپئے بطور عطیہ کی منظوری دی ہے۔ مندرجہ بالا عطیہ کے ساتھ آلات اور فرنیچر کی خریداری کے لئے مزید ۳۴۰۰۰ روپئے بطور عطیہ کی منظوری دی گئی ہے۔

ایک شعر:

صرف وفا ہوا کرشمہ جفا ہوا
اے دل نتیجہ ایک ہے ہونا جو تھا ہوا

ــــ وحشت کلکتوی

بی۔بی۔ڈی باغ کلکتہ میں عام لوگوں کی سہولت کیلئے زیر تعمیر منی بس اسٹینڈ

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor: Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta 700 048.

MAGHREBI BANGAL
1 NOVEMBER 1987

Postal Regd. No. WB/CC-[illegible]
Vol-34 No. 20
PRICE 12 Paise



مغربی بنگال

١٩٨٧



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

نومبر انقلاب نمبر

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ

مدیر : دھریندر ناتھ دت

نائب مدیر : محمد اعظم

مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: تین روپئے ★ اس خصوصی شمارے کی قیمت: ۳۰ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:

بزنس منیجر،

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور،

حکومت مغربی بنگال

۲۳، آر این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ ۱۵ نومبر ۸۶ء ★ شمارہ نمبر ۲۱

عظیم نومبر سوشلسٹ انقلاب کے معمار — وی آئی لینن

سرورق: از: تارا پرشاد داس

تیسرا ورق: (اشتہار) — قاضی نذر الاسلام کی نظم سے اقتباس (ترجمہ)

آخری ورق: "اسلحہ جات نے دشمنوں کو نکال باہر کرنے میں ہماری مدد کی۔ محنت ہمیں روٹی بخشے گی۔ آؤ کامریڈس! ہم کام کاج میں جٹ جائیں"
(پوسٹر از: نیکولائی کوگوت، ۱۹۲۱ء)



سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

(از خضرِ راہ)

ڈاکٹر محمد اقبال

ہندوستان میں ترقی پسندی کا محرک

اکتوبر انقلاب

از: سالک لکھنوی

کوئی بھی انقلاب ہو، وہ اپنے دائرے کے اندر، قدامت پسندی اور اوہام پرستی سے ٹکراتا ہوا نظر آئے گا۔ انقلاب سماجی ہو یا سیاسی، جب دنیا کے کسی حصے میں نمودار ہوتا ہے تو ذرائع ترسیل کی رفتار کے مطابق اس کا اثر دنیا کے دیگر حصوں پر حسب توفیق قبولیت پڑنا ناگزیر ہے۔ سیاسی انقلابات اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں جو کبھی کم وقتی ہوتے ہیں اور کبھی دیرپا۔ انقلاب فرانس کی خونریزی تقریباً چھ سال تک جاری رہی اور جس نے پوری مغربی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اپنے اثرات کے لحاظ سے بہت دیرپا ثابت نہ ہو سکا اور جس شہنشاہیت کے خلاف عوام اٹھے تھے اور وقتی طور پر کامیاب بھی ہوئے تھے اسی فرانس میں انقلاب کے آٹھ برسوں کے اندر پھر شہنشاہیت داخل ہو گئی اور نپولین اعظم نے خود کو شہنشاہ منوا لیا۔

لیکن یہاں اکتوبر انقلاب سے مراد وہ انقلاب ہے جو آج سے ستر سال قبل اکتوبر ۱۹۱۷ء میں زیر قیادت لینن روس میں برپا ہوا جس نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس انقلاب کے ذریعہ روس میں مزدوروں اور کسانوں نے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے نظام کو ہمیشہ کے لئے ختم کر ڈالا اور محنت کشوں کی حکومت قائم کر لی۔ دنیا کی تاریخ میں سوشلزم کا یہ پہلا کامیاب انقلاب تھا جس کی استواری آج تک قائم ہے۔ تاہم اس زمانے کی سب سے بڑی شہنشاہیت یعنی برطانیہ کی سمجھ میں یہ انقلاب نہیں آیا۔ انگلستانی پارلیمنٹ کے ایک اہم رکن مسٹر چرچل (جو دوسری عالمی جنگ کے دوران میں انگلستان کے وزیر اعظم رہے اور بعد کو سر ونسٹن چرچل ہوئے) نے انقلاب روس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا:۔

"یہ مزدور، یہ کسان، یہ جاہل اور ناتجربہ کاروں کا جھنڈ حکومت کرنا کیا جانے۔ دیکھ لینا کہ ایک ہفتے کے اندر یہ لوگ پھر اپنے سابقہ حاکموں کے قدموں میں گرے نظر آئیں گے اور حکومت سے دستبردار ہو کر اطمینان کی سانس لیں گے۔"

(ہسٹری آف دی انگلش اسپیکنگ پیپل ص ۶۱۹)

لیکن اپنی پوری سیاسی زندگی میں مسٹر چرچل پہلی بار غلط فہمی کا شکار ہوئے وہ روسی انقلاب کی بنیادی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے اور ان کا مندرجہ بیان مضحکہ خیز حد تک غلط ثابت ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اکتوبر انقلاب نے جن مسائل کو حل کیا وہ خاص طور پر روسی عوام کے مسائل تھے جن سے روسی تاریخ منسلک تھی۔ لیکن بنیادی طور پر وہ صرف علاقائی نہیں بلکہ وہ عام مسائل تھے جو دنیا کے عوام الناس پر حاوی تھے۔ اس انقلاب کی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے دیگر ممالک کے کچلے ہوئے استحصال زدہ عوام کے لئے وہ راہیں کھول دیں جن پر عمل کر کے وہ اپنا مستقبل تابناک بنا سکتے تھے۔ اس انقلاب نے تاریخ کی رفتار تیز تر کر دی۔ دنیا کا ذہنی چہرہ بدل گیا۔ جیسے اچانک کسی طویل اور گہری تاریک راہ سے کوئی قافلہ روشنی میں آ گیا ہو۔

اس انقلاب کا بالواسطہ اثر ہندوستانی سیاست و معاشرت پر پڑنا ناگزیر تھا۔ ملک انگریزوں کا غلام تھا۔ عوامی تحت الشعور میں سراج الدولہ کے قتل (۱۷۵۷ء) سے لیکر جلیانوالا باغ (۱۹۱۹ء

میں انگریزی حکومت کے تمام خونیں ظلم تیج ہو چکے تھے۔ انگریز کی سرپرستی میں ملک میں اب بھی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام قائم تھا اور حکومتِ وقت کے خوشامدی نوابین، راجاؤں اور مالکانِ صنعت کے ظلم و جور و استحصال سے عوام حسبِ معمول پس رہے تھے۔ اکتوبر انقلاب کی خبریں براہِ راست ہندوستان میں پہنچ رہی تھیں۔ اخباروں پر حکومت کی سخت نگرانی تھی۔ روسی لٹریچر کی آمد پر پابندی عاید تھی۔ پھر بھی بہت سے لوگ دیگر ممالک سے ہندوستان آتے جاتے رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے ترقی پسند دانش ور بھی ہوا کرتے تھے جو اکتوبر انقلاب کے ہمنوا تھے۔ ہوا کی سمت اور رفتار کو کون روک سکا ہے۔ روسی انقلاب کی ہوا کسی نہ کسی ذریعے سے ہندوستان بھی پہنچ گئی۔ لوگ سرگوشیوں میں گفتگو کرنے لگے اور دانش وران ذہنوں میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ لیکن تبدیلیوں کی رفتار سیدھی راہ نہیں چلتی۔ تبدیلی سیاسی ہو یا سماجی، جدل و تصادم سے نہیں بچ سکتی۔ یہ ٹکراؤ ہمیشہ مادی ہوتا ہے جس سے نئی شکلیں ابھرتی ہیں۔ پرانے پیمانے ٹوٹتے ہیں، نئے سانچے ڈھلتے ہیں۔ تعاملات کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے نئی ذہنیت کی تعمیر ہوتی ہے جو ترقی پسند کہلاتی ہے۔ لیکن :-

> "ترقی پسندی کچھ بھی نہیں ہے اگر وہ کسی بندھے
> ٹکے اصول کے تحت ہر مسئلے کا فیصلہ کر دیتی
> ہے ــــ ترقی پسندی کوئی ڈھلا ڈھلایا، بنا بنایا
> مشینی فلسفہ نہیں ہے۔ اس کی ساری طاقت
> اس کے تجزیے میں، حالات اور واقعات کی
> مادی رفتار اور سماجی ارتقا کی روشنی میں انفرادی
> اور اجتماعی ذہنیت کا مطالعہ کرنے میں پوشیدہ ہے۔"
>
> (احتشام حسین ۔ عملی تنقید ص۱۷۸، ص۱۷۹)

چنانچہ اکتوبر انقلاب کے بعد جو سب سے بڑی تبدیلی ہندستانی سماج میں کسی قدر پیدا ہوئی وہ امیری، غریبی اور اعراضِ حاکم و محکوم، ظالم و مظلوم کے ٹکراؤ کا احساس تھا۔ معاشرہ قدامت پسندی اور اوہام پرستی کا شکار تھا۔ ایک بڑی حد تک آج بھی ہے ــــ بڑوں نے چھوٹوں کو، امیروں نے غریبوں کو ہمیشہ یہی سکھایا اور اسی بات کی تلقین کی کہ "قناعت" سے کام لو! کوئی مقدر سے نہیں لڑ سکتا! ہر حالت کسی ماورائی طاقت کے اختیار میں ہے جس پر کسی کا بس نہیں ــــ اگر غریب ہو، بے بس ہو، بھوکے مرتے ہو تو کوئی ہرج نہیں ــــ غربت کی لعنت میں گرفتار ہو، مظلوم ہو تو لعنت سمجھو۔ بھوکے مرتے ہو تو مر جاؤ! یہ سب تمہاری اطاعت کے امتحانات ہیں۔ ان کا بدل محفوظ ہے۔ کیونکہ یہ سب اور ان سے بری حالتیں وہ خفیہ پیغامات ہیں جن کے پردے میں مرنے کے بعد بہشتِ جاوداں نصیب ہونے والی ہے۔ امیروں اور جاگیرداروں کی خوشامد اور ٹکڑوں پر پلنے والے مندر کے پنڈتوں، مسجد کے ملاؤں، گرجے کے پادری اور دیگر ہر قسم کے مذہبی ٹھیکیداروں نے جاہل اور مظلوم عوام پر اپنا استحصال برقرار رکھنے اور حاکمِ وقت کی خوشنودی حاصل کرتے رہنے کے لئے ہمیشہ یہی سکھایا اور اسی کی تلقین و تبلیغ کی! مذہب، نسل، قومیت، رنگ، تہذیب وغیرہ کو اپنے آقاؤں کے لئے ہتھیار کی طرح استعمال کیا اور ذلت مسکن کی وہ گولیاں کھلائیں جنہوں نے محنت کش عوام کو ابدی غنودگی میں مبتلا کر دیا۔

لیکن اکتوبر انقلاب نے ہندستان کے محنت کش عوام کی غنودگی کی یہ ابدیت توڑ ڈالی! ان کے ذہنی دروازے کھلنے لگے ــ جن چیزوں اور سماجی واردات کو وہ اب تک اپنے آقاؤں کی نظروں سے دیکھنے کے عادی تھے۔ اب اپنی نظروں سے دیکھنے کا حوصلہ ملا۔ اور جب اپنی نظروں سے دیکھا تو ہر شکل ایک دوسرے رنگ میں نظر آئی۔ مزدور ابتک صرف مزدور تھا اور کسان ابتک صرف کسان۔ مزدور اور کسان کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت پر کارخانوں کے مالکوں، ٹھیکہ داروں اور زمین داروں کا قبضہ تھا۔ بقول شاعرِ مشرق اقبالؔ ؎

> "خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
> از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب!"

"خونِ رگِ مزدور" کو آقا کی شرابِ ناب بننے سے تو ایک بڑی حد تک اکتوبر انقلاب نے یوں روکا کہ وطن میں ٹریڈ یونین تحریکوں کی بنیادیں پڑ گئیں اور مزدوروں کے دلوں میں اپنا جائز حق حاصل کر لینے کا احساس و حوصلہ جاگا۔ محنتِ دہقاں کو خرابی تبسیلہ سے بچانے کے لئے کسانوں کی احتجاجی انجمنیں وجود میں آئیں جو زمین داری کے خلاف کا مطالبہ کرنے لگیں۔ اگرچہ آج آزادی کو چالیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے پھر بھی مزدوروں اور کسانوں کی تحریکیں اپنے مقاصد میں کما حقہٗ طور

پر کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ اس کا سبب جاننا بہت مشکل نہیں ہے۔ ہندوستانی
محنت کش عوام کے صرف آقا بدلے ہیں۔ زنجیریں نہیں بدلیں۔ پہلے
آقائی کا [illegible] انگریز اٹھائے ہوئے تھے اب تھوڑے سے ہندوستانی
یہ "فرض" انجام دے رہے ہیں۔ نظامِ زر جو پہلے تھا وہی اب ہے!
برخلاف اس کے روس کے محنت کش عوام نے اکتوبر انقلاب کے ذریعہ اپنے
ملکی آقاؤں کے مظالم سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کی اور خود اہلِ
حکومت بن گئے۔ آزادی صرف اس کا نام نہیں ہے کہ کسی غیر قوم کے مسلط
حاکم کو ہٹا کر عوام پر اپنی قوم کا استحصالی حاکم مقرر کر دیا جائے۔ یہ آزادی
نہیں صرف زنجیروں کی تبدیلی ہے۔ جیسے کہ کسی نظم یا غزل میں کہا تھا ــ

ہم اہلِ قفس یہ سمجھے تھے پیغامِ رہائی لایا ہے
حالانکہ پرانی زنجیریں صیاد بدلنے آیا ہے

پھر بھی اکتوبر انقلاب کا جو اثر ہندوستان کے کسان اور
مزدور کے احساس پر پڑا اور اس نے جو حوصلہ مندی عنایت کی اسے
انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ ہندوستانی سماج آج بھی نظامِ زر پر قائم ہے
اس لئے ان تمام ترقی پسند تحریکوں کے مقابلے میں، جو بہبودیٔ عوام کیلئے
ابھرتی یا ابھاری جاتی ہے، وہ تحریکیں وجود میں لائی جاتی ہیں جن کے
پس پردہ سرمایہ داری عمل انداز رہتی ہے تاکہ عوامی استحصال قائم رہے۔
یہ تحریکیں چاہے محاذِ محنت پر ہوں، چاہے محاذِ دہقاں پر یا ذہنی و ادبی
محاذ پر، ترقی پسندی کے مقابلے میں قدامت پسندی کو نظامِ زر ہمیشہ
سامنے لایا جاتا رہے گا۔ یہ جدلیاتی فطرت ہے لیکن جدلیاتی تاریخ ہمیں یہ
بھی بتاتی ہے کہ آخری فتح ہمیشہ اکثریت کی ہوتی ہے کیوں کہ زر پرست
ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں۔

اکتوبر انقلاب کا اثر ہمارے شعر و ادب پر بھی پڑا۔ ترقی پسند
ادب کی تحریک وجود میں آئی۔ اس تحریک کے خلاف ادب کے قدامت پرستوں
نے وہ طوفان اٹھایا کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں
کا بائیکاٹ کیا گیا۔ ان کے خلاف غلیظ الفاظ استعمال کئے گئے۔ انہیں
"ادبی لفنگوں" کے خطاب سے نوازا گیا۔ لکھنؤ والوں نے تو اقبال جیسے
شاعرِ مشرق کو بھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا لیکن جب یہ دیکھا کہ ترقی پسند
اہلِ ادب کا قافلہ کسی رکاوٹ سے نہیں رکتا تو تھک کر خاموش ہو گئے۔ اسی
تحریک نے اردو ادب کو پریم چند، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، سجاد

ظہیر، سردار جعفری، عصمت چغتائی، ساحر لدھیانوی، فیـ
کرشن چندر، کنہیا لال کپور، خواجہ احمد عباس اور مخدوم م
جیسے اعلیٰ مرتبت فنکاروں کے جو تاریخ ادب اردو میں ہمیـ
رہیں گے۔ اس تحریک نے ہمارے تفریحی مزاج کو بھی ایک
بدل ڈالا۔ رام لیلاؤں اور اندر سبھا کی نوٹنکیوں اور لیلیٰ مجنوں
اور شیریں فرہاد جیسے ڈراموں اور فلموں کے دیکھنے والے رفتـ
"اپنا گھر"، "میرا انڈیا"، "دو بیگھہ زمین"، "پیاسا"، "کاغذ کے پھول"
"انکورا"، "آکروش"، "پار" اور "اردھ ستیہ" تک پہنچ گئے۔ تاریخ
تھا کہ ترقی پسندی کی اس تحریک کو قدامت پسندی کا
سکا اس کے مقابلے میں کوئی اور تحریک سامنے آئے۔ اور
پسندی تحریک ابھری اور ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۵ء تک کوئی بنا
اردو شعر و ادب میں بے معنویت، پیچیدہ اشاریت و
اور عروضی لغویت کا ایک سیلاب امنڈ پڑا اور بہت سے
رَو میں بہا لے گیا۔ رفتہ رفتہ اس تحریک کی بے مائیگی
اور سیلاب کی لہریں ٹوٹنے اور واپس ہونے لگیں۔ ہمارے
علمبردار "دانشور" تاریخی تصادم کی اس حقیقت کو فراموش ک
آگے بڑھنے کا نام ہے۔ "وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتی!"
ابرشنڈ رسل آن بلے زنث ریے

اکتوبر انقلاب کا ایک بڑا اور پاکیـ
پسند دانش وروں اور فلسفیوں نے "میں" کو "ہم" میں
دنیا کو ایک اکائی سمجھا اور پوری دنیا میں بسنے والے انسا
ایک برادری! اس تصور نے وہ اجتماعی شعور بخشا جس میں
بے معنی ہو کر رہ گئے اور جس میں دکھ درد، غم و الم، مظلومی و
اسباب اپنی مختلف شکلوں میں ہونے کے باوجود بنیادی
میں نظر آنے لگے۔

عوام میں جب ترقی پسندانہ قوتیں بیدار ہو
نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں۔ ذاتی اور اجتماعی فرق
جاتے ہیں۔ گھٹے ہوئے عوام کے لئے وہ ماحول جس میں
میں سانس لینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور لوگ
"وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ" [illegible]

اکتوبر انقلاب نے روسی عوام کو جس بلندی پر پہنچایا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔ ایک مثال سے بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں (۱۹۴۵ء) جب امریکہ کے صدر ٹرومین کے حکم اور انگلستان کے وزیر اعظم چرچل کی ہمنوائی پر ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو ایٹم بم گرائے گئے جنہوں نے دونوں شہروں کو مکمل طور پر تباہ کر ڈالا۔ دونوں شہروں کی تقریباً کُل آبادی لاشوں میں تبدیل ہو گئی۔ یہ ایٹم بم جب تیار ہو گئے تو صدر امریکہ ٹرومین کی جانب سے وزیر اعظم انگلستان کو ایک تار ملا جس میں صرف اتنا پیغام تھا "بچے پیدا ہو گئے!" — جب ہیروشیما و ناگاساکی کے ہولناک نتائج سامنے آئے تو چرچل نے اطمینان کی سانس لی اور سوچا کہ سرمایہ داری کے دشمن روس کے ختم ہونے کا وقت بھی آنے ہی والا ہے۔ کسی بہانے روس سے جنگ چھیڑ کر اور امریکہ کو حلیف بنا کر اس ایٹمی ہلاکت سے نہ صرف روس کی حکومت کو بلکہ اس تصور ہی کو ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالا جا سکتا ہے جو محنت کش عوام کی سربلندی کی بنیاد ہے۔ لیکن چرچل کی ان خوابی تمناؤں پر پانی پھر گیا۔ ہیروشیما و ناگاساکی کے دل گداز واقعے نے اہلِ روس کی آنکھیں بھی کھول دیں اور دس سال کے اندر ہی ۱۹۵۶ء میں روس نے ایٹمی توانائی پر مبنی اپنا پہلا خلائی سیارہ (اسپٹنک) چاند کی سرحد تک روانہ کر دیا! عوامی کوشش میں یہ توانائی اہلِ روس کے نظامِ زر سے آزادی ملنے کے انتالیسویں سال ہی حاصل ہو گئی!

ہماری آزادی کو آج چالیس سال ہو چکے ہیں پھر بھی ہمارے عوام کی ساٹھ فیصد آبادی مفلسی سے بھی کم تر حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اگر ہمارے عوام کو بھی وہ سہولتیں حاصل ہوتیں جو روس کے محنت کشوں کو ہیں تو چالیس سالہ آزادی کے دوران ہم بھی کوئی عظیم کارنامہ پیش کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اس لئے نہ ہو سکا کہ ہمارے عوام کو زندگی کی ترقی پسندانہ شعائروں سے دور رکھنے کیلئے نظامِ زر پرستی کے دلال ان حربوں سے اب تک کام لیتے آ رہے ہیں جن کے بارے میں اس صدی کا شاعرِ اعظم اقبال کہہ گیا ہے ؎

"عقل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات"

لیکن قومی بساط کی شطرنج پر ایک وقت وہ بھی آ جاتا ہے جب فیل و اسپ و فرزیں کی موجودگی میں رخ ایسا بدلتا ہے کہ حقیر پیادے شاہ کو مات کے خانے میں قید کر ڈالتے ہیں۔ وہ وقت تاریخ کا ایک تابناک باب ہوتا ہے۔ عوام جس منزل کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ ایک دن مل کر رہے گی، فی الحال تو۔۔

"چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی"
(فیضؔ)

لینن "انقلاب فتح مند" کا اعلان کرتے ہوئے

رخِ حیات کو بخشیں تجلیاں تو نے
بکھیر دی ہیں فضاؤں میں سرخیاں تو نے
عنانِ وقت ہے محنت کشوں کے ہاتھوں میں
یہ راز وہ ہے جسے کر دیا عیاں تو نے

علی سردار جعفری

نئے معاشرے کا ظہور

مسیزیت مکھرجی

نومبر ۱۹۱۷ء میں سوویتوں کو جنگ سے تباہ شدہ معیشت ورثہ میں ملی تھی، جو ۱۹۱۳ء میں جو کچھ تھی اس سے بھی زیادہ کمزور تھی، عام لوگ ناخواندہ تھے اور توہمات میں پھنسے ہوئے تھے اور "چھوٹے خداؤں" کے آگے سر جھکاتے تھے جو زار تھا۔ ایک غیر معمولی طور پر مریض اور موقع پر اصلیت میں ایک وحشی تھا۔ سختی سے چلایا گیا حکمراں طبقہ زیادہ تر غیر ملکی، کرپٹ اور بگڑا ہوا تھا۔ کسان کو کچل دیا گیا تھا، لیکن سرمایہ دار طبقہ کے کہنے کے مطابق اپنی قسمت پر شاکر تھا، اب تک لکڑی کا ہل چلاتا تھا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا تھا۔ وہ مسنون دورے سے جتنا چھپر بچاتے صرف اس مذہبی خوف کی بناء پر کہ کہیں اس کام کے لئے پانی کا استعمال نہ ہو جائے۔

جو کچھ بھی بڑے پیمانے کی صنعت کا وجود تھا قدیم زراعت کی کمزور بنیاد پر کھڑا تھا اور غیر ملکی سرمایہ کا غلبہ تھا۔ "روس" اصلیت میں مغربی یوروپی ملکوں کی نیم نوآبادی تھا۔ اگر انقلاب ان سب کا جرأت سے مقابلہ کر سکتا ہے اور وہاں عوام کی زندگی کو بالکل بدل سکتا ہے تو پھر دنیا میں دوسری جگہ کیوں نہیں کر سکتا؟ اس قسم کا سوال ایسا نہیں ہے جو دوسری جگہوں کے حکمراں طبقہ کے لئے قابلِ خیر مقدم ہوتا۔

"ویسٹنک دوستپانیہ" (تعلیمی بلیٹن) زار کی ایک تعلیمی وزارت (رسالے مورخہ ۱۹۰۵ء-نمبر ۱) میں ایک تخمینہ اُس زمانہ کے افسران نے لگایا تھا کہ "یوروپی" روس عام خواندگی کو حاصل کرنے میں ۱۲۰ سال لگائے گا، کوہ قاف اور سائبیریا ۴۳۰ سال اور ترکستان (مرکزی ایشیا کا نام) ۴۶۰۰ سال کی مدت تک .... اور مزید کہا تھا کہ اچھے قدموں کے ساتھ تاجک لوگ افغانستان سے بالکل جڑے ہوئے اگر وہ باقی رہے تو خواندگی کو ۷۶۰۰ تک حاصل کرنے کی توقع رکھ سکتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ دل کو چھو لینے والے اعداد و شمار ہیں۔ تاجکستان میں جہاں مشکل سے ہی کوئی شخص پڑھ لکھ سکتا تھا، پہلے سوویت اسکول ۱۹۱۸ء میں کھولے گئے تھے۔ ۱۹۲۸ء تک وہاں ۲۰۰ اسکول تھے، جن میں مرکزی ایشیا میں ایک لاکھ ۴۰ ہزار طالب علموں کی آبادی تھی۔ پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت (۱۹۲۷-۳۳ء) میں خواندگی کی سطح کو تاجکستان میں ۴ سے چل کر ۲۵ فیصد بلند کر دیا گیا تھا، ترکمانیہ میں ۳۲٫۵ فیصد سے بڑھا کر ۶۱ فیصد ہو گیا تھا اور ازبکستان میں ۱۲ فیصد سے بڑھ کر ۷۲ فیصد ہو گیا تھا۔ آج کل مرکزی ایشیائی ریپبلکیں بقیہ سوویت کی مانند عالمگیر لازمی ثانوی (دس سالہ) تعلیم تک کی تبدیلی کو مکمل کر چکا ہے۔

یہاں تک کہ پندرہ سال پہلے تک بھی ازبکستان میں ہر دس ہزار کی آبادی میں ۲۷۲۲ طالب علم تھے جبکہ اسی عرصہ کے اعداد و شمار جاپان میں ۱۶۹۲، برطانیہ میں ۱۶۹۳، فرانس میں ۱۵۰۶، مغربی جرمنی میں ۱۳۵۲، اور اٹلی میں ۱۳۴۳ تھے۔ یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ تقریباً ۱۵ سال پہلے سوویت یونین میں مجموعی طور پر ایک ہزار مزدوروں پر ۵۳۶ لوگ ہائر سکنڈری تک تعلیم یافتہ تھے اور جبکہ قزاق لوگوں کے اعداد و شمار ۵۴۶ تھے، ازبک ۶۶۲ اور ترکمانیہ میں ۶۸۲ تھے اور یہ سب بہت سے ترقی یافتہ ملکوں سے آگے تھے۔

سوشلزم اور قومی نجات کی طرف قدم بڑھانے کی جھلک ان اعداد و شمار سے کیسی عیاں ہے اور جب ان کو یاد کیا جاتا ہے تو ان میں کیسی خصوصی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستانیوں میں ۶ فیصد اور تاجک لوگوں میں جو ہمارے سب سے قریبی پڑوسی ہیں، آدھے فیصد لکھ اور پڑھ سکتے تھے۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۲۱ء میں ہندوستان میں بڑھ کر ۸ فیصد ہو گئے تھے اور تاجکستان میں

۹۰ فیصد۔ حد تو یہ ہے کہ ہندوستانی آزادی کے چالیس سال بعد بھی ہمہ گیر خواندگی سے ہم پیچھے رہ گئے ہیں۔ جبکہ سوویت تاجکستان میں کامل خواندگی ایک حقیقت ہے۔

اس بات کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی، اگر سخت ترین رکاوٹوں کے مقابل سوویت حصولیابی کا معمولی بیان بھی کیا جائے۔ سرمایہ دارانہ دنیا کی خوفناک مخاصمت تھی اور گھر کے اندر چہار طرف پسماندگی کے طویل عرصہ سے مجتمع اثرات تھے۔ لیکن کٹرترین دشمن بھی حصولیابیوں کی تردید نہیں کرسکتا۔ صحیح معنوں میں انسانی تاریخ کی ایک روشن رزمیہ داستان ہے۔

سماجی اہداف کے لئے منصوبہ بند پیداوار، مٹھی بھر لوگوں کے فائدے کے بجائے سب کی فلاح و بہبود کی جستجو میں عام کو آپریٹو محنت "انسان کو دوبارہ انسان بنانا" (سوٹنی اور بیٹرائس کی اصطلاح) وہ مقاصد نظریات ہیں کی پیروی لینن نے شیر دلانہ جرأت کے ساتھ کی تھی اور جن کے نقش قدم پر ان کے وارثین آج تک چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جب کہ انقلاب کو خود اپنا دفاع کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا پڑتا تھا (سرخ فوج رسمی طور پر فروری ۱۹۱۸ء میں قائم کی گئی تھی) لیکن سوویتوں نے اس پر زور دیا۔ جب سے کہ "امن کا فرمان" (۸ نومبر ۱۹۱۷ء) "اضافہ اور تلافی و تاوان کے بغیر امن" کے بارے میں جاری کیا گیا تھا اور پھر تب سے کہ ۱۹۲۲ء کی جنیوا کانفرنس جو مختلف ترک اسلحہ جات (ایک سوویت تجویز تھی جس پر اس زمانہ کی منظم طاقتیں حقارت سے ہنسا کرتی تھیں) کو ٹھوس طور پر حاصل کرنے کے بارے میں ہوئی تھی اور جس کو اسلحہ جات کو ترک کرکے اور عدم جارحیت کے معاہدہ اور اجتماعی سلامتی سمجھوتوں پر پہنچ کر حاصل کیا جائے جب تک کہ جنگ کو خلاف قانون قرار دینے کی آخری منزل پر نہ پہنچ جائیں۔

زراعت میں اجتماعیت اور تعاون اور زبردست پیمانہ پر صنعتیانہ کی روش (جس کو تیز رفتار ہونا ہی تھا، کیوں کہ وہ ناگزیر تھی) کے ذریعہ ایک وسیع و عریض اور مختلف النوع ملک کی اس طور پر ہیئت تبدیل کی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں پرخلوص طور پر مشہور منصوبے شروع ہوئے جنہوں نے عظیم الشان تبدیلی پیدا کردی۔ اس تصور نے جو لیننی بنیادوں پر قائم تھا کرہ ارض کا سفر کرلیا اور عالمی اقتصادی تصوری اور عمل کو متاثر کیا۔

ان تمام باتوں کے پہلو بہ پہلو متعدد انقلابات مضمر تھے، لیکن سوویت والوں کو بہت جلدی تھی ورنہ سرمایہ دار دشمن ان کی پیش رفت کو مسخ کرتے اور برباد کرنے کے لئے بے چین تھا نتیجتاً سوویتوں کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی یہاں تک کہ اذیت ناک طور پر قیمت چکانا پڑی۔

اس قیمت کو اور بھی بھاری بھر کم بنا دیا گیا، کیوں کہ وقتاً فوقتاً لیننی ضابطوں سے بھٹکایا گیا۔ غلطیاں، زیادتیاں، یہاں تک بہت بڑی حد تک کی گئیں، جن کو نظر انداز کیا جانا چاہئے تھا، لیکن نہیں کرسکے۔ غالباً انسانی فطرت کی بناء پر کیوں کہ وہ کچھ ایسی ہی ہے، خصوصاً سوویتوں کے محاصرہ کے حالات میں انتہائی اہم اور نازک آزمائشوں کے دوران ایسا ہوا۔

ان تمام باتوں کے باوجود بہرحال انگریزی بولنے والی دنیا میں اس وقت کے عظیم ترین سماجیاتی محقق سڈنی بیٹرائس ویب سوویت یونین کی چوتھی دہائی کے وسط میں لبیک کہہ سکتے تھے، اس کو "ایک نئی تہذیب" بناکر اور پھر ۱۹۴۱ء میں اپنا دریافت میں ضمیمہ بڑھاتے ہوئے سوویت یونین کو "دنیا کی انتہائی مشتمل اور مساوی جمہوریت" بیان کیا تھا۔

ماہرین اعداد و شمار کے اندر مبالغہ آمیزی کا ایک رجحان ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے، تصور سے کہیں زیادہ مضبوط کہ ایسی سرزمین پر جو حال ہی تک اونگھتے ہوئے "مزاہکیوں" (کسانوں) کی سرزمین تھی جو "ایلیچ کے لیمپوں" کو لے کر گھومتے تھے۔ جس وقت لینن کا برقیانے کا پروگرام شروع ہوا تھا، تو پھر لینن گراڈ کے "الکٹروسیلا" کارخانہ سے ٹربائنیں تیار ہوکر نکلنے لگی تھی۔ مثال کے طور پر ان میں سے ایک کی پاور سوویت یونین کے ان تمام پاور اسٹیشنوں کے برابر تھی جو انقلاب کے وقت تھے۔

ایک زمانہ تھا جب لینن ایک لاکھ ٹریکٹروں کے خواب دیکھا کرتے تھے، جو اس وقت بے پناہ اعداد و شمار تھے۔ قدیم کسان پسماندگی کی اچھوتی سرزمین کے لئے۔ لیکن روسی سوشلسٹ فیڈرلیٹی سوویت ری پبلک نے اکیلے سوویت کھیتوں میں کارفرمائی کے لئے تھی لاکھ ٹریکٹر اتار دیئے تھے۔

سوویت ترکمانیہ جو کسی زمانہ میں اوبڑ کھابڑ اور جاہل خانہ بدوشوں کی ناآسودہ سرزمین تھی جو اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کرکے اور

تھا جہاں کے لوگوں کی حالت بہت خستہ تھی جن کا تین چوتھائی حصہ ایک
خوفناک (قرم) ترکستان سے ڈھکا ہوا تھا۔ آجکل وہ فخر مند
مرد و زن [illegible] جو جدید مشینوں کو چلاتے ہیں، استادوں،
ادیبوں اور سائنسدانوں کی سرزمین ہے جس میں اس کی فی دس ہزار
آبادی پر ۲۶ ڈاکٹر ہیں (یہ تناسب امریکہ سے زیادہ ہے) اس کے
انسان کا بنایا ہوا دریا ہے اور اس کے بہت بڑی جھیل ہے جس سے
صرف ایسے لوگ جو سوشلزم کے تحت ہیں اپنی نسلوں پرانی پانی کے لئے
پیاس کو بجھا سکتے ہیں۔

انقلاب سے پہلے تاجکستان جو نسبے منفرد پہاڑی ہے
اور اس کا پامیر جو آسمان کو چھوتا ہے (دنیا کی چھت) اس کے تیز
بہاؤ والی ندیاں جو ایشیا کی سب سے بڑی پانی کی رگ آمو دریا میں مل
جاتی ہیں۔ ان کی مجموعی بجلی کی صلاحیت انقلاب سے پہلے ۱۰۰ کلوواٹ
تھی اور اب صرف ایک اکیلا ۲۷ لاکھ کے ڈبلیو ایچ سے زیادہ کی صلاحیت
رکھتا ہے۔ یہ سرزمین اب شاعروں کی سرزمین ہے جس میں ۱۲۰۰
لائبریریاں ہیں (۱۹۲۰ تک دارالخلافہ دوشنبہ میں فردوسی نیشنل لائبریری
سب سے بڑی ہے) ایک معتبر ترقی سائنسوں کی اکادمی ہے جو "نیوز ویک"
پراجیکٹ میں حصہ دار ہے۔

چاہے دور شمال مشرق میں ہو جن کو مستقل کہرا اور خط
کہا جاتا ہے یا ترک ایشیائی گہرائیوں میں جہاں کچھ ہی عرصہ پہلے مفلسی
اور بیماری اور نا فرہنگی انکسار کے ساتھ برداشت کی جاتی تھیں کہ
وہ خدا کی مرضی تھیں اور ہر ایک بدشکل انسانی وجود میں بھنچا ہوا تھا
جیسے یہاں کی قسمت تھی اور اب ایک نئی زندگی پھوٹ پڑی ہے اور
نشو و نما پا رہی ہے۔

ارادہ یہ نہیں ہے کہ اکملیت کی کوئی تصویر پیش کی جائے جس
کو انسانی اصطلاحوں میں فریب نظر کہا جاتا ہے، بلکہ اس زمانہ کی
جانب مٹی میں ترقی کی ایک ایسی تصویر پیش کی جائے جب پہلا سیارہ
مایاکوفسکی کے مستحق الفاظ میں "مسرتوں سے منقش" ہو سکے گا۔

یہ بلاشبہ بہت مشکل ترین تھا جس کا سوویتوں کو سامنا کرنا
پڑا تھا۔ پارٹی کے کام [illegible] کے بارے میں اختلافات تھے اور تصادم ہوتے
تھے۔ ناکامیاں اور منافقتیں، اختلافات اور بگاڑ سے تھے، یہاں تک

کہ منڈیاں ہی لیکن ۱۹۴۵ء میں اعتراف طور پر کہ دیا کہ زیادہ ترقی
یافتہ ملکوں نے سرمایہ دار کے تحت الشیائے کو اختیار کئے بغیر
سوویتوں کو لینن ازم کے ساتھ سوشلزم کی تعمیر شروع کر دینی چاہیے۔
وہ تمام پیش قیمت سرمایہ دنیا جس پر تابعی ہے، ان میں سب
سے قیمتی اور فیصلہ کن عوام ہیں"۔ یہ کہا گیا تھا کہ اکیلی "ٹکنیک ہر بات
کا فیصلہ" صحیح طور پر نہیں کرتی ہے۔

"نیو ٹائمز" (ماسکو۔ نمبر ۱۹۸۷-۴۲) نے ایک رپورٹ
شائع کی ہے کہ کس طرح الیگزینڈر یاکوف لیشف، جو بعد میں پوری دنیا
میں ہوائی جہاز کے ڈیزائنر کی حیثیت سے مشہور ہوئے، ان لوگوں میں
سے تھے جنہوں نے ۱۹۲۳ سے اپنا کیریئر شروع کرنے سے پہلے بے
روزگار کی حیثیت سے رجسٹریشن کرایا تھا۔

اس زمانہ میں زبردست مشکلوں میں پھنسی ہوئی سوویتوں
نے بے کار لوگوں کی روپیہ اور چیزوں کے فائدوں سے اور مفت طبی
امداد سے مدد کی۔ لیکن ان کا کام بڑا مشکل تھا۔ جولائی ۱۹۲۳ تک
بے روزگاروں کی تعداد دس لاکھ سے اوپر تھی اور ۱۹۲۹ کے اواخر میں
جبکہ جنگ سے تباہ شدہ معیشت کو بڑی حد تک سنبھال لیا گیا تھا تب
بھی یہ اعداد و شمار دس لاکھ سے اوپر تھی۔

جب پہلا پانچ سالہ منصوبہ چل رہا تھا تو حالات تیزی سے
بہتر ہوئے۔ صنعت نے بڑے بڑے لوگ بھرنے شروع کر دئے اور اجتماعی
فارم دیہی علاقہ میں نظر آنے لگے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے خاتمے تک بے
روزگاری کو اصلیتاً ختم کر دیا گیا تھا۔ ایک تاریخ ساز کارنامہ عظیم
اکتوبر انقلاب کے پندرہ سال سے کم عرصے میں انجام دے دیا گیا تھا۔
یہ صحیح معنوں میں عہد ساز بات تھی کیونکہ کام آدمی کی زندگی کو خاص رخ دیتا
ہے اور اس کی دستگیری کرتا ہے اور اس کی کمی خود انسانیت کی خلاف
ورزی ہے۔

سوویت عوام کے لئے (بیس برسوں تک رہنما استالن نے
کہا تھا) کام "ایک عزت کا، جرأت کا، شان و شوکت کا معاملہ تھا"
جیسا کہ سبھی درست فکر رکھنے والوں کے لئے ہونا چاہئے۔ اور شہروں
میں، دیہات میں کروڑوں سوویت شہریوں کے ذریعہ زندگی کے ہر ایک
شعبہ میں کام کیا گیا تھا جو سوویت طاقت کی [illegible] اور [illegible] عالی
(باقی صفحہ ۱۹ پر)

پیام

احسان دربھنگوی

سسک رہی ہے زندگی بدل رہی ہے داستاں
بھٹک رہا ہے آدمی کبھی یہاں کبھی وہاں
نہ خون ہی میں حدتیں نہ چال ہی میں گرمیاں
چھپی ہوئی ہیں منزلیں رکا ہوا ہے کارواں
ہے ایک موجِ بے کسی ہر اک طرف رواں دواں

کبھی تو اس پہ غور ہو کبھی تو اس پہ غور ہو
مصیبتوں سے ہم وطن نکل سکیں وہ طور ہو
چمن میں اپنے الغرض مسرتوں کا دور ہو
نظام کوئی اور ہو نظام کوئی اور ہو
ابھی ہے اہلِ گلستاں پہ دورِ مرگِ ناگہاں

حیات اہلِ گلستاں کی مطمئن ابھی نہیں
فضا میں دلکشی نہیں ہوا میں تازگی نہیں
ابھی تو خود شگفتگی سے باخبر کلی نہیں
ابھی گلوں کی زندگی گلوں کی زندگی نہیں
ابھی ہے برق آشیاں ابھی قفس ہے گلستاں

اٹھاؤ دھوم دھام سے جنازۂ شہنشہی
کہ اپنی موت آپ ہی مرے یہ جنگِ زرگری
غلط ہے قافیہ گری غلط ہے شعر و شاعری
اگر دماغ میں نہیں ہے روشنی یقینی!
تو پھر قلم نہ بن سکے گا وقت پر کبھی سناں

جمود پر نگاہ رکھ حیات کو جھنجھوڑ دے
خرد کرے جو کوئی عذر ساتھ اس کا چھوڑ دے
بڑھ اور بڑھ کے ظلم کی کلائیاں مروڑ دے
ہوا ابھی گر خلاف ہو تو اس کے رخ کو موڑ دے
مرے وطن کے سنتری مرے وطن کے پاسباں
ابھی دلوں میں انقلاب روس کی ہیں گرمیاں

سوشلسٹ انقلاب کے بارے میں لینن کی تھیوری

لینن نے زارشاہی دور میں ۱۵ سال جلاوطنی میں گزارے اور بقول ان کے، انہوں نے یہ دن ایسے ماحول میں گزارے جو کئی لحاظ سے کٹھن تھے۔ محنت کش عوام سے دور رہنا بہت ہی مشکل تھا، کیونکہ لینن نے ان کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم کیا تھا۔

انقلابی تحریک کے رہنما لینن نے جلاوطنی میں کچھ دن سوئٹزرلینڈ میں گزارے۔ یہاں وہ خاموش بیٹھے نہیں رہے بلکہ سخت محنت کرتے تھے۔ وہ اپنے وقت کا معقول اور موثر استعمال کرتے تھے۔ یہیں سے وہ انقلابی تحریک کی رہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا کچھ وقت لکھنے پڑھنے میں بھی گزارتے۔ اس دوران انہوں نے انقلاب کے بارے میں بہت ساری تھیوریاں بھی لکھیں۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں انہوں نے اپنی کتاب "سامراج، سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل" لکھی اور اسے اس کے ایک قانونی اشاعت گھر کے پاس بھیج دیا۔

۲۰ ویں صدی سے پہلے لفظ "سامراج" کا استعمال صرف اس کے سیاسی پہلو میں کیا جاتا تھا جس کا مطلب تھا کہ اقتدار کی زیادہ سے زیادہ وسعت کے لئے، تسلط اور اثر و رسوخ کے لئے کوشش (یہ لاطینی لفظ "امپیریم" سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں اقتدار، غلبہ) اور وہ نوآبادیت کے ہم معنی تھا، اسی وقت بھی اسکالروں نے یہ نوٹ کیا تھا کہ بڑی سرمایہ دار طاقتوں کے درمیان دنیا کی علاقائی تقسیم اور ایک بڑی نوآبادیاتی سلطنت کی تشکیل کے ساتھ ہی ساتھ جو ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک مکمل ہو گئی تھی، ایک نئے قسم کا خطرہ سامنے آیا۔

سب سے پہلے تو بڑی بڑی اجارہ داریاں (سرمایہ داروں کی انجمنیں) وجود میں آئیں۔ انہوں نے دنیا کی خام اشیاء اور سامان کی تیاری کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ منڈیوں کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا۔ سرمایہ دار ریاستوں کی سیاسی اور معاشی زندگی پر اپنا غلبہ قائم کرنا شروع کر دیا اور ان کی حکومتوں پر اپنی مرضی مسلط کرنے لگیں۔ اسی اہم خصوصیت نے ہی سرمایہ داری کے ارتقاء میں ایک بالکل نئے مرحلے کا نشاندہی کی شکل بنا دیا۔

لینن نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کا معاشی رخ پر روشنی ڈالا۔ یہ کتاب مارکس کے "سرمایہ" کا براہِ راست تسلسل اور تخلیقی ارتقاء پذیری کی اور نئے نتائج اخذ کئے۔

پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سامراج، سرمایہ داری کے ارتقاء کا اعلیٰ ترین مرحلہ ہی نہیں بلکہ طفیلی، انحطاط پذیر اور مرتی ہوئی سرمایہ داری بھی ہے۔ پیداوار کا ارتکاز، اور اس کی سماجی کاری یعنی کروڑوں لوگوں کی اجتماعی محنت جس نے ذرائع پیداوار کی انفرادی نجی ملکیت کو جنم دیا تھا، روز افزوں تیزی سے اجتماعی ملکیت کو اپنی جگہ دے رہی تھی جس میں سرمایہ دار، انتظامی اور انتہائی مالدار اور مبہم جز حصص کے مالکوں یا بینکوں کے حوالے کر رہے تھے اور خود ان کے منافع پر مزے اڑا رہے تھے۔ یہ رجحان ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں سامنے آنے لگا تھا اور ۲۰ ویں صدی کے اوائل میں بالکل عیاں اور واضح ہو گیا تھا۔

چنانچہ ایک کارخانہ کے مقابلہ میں اجارہ داریاں زیادہ کارخانوں میں پیداوار منظم کرتی ہیں اور ان کا کاروبار بڑے علاقوں میں پھیلا ہوتا ہے۔ اس لئے خام موادوں کے وسائل اور منڈیوں کے پیشِ نظر رکھنا اور ان خام موادوں کو ایک منصوبہ بند بنیاد پر اور ضرورت کے مطابق کارخانوں کے درمیان تقسیم کرنا ضروری ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ اجارہ داریوں کے اندر حساب کتاب اور منصوبہ بندی نے پیداوار کی نراجیت اور انفرادی اجارہ داریوں کے درمیان مقابلے بازی کو ختم نہیں کیا، لیکن وہ اس حقیقت کی شہادت تھیں کہ پیداوار کی سماجی تنظیم کے لئے اجارہ دارانہ سرمایہ داری کے اندر حالات تیار تھے۔

سماجی حساب کتاب، کنٹرول اور پیداوار کی تنظیم کے لئے ضروری حالات جن کے بغیر سوشلزم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، نہ صرف صنعتی اجارہ داریوں میں بلکہ بینک کے نظام میں بھی پیدا ہو گئے۔ بینکوں نے جن میں سرمایہ داروں کے اکاؤنٹس رہتے تھے اور جو آبادی کی جمع کردہ رقومات کو کام میں لاتے اور کاروبار اور تجارت پیشہ لوگوں کو قرض دیتے تھے، کارخانوں کے درمیان معاشی روابط اور تعلقات پر اپنا کنٹرول قائم کر لیا اور وہ پوری کی پوری صنعتوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ترقی کو بھی کنٹرول کرنے لگے۔ لینن کو یقین تھا کہ بینکوں کو قومیانے اور انہیں ایک ریاستی بینک میں یکجا کرنے سے [illegible] کا سارا سوشلسٹ میکانزم دستیاب ہو جائے گا جو پیداوار اور [illegible] کی تنظیم [illegible] کے لئے فیصلہ

لینن نے لکھا کہ عالمی سامراجی جنگ نے جنگ میں شریک ملکوں کو اپنے تمام معاشی وسائل کو حرکت میں لانے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ریاستی تنظیم کو سہارا لیا اور اس سے مناسبت رکھنے والا نظام قائم کیا۔ اجارہ دارانہ سرمایہ داری، اس کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔

اسی طرح ریاستی اجارہ دارانہ سرمایہ داری کے اندر پیداوار کی سماجی تنظیم کے لئے درکار ایک نظام کے خدوخال ابھر رہے تھے۔ اس نقطۂ نظر سے سامراج، سوشلزم اور سوشلسٹ انقلاب کا پیش رو تھا۔

لیکن انقلاب کوئی تیار نسخہ نہیں ہے۔ اسے مصنوعی طور پر نہ تو تیز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی رفتار کم کی جا سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے کسی ملک میں "باہر" سے نہیں لایا جا سکتا۔ وہ انتہائی شدید تضادات اور معروضی طور پر پختگی حاصل کرتے ہوئے بحرانوں کے نتیجہ میں سماج کے اندر پھلتا پھولتا ہے۔ ایسے عام سیاسی بحرانوں کے بغیر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جن میں "نچلے طبقات پرانے انداز میں نہیں رہنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بالائی طبقہ پرانے انداز میں رہنے کا نا اہل ہوگا۔" عالمی جنگ نے اس طرح کی انقلابی صورت حال کو جنم دیا تھا اور دنیا کے بہت سے ملکوں میں اسی طرح کا بحران پیدا کر دیا تھا۔

سوشلزم کی فتح کے امکان کے بارے میں لینن نے نیا رویہ اپنایا۔ "سامراج، سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل" کے لئے مواد کی ترتیب کے دوران لینن نے دو مضامین لکھے، "یورپ کی متحدہ ریاستوں کے لئے نعرہ کے بارے میں (۱۹۱۵ء)" اور "پرولتاری انقلاب کا فوجی پروگرام (۱۹۱۶ء)" جن میں انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ غیر ہموار معاشی اور سماجی ترقی سرمایہ داری کا عام قانون ہے۔ کارخانے، صنعتیں، شہر اور گاؤں اور ریاستیں غیر مساوی طور پر ترقی کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب کے لئے معروضی اور داخلی حالات الگ الگ ملکوں میں الگ الگ طور سے تیار ہوتے اور پختگی حاصل کرتے ہیں: اس سے یہ ناقابل تردید نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سوشلزم ایک ہی وقت میں تمام ملکوں پر فتح حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلے یہ ایک ملک میں یا چند ملکوں میں فتح مند ہوگا جبکہ دوسرے ممالک کچھ عرصہ کے لئے بورژوا یا نیم بورژوا رہیں گے۔"

لینن یہ نہیں تصور کرتے تھے کہ سوشلسٹ انقلاب کے لئے سب سے زیادہ سازگار حالات صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں میں لازماً موجود تھے۔ معاشی، سماجی اور سیاسی تضادات غالباً ان ملکوں میں زیادہ نمایاں تھے جو سیاسی طور پر آزاد تھے اور معاشی طور پر تیزی سے ترقی کر رہے تھے جبکہ وہ پچھڑے ہوئے تھے اور ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں پر زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اوّل الذکر نے اپنے آپ کو اور جاگیرداری کی قیادت سے نجات دلائے بغیر سرمایہ دارانہ ارتقاء کے اجارہ دارانہ دور میں داخل ہونے کے لئے آخر الذکر کے تکنیکی اور انتظامی تجربے اور سرمائے کو استعمال کیا تھا۔ اس طرح اپنے داخلی تضادات کو اور زیادہ خراب کر لیا تھا۔ لینن زارشاہی روس کو ایک ایسا ہی ملک تصور کرتے تھے۔

کیا پرولتاریہ کسی ایک ملک میں فتح حاصل کر سکتا تھا اور وہ بھی اس حقیقت کے پیش نظر کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو عالمی سامراج کے روبرو پائے گا؟ کیا ان خارجی حالات کے نقطۂ نظر سے سوشلسٹ انقلاب کی فتح ممکن تھی جن میں اس نے فروغ پایا تھا؟ لینن نے ان سوالات کے مثبت جواب دئے۔

ان کے اس یقین کے لئے بنیاد کیا تھی؟ سب سے پہلے تو یہ کہ انہیں یقین تھا کہ ایک ملک میں انقلاب بورژوا ریاستوں میں طبقاتی یکجہتی کی تحریک کو ابھار دے گا۔ ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدیوں کے تمام انقلابوں کے تجربوں سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے لیکن یہ کافی نہیں تھا۔ ۱۹۱۴ء کے بعد کی بین الاقوامی صورت حال کے تجزیے نے یہ نتیجہ اخذ کرنا ممکن بنا دیا کہ سامراج کی زنجیریں توڑنے کے لئے بیرونی حالات سازگار تھے کیونکہ اس کی تقریباً تمام سماجی، سیاسی اور فوجی طاقت فرسودہ کی باہم جنگ میں لگی ہوئی تھی۔

اس طرح لینن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انتخابات کا انتظار کئے بغیر کہ دوسرے ملکوں میں پرولتاریہ جدوجہد کے لئے کھڑا ہو، کسی ایک ملک میں مزدور طبقہ ایک نئے سماج کے لئے فیصلہ کن جدوجہد کے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے +++

انساں کی آرزو نے انساں کی جستجو نے
گرتی ہوئی زمیں کو آکاش میں اچھالا
وہ موڑ آگیا ہے مشرق کی زندگی میں
ہر گام پر سویرا، ہر سو نیا اُجالا

●

مخدوم محی الدین

اکتوبر انقلاب اور اقوام کا مقدر

روس کے ۱۹۱۷ء کے اکتوبر انقلاب نے ساری دنیا میں سماجی اور معاشی تغیرات کی ابتداء کی اور نوآبادیاتی نظام کا شیرازہ بکھر جانے کے عمل میں بھی تیزی پیدا کردی۔ اس انقلاب کی بین الاقوامی اہمیت واضح کرتے ہوئے سوویت ریاست کے بانی وی۔ آئی۔ لینن نے کہا تھا کہ عام طور پر اس نے تمام ملکوں پر اثر ڈالا۔ انہوں نے اکتوبر انقلاب اور محکوم قوموں کے مقدر کے درمیان جو اٹوٹ تعلق ہے اسے بھی ملاحظہ کیا تھا۔

ان نتائج کے صحیح ہونے کی تاریخ نے تصدیق کردی ہے۔ انقلاب روس نے جنوب مشرق، ایشیاء، افریقہ، عرب مشرق اور ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں میں شدت اور تیزی پیدا کردی۔ انقلابی ابھار نے لاطینی امریکہ کے کئی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۹۸۶ء میں سوویت کمیونسٹ پارٹی کی ۲۷ویں کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے افروایشیائی قوموں کی یکجہتی تنظیم کے جنرل سکریٹری نوری عبدالرزاق نے کہا تھا کہ:
"عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی کے بعد سے سوویت یونین نے جو عظیم تاریخی مشن انجام دیا ہے، کانگریس نے اس کا اعادہ کیا ہے۔ یہ انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ کرکے دنیا کو بدلنے کا مشن تھا۔"

نوآبادیاتی نظام کا شیرازہ بکھرنے کا عمل براعظم ایشیا میں شروع ہوا۔ ویت نام، شمالی کوریا اور چین کے فتحیاب عوامی جمہوری انقلاب، انڈونیشیا، ہندوستان، برما اور فلپائن، لبنان، شام اور دوسرے ملکوں کی آزادی ان ملکوں کے محبانِ وطن کی جدوجہد آزادی کے اہم نتائج تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے وسط تک نوآبادیاتی اور محکوم ملکوں کا مجموعی رقبہ اس رقبہ سے جو دوسری عالمی جنگ سے پہلے تھا [illegible] فیصد سے زیادہ گھٹ گیا اور محکوم لوگوں کی تعداد ۹۰ فیصد گھٹ گئی اور عالمی آبادی کا صرف ۴ر۶ فیصد حصہ محکوم رہ گیا۔

سابق حکمران ملکوں نے نوآبادیاتی نظام کو فوجی طاقت سے اور ہر قیمت پر بچانے کی کوشش کی، لیکن وہ قومی آزادی کی تحریک کو کچل نہیں سکے۔ ۱۹۵۰ء سے اور ۱۹۶۰ء سے شروع ہونے والی دہائیوں کے اواخر میں افریقی ملکوں کی اکثریت نے نوآبادیاتی غلامی سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں انگولا، موزمبیق اور گنی اور دوسرے ملکوں نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں زمبابوے، وانواتو، بیلیز، انٹیگوا، باربوڈا جزائر اور کئی دوسرے محکوم ملکوں نے آزادی حاصل کی۔

نوآزاد ملکوں کے بین الاقوامی منظر پر نمایاں ہونے سے ان کے مخالف نوآبادیت اتحاد اور سیاسی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔ وہ عالمی سیاسی مسائل حل کرنے میں حصہ لینے لگے۔ اپنی بانڈونگ (۱۹۵۵ء) قاہرہ (۱۹۵۷ء) اور بلغراد (۱۹۶۱ء) کانفرنسوں میں انہوں نے نوآبادیاتی نظام ہمیشہ کے لئے ختم کردینے اور ناوابستہ تحریک کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا۔

> معیشت میں ہر اک سو رنگِ فطرت ہے جہاں میں ہوں
> اخوت ہے جہاں میں ہوں، سوویت ہے جہاں میں ہوں
> مقامِ فرد بھی محفوظ ہے فوزِ جماعت میں !
> نمایاں ہر طرف وحدت میں کثرت ہے جہاں میں ہوں
> رواج بربریت ہے، مذاہب کے تعصب میں
> فضائے امن و صلحِ آدمیت ہے جہاں میں ہوں
> (اقتباس)
> **حسرت موہانی**

سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ممالک اس پالیسی کو جو ۱۹۱۷ء میں شروع کی گئی تھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وارسا معاہدہ کے ملکوں کی سیاسی مشاورتی کمیٹی نے مئی ۱۹۸۷ء کے اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک بیرونی قرضہ کے بڑے سنگین بوجھ کا شکار ہیں۔ وارسا ممالک سمجھتے ہیں کہ بیرونی قرضہ کے مسئلہ کو بین الاقوامی معاشی تعلقات کو جمہوری بنا کر اور ترکِ اسلحہ عمل میں لاکر حل کیا جاسکتا ہے۔

اکتوبر انقلاب نے نوآبادیت کے عالمی نظام میں بحران پیدا کیا جس سے یہ بحران جاری ہے ***

جس انقلاب نے دنیا کو روشنی دی ہے

[عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی
ستّرویں سالگرہ پر]

غلام حسین ایاز

اُس اعتماد کو تصویرِ زندگی نہ بنا
جہاں حیات کی کوئی کرن نہیں باقی
جہاں خوشی کے دریچے کبھی نہیں کھلتے
جہاں کی سڑکوں کی قسمت میں روشنی ہی نہیں
جہاں گھروں میں ہوں
قبروں کے جیسے سناٹے
جہاں پہ ذات کی تفسیر کا رواج نہیں
جہاں نہ عکس ہے ثابت نہ کوئی آئینہ
ہمارے ذہن و تصور میں
کون قادر ہے
نہ خود کشی جہاں ہے نہ ہے تن آسانی
وہ دل کی ساری امیدوں کو بانجھ کر دے گا
اس اعتماد کا چہرہ
لہولہو کیوں ہے
ابھی تو شہر میں احساسِ جرم باقی ہے
ابھی نیام سے باہر ہیں ساری تلواریں
جہاں یہ جنس زدہ سائے
ایک مدت سے
تلاش کرتے ہیں آسودگی اجالوں کی
ہم انقلاب کی بنیاد رکھنے والے ہیں
جس انقلاب کی خواہش میں لوگ جیتے ہیں
اس انقلاب کی خوشبو ادھر نہیں آتی
ہمارے پاس ہے
تفصیلی جائزہ اپنا
اسے
کسوٹی میں پہلے ذرا پرکھ ڈالیں
پھر اس کے بعد
تلاش سحر میں نکلیں گے
اس انقلاب کی ہم سب کو پھر ضرورت ہے
جس انقلاب نے دنیا کو روشنی دی ہے ★★

اردو ادب پر اکتوبر انقلاب کے اثرات

حیدر جعفری

سنہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کا تقاضا تھا کہ سماج کی سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں کے ساتھ تہذیب و تمدن کی تشکیل بھی نئے انداز میں ہو اور اس غرض سے تمام سرمایہ دارانہ اثرات کو نیست و نابود کر دیا جائے شروع ادب کو بھی "پرولتیریت" جامہ پہنانے کا مطالبہ ہونے لگا۔"

اختر حسین رائے پوری کے اس اقتباس کی روشنی میں جب ہم اس وقت کے ہندستان کی سیاسی اور سماجی زندگی کا جائزہ لیں گے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ اس انقلاب سے پہلے ہی یہاں کے ادب خاص کر اردو ادب میں سیاسی شعور کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں کیوں کہ غلامی کے احساس کے ساتھ ساتھ ملک میں مختلف تحریکیں شروع ہو چکی تھیں جن میں اصلاحی، مذہبی، تعلیمی اور سیاسی تحریکیں مختلف سطحوں پر لوگوں کے ذہنوں پر اپنا اثر ڈال رہی تھیں۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم اور ۱۹۰۷ء میں سلف گورنمنٹ کے مطالبہ پر سیاسی تحریکوں میں کافی شدت پیدا ہو گئی لیکن انگریزوں کی حکمت عملی نے ہندستانیوں کو بہر حال اس کا بہت زیادہ فائدہ اٹھانے نہیں دیا۔ پھر بھی قومیت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا اور لوگوں کا ذہن سیاسی افکار کو جاننے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ "ہوم رول" تحریک (۱۹۱۶ء) کے دوران چکبست نے تحریک کو عوامی سطح تک پہنچانے کے لئے اپنی نظموں کا سہارا لیا جس سے نہ صرف تحریک عام ہوئی بلکہ چکبست بھی شہرت کی بلندیوں پر نظر آئے۔

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا دلوں میں آ کے یہ ارمان جا نہیں سکتا

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم "ہوم رول" کے بدلے

یہاں تک پہنچتے پہنچتے اردو شعر و ادب کا تخلیق کار اور قاری سیاسی رجحانات سے نا آشنا نہیں رہ گیا تھا۔ ہاں "پرولتاریت" کے مفہوم سے وہ ابھی آگاہ نہیں تھا لیکن مزدوروں اور کسانوں کی انجمنوں اور ان کی تحریکوں سے اس کا واسطہ پڑنے لگا۔ پہلی جنگ عظیم کی اتھل پتھل اور اکتوبر انقلاب نے اردو فنکاروں کو بھی "سرمایہ دارانہ نظام" کی تباہ کاریوں سے روشناس کرانا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جس اردو شاعر کی نظر وہاں تک پہنچی وہ اقبال تھے جنہوں نے انقلاب کے چار سال قبل ایک نظم "خضر راہ" لکھی۔ سرمایہ دار اور محنت کی کشمکش کا ذکر اردو شاعری میں پہلی بار کیا۔ اس نظم میں خضر کی زبان سے یہ کہلوا کر ؎

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

دراصل انہوں نے کارل مارکس کے فلسفے کو اپنے انداز میں پیش کیا۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے بقول "ان کی یہ نظمیں اس جذبۂ بغاوت کا

نتیجہ تھیں جوان کے دل میں سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف سلگ رہا تھا۔ اس کے متعلق جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں :-

"آخر یہ کیسے ممکن ہے روس میں اتنا بڑا
انقلاب نمایاں ہو اور اقبال ایسا حساس فنکار
اس سے متاثر ہی نہ ہو ....
.... اقبال اس نظریے سے صرف متاثر
ہی ہوئے ہیں اور متاثر ہونے کی سب سے بڑی
وجہ یہ ہے کہ اسلام بھی ملوکیت اور سرمایہ داری
کا دشمن ہے اور انقلاب روس نے بھی ملوکیت
اور سرمایہ داری کو اپنا دشمن بنایا۔"
صفحہ ۶۲ "اقبال اور مغربی مفکرین"

اقبال کی نظمیں "لینن خدا کے حضور میں" "فرمانِ خدا" وغیرہ ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں ۔ اردو کے شعری ادب کے ساتھ اس کے افسانوی ادب پر بھی اکتوبر انقلاب کا خاصہ اثر ہوا۔ پریم چند جیسے بڑے افسانہ نگار جو اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری کو فروغ دینے کی کوشش میں مصروف تھے ، ۱۹۰۸ء میں ان کا ایک افسانوی مجموعہ "سوزِ وطن" حکومت نے ضبط بھی کر لیا تھا، اس انقلاب سے خاصے متاثر ہوئے لیکن وہ بھی نظریاتی طور پر مارکسی نہ ہو سکے بلکہ اصلاحی نظریہ ہی ان کا مسلک رہا۔ ان کے افسانوں میں دیہات کی زندگی، کسانوں اور مزدوروں کی ذہنی کشمکش کی پرچھائیاں تو ملتی ہیں لیکن ہم انہیں جدلیاتی مادیت کا پَرتو نہیں کہہ سکتے۔ ہنس راج رہبر اپنی کتاب "ترقی پسند ادب - ایک جائزہ" میں پریم چند کے بارے میں کہتے ہیں :

"پریم چند اس نظام کو بدلنا چاہتے تھے مگر انہوں
نے گورکی کی طرح اسے بدلنے والے مزدوروں کے
انقلابی اور تاریخی رول کو نہیں سمجھا تھا اس لئے وہ
مزدور طبقے کے نظریۂ حیات کو اپنا نظریۂ حیات نہ
بنا سکے ۔ ان کے شعور کا ارتقا اس جانب نہیں ہو
پایا تھا۔ بلکہ وہ تو سمجھتے تھے کہ کسان جب مزدور
بن جاتا ہے تو برادری کا دباؤ نہ رہنے کی وجہ سے
وہ آوارہ ، بدمعاش اور شرابی بن جاتا ہے۔ (گؤدان

میں انہوں نے گوبر کا جو کردار پیش کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہے)

اس کے علاوہ اردو افسانے میں "انگارے" کی اشاعت بھی ایک موڑ ہے جسے ہم اکتوبر انقلاب کے ساتھ جوڑ تو نہیں سکتے لیکن شاید مغربی تعلیم اور سماج میں تبدیلی لانے کی غرض سے ہی اس افسانوی مجموعہ کی اشاعت (۱۹۳۲ء) ہوئی۔ "گرم خون رکھنے والے نوجوان تھے، ان کہانیوں میں بقول خلیل الرحمٰن اعظمی انقلابی اور باغیانہ خیالات ایک طوفان کی طرح پھٹ پڑے تھے۔ لکھنے والوں میں جوانی کا جوش، اعتدال اور توازن کی کمی اور وہ شوخی و سرکشی تھی جو اس وقت نوجوان طالب علموں میں عام تھی"۔ اس مجموعہ کے بارے میں خود افسانہ نگاروں میں سے ایک سجاد ظہیر صاحب کہتے ہیں :

"انگارے" کی بیشتر کہانیوں میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ
کم اور سماجی رجعت پسندی اور دقیانوسیت کے
خلاف غصہ اور ہیجان زیادہ تھا۔ بعض جگہوں پر
جنسی معاملات کے ذکر میں لارنس اور جوائس کا
اثر بھی نمایاں ہے۔" (روشنائی صفحہ ۲۰)

بہرحال اتنا تو ہو ہی رہا تھا کہ اس عہد میں ہمارے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں اور سیاست دانوں کو مارکسی نظریہ خاص طور پر متاثر کر رہا تھا۔ اس کی وجہ تو یہ تھی کہ باغی نوجوان سچ مچ پرانے سماج کے کھنڈروں پر ایک نئے سماج کی تعمیر چاہتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ہماری قومی جدوجہد کے رہنماؤں کو غیر ملکی سامراج کے خلاف لڑنے اور آزادی کی لڑائی کو کامیاب بنانے کے لئے مزدوروں اور کسانوں اور محنت کش عوام کا تعاون درکار تھا۔

اکتوبر انقلاب کا بالواسطہ اثر ہمیں ترقی پسند تحریک (۱۹۳۵ء) کے بعد ہی ملتا ہے۔ یہ تحریک اردو ادب کی تیسری مگر پہلی باضابطہ تحریک تھی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس (۱۹۳۶ء) لکھنؤ میں ہوئی جس کی صدارت منشی پریم چند نے کی تھی۔ اپنے خطبۂ صدارت میں آخر میں انہوں نے کہا تھا :-

"ہماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکّر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح

ہماری زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو، جو ہم میں حرکت،
ہنگامہ اور ہیجان پیدا کرے سلانے نہیں کیونکہ
اب زیادہ سونا موت کی علامت ہوگی!

دھیرے دھیرے یہ تحریک نہ صرف اردو ادب بلکہ دوسری ہندوستانی زبانوں میں اپنا جڑ پکڑتی رہی اور تقریباً پچیس سال تک اردو ادب میں سکۂ رائج الوقت بنی رہی۔

اس تحریک سے قبل ایک اور ادبی تحریک کا ذکر یہاں ضروری ہے جسے ہم باضابطہ تحریک کا نام تو نہیں دے سکتے مگر اس تحریک نے اس وقت کے نوجوانوں، شاعروں اور ادیبوں پر اپنا خاصہ اثر ڈالا تھا۔ اس تحریک کو "رومانی تحریک" کہا جاتا ہے۔ ملک کی سیاسی غلامی، عوام کی معاشی بدحالی اور حکمراں طبقہ کا جبر نوجوان ذہنوں کو نئی الجھنیں دے رہا تھا جس کا دو ہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ اس کا مقابلہ کیا جائے یا پھر مایوس ہو کر زلفوں کی "گھنی چھاؤں" تلاش کی جائے۔ پہلی وجہ کے لئے جس ہمت کی ضرورت تھی اس کی کمی کو دوسری وجہ نے پوری کی۔ نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار، سجاد حیدر یلدرم، اختر شیرانی اور کچھ حد تک جوش ملیح آبادی بھی اس کے شکار ہوئے۔ لیلیٰ کے خطوط لکھے گئے، سلمیٰ اور ریحانہ کے گیت گائے گئے اور ادب لطیف کے نام پر فرانسیسی نثر نگاری کی نقل اتاری گئی۔ یہ تحریک مشہور تو بہت ہوئی لیکن کامیاب نہ ہو سکی کیوں کہ اس تحریک کا فسوں ترقی پسند تحریک نے توڑ دیا۔ حالانکہ بہت دنوں تک ترقی پسند شاعر اور ادیب خود اسی تحریک کے زیر اثر رہے۔ ان کی انقلابیت پر رومانیت کا غلبہ رہا مگر دھیرے دھیرے یہ غلبہ بھی ختم ہو گیا۔

ترقی پسند تحریک کے ساتھ صرف نوجوانوں کی ٹولی نہیں تھی بلکہ انہیں بزرگ شعراء و ادباء کی حمایت بھی حاصل تھی جو اردو ادب میں ایک تبدیلی چاہتے تھے۔ ان بزرگوں میں کوئی پریم چند کی طرح اصلاح پسند تھا تو کوئی حسرت موہانی کی طرح قوم پرست اور کوئی جوش کی طرح رومانیت پسند انقلابی۔ حسرت اپنی "فاسقانہ" شاعری کے علاوہ اس طرح کے اشعار بھی کہنے لگے تھے ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

یا پھر باوجود انتہائی مذہبی اعتقاد کے وہ یہ بھی کہتے ہیں ؎

ملوکیت کا زمانہ ختم تھا اہل سوویت سے
دکھائی سب کو راہِ حریت بے خوف و بیم ہو کر

***

لازم ہے غلبۂ آئینِ حکومت
دو ایک برس ہو کہ دس بیس برس میں

***

گاندھی کی طرح بیٹھ کے کیوں کاتیں گے چرخہ
لینن کی طرح دیں گے نہ دنیا کو ہلا ہم

اور جوش کا کہنا ہے ؎

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے، توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے، دم توڑ رہی ہیں تدبیریں
آنکھوں میں گدا کے سرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے، سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں
کیا ان کو خبر تھی زیر و زبر رکھتے تھے جو روحِ ملت کو
ابلیں گے زمیں سے مارِ سیہ، برسیں گی فلک سے شمشیریں
کیا ان کو خبر تھی سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں
سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

***

نوجوان ترقی پسند شاعروں میں فیض احمد فیض کا نام ہمیشہ سے قابل احترام رہا ہے، ان کی رومان پسند انقلابیت اردو شاعری کو ترقی پسند تحریک کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ان کی نظمیں "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ"، "سوچ"، "رقیب سے"، "چند روز اور مری جان" ان کی شدید کشمکش کا اظہار ہیں۔ ان کی انقلابی نظموں میں بھی لہجہ کھردرا نہیں ہوتا بلکہ ایک دھیمی سی چبھن کا احساس ہوتا ہے مثلاً ان کی نظم "بول" کا یہ بند ؎

دیکھ کہ آہن گر کی دکاں میں ۔۔۔ تند ہیں شعلے سرخ ہے آہن
کھلنے لگے قفلوں کے دہانے ۔۔۔ پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن
بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے ۔۔۔ جسم و زباں کی موت سے پہلے

فیض کے علاوہ مخدوم محی الدین کی شاعری اپنے خلوص، جوشِ کردار اور انقلابی جدت کی وجہ سے ممتاز ہے۔ ان کی نظموں کا انقلابی کردار کافی پختہ ہے اور لہجہ میں یقین بھی ؎

گھر ا ہے سیاہی کا ڈیرا
ابھرا ہے مری جاں سویرا
او وطن چھوڑ کر جانے والے
کھل گیا انقلابی پھریرا

ان کی نظم "جنگِ آزادی" جسے اس زمانے میں قومی ترانے کی طرح گایا جاتا تھا ؎

یہ جنگ ہے جنگِ آزادی   آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی   محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی   دہقانوں کی مزدوروں کی

اس قافلے میں شاعروں کی ایک لمبی قطار تھی جس نے مارکسی کو پڑھا بھی تھا اور سمجھا بھی تھا۔ علی سردار جعفری، جذبی، احسان دانش، مجاز، کیفی، ساحر اور مجروح وغیرہ ایسے شاعر تھے جو اپنی شاعری کو تبلیغ کا ذریعہ نہیں ایک مقصد سمجھتے تھے اور ان کا مقصد تھا اشتراکیت کا پھیلاؤ۔

ترقی پسند تحریک کا اثر صرف اردو شاعری پر ہی نہیں ہوا بلکہ اردو ادب کی تمام اصنافِ سخن اس سے متاثر ہوئیں۔ ناول اور افسانوی ادب میں کرشن چندر، بیدی، خواجہ احمد عباس، دیویندر ستیارتھی، علی عباس حسینی اور عصمت چغتائی وغیرہ کی تخلیقات آج بھی قابلِ توجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اردو ڈرامہ جو اندر سبھا سے آغا حشر تک پہنچنے تک بھی عوامی مسائل سے خالی تھا اس تحریک کے زیرِ اثر "اپٹا" کے ذریعہ عوام سائل اور قصبوں تک پہنچایا گیا۔ ریڈیائی ڈرامے بھی عوامی مسائل اور عوامی جذبات کا ترجمان بن گئے۔ اردو تنقید میں بھی ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور تخلیق کو جو زندگی کے ترجمان کی شکل میں دیکھا جانے لگا۔ ترقی پسند ناقدوں میں اختر حسین رائے پوری، احتشام حسین، عزیز احمد اور سردار جعفری وغیرہ نے مارکسی نقطۂ نظر سے اردو ادب کو پرکھا جو اردو ادب کیلئے ایک نئی چیز تھی۔

عرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکتوبر انقلاب نے بالواسطہ تا ترقی پسند تحریک نے پورے اردو ادب پر اپنا اثر ڈالا۔ آج بھی جبکہ اس تحریک کے پچاس سال گزر چکے ہیں ہم ان اثرات کو آسانی سے ڈھونڈ سکتے ہیں ٭٭٭

بقیہ: نئے معاشرے کا ظہور ......

پھر اس قابل بنایا۔ یہی وہ بات تھی جس نے دنیا کو فاشزم سے جدوجہد کے دوران (۱۹۴۱ء-۴۵) اور فتح کے فوراً بعد کے کبھی نہ فراموش کئے جانے والے برسوں میں حیران کر دیا تھا جبکہ ایک ناقابلِ بیان تباہ شدہ ملک اور اس کے ناقابلِ وضاحت درد و کرب میں مبتلا عوام نے پھر ایک بار اپنے خون اور پسینے سے سوشلسٹ زندگی کے نظام اور ڈھانچہ کو تعمیر کیا تھا۔

کلیمنشیو نے فرانس میں اور چرچل نے برطانیہ میں پیشگوئی کی تھی کہ بالشوزم چند ہفتوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکتا۔ انہیں کی طرح کے امریکی صدر ریگن یہ اعلان کرتے ہوئے نہیں شرماتے کہ کمیونزم تاریخ کا ایک صفحہ ہے جس کو پھاڑ کر پھینک دینا چاہیئے۔

کچھ خاص مغرب حلقوں میں یہ سنا جاتا ہے کہ مارکسزم ۱۹ویں صدی کی فرسودہ منظر یہ سے زیادہ کچھ نہیں رہ گیا ہے لیکن دنیا کی قوموں کا بر سرِ تسلط پر ایک مختلف تصور ہے۔

کسی بھی نوعیت سے ذی علم لوگوں کو یہ نہیں بھول جانا چاہیئے کہ فرانسیسی انقلاب (۱۷۸۹ء) کے بعد ۴۲ سال لگے جب کہ شاہ لوئی پندرہ کی حکمرانی کے آخری سال کے اقتصادی معیار تک پہنچا جا سکا یا یہ کہ ایک علامتی مثال دی جائے۔ فرانس ۱۰ سال کے بعد دباستیلے کے مفتوح ہو جانے کی سالگرہ ۱۴ر جولائی کو ایک قومی تعطیل منایا جا سکا تھا۔

عظیم اکتوبر کے معاملہ میں ایک فرق نظر آتا ہے۔ سماجی تنظیم کے ایک نئے تاریخی دور کی تاریخی پیدائش ملک میں اور ملک سے باہر دشمن قوتوں پر فتح اس کا منظاہرہ اس طرح جیسے کہ پہلے انٹرنیشنل نے اعلان کیا تھا: "محنت کی سیاسی معیشت کی سرمائے کی سیاسی معیشت پر فتح تھی"۔

یہی بات حقیقتاً درخشاں واقعہ کا نچوڑ بھی تھی۔ ایک واضح تعریف و تحسین عظیم اکتوبر کی یعنی قومی نجات اور انسانی خیر سگالی کی قوتوں کے اتحادی سوویت یونین کی دوسری عالمی جنگ میں مستحق غلبہ اور ناقابلِ فتح فاشزم کی پیش رفت پر فتح ٭٭٭

(بشکریہ "حیات")

حرمت الاکرام — بنگال میں

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

حرمت الاکرام کے کلکتہ آنے سے قبل بھی ان کا غائبانہ تعارف مجھ سے ہو چکا تھا۔ چونکہ ان کے بڑے بھائی اقبال اکرامی (مرحوم) عرصہ سے کلکتہ میں آکر بس گئے تھے۔ لیکن حرمت الاکرام سے میری پہلی ملاقات ان کے کلکتہ آنے کے بعد ہی ہوئی۔ کس دن یہ تو اب یاد نہیں لیکن یہ ۱۹۵۴ء کی بات ہوگی کیونکہ حرمت اسی سال جولائی میں کلکتہ آئے تھے۔ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً ہر شام بولائی دت اسٹریٹ یا زکریا اسٹریٹ میں کہیں نہ کہیں ملاقات ہو جاتی اور جب تک وہ کلکتہ میں رہے یہ ملاقاتیں رہی ہیں۔ اسی کے بعد جب وہ وطن مرزاپور لوٹ گئے، تب سے آخر دنوں تک ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ وہ پابندی سے خط لکھنے کے عادی تھے۔ آج جب میں نے میرے یہاں محفوظ پرانے خطوط کو تلاش کیا تو ان کے تیس خطوط ملے، جو اس وقت میرے سامنے ہیں۔ ان خطوط میں کتنی باتیں ہیں، یادیں ہیں، جانے پہچانے چہرے ہیں۔

حرمت الاکرام پستہ قد اور کمزور جسم کے مالک تھے۔ معاشی طور پر وہ ایک نچلے متوسط گھرانے کے فرد تھے جن پر گھر والوں کی پوری پوری ذمہ داری تھی۔ وہ معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے ہی ملازمت کی تلاش میں کلکتہ آئے لیکن یہاں وہ ہمیشہ بیمار رہے۔ میں نے کبھی ان کو مکمل صحت مند نہیں پایا اور مستقل بیماریوں سے تنگ آکر ہی وہ کلکتہ سے وطن لوٹ گئے تھے۔ وطن میں بھی ان کو چین نہ ملا، نہ سکون اور نہ صحت۔ معاشی طور پر وہ تا عمر پریشان ہی رہے۔ اپنے کئی خطوط میں اپنی خرابی صحت، گھریلو پریشانیاں اور معاشی بدحالی کا ذکر انہوں نے کھل کر کیا ہے۔ جس سے یہ بھی صاف ہے کہ وہ مجھے بالکل اپنا سمجھتے تھے ورنہ اپنے گھریلو حالات کا ذکر اس طرح نہ کرتے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"میں تین ہفتہ سے بیمار ہوں"

۷ فروری ۱۹۸۱ء کو لکھتے ہیں:

"اکتوبر اور نومبر میں اہلیہ کی حالت دو مرتبہ تشویشناک ہو گئی اور گویا انہوں نے نئی زندگی پائی۔ پھر اواخر نومبر میں میرے داماد جو میرے ساتھ ہی رہتے ہیں بیمار ہو گئے اور ایک ماہ بستر پر رہے۔ وہ بستر سے اٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ ۲۶ دسمبر کو چھوٹی لڑکی سسرال سے بیمار ہو کر آگئی۔ اسقاط حمل کا خطرہ تھا۔ دو مرتبہ ہسپتال میں داخل کرنا پڑا اور ۲۶ جنوری کو آپریشن ہوا تو پتہ چلا حمل نہیں، ٹیومر تھا۔ ایک بوتل خون کی ضرورت ہوئی۔ دو بوتل گلوکوز چڑھایا گیا۔ یکم فروری کو گھر آئی ہے۔ ابھی مہینوں علاج کا سلسلہ رہے گا۔ دعا کیجئے کہ خدا ان مشکلات سے نجات بخشے۔"

اور ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"۱۲ اپریل کی شب میں رکشے سے گر کر میرے پاؤں کے دونوں پنجے بُری طرح زخمی ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ حادثے نے کوئی اور صورت اختیار

نہیں کی حبس کا امکان زیادہ تھا۔ فی الوقت بستر
پر ہوں۔ ضروریات کے لئے گھر میں چل پھر لیتا
ہوں"۔

ایک خط میں (مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۷۹ء) حرمت الاکرام نے اپنے
حالاتِ زندگی کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور چونکہ یہ باتیں خود انہوں نے
لکھی ہیں لہٰذا ان باتوں کو ان کی سوانح عمری کے لئے درست تسلیم کرنا
پڑے گا۔ وہ لکھتے ہیں:

"میری تاریخ ولادت ۲ر ستمبر ۱۹۲۷ء، جنم بھومی
مرزاپور، اور آبائی وطن اعظم گڑھ ہے۔ ۱۹۴۹ء
میں مرزاپور سے ایک ماہنامہ جریدہ "سفینہ"
جاری کیا تھا۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۴ء کو کلکتہ پہنچا
اور ۱۷ر فروری ۱۹۷۰ء تک وہاں رہا۔ "روزنامہ
ہند" (اس اخبار کا درست نام "روزانہ ہند"
ہے۔ راقم الحروف) کلکتہ سے باضابطہ صحافتی زندگی
کا آغاز کیا۔ ایک سال بعد روزانہ "آزاد ہند"
کلکتہ سے منسلک ہو گیا۔ ابتداً خبروں کے علاوہ
"نمکدان" (یہ "آزاد ہند" کا فکاہیہ کالم ہے —
راقم الحروف) اور "اجالا" (یہ "آزاد ہند" کا سنڈے
ایڈیشن ہے — راقم الحروف) کے فکاہیہ کالم "نوک
جھونک" بھی میرے سپرد تھے۔ بعد میں فکاہیہ
کالموں کے بجائے روزانہ کسی اہم تر اخباری موضوع
پر قطعہ لکھنے کی خدمت تفویض ہوئی۔ قارئین نے
اس سلسلے کو اتنا پسند کیا کہ مرزا پور آنے کے بعد بھی اسے
باقی رکھنا پڑا۔

"سفینہ"، "ہند" اور "آزاد ہند" کے علاوہ جن
دوسرے رسائل و اخبارات سے مختلف ادوار میں
(ادارتی) وابستگی رہ چکی ہے ان کے نام حسبِ ذیل
ہیں — ماہنامہ "گرداب" (راولپنڈی)، ماہنامہ "جگنو"
بمبئی، ماہنامہ "معارف" کلکتہ، ہفتہ وار "نقاش" کلکتہ،
روزنامہ "نقاش" کلکتہ، ماہنامہ "ساز" کلکتہ، وغیرہ۔

نشانِ خانہ" کلک"!

حرمت الاکرام کی طویل نظم "کلکتہ: ایک رباب" سے صاف
ہے کہ کلکتہ شہر نے ان کے دل و دماغ پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے
جن کا بارہا انہوں نے خطوط (میرے نام) میں بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی "افسانہ
در افسانہ" ("کلکتہ: ایک رباب" کا پیش لفظ) میں بھی۔ اس سرزمین پر
ان کی شاعری نئی جہتوں سے آشنا ہوئی۔ کلکتہ سے ان کی وابستگی اور
والہانہ محبت کا اظہار ذیل کے چند اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے ؎

کلکتہ ایک موڑ اسی رہ گزر کا ہے
نقشِ دوام دیدہ و دل کے سفر کا ہے

اس موڑ پر حیات بہ رنگِ دگر ملی
زخموں کو حسنِ چارہ گری کی خبر ملی
دلدار ساعتوں کی نظر سے نظر ملی
سونگھتیں لٹاتی نسیمِ سحر ملی

احساس کو ہوائے چمن چھیڑنے لگی
ادراک کو حلاوتِ فن چھیڑنے لگی

ہر شام اپنی زلف سنوارے ہوئے بڑھی
ہر صبح اپنا رنگ نکھارے ہوئے بڑھی
سرمایۂ نشاط کو وارے ہوئے بڑھی
ماتھے پہ سو نقوش ابھارے ہوئے بڑھی

زرکار قمقموں نے گلے سے لگا لیا
گزری جو رات کرنوں نے اپنا بنا لیا

ہنگی کی موج، موج تھی پیمانۂ سرور
لہروں کے آئینے میں تھے رقصاں قریب و دور
آغوشِ التفات تھا صورت گرِ شعور
کہتا تھا سر جھکا کے یہ نظاروں کا غرور

ہم کو وفا و مہر سے قاصر نہ جانئے
اس سرزمیں پہ خود کو مسافر نہ جانئے

"کلکتہ: ایک رباب" کی تخلیق کے بعد حرمت کی خواہش تھی
کہ وہ اس کا انتساب میرے نام کریں۔ چونکہ وہ اسے بنگال کے کسی ادب
دوست کے نام کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے اس سلسلے میں مجھے

لکھا تو میں نے لکھا کہ بہتر ہے اس کا انتساب وہ ماہر لسانیات اور نیشنل پروفیسر ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کے نام کریں۔ میری یہ تجویز ان کو پسند آئی اور انہوں نے نظم کے چند اہم بند نقل کر کے مجھے روانہ کیا تاکہ میں ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کے سامنے پیش کروں اور ان سے اس بات کی اجازت لوں کہ کتاب کا انتساب ان کے نام ہو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ سنیتی بابو نے نظم پسند کیا اور کہا کہ اگر شاعر ان کے نام انتساب کرنا چاہے تو ان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں نے اس کی اطلاع حرمت الاکرام کو دی اور حرمت نے "کلکتہ : اک رباب" کے پہلے ایڈیشن کا انتساب یوں لکھا:

"یہ لمحہ کس قدر بیش بہا ہے کہ میں اپنی طویل نظم
"کلکتہ : اک رباب" کو ارض ٹیگور کے ذی قدر
اور نامور ماہر لسانیات سونیتی کمار چٹرجی کے نام
گرامی سے معنون کرنے کی جاں فروز مسرتوں سے
ہم کنار ہو رہا ہوں۔"

مذکورہ انتساب کے ساتھ پہلا ایڈیشن حلقۂ ترویج ادب "رام باغ" مرزاپور سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا' اور دوسرا ایڈیشن جس کا انتساب انہوں نے سہیل عظیم آبادی کے نام کیا' نکھار پبلی کیشنز' مئو ناتھ بھنجن (یو۔پی) سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ اس دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۹۵ پر ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کا ایک انگریزی خط شامل ہے جس میں موصوف نے اس کا ذکر کیا ہے کہ میں نے "کلکتہ : ایک رباب" کے چند اشعار ان کو پڑھ کر سنائے تھے۔

کلکتہ سے حرمت نے بہت کچھ لیا بھی ہے اور اسے دیا بھی ہے۔ حرمت کا انتقال ۶ر جنوری ۱۹۸۴ء کو اپنے وطن مرزاپور میں ہوا لیکن ان کی موت کی اطلاع کلکتہ میں کوئی ہفتہ بھر بعد پہنچی۔ روزنامہ "عکاس" کلکتہ نے ۱۶ر جنوری ۱۹۸۴ء کو حرمت الاکرام پر اداریہ لکھتے ہوئے درست لکھا ہے:

"حرمت الاکرام کی موت کی خبر اہل کلکتہ کے لئے جانگداز خبر ہوتی ہے۔ یہ سانحہ بنگال کے اردو ادب کا ہے۔ گو حرمت الاکرام کا اپنے آبائی وطن مرزاپور میں انتقال ہوا جہاں کئی برسوں سے وہ مستقل سکونت پذیر تھے۔ حرمت کا کلکتہ سے گہرا اور پرانا رشتہ و تعلق رہا ہے۔ حرمت الاکرام کی شاعری نے کلکتہ کی نئی نسل کے شاعروں پر گہرا اثر مرتب کیا تھا۔ ان کے عقیدت مندوں کی کمی نہیں تھی۔ حرمت الاکرام کلکتہ میں رہے۔ روزی روٹی کی فکر میں غلطاں رہے۔ ہر اردو شاعر اور فن کار کی طرح انہیں بھی سخت مصائب اور نامساعد حالات میں زندگی بتانی پڑی۔ ان کی شاعری ان کا اور ان کے خاندان کے افراد کا پیٹ نہیں پال سکتی تھی اور کلکتہ کے اکثر شاعروں اور ادیبوں کی طرح اپنی معاشی حالت کو سہارا دینے کے لئے اردو صحافت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا تھا۔"

حرمت کی شاعری دقیانوسی، فرسودہ اور محض روایتی شاعری نہیں رہی ہے۔ اس کے باوجود ان کو وہ شہرت نہیں ملی جو ملنی چاہئے تھی۔ میرے خیال سے اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی کمزور مالی حالت ہے۔ چونکہ آج کے سماج میں ناموری کے لئے بہتر معاشی حالت اور کسی اہم کرسی کا مالک ہونا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کرسی اور اچھی مالی حالت کے سہارے آپ اپنا ایک حلقہ یا گروپ بنا لیں جو آپ کی ہر بات پر "واہ واہ" کرے۔ لیکن حرمت الاکرام ان چیزوں سے دور تھے لہٰذا اردو ادب میں گروپ بندی اور پھر محض اپنوں کی تعریف کی زد میں دب بھی گئے۔ ایڈیٹر روزنامہ "عکاس" کلکتہ نے اپنے مذکورہ اداریے میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کلکتہ میں ان کی شاعری کی دھوم مچی ہوتی تھی اور آج کے دور کے بہت سے شاعر جن کی شہرت احباب کے پروپیگنڈوں پر قائم ہے ... وہ بھی حرمت الاکرام سے مستفیض ہوتے رہے۔ حرمت نے انہیں بہت کچھ دیا۔ ان کی شاعری کی راہ اور جہت متعین کرنے میں مدد دی۔"

حرمت الاکرام نے اپنے چند خطوط میں اردو ادب میں گروہ بندی کا ذکر بار بار کیا ہے۔ مثلاً ۱۸ر جنوری ۱۹۶۵ء کے خط میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ احساس آپ کو بھی ہوگا کہ اردو دوستوں کی گروہ بندی اور تنگ نظری اردو دشمنوں سے بڑھ کر اردو کی دشمن ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ اونچی سطح کے اصحاب میں کم ظرفی اور پست خیالی اور بھی زیادہ ہے۔ ان ابتلاؤں کا نشانہ اکثر بنتا رہتا ہوں۔ ڈگریوں اور عہدہ والوں کو اس کا بڑا قلق ہے کہ یہ معمولی سا آدمی دنیائے ادب میں اتنی عزت سے کیوں دیکھا جاتا ہے۔ ممکن ہے آپ کو اس بات پر ہنسی آئے اور آپ اسے میری خوش فہمی تصور کریں لیکن یہ حقیقت ہے!"

۲۵ جون ۱۹۸۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"اردو کا شاید ہی کوئی ادیب یا شاعر ایسا ہو جو معاش کے باب میں ادب پر تکیہ کر سکے۔ ادب کے نام پر قلم سے روزی کمانا اور چیز ہے۔ علاوہ ازیں ادب کی دنیا بھی جسے خوش خلقی اور عالی ظرفی کی قابلِ رشک مثال پیش کرنی چاہئے تھی، ایسی برائیوں کی آماجگاہ بن گئی ہے جو افسوسناک سے زیادہ شرمناک ہیں۔"

۹ جولائی ۱۹۸۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"آجکل بیشتر افراد ایسے ہیں جو دوسرے کی تحسین کو اپنی توہین تصور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ احساسِ کمتری کا ردِ عمل ہے یا پھر یہ کیفیت خود اعتمادی کی کمی سے وجود میں آتی ہے۔ کسی کی خوبی کا اعتراف فراخدلی اور عالی ظرفی کی دلیل ہے جس سے ہر شخص متصف نہیں ہوتا۔ بعض اصحاب تعریف میں بھی ناپ تول ملحوظ رکھتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ دوسرے کی توصیف خود ان کے لئے نقصاندہ نہ ثابت ہو۔ اس عارضہ میں بعض مشاہیر زیادہ مبتلا ہیں ۔۔۔۔ گروہ بندی کا روگ سب سے بالاتر ہے۔ اس نے پوری دنیائے ادب میں خطرناک حد درجہ خطرناک جراثیم پھیلائے ہیں۔"

۳ مئی ۱۹۸۱ء کو لکھتے ہیں:

"اردو کے شاعروں اور ادیبوں پر اخلاقی بحران کی جو کیفیت ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بڑے بڑوں کا عالم عجیب ہے بلکہ افسوسناک ہے۔ وضعداری اور عالی ظرفی تو بڑی بات ہے، فرض شناسی اور دیانت داری کے احساس کا بھی قحط ہے۔"

لیکن جب کوئی ان کی خدمات کا اعتراف چند الفاظ میں بھی کرتا تو وہ کھلے دل سے اس کا شکریہ ادا کرتے اور اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر خیر کرتے، جیسا کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۰ء کے خط میں انہوں نے لکھا ہے:

"آپ کو اس خبر سے مسرت ہوگی کہ ڈاکٹر محمد حسن (سہ ماہی "عصری ادب" دہلی) نے اپنے طویل مقالہ "نئی غزل کی آہنگ شناسی" میں پچھلے دس برس کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے اس عہد کے تین سرفہرست غزل گویوں (خورشید احمد جامی، حسن نعیم، حرمت الاکرام) میں شمار کیا ہے ۔ ماہنامہ "شب خون" الہ آباد میں نازش پرتاب گڑھی کے مجموعہ غزلیات "لکیریں" پر تبصرہ کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی نے مجھے جدید ذہن کے (تین) بانیوں میں جگہ دی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں مقامات پر یہ ذکر ضمنی نہیں، تفصیلی ہے بہر حال میری حقیر شاعری کا جائزہ اور اس کے انفرادی معیار و آہنگ کی پرکھ ابھی پورے طور پر نہیں ہو سکی ہے۔ اس کا بڑا سبب میرے مجموعۂ کلام کی عدم اشاعت ہے۔"

خود میں نے بھی حرمت الاکرام کا ذکر اپنے بعض مضامین اور تصانیف میں کیا ہے جس کا انہوں نے کئی خطوط میں کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ۱۲ نومبر ۱۹۷۲ء کو انہوں نے لکھا "میں اس محبت کا صد درجہ ممنون ہوں کہ اب کوئی موقع آتا ہے تو آپ مجھے فراموش

یاد کرتے ہیں۔" ۳۱ مارچ ۱۹۶۶ء کو لکھتے ہیں " مجھے آپ کی حرمت نوازی اور قدر شناسی کا پاس ہی نہیں اعتراف بھی ہے۔ میں اپنے حلقۂ احباب میں اس کا ذکر اکثر کرتا رہتا ہوں "۔ ۲۰ مئی ۱۹۶۶ء کو لکھتے ہیں " آپ کا خلوص اور صاف بیتی شکریہ سے بالاتر ہیں "۔ میری تصنیف " اردو اور بنگال " نومبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی تھی جس میں میں نے بنگال کے اردو شعراء کا ذکر کرتے ہوئے حرمت کا بھی مختصر ذکر کیا ہے۔ اس تصنیف کے سلسلے میں انہوں نے ۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء کے خط میں لکھا :



" اردو اور بنگال " دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی۔
میرے ایک کرم فرما جو وقتاً فوقتاً کلکتہ جاتے رہتے
ہیں ایک جلد لیتے آئے تھے۔ کتاب کی اشاعت
پر مبارکباد پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ آپ نے اسے
زیادہ سے زیادہ جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔
میرے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اور جس خلوص کے
ساتھ لکھا ہے اس کا سپاس گزار ہوں۔ اس سے
زیادہ اور کچھ بھی کیا جا سکتا ہے "

اس تصنیف میں میں نے حرمت الاکرام کے چند شاگردوں مثلاً محترمہ ثریا محمود عذرتؔ، جناب جذبؔ آزادی، قطب شاہین اور نظام الدین نظامؔ کا ذکر کیا ہے۔ حرمت نے اپنے خط میں (۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء) اپنے شاگردوں کا بھی ذکر کیا تاکہ اگر میری تصنیف کا دوسرا ایڈیشن سامنے آئے تو میں مزید اضافہ و ترمیم کر لوں۔ اس خط سے علم ہوتا ہے کہ بنگال کے کونے کونے میں ان سے فیض اٹھانے والے موجود ہیں۔ انہوں نے لکھا :

" اردو اور بنگال " میں رحمان جاویدؔ اور حامل صدیقی
کا بھی ذکر ہے۔ یہ دونوں میرے ہی حلقۂ تلامذہ میں
شامل ہیں۔ حشمت تخلص اور قاسم علی کے نام سے
جن صاحب کا ذکر ہے اگر یہ ہگلی کے رہنے والے
ہیں تو قیاس غالب ہے کہ یہی حشمت نعیم ہیں اور
میرے ہی شاگرد ہیں۔ علاوہ ازیں ہگلی ہیں میرے
ایک اور شاگرد ہیں فیاض آلوذ۔ ان کا کلام " اجالا "
میں اکثر چھپتا ہے۔ نرائن گنج (ڈھاکا) میں میرے
ایک شاگرد محمد ارشاد عرصے سے ہیں۔ کچھ نہیں
سکتا کہ ادھر ان کی تحریریں بنگال کے اخبارات و
جرائد میں شائع ہو رہی ہیں یا نہیں۔ لیکن جب
یہ رنگپور میں تھے (وطن مرزاپور ہے) تو ان کی
بعض چیزیں رسائل میں شائع ہوئی تھیں۔
۱۸۷ پر تسکین تمنائی کا ذکر ہے۔ آپ کی آگاہی
کے لئے عرض ہے کہ ان کا آبائی وطن بھی مرزاپور
ہی ہے۔ ڈاکٹر نظام الدین نظامؔ مجھ سے پابندی
کے ساتھ اصلاح لے رہے ہیں۔ آپ کی تحریر سے
مغالطہ ہوتا ہے کہ اب وہ اصلاح نہیں لیتے۔
علاوہ ازیں بنگال کے نہ جانے کتنے نوجوانوں کے کلام
پر (جو " اجالا " میں شائع ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہتا
ہے) اصلاح دینی پڑتی ہے۔ کلکتہ کے بعض شعرا
کے (جن کا آپ نے ذکر کیا ہے) کلام پر وقتاً فوقتاً
اصلاح دی ہے۔ ان میں کئی معروف اصحاب ہیں
لیکن چونکہ وہ اسے پردۂ راز میں رکھنا چاہتے ہیں
(میرا یہی قیاس ہے) لہٰذا میں بھی پردہ دری مناسب
نہیں تصور کرتا۔ شعلہ آروی بھی (اگر یہ وہی ہیں جو
کسی زمانے میں کلکتہ سے " امن " نام کا اخبار
نکالتے تھے) میرے کلکتہ کے دوران قیام میں مجھ
سے اصلاح لیتے تھے "

انیسویں صدی میں مرزا غالب ڈیڑھ سال تک کلکتے میں رہے لیکن وہ تا عمر کلکتہ کو بھلا نہ سکے اور اس طویل سفر نے ان کے خیالات کو بے حد متاثر کیا۔ ان کی شاعری اور نثر نگاری میں اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ عہد غالب میں غالب کے دل پر کلکتہ نے ایسا تیر چلایا تھا کہ وہ " ہائے ہائے " کرتے رہنے پر مجبور ہوئے اور ان کے دل میں یہ تمنا رہ گئی کہ اگر گھربار کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر نہ ہوتی تو وہ تا حیات کلکتہ میں رہتے۔ غالب نے کلکتہ سے لیا بھی اور کلکتہ و بنگال کو دیا بھی ہے۔ چونکہ بنگال میں ان کے کئی اہم معاصران سے متاثر ہوئے تھے حتیٰ کہ بیسویں صدی میں علامہ رضا علی وحشتؔ کلکتوی بھی " غالب ثانی " ہونے پر فخر کرتے رہے۔ اس طرح وسط بیسویں صدی میں حرمت الاکرام کلکتہ آئے اور ... ہے اور انہوں نے نہ صرف اردو ادب کو کلکتہ ایک ریلہ دیا ہے بلکہ بنگال میں لاتعداد شاگرد بھی آج بھی موجود ہیں ٭٭

خوراک کیلئے جنگل

ڈاکٹر رام بریش مکھرجی

"عالمی سماج تباہی کے دہانے پر آکھڑا ہوگا اگر ماحولیات کی پستی اور جنگلات کی صفائی کی سرگرمیاں اسی طرح بے حسی کے ساتھ جاری رہیں۔"

اقوام متحدہ ماحولیاتی پروگرام کے ناظم انتظامیہ ڈاکٹر مصطفیٰ طولبہ نے انتباہ کیا — یہ انتباہ مناسب وقت پر کیا گیا۔ آبادی کا دباؤ، وسائل کی کمی، ماحولیاتی ابتری اور صنعتی آلودگی نے ہماری زندگی کے معیار کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس طرح ترقیاتی اور ماحولیاتی تحفظ کا مسئلہ ہمارے لئے اہم بن گیا ہے۔ ماحولیاتی نظام کی تیزی سے پستی کے بارے میں سائنس داں، ماہر ماحولیات، سماجی سائنسداں اور سماجی رہنما اور سرکاری ایجنسیاں دنیا بھر میں اس سلسلے میں فکر لاحق ہے، کیونکہ ہزاروں برسوں سے یہ نظام زندگی کا تحفظ کرتا رہا ہے۔

دنیا میں ہر سال ساٹھ لاکھ ہیکٹر زمین ریگستان میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ دنیا کے ایک تہائی بنجر علاقے کی حالت بھی بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ نتیجتاً ۸۵ کروڑ غریب لوگ بحران کے شکار ہوگئے ہیں۔ آب وہوا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کے عناصر کے بڑھنے سے زمین کا درجۂ حرارت بتدریج بڑھتا جارہا ہے۔ آب وہوا میں تبدیلی کی وجہ سے آخر کار الٹراوائلٹ ریڈیئیشن کا عمل شروع ہو جائے گا۔

تاہم انسان کا استحصال جاری ہے۔ ناقص تغذیہ کی وجہ سے ایک سو کروڑ لوگ مختلف بیماریوں کے شکار ہورہے ہیں۔ تقریباً ۵۰ کروڑ لوگ بھوکے پیٹ ہی سو جاتے ہیں۔ ایک ارب لوگ غیر انسانی طور پر زندگی بسر کررہے ہیں۔ فوروے کی وزیراعظم محترمہ جی۔ ایچ۔ برانٹ لینڈ نے ماحولیات پر عالمی کمیشن کی رپورٹ میں بجا طور پر کہا ہے ۔۔۔ "غریبوں کو یہ کہنا کہ ماحولیات کے تحفظ کے لئے غربت ہی مناسب ضروری ہے، ان کی بے عزتی کرنا ہے۔"

مسز زیوتیر پیرینڈی کیول نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ بالکل غیرانسانی طرز زندگی ہمارے وقت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اس المیہ میں ہندوستان کا حصہ صرف ایک تہائی ہے۔ تقریباً ۳۳ کروڑ لوگ ناقص تغذیہ سے مبتلا ہیں اور ۲۰ کروڑ کو حسب ضرورت کیلوری نہیں مل پارہی ہے اور آبادی کا نصف حصہ غیرانسانی زندگی کے بوجھ تلے کراہ رہا ہے۔ ہندوستان میں زمین کے وسائل ۳۳ لاکھ مربع کیلومیٹر تک محدود ہیں اور آبادی ۶۸.۴ کروڑ ہے اور آبادی ۲.۲ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ نیشنل بیورو آف سوئل سروے اینڈ لینڈ یوز پلاننگ کا کہنا ہے کہ مٹی، پانی، پودے اور جانور زمین پر مشتمل مٹی کی بربادی سے پیداوار میں کمی آجاتی ہے۔ جنگلوں کے کٹنے سے سیلاب اور خشک سالی کے علاوہ مٹی کا کٹاؤ اور کھارا پن، پانی کا جماؤ، پودوں کی خوراک کے عناصر میں کمی، ریگستانوں کا پھیلاؤ اور آلودگی وغیرہ کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ جنگلوں کی بربادی کا بالواسطہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریزروائروں میں مٹی جم جاتی ہے جس سے آب پاشی اور بجلی کی پیداوار متاثر ہوتی ہے۔

غریب تر طبقہ کے لوگوں کو جلاون، مویشیوں کے چارے اور کھیتی باڑی کے آلات اور گھر بنانے کے سامان کے لئے جنگلوں

پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

اس لئے سوشلزم کی ہٹانے کی اسکیم کو جنگلوں کے تحفظ کے پروگرام سے جوڑ دینا چاہئے۔ ہم لوگوں کے پاس عورتوں، نوجوانوں، طالب علموں، کسانوں، مزدوروں اور عوام کی اکثریت کی منظوری سے چنی گئی میونسپلٹی، کارپوریشن اور پنچایت راج جیسے ادارے ہیں ہم لوگوں کے پاس عوامی اصلاحات، اراضی کا ترقی یافتہ نظام اور بلاک سطح تک لامرکزی ادارہ جاتی پلاننگ کمیٹیاں ہیں۔ اس پر انحصار کرکے ہم اپنی زندگی کی بقا کے لئے جد وجہد کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

ہم جنگلات اگا سکتے ہیں اور شہروں، گاؤں، سڑک کے کناروں، ندی کے کناروں، اسکولوں، کالجوں، کلبوں، لائبریریوں، پارکوں اور باغوں کے غیر استعمال شدہ زمینوں میں یا بنجر اور برباد زمینوں میں شجر کاری کر سکتے ہیں، ہم جو پودہ لگاتے ہیں اس کا تحفظ بھی ہمارے لئے ضروری ہے، ہر جنم لینے والے بچے کے لئے ایک پودے کا اگانا ضروری ہے۔

اس سال کے لئے ہمارا نعرہ ہے — "خوراک کیلئے جنگل۔ خوراک، جلاون، مویشیوں کے لئے چارے اور خاندان کے لئے جنگل ذخیرہ ہے۔"

عظیم نومبر سوشلسٹ انقلاب کی ۷۰ویں سالگرہ کے موقع پر لینن کے مجسمہ کی گل پوشی

۷ر نومبر کی صبح کو دمدم، کلکتہ میں لینن کے مجسمے کے سائے میں عظیم نومبر سوشلسٹ انقلاب کی ۷۰ ویں سالگرہ منائی گئی۔ عظیم نومبر سوشلسٹ انقلاب کے معمار لینن کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بائیں محاذ کے لیڈروں، مختلف سیاسی پارٹیوں، متعدد عوامی اور ٹریڈ یونین تنظیموں کے رہنماؤں اور کثیر التعداد عوام نے ان کے مجسمہ کی گل پوشی کی۔ صبح ½ ۹ بجے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ اور سی پی آئی (ایم) کے پولٹ بیورو کے ممبر شری جیوتی باسو نے لینن کے مجسمے کو پھولوں کا ہار پہنایا۔ سی پی آئی ایم کے دیگر لیڈروں میں اسٹیٹ سکریٹریٹ کے ممبران عبداللہ رسول، منورنجن رائے، بمان بوس، بدھا دیب بھٹاچاریہ، اسیلن داس گپتا، چتبرتو مجمدار اور اسٹیٹ کمیٹی کے ممبران سنیل متر، لکھی سین، کمود رام بھٹاچاریہ، اشیم داس گپتا، نارین سین، سبھاش چکرورتی، شانتی گھٹک، شبرین گھوش، راج دیو گوالہ، الوک مجمدار، لکھی دے، محمد نظام الدین، جوہر گپتا وغیرہ نے، سی پی آئی کی طرف سے کنائی بھومک نے، فارورڈ بلاک کی طرف سے نرمل بوس، انیل مکرجی اور پرسنا داس گپتا نے، آر ایس پی کی طرف سے ماتن چکرورتی اور منی بھٹاچاریہ نے اور آر سی پی آئی کی طرف سے مناجات علی وغیرہ نے لینن کے مجسمہ پر گلہائے عقیدت پیش کئے۔ ان کے علاوہ ڈپٹی میئر، میئر کونسل کے اراکین، ہند سوویت یونین کے لیڈران، سوویت کاؤنسل جنرل اور سوشلسٹ ملکوں کے سفارت خانوں کے زعماء وغیرہ نے بھی مجسمہ پر عقیدت کے پھول چڑھائے ٭٭٭

دمدم، کلکتہ میں لینن کا مجسمہ

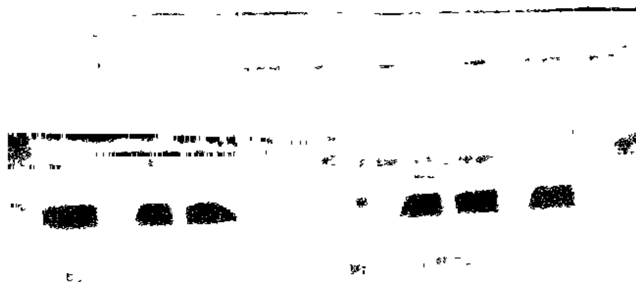
عظیم نومبر انقلاب زندہ باد

"تم سب جئے جئے کار کرو
تم سب جئے جئے کار کرو
عہدِ نو کا یہ پرچم بیساکھی طوفاں کے ساتھ لہراتا ہے
تم سب جئے جئے کار کرو"

حکومت مغربی بنگال

Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor: Md Mustafa Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.










INDIA



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتیپ بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندرا ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت : ۱۲ پیسے
ترسیل زر کا پتہ :
بزنس منیجر !
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکرجی روڈ ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۴ ★ یکم دسمبر ۸۵ء ★ شمارہ نمبر ۲۲

ڈومینک لاپیئر، کلکتہ اور ہوڑہ کے بستی باسیوں کی تصویروں کا البم بنام خوشیوں کا شہر رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں وزیر اعلیٰ مسٹر جیوتی باسو کو پیش کرتے ہوئے۔

رنگا رنگ تقریب میں سالٹ لیک اسٹیڈیم کا افتتاح

"اس اسٹیڈیم کی تعمیر کا مقصد بنگال میں مختلف نوعیت کے مقابلوں کو فروغ دینا اور ملک کو کھیل کود کے میدان میں آگے لے جانا ہے۔"

——— وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

حکومت مغربی بنگال، فیاض اداروں اور عوام کے تعاون اور اشتراک عمل سے اسپورٹس اور اسٹیڈیم سوسائٹی (ایس۔ایس۔ایس) نے دنیا کے تیسرے سب سے بڑے اور حسین اسٹیڈیم کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا ہے۔ مغربی بنگال کے عوام اور اسپورٹس شیدائیوں کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

سنیچر ۱۴ر نومبر ۱۹۸۷ء کی دوپہر کو مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ایک لاکھ سے زائد ناظرین کی موجودگی میں ایشیاء کے عظیم ترین "سالٹ لیک اسٹیڈیم" (یو با بھارتی کیری رنگن) کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر رنگا رنگ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ اس اسٹیڈیم کی تعمیر کا مقصد بنگال میں مختلف نوعیت کے مقابلوں کو فروغ دینا اور ملک کو کھیل کود کے میدان میں آگے لے جانا ہے۔ بائیں محاذ حکومت ریاست میں اسپورٹس کی ترقی و توسیع کے لئے ٹھوس منصوبوں کو عملی شکل دے گی اور بنگال کے عوام کی امنگوں کی ضامن بنے گی۔

وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں یہ خواہش ظاہر کی کہ اسٹیڈیم کو باضابطہ مصرف میں لایا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس مقصد کے تحت ایک ٹھوس منصوبہ بنایا جائے گا جو یقیناً ریاست میں اسپورٹس کو فروغ دے گا اور بین الاقوامی مقابلوں میں ملک کو اچھی کارکردگی پیش کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ مجھے امید ہے کہ اسٹیڈیم میں زیادہ سے زیادہ قومی اور بین الاقوامی مقابلوں کا اہتمام کیا جائے گا۔"

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۲۰ر تا ۲۷ر نومبر ۱۹۸۷ء کو ہونے والے "ساف" (جنوبی ایشیائی فیڈریشن گیمس) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ساف گیمس مغربی بنگال کے اسپورٹس شیدائیوں کے لئے ایک تحفہ ہے، ان میں نہ صرف سات ملکوں کے ساڑھے نو سو کھلاڑی حصہ لیں گے بلکہ دوستی اور بھائی چارگی کے جذبات کو فروغ دینے میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے۔

وزیر اعلیٰ جیوتی باسو کے علاوہ مرکز کا وزیر برائے اطلاعات و نشریات شری اجیت کمار پانجا، مرکزی وزیر تجارت شری پریہ رنجن داس منشی، ریاستی وزیر اسپورٹس شری سبھاش چکرورتی اور میئر کلکتہ کارپوریشن کمل باسو اور آل انڈیا فٹ بال فیڈریشن کے سکریٹری شری اشوک گھوش نے بھی تقریریں کیں۔

کھیل کود اور خدمات نوجوان کے وزیر شری سبھاش چکرورتی نے آخر میں وزیر اعلیٰ، مرکزی وزراء اور دوسرے شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ ریاست میں مختلف کھیلوں کو ترقی دینے اور ان کے معیار کو اونچا کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں گے۔ انہیں یقین ہے کہ عوام کے تعاون اور اشتراک عمل سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔

اسٹیڈیم کی رنگا رنگ تقریب کے بعد اسٹیڈیم اسپورٹس

یووا بھارتی کرانگن سالٹ لیک اسٹیڈیم ، کلکتہ

...ی کے لئے ہندستان کے دو دیو ہیکر حریفوں یعنی موہن بگان اور ایسٹ
...ن کی جنگ دیکھنے کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ اسپورٹس شیدائی جوش
...س و خروش کے ساتھ موجود تھے۔ فلڈلائٹ سے لپٹے اسٹیڈیم کی
...ے نورقی اور دلکش ... تماشائیوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور تماشائی
اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھ کر پھولے نہ سما رہے تھے۔
...را اسٹیڈیم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ایک لاکھ سے زائد تماشائیوں کی
موجودگی میں دو نمائشی فٹ بال میچ کھیلے گئے۔ پہلا نمائشی میچ ہندستانی
کے سابق نامور کھلاڑیوں کے درمیان کھیلا گیا جن کے سحر انگیز کھیل
کا جادو اب بھی فٹ بال شیدائیوں کے ذہن و دل میں رچا بسا ہے۔
اس نمائشی میچ میں تقریباً ۴۹ کھلاڑیوں نے تھوڑا تھوڑا کھیل
پیش کر کے اپنے ماضی کی یادوں کو پھر سے تازہ کر دیا۔ دوسرا نمائشی
میچ ہندستان کی دو عظیم ٹیموں — موہن بگان اور ایسٹ بنگال کے
درمیان کھیلا گیا۔ یہ میچ بڑا ہی اہم اور دلچسپ تھا۔ دونوں ٹیمیں
ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے میں کوشاں رہیں۔ اس طرح فٹ بال کے
شیدائیوں کو ایک عمدہ اور معیاری کھیل دیکھنے کو ملا۔ دونوں ٹیموں نے بڑا متحرک کھیل پیش
کیا۔ اس نمائشی میچ میں موہن بگان نے ایک گول سے اپنی برتری حاصل کر لی ۔۔۔

معیشت میں ہر اک سو رنگ فطرت ہے جہاں میں ہوں
اخوت ہے جہاں میں ہوں، سوویت ہے جہاں میں ہوں
مقامِ فرد بھی محفوظ ہے فوز جماعت میں !
نمایاں ہر طرف وحدت میں کثرت ہے جہاں میں ہوں
رواج بربریت ہے، مذاہب کے تعصب میں
نفاذِ امن و صلح آدمیت ہے جہاں میں ہوں
(اقتباس)

حسرت موہانی

انساں کی آرزو نے انساں کی جستجو نے
گرتی ہوئی زمیں کو آکاش میں اچھالا
وہ موڑ آگیا ہے مشرق کی زندگی میں
ہر گام پر سویرا، ہر سو نیا اُجالا

●

مخدوم محی الدین

عظیم اکتوبر انقلاب

عصری عالمی انقلابی سلسلۂ عمل

ڈاکٹر یوری کراسین

جب پیٹرو گراڈ کے مزدوروں، فوجیوں اور بحری سپاہیوں نے زار کے سرمائی محل پر دھاوا بول دیا تو یوں محسوس ہوا کہ اب سوشلسٹ انقلاب کی عالم گیر فتح زیادہ دنوں کی بات نہیں رہی۔ اس کے بعد کی دہائیوں میں اس کرۂ ارض کا سماجی روپ بنیادی طور پر بدل چکا ہے لیکن اس عالم گیر فتح کی گھڑی اب تک نہیں آ پائی ہے۔ انسانی سماج کے اس دور سے جو جبر و تشدد، طبقاتی جدوجہدوں اور خون آشام جنگوں سے بھرا ہوا ہے، حقیقی انسان کی بنائی ہوئی تاریخ تک انقلابی سفر آج توقعات کے برعکس کہیں زیادہ طویل اور کہیں زیادہ پیچیدہ سلسلۂ عمل سمجھا جا رہا ہے۔

عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب نے سرمایہ دارانہ نظام میں پہلا شگاف پیدا کیا، اس نے عالمی تاریخ میں ایک نئے رجحان کو جنم دیا۔ بیسویں صدی کے حقیقی سماجی تجربے نے بورژوا ماہرین نظریات کے ان الزامات کو غلط ثابت کر دیا کہ یہ انقلاب ایک قومی استثناء اور تاریخی ارتقاء کے قدرتی روش سے انحراف تھا۔ اس کے بعد سے کئی قوموں نے اس راستے کو اپنایا جیسے اکتوبر ۱۹۱۷ کے انقلاب روس نے روشن کیا تھا۔ سوشلزم آج ایک عالمی حقیقت بن چکا ہے اور اس نے قائل کن انداز میں ثابت کر دیا ہے کہ انسانی سماج کے لئے اس نئی سمت میں پیش قدمی شروع کرنا بالکل قدرتی ہے۔

آج کے دور میں سماجی سرگرمی کی شکلیں انتہائی مختلف اور متنوع ہیں لیکن اس کا لب لباب، کہانی کا تانا بانا، جو اکتوبر انقلاب کو دورِ جدید سے جوڑتا ہے، سرمایہ داری کے عہد سے سوشلزم کی سمت عبور ہے۔

خود عبور تاریخ کا ایک دور ہے جو دو مرحلوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اکتوبر انقلاب کو عصرِ جدید سے جوڑنے والی کڑی ان انقلابوں کا سلسلہ نہیں ہے جو اپنے آپ کو دہراتے ہیں اور ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ عالم گیر انقلابی سلسلۂ عمل کی حرکیات دنیا کی انقلابی تشکیل نو کی شکلوں اور طریقوں کی تراش خراش کرتی ہے اور انہیں نئے سرے سے ڈھالتی ہے۔

آج انسانی سماج نئی حقیقتوں کا سامنا کر رہا ہے۔ پہلے تو تکنکی انقلاب ہے جس کے معنی ہیں سماج کی پیداواری طاقتوں کی انتہائی زبردست پیمانے پر تشکیل نو۔

کارل مارکس نے پیداواری طاقتوں کی ترقی کی اس قسم کی تشکیل نو کے امکان کی پیش بینی کی تھی اور اس کو کمیونسٹ سماج کے ساتھ جوڑا تھا، لیکن یہ تشکیل نو جس کے لئے سوشلسٹ پیداواری تعلقات کی ضرورت ہے، ترقی یافتہ سرمایہ داری کے پس منظر ہی میں شروع ہو گئی ہے۔ یہ سائنس پر مبنی ٹکنالوجیوں کے اطلاق میں، اطلاعاتی سائنس میں، مادی پیداوار کے دائرے سے راست محنت کے اخراج میں، سماجی پیداوار کی اونچی سطح کی بین الاقوامیت کاری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داری نظام نئی ٹکنالوجیوں کی ترقی میں سوشلزم سے بازی مار کر آگے نکل جاتے ہوئے اس بات کی بھی کوشش کر رہا ہے کہ تکنکی انقلاب کو اپنے خود غرض مفادات کا آلۂ کار اور اجارہ دار طبقے کے مفادات کا خدمت گزار بنائے اور اس طرح سرمایہ داری کے ستونوں کو سہارا دے اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرتا رکھے۔

ایک سماجی نظام کی حیثیت سے، سرمایہ داری اپنے

آپ کو نئے حالات میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ ترقی کرتی ہے، اپنے آپ میں رد و بدل کرتی ہے اور اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق بنا لیتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج سرمایہ داری تکنکی انقلاب کی لہر پہ سوار ہو کر ابھرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری باتوں کے علاوہ، نئی تکنالوجیاں اور کثیر قومی معاشی تعلقات کو ان قدامت پرست طاقتوں کا خدمت گزار بنا دیا جائے جو محنت کش عوام کے سماجی اور جمہوری حقوق کے خلاف اپنے حملے کو واجبی ٹھہرانے اور سرمایہ دارانہ ملکوں کے اندر اور عالم گیر پیمانے پر سماجی انتقام لینے کے لئے قدامت پسندی کے فلسفے کا استعمال کرنا چاہتی ہیں۔

اس کے علاوہ، تکنکی انقلاب کے معنی ہیں، معاشرے کے سماجی ڈھانچے میں دور رس تبدیلیوں اور اس میں مزدور طبقے کا سماجی ڈھانچہ بھی شامل ہے۔ اس کے روایتی دستوں — کان کنوں، گودی مزدوروں اور دھات ساز مزدوروں — کے علاوہ نئے دستے بھی ابھرتے جا رہے ہیں جن کا تعلق نئی تکنالوجیوں سے ہے۔ مزدور طبقے میں تقسیم عمل ہو رہی ہے جس کا مزدور اور کمیونسٹ تحریک کی حالت اور مسئلوں پر الگ الگ اثر پڑ رہا ہے اور اس کی ترقی میں کافی مشکلیں اور خامیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

یہ بات دو ٹوک لفظوں میں کہی جانی چاہئے کہ سرمایہ داری کی تاریخ ترقی اس سماجی نظام کو ان تضادوں سے نہیں نجات دلا سکتی جو اس کی سرشت اور ماہیت میں بہت گہری جڑیں پکڑے ہوئے ہیں۔ اب تو تکنیکی انقلاب ایک اور تضاد کو پروان چڑھا رہا ہے جسے جسے وہ کبھی بھی حل نہیں کر سکتا۔ یہ ان بے پناہ صلاحیتوں کے جو پیداواری قوتوں کی ترقی نے پیدا کر دئے اور ان صلاحیتوں کو سماج کے مفاد میں استعمال کرنے کی ناقابلیت کے درمیان جس کے ساتھ سرمایہ دارانہ اجارہ داریوں کے خود غرضانہ مفادوں کی خاطر ان صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی خواہش گھلی ملی ہے، تضاد ہے۔

سرمایہ داری کے تضادات اپنے آپ کو بڑھتی اور پھیلتی ہوئی بے روزگاری اور افراطِ زر میں، کمر توڑ مہنگائی میں "نئی غریبی" میں معیشتوں کی عسکریت بندی میں، اجارہ داریوں کے درمیان شدید رسہ کشی میں، سامراجی طاقتوں کی رقابتوں اور عالمی مسئلوں کی سنگینی میں محسوس کرا رہے ہیں۔

آج کی سرمایہ داری کے نئے اور پرانے تضادات بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور ان سب نے مل کر سماج کی سوشلسٹ تشکیلِ نو لازمی بنا دی ہے۔ لیکن ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک اس منزل کی سمت اس انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں جو ماضی سے الگ ہے۔ آج انقلابی سلسلۂ عمل میں خاص اور عام کی جدلیات خود سرمایہ دار سماجوں میں اور پوری عالمی صورت حال میں کیفیتی تبدیلیوں کے اندر اپنے آپ کو آشکار کر رہی ہے۔ یہ سب چیزیں عالم گیر انقلابی سلسلۂ عمل کے تئیں، اکتوبر انقلاب کے تاریخی تجربے کے ان پہلوؤں کو جو عام قدر رکھتے ہیں، جائزے اور تجزیے کے اور سوشلسٹ انقلابوں کی ٹائپولوجی کے تئیں ایک ایسے رویے کی طلبگار ہیں جو تاریخی حیثیت سے واجبی اور حقیقت پسند ہو۔

اکتوبر سوشلسٹ انقلاب سوشلزم کی سمت پہلی پیشقدمی تھی اور اس وجہ سے، اس کی خصوصیت تھی: سماج اور سیاسی طاقتوں کی انتہائی غیر معمولی صف بندی اور ٹکراؤ — لینن نے کہا ہے "ہمیں اپنا انقلاب انتہائی مشکل حالات میں شروع کرنا پڑا — ایسے حالات میں جن کا سامنا دنیا میں بعد میں آنے والے مزدور انقلابوں کو نہیں کرنا پڑے گا"۔ ان حالات نے انقلاب روس کو بے مثل بنا دیا۔

مشرقی یورپ کے ملکوں میں عوامی جمہوری انقلابات سرمایہ داری کے ارتقاء کے بعد کے مرحلے میں اور ہٹلری فاشزم کے غلبے سے اس علاقے کی آزادی کے پس منظر میں ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان انقلابات کی بھی اپنی ایک مخصوص، بے مثل شبیہ، ترقی کے خود ان کے اپنے مرحلے اور سرمایہ داری سے سوشلزم کی سمت عبور میں سیاسی شکلوں کے تسلسل کے عناصر کا اونچا تناسب تھا۔ ان تمام چیزوں کے باعث ان انقلابوں کو اکتوبر انقلاب سے قدرتی طور پر مختلف قسم کے سوشلسٹ انقلاب کہا جا سکتا ہے۔ ایشیاء اور کیوبا میں بھی سوشلسٹ انقلابات خود اپنی امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں۔

آج ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں ایک اور قسم کے سوشلسٹ انقلاب کے لئے بنیادی شرطیں تشکیل پا رہی ہیں جس کی خصوصیت غالباً سماجی تبدیلی کا کثیر مرحلہ جاتی سلسلۂ عمل ہوگا۔

صنعتی حیثیت سے ترقی یافتہ ملکوں میں سرمایہ داری توقعات کے برخلاف زیادہ پائیدار اور سخت جان ثابت ہوئی ہے، اس لئے

ان ملکوں میں مزدور طبقہ سرمایہ دارانہ سماجوں کے چوکھٹے کے اندر نسبتاً لمبے عرصے تک ۔ کے لئے جدوجہد کی سمتیں اور شکلیں تلاش کرنے کے مسئلے سے دوچار ہو گیا ہے ۔ پھر بھی سوشلزم کی ضرورت کچھ کم شدید نہیں ہے ۔ اس کے برعکس، جدید سرمایہ داری کی ترقی میں آگے کی سمت ہر قدم اس حقیقت کو نمایاں کرتا جا رہا ہے کہ نوع انسان کے لئے سوشلسٹ امکان سے بہتر کوئی اور امکان نہیں ہے لیکن ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں میں سوشلزم کی سمت عبور بالکل الگ انداز میں واقع ہوگا بلکہ سرمایہ دارانہ دنیا میں عالمی انقلابی سلسلۂ عمل الگ الگ ملکوں کے سرمایہ نظام سے باہر نکل جانے اس سے الگ ہو کر سوشلسٹ نظام میں شامل ہو جانے کے ذرائع واضح نہیں ہو گا بلکہ اپنی ہی سرزمین پر سرمایہ داری پر رفتہ رفتہ غلبہ پانے کے ذریعہ نسبتاً طویل درمیانی مرحلوں کے ذریعہ واقع ہو گا جن میں سے ہر مرحلے کے دوران عبوری دور کے جمہوری مسئلے حل کئے جائیں گے ۔

ہم نام نہاد "قدامت پرست" لہر کے جمہوری متبادل کے فوری مرحلے کی پیش بینی کر سکتے ہیں ۔ مزدور طبقے اور جمہوری طاقتوں کے سامنے فریضہ یہ ہے کہ سامراجی رجعت پرستی کے حملے کو روکا جائے اور تکنیکی انقلاب کو ایک جمہوری اور غیر عسکریت پسند شکل دی جائے جو محنت کش عوام کے مفادوں سے میل کھاتی ہو ۔ اس فوری متبادل کو عملی جامہ پہنانے کے معنی اب تک بھی ریاستی اجارہ دار سرمایہ داری کی بیخ کنی نہیں ہیں ۔ لیکن مزدور طبقے، درمیانی طبقوں اور عوامی جمہوری تحریکوں کے تعاون کے لئے ایک وسیع محاذ کے قیام کے ذریعہ وہ سامراج کی بدترین رجعت پرست جنگباز طاقتوں کا راستہ روک سکتا ہے، انہیں اقتدار کے نظام میں کلیدی موقفوں سے بے دخل کر سکتا ہے اور اس طرح سوشلسٹ امکان کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ ضروری اور بنیادی مخالف اجارہ دار تبدیلی کا راستہ ہموار کر سکتا ہے ۔

ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں سوشلسٹ انقلاب کے تئیں مخصوص رویہ اور اس کی سمت عبور انقلابی جدوجہد کی حکمت عملی اور تدبیروں کے انقلابوں کی سیاسی طاقتوں کی تشکیل، سماجی اور طبقاتی اتحادوں کے قیام، جمہوری پارٹیوں کے تفاعل، حکومت میں مزدور طبقے کے نمائندوں کی شرکت کے کئی سوالوں پر نئی نظر ڈالنے کے لئے مجبور کرتے ہیں ۔ ترقی یافتہ سرمایہ داری کے علاقے میں جو صورت حال پیدا ہوئی ہے، وہ اکتوبر انقلاب اور دوسرے فتحمند سوشلسٹ انقلابوں کے تجربے سے تخلیقی انداز میں فائدہ اٹھانے کی دعوت دیتی ہے ۔

اس کے ساتھ یہ تجربہ اپنی لازوال اہمیت برقرار رکھتا ہے کیونکہ تمام ملکوں میں مزدور طبقے اور اس کے حلیفوں کو سرمایہ داری سے سوشلزم کی سمت عبور کے بعض مشترکہ مسئلوں سے نمٹنا پڑتا ہے ۔ ان میں خاص طور پر، مزدور طبقے اور اس کے حلیفوں کے اقتدار ۔ سوشلسٹ طرز کے اقتدار ۔ کا قیام، پیداواری تعلقات کی بنیادی اصلاح اور تشکیل نو، انقلاب دشمن طاقتوں کی دست درازیوں کے خلاف انقلابی کامیابیوں کی مدافعت کے مسئلے بھی شامل ہیں ۔ کسی ملک کی صورت حال کی امتیازی خصوصیات کچھ ہی کیوں نہ ہوں، عالمی انقلابی سلسلۂ عمل عام اور خاص کی جدلیات کا تابع ہوتا ہے جو عصر حاضر کے سماجی انقلاب کو تنوع میں اتحاد کی حیثیت سے سمجھنے کی کنجی مہیا کرتی ہے ۔

ترقی پذیر ملکوں میں سوشلسٹ تبدیلی کی سمت عبور اور بھی مشکل ہے ۔ آج کی دنیا میں، جو زیادہ سے زیادہ بین الاقوامی سانچے میں ڈھلتی جا رہی ہے، ان میں سے اکثر و بیشتر ملک اپنے آپ کو بین الاقوامی معاشی اور سیاسی تعلقات کے نظام کے اندر محبوس پاتے ہیں جو ان کی ترقی پسند ترقی کے امکانات کو بگاڑ دیتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قومی آزادی کے کئی انقلابات "رک" رہے ہیں بلکہ پیچھے پلٹ رہے ہیں ۔ آج زیادہ سے زیادہ شدت سے یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ان انقلابوں کا معاشی پروگرام نئے عالمی معاشی نظام کے قیام کی فوری ضرورت سے الجھ گیا ہے ۔ آج اس نظام کا قیام تمام عالم انسانیت کی مشترکہ فکر مندی کا ایک بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے اہم مرکزوں میں جمہوری تبدیلی سے جڑا ہوا ہے ۔

عصری سماجی انقلاب کے اصل دھارے میں اکثر و بیشتر نوآبادیوں اور محکوم ملکوں کی قوموں نے سیاسی آزادی حاصل کر لی ہے اور عالمی سیاست کے کرد پور شریک کار بن گئی ہیں ۔ آزادی کا جذبہ جو عصر حاضر کی روح رواں ہے، عالمی میدان میں طاقتوں کا نیا توازن اور حقیقی سوشلزم کی طرف سے مدد یہ وہ چیزیں ہیں جو قوموں کو اپنی ترقی کا راستہ خود آپ منتخب کرنے ۔ حق اور آزادی میں مدد دیتی ہیں ۔

یہ اکتوبر انقلاب ۔ نئے عہد کی ایک عظیم کامیابی ہے ۔ لیکن یہ اب تک بھی تیسری دنیا کے مسئلے کو حل نہیں کر پائی ہے ۔ یہ مسئلہ ایک

(باقی ص ۱۲ پر)

کلکتہ میں منعقدہ ساف گیمس کے چند مناظر





۲۰ نومبر [illegible] کو ساف گیمس کی افتتاحی تقریب کے موقع پر سالٹ لیک اسٹیڈیم کا ایک منظر۔



ساف گیمس کے افتتاح کے موقع پر طالبات کا افتتاحی مارچ پاسٹ



عورتوں کے ۴۰۰×۴ میٹر کے ریلے ریس کا ایک منظر۔ آگے سسی ویرا سنگھے (سری لنکا) اور اس کے پیچھے شائنی ابراہام (ہندستان)



ریاستی حکومت کے وزیر کھیل کود
شری سبھاش چکرورتی ساف گیمس
کے دوران سالٹ لیک اسٹیڈیم
میں ہندستان کی فٹ بال ٹیم کے
کھلاڑیوں سے مصافحہ کرتے
ہوئے۔

ساف گیمس ۸۷ء
باکسنگ





عورتوں کے ۴۰۰ میٹر دوڑ میں کامیاب
ہونے والی اوّل، پی۔ ٹی اوشا (ہندستان)
اس کے دائیں، دوئم شائنی ابراہام (ہندستان)
اور بائیں، سوئم سما بجے ویرا (سری لنکا)۔

تصویریں از: اجیت داس۔

کلکتہ میں منعقدہ

ساف گیمس ۱۹۸۷ء

غالب نے سو سال قبل کلکتہ کا یوں ذکر کیا تھا

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں!
اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے

یہی بات آج بھی کلکتہ پر صادق آتی ہے۔ اسکی ایک چھوٹی سی مثال حالیہ "ساف گیمس" ہے۔ یہ گیمس حال ہی میں کلکتہ میں ہوئے۔ اس موقع پر کلکتہ کی شاہراہوں کو خوبصورتی سے سجایا گیا۔ ۲۰ر نومبر کو سالٹ لیک اسٹیڈیم میں اس ساف گیمس کا افتتاح کیا گیا۔ اس دن سالٹ لیک اسٹیڈیم کو پھول پتیوں اور مختلف رنگوں کی روشنی سے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا وہاں تقریباً ایک لاکھ شیدائیوں کی موجودگی میں صدر جمہوریہ ہند شری وینکٹ رمن نے تیسرے جنوبی ایشیائی فیڈریشن (یعنی ساف) گیمس کا یہ کہتے ہوئے افتتاح کیا کہ:

"میں تیسرے ساف گیمس کا افتتاح کرتا ہوں جو کلکتہ میں منعقد ہو رہا ہے"۔

صدر کے اس اعلان کے بعد لوگوں نے تالیاں بجائیں اور نعرہ ہائے مسرت بلند کئے۔ اس کے ساتھ ہی اس اسٹیڈیم میں نصب کردہ بجلی سے چلنے والے ایک بورڈ پر یہ الفاظ ابھر آئے:

"ساتھیو! کلکتہ سبھوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ کلکتہ کھیلوں کا شہر ہے، محبت اور دوستی کا شہر ہے، وہ آپ کے لئے نظریں بچھائے ہوئے ہے"۔

ساف گیمس کی رنگا رنگ افتتاحی تقریب میں ساف گیمس کی ایگزیکیٹیو کمیٹی کے چیئرمین وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے اپنی تعارفی تقریر میں کہا کہ ساف گیم امن کا نقیب ہوگا۔ کھلاڑیوں کے درمیان دوستی، بھائی چارگی اور محبت کے جذبے کو فروغ ہوگا۔ میں جنوب ایشیا کے سات ملکوں سے آئے ہوئے کھلاڑیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کلکتہ اور بنگال کے جیالے لوگ کھیل کود کے رسیا ہیں۔ آپ جب واپس جائیں گے تو اپنے دلوں میں حسین یادیں محفوظ کرلیں گے۔ دوستی اور محبت کی سوغات لے کر جائیں گے۔ انڈین اولمپک ایسوسی ایشن کے نئے صدر ادتیان نے مختصر تقریر میں ساف گیمس ۱۹۸۷ء کی کامیابی کی دعائیں مانگیں اور ان کی درخواست پر صدر وینکٹ رمن نے ساف گیمس کا افتتاح کیا۔ گورنر مغربی بنگال پروفیسر نورالحسن نے اس پر اظہار مسرت کیا کہ کلکتہ نے اتنے عظیم الشان کھیل کا انعقاد کیا ہے۔ کلکتہ کے رسیا ساف گیمس ۱۹۸۷ء کو کامیاب بنائیں گے۔ امن کے جذبے کو بھی تقویت ملے گی۔ صدر کے ساف گیمس ۱۹۸۷ء کا افتتاح کرنے کے ساتھ ساتھ امن کی سفید فاختائیں اڑائی گئیں۔ رنگ برنگے غبارے اور بیلون آسمان کی جانب کئی جھنڈ میں پرواز کرنے لگے۔ یہ بڑا دلفریب منظر تھا۔ سالٹ لیک اسٹیڈیم خوشی سے جھوم رہا تھا۔

اس کے بعد ساف گیمس میں حصہ لینے والے سات ملکوں یعنی بنگلہ دیش، بھوٹان، مالدیپ، نیپال، پاکستان، سری لنکا اور میزبان ہندوستان کے کھلاڑیوں نے مارچ پاسٹ میں حصہ لیا اور صدر کو سلامی دی۔ ہندوستان کی دوڑکی رانی پی۔ ٹی۔ اوشا نے تمام کھلاڑیوں کی طرف سے حلف لیا — اس دن اسی اسٹیڈیم میں ایک خالص بنگالی بابو اور ان کی تہذیب کی عکاسی کرنے والا بابو جو ساف گیمس کا مسکٹ تھا کرتا اور دھوتی پہنے تمام کھلاڑیوں کو سلام کر رہا تھا اور انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

افتتاحی تقریب کے آغاز سے کچھ پہلے نیتاجی انڈور اسٹیڈیم

سے مشعل سالٹ لیک اسٹیڈیم میں لائی گئی۔ ہندوستان کے مایۂ ناز سابق اتھلیٹ (رنر) ملکھا سنگھ نے مشعل لی، دوڑنا شروع ہوا نصف راستہ طے کیا پھر شاٹ ہٹ چیمپئن سبرآبادت کے حوالے کی جو مشعل لئے اسٹیڈیم کے آخری سرے پر پہنچی جہاں اس نے سابق اولمپک ہاکی کیپٹن لیلی کلاڈیس کو دی جس سیڑھیاں طے کر تاروسٹرم پر گیا جہاں اس نے مشعل سے آگ جلائی جو سات دنوں تک سالٹ لیک اسٹیڈیم میں جلتی رہی۔

افتتاحی تقریب کے بعد ثقافتی پروگرام شروع ہوا۔ رقص و سرود تماشائی پر جادو کرنے لگے۔ فضا میں رس گھول رہے تھے۔ مختلف تنظیموں اور اسکولوں کی لڑکیوں نے رقص کا کمال دکھایا۔ اشوک ہال نے اچھا رقص پیش کیا مگر سب سے اچھا مظاہرہ لوریٹو ڈے کی لڑکیوں نے کیا۔ بہترین رقص اور پھر اسی ترتیب میں ناچتے ہوئے کھڑے اور بیٹھے کہ انگریزی میں ساف گیمس ۸۷ء کلکتہ میدان میں ابھر آئے۔ آنند اور رجام شری شنکر نے خوش آمدید رقص پیش کیا۔ دلفریب اور رنگین نظاروں کے درمیان ساف گیمس ۸۷ء کی افتتاحی تقریب ختم ہوئی۔

دوسرے دن یعنی ۲۱ر نومبر ۸۷ء سے اسپورٹس اور کھیل کود پروگرام باقاعدہ شروع ہو گیا۔ ساف گیمس میں مذکورہ بالا سات ملکوں کے کم و بیش ... کھلاڑیوں اور اتھلیٹس نے شرکت کی۔ یہ کھیل کود اور اسپورٹس دس دنوں تک جاری رہا اور مندرجہ ذیل جگہوں میں ان کا انتظام کیا گیا۔

(۱) سالٹ لیک اسٹیڈیم — اتھلیٹک اور فٹ بال، (۲) نیتاجی انڈور اسٹیڈیم — والی بال، باسکٹ بال اور باکسنگ، (۳) کھودی رام انوسیلن کیندر — ٹیبل ٹینس اور ویٹ لفٹنگ، (۴) سوبھاش سروبار سوئمنگ پول — تیراکی، (۵) کبڈی ایسوسی ایشن گراؤنڈ، کلکتہ منومنٹ کے قریب — کبڈی اور (۶) نیتاجی سبھاش نیشنل انسٹی ٹیوٹ، اسپورٹس انڈور ہال — کشتی۔

ان کے علاوہ کھو کھو کھیل کو آزمائشی اور نمائشی مقابلہ میں رکھا گیا۔

ان سات ملکوں کے کھلاڑیوں اور اتھلیٹس نے اسپورٹس اور کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نئے نئے ریکارڈس قائم کئے۔ ان کے ان ریکارڈس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ سب لگن کے ساتھ حسب ضروری تربیت کو جاری رکھیں تو اولمپک میں بھی یہ تمغے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کی پی۔ ٹی۔ اوشا نے ۲۰۰ میٹر دوڑ کو ۲۴٫۱۴ سیکنڈ میں اور ۴۰۰ میٹر دوڑ کو ۵۳٫۴۴ سیکنڈ میں طے کیا۔ یہ دونوں نئے ریکارڈ ہیں۔

اسی طرح ۱۰۰×۴ ریلے ریس میں ہندوستان اوّل آیا۔ اس کا وقت ۳ منٹ ۱۵٫۴۱ سیکنڈ تھا۔ یہ بھی ایک نیا ریکارڈ ہے۔ نیز مردوں کے لمبی دوڑ (تقریباً ۲۰ میل) جسے مراتھن دوڑ کہتے ہیں۔ نیپال کے بائی کو تم مندھیر (وقت ۲ گھنٹے، ۱۵ منٹ، ۳ سیکنڈ)، ۴۰۰ میٹر دوڑ میں پاکستان کے محمد حنیف نے (وقت ۴۷٫۲۲ سیکنڈ)، ۵۰۰۰ میٹر دوڑ میں ہندوستان کے دلویر سنگھ (۱۴ منٹ ۳۲٫۴۸ سیکنڈ)، اور ۱۰۰×۴ میٹر دوڑ میں پاکستان کی ٹیم (۳ منٹ ۱۱٫۱۸ سیکنڈ) نے نئے ریکارڈس قائم کئے۔ اس طرح اور بھی بہت سارے ریکارڈ قائم کئے گئے۔

ساف گیمس میں اول آنے والوں کو سونے کے، دوئم کو چاندی کے اور سوئم کو کانسے کے تمغے دئے گئے۔ ہندوستان نے ان گیمس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

تمغوں کی تفاصیل درج ذیل ہیں

ملک	سونا	چاندی	کانسہ	کل
۱۔ ہندوستان	۹۱	۴۵	۱۹	۱۵۵
۲۔ پاکستان	۱۶	۳۶	۱۳	۶۵
۳۔ سری لنکا	۴	۸	۲۳	۳۵
۴۔ بنگلہ دیش	۳	۱۹	۳۲	۵۴
۵۔ نیپال	۲	۷	۳۳	۴۲
۶۔ بھوٹان	—	۱	۵	۶

آٹھ دن کے بعد جنوبی ایشیائی فیڈریشن گیمس پایۂ اختتام کو پہونچا۔ ۲۰ر نومبر ۸۷ء کو سالٹ لیک اسٹیڈیم میں الوداعی جشن کا انتظام کیا گیا۔ اس دن ہندوستانی اولمپک ایسوسی ایشن کے صدر شری ایس۔ اودیتان نے گیمس کے اختتام کا اعلان کیا جب انہوں نے مشعل کو بجھا دیا اور آدیزاں علم کو کلکتہ کارپوریشن کے میئر شری کمل باسو کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اسے اسلام آباد میں آئندہ ایس ایف گیمس کے منعقد ہونے تک اپنے پاس رکھیں۔ ہندوستان کی ٹیم کو ایک ٹرافی دیا گیا کیوں کہ اس ٹیم نے اسپورٹس اور کھیل کود میں اوّل مقام حاصل کیا۔ مرکزی وزیر برائے انسانی وسائل شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ نے اس ٹرافی کو ہندوستان



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ۲۴ نومبر ۱۹۸۷ء کو سالٹ لیک اسٹیڈیم کلکتہ میں ساف گیمس کی الوداعی تقریب کے موقع پر طالبات کے مارچ پاسٹ کی سلامی لیتے ہوئے۔ وزیر اعلیٰ کے بائیں ہندستانی اولمپک ایسوسی ایشن کے صدر شری ایس۔ ادیتان اور دائیں کلکتہ کارپوریشن کے میئر شری کمل باسو بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

کے تین ایتھلیٹس، شاتی ابراہام، سینی جوسف اور آنند شیٹی کو دیا۔ تینوں ہندستانی ٹیم کے نمائندہ تھے۔ اس موقع پر شری نرسمہا راؤ نے مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کی امداد اور تعاون کے ذریعہ یہ گیمس کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچا۔ اس تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور وزیر کھیل کود شری سبھاش چکرورتی بھی موجود تھے۔

سات دنوں تک سات ملکوں کے کھلاڑیوں نے کھیل کود اور اسپورٹس میں حصہ لیا۔ ان کی شرکت پڑوسی ملکوں میں دوستی اور بھائی چارگی کو فروغ دے گی۔ اختتامیہ جشن میں تفریح کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اسٹیڈیم میں بابو نے ہاتھ جوڑ کر سبھوں کو الوداعی سلام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اسکولوں کی طالبات نے مختلف رنگوں کے علم کو لہراتے ہوئے مارچ پاسٹ کیا۔ بردوان ضلع کے تقریباً ایک سو آدی باسی نوجوانوں نے لوک ناچ پیش کیا۔ اس کے بعد ہندستانی ہوائی فوج کے آٹھ سپاہی ونگ کمانڈر جارج گرس کی سربراہی میں اڑتے ہوئے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعہ اسٹیڈیم کے میدان میں اترے۔ فوجی یونٹ نے قومی موسیقی سے سامعین کو سرشار کیا۔ اس کے بعد پٹاخے چھوڑے گئے۔ اس طرح یہ جشن پایۂ اختتام تک پہونچا۔

عالمگیر نوعیت کا مسئلہ ہے جس کے لئے تمام عالم انسانیت کی متحدہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ اپنی ترقی کا راستہ اور شکل خود آپ منتخب کرنے کا حق اور آزادی ایک ایسا سوال ہے جو سامراجی نظام کے ہاتھوں ترقی پذیر ملکوں کے نو استعماری استحصال کے خلاف طویل اور صبر آزما جدوجہد سے ابھرا ہے۔

ہمارے دور کا اصل جوہر ترقی پذیر قوموں کی سب سے زیادہ ترقی پسند طاقتوں کو سوشلزم اپنا لینے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ترقی پسند ترقی کے لئے ایک طویل مدتی امکان کی حیثیت، جو مشکلوں اور تضادوں سے بھرا ہوا ہے، سوشلسٹ راستہ کے انتخاب کے بارے میں ایک حقیقت پسند رویہ ہونا چاہئے۔ سوشلسٹ رخ رکھنے والے ملکوں میں ترقی یافتہ سماجی ڈھانچے ان کی متواتر ترقی میں سرمایہ دارانہ تعلقات کے فروغ کو لگام دیتے ہوئے اور سوشلسٹ معاشی طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ فائدہ مند اقدامات کے لئے حالات مہیا کرتے ہیں۔ بہرحال، تجربہ بتاتا ہے کہ سوشلسٹ رخ کو حقیقی حالات اور امکانات سے ناپا جانا چاہئے اور اسے مساوات اور انصاف کے اصولوں کے مطابق بین الاقوامی معاشی اور سیاسی تعلقات کے نظام کی تشکیل نو میں عصر حاضر کی تمام انقلابی اور جمہوری طاقتوں کی بین الاقوامی یک جہتی کے ساتھ جوڑا جانا چاہئے۔

سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر کا افتتاح

یکم نومبر سلی گوڑی کے عوام کے لئے انتہائی خوشی کا دن تھا کیونکہ اس دن وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے سلی گوڑی میں ایک انفارمیشن سنٹر (اطلاعاتی مرکز) کا افتتاح کیا۔ ہزاروں لوگوں نے سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر وزیر اعلیٰ کا خیر مقدم کیا۔ ریڈ کراس اور مختلف تنظیموں کے رنگین لباس میں ملبوس لڑکے اور لڑکیوں نے وزیر اعلیٰ کو رنگ برنگ کے بھیس دکھاکر استقبال کیا۔ شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے وزیر انچارج شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے اس موقعہ پر منعقدہ تقریب کی صدارت کی اور پہاڑی ترقیاتی امور کے وزیر برائے ریاست شری داوا لاما نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس میں شرکت کی۔ وزیر خوراک و رسد شری نرمل بوس بھی تقریب میں شریک تھے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اس مرکز کے اوڈیٹوریم کو "دینا بندھو منچ" کا نام دیا۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ مشہور ڈرامہ نگار دینا بندھو مترا نے پسماندہ اور کچلے ہوئے عوام کے مفاد کے لئے جدوجہد کی تھی انہوں نے مزید کہا کہ انیسویں صدی کے مصلح رہنماؤں نے لوگوں کو سماجی برائیوں کی ظلمت سے نکالا۔ انہوں نے راجستھان میں ہونے والے ستی کے واقعہ پر جس میں ایک ۱۸ سالہ لڑکی کو زندہ جلادیا گیا' اپنے گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انیسویں صدی کے احیاء نو کے رہنما کی حیثیت سے راجا رام موہن رائے اور ودیا ساگر نے بیوہ کو زندہ جلادینے اور قبل از وقت شادی جیسے رسومات کے خلاف جنگ کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ مغربی بنگال اس طرح کے واقعات سے پاک ہے۔ انہوں نے ان مختلف علیحدگی پسند تحریکوں سے جن میں جی این ایل ایف کی سرگرمیاں شامل ہیں، لوگوں کو چوکنا رہنے کی تلقین کی' جو ملک میں لوگوں کے اتحاد کو ختم کردینے میں سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر صحت مند ثقافتی ماحول تیار کررہے ہیں منصوبہ بند خدمات انجام دے گا۔ وزیر اعلیٰ نے انفارمیشن سنٹر کے تعمیراتی کام سے منسلک تمام افراد کو دلی مبارکباد بھی دی ہے۔ پہاڑی ترقیاتی امور کے وزیر شری داوا لاما نے اس طرح کے مرکز کے قیام کے لئے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کو مبارکباد کا مستحق ٹھہرایا۔ انہوں نے کہا کہ پہاڑی لوگ جی این ایل ایف کی شر پسندی کی وجہ سے سلی گوڑی کے عوام کے ساتھ اس تقریب کی خوشی میں شامل نہ ہو سکے۔

وزیر خوراک و رسد شری نرمل بوس نے سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر ہونے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مرکز شمالی بنگال کے لوگوں کی ثقافت ضروریات کو پورا کرے گا۔

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے وزیر انچارج شری بدھا دیب بھٹاچاریہ نے کہا کہ وہ اس تقریب کے موقع پر علاقے کے لوگوں کی خوشی میں برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں سلی گوڑی کے ٹاؤن ہال کو انفارمیشن سنٹر کی شکل دینے کے مراحل کی وضاحت کی۔ انہوں نے بائیں محاذ حکومت کی ثقافتی پالیسیوں کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے اپنی سرگرمیوں کو کلکتہ سے ریاست کے مختلف علاقوں میں لامرکوز بنادینے کے پیش نظر سلی گوڑی میں اتنا خوبصورت مرکز قائم کیا ہے —— انہوں نے کلکتہ کے ایک روزنامہ کی تنقید کی جس نے سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر کے قیام کے لئے بائیں محاذ حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے اس سلسلے میں تعمیرات عامہ کے انجینئروں اور ملازمین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے سکریٹری شری دلیپ بھٹاچاریہ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں وزیر اعلیٰ کی شرکت کے لیے دلی خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر کی تشکیل میں سلی گوڑی کے عوام کو ان کے تعاون پر مبارکباد دی۔

شعبۂ تعمیرات عامہ کے اسسٹنٹ انجینئر بملیش گھوں نے انفارمیشن سنٹر کی تصویروں پر مشتمل ایک البم وزیر اعلیٰ کو اور دوسرا وزیر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کو پیش کیا۔

وزیر اعلیٰ نے انفارمیشن سنٹر میں ایک نمائش بعنوان "ترقی کی ایک دہائی" کا افتتاح بھی کیا۔

سلی گوڑی کے انفارمیشن سنٹر میں ۸۷۶ نشستوں کا ایک آڈیٹوریم ایک نمائش ہال' ایک لائبریری مع مطالعہ گھر ہیں ٭٭٭

عوامی تعطیلات ۱۹۸۸ء

حکومت مغربی بنگال نے سال ۱۹۸۸ء کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کا دن قرار دیا ہے:

★★ نیتا جی کا جنم دن اور سری پنچمی — ۲۳ر جنوری، یوم جمہوریہ — ۲۶ر جنوری، دول جاترا — ۳ر مارچ، گڈ فرائڈے — یکم اپریل، بنگلہ نئے سال کا پہلا دن — ۱۴ر اپریل، عید الفطر — ۱۸ر مئی، ★ بینک اکاؤنٹس کی نصف سالہ بندی — ۳۰ر جون، عید الضحیٰ — ۲۵ر جولائی، یوم آزادی — ۱۵ر اگست، محرم — ۲۴ر اگست، جنم اشٹمی — ۳ر ستمبر، مہالایا — ۱۰ر اکتوبر، درگا پوجا سپتمی / اشٹمی، نومی اور دسمی — ۱۷ر اکتوبر تا ۲۰ر اکتوبر، لکشمی پوجا اور فاتحہ دوازدہم — ۲۴ر اکتوبر، کالی پوجا — ۸ر نومبر، گرونانک کا جنم دن — ۲۳ر نومبر ★ بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی — ۳۱ر دسمبر۔

نوٹ: (الف) این۔ آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔

(ب) اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر مذکورہ بالا فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلمان سرکاری ملازمین کو اعلان کردہ دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ تہوار منائیں گے۔

(ج) چونکہ سال ۱۹۸۸ء میں یوم مئی (یکم مئی) گاندھی جی کا جنم دن (۲ر اکتوبر) اور کرسمس ڈے (۲۵ر دسمبر) اتوار کے دن ہیں اور جو این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

★ ٹریزری اور سب ٹریزری کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر ۳۰ر جون اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو جنہیں اس اعلانیہ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن قرار دئے گئے ہیں، کھلے رہیں گے۔

★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفتروں میں ہوگا جہاں ہر مہینے کے دوسرے اور چوتھے سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے ہیں۔

سال ۱۹۸۸ء کے مندرجہ ذیل دنوں میں جنہیں عوامی تعطیلات کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے، کلکتہ کے رجسٹرار آف انشورنس اور اسٹامپ ریونیو کے کلکٹر کے دفاتر کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کے دیگر دفاتر بند رہیں گے۔

درگا پوجا ۲۱ر اکتوبر اور ★★ ۲۲ر اکتوبر۔

نوٹ: چونکہ رابندر ناتھ کا جنم دن (۸ر مئی) اور درگا پوجا (۲۳ر اکتوبر) اتوار کے دن ہیں اور جو این۔ آئی کے ایکٹ کے تحت عوامی تعطیلات کے دن ہیں اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں ہر مہینہ کے دوسرے اور چوتھے سنیچر پوری تعطیل کے دن نہیں ہوتے۔

گورنر کے اعلانیہ کے تحت سال ۱۹۸۸ء کے مندرجہ ذیل دنوں میں مختلف فرقوں کے ملازمین کے لئے شعبہ جاتی تعطیلات ہوں گی:

مہابیر جینتی (صرف جین مذہب والوں کیلئے) — ۳۱ر مارچ

شب برات (صرف مسلمانوں کے لئے) — } ۲ر اپریل

ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کے لئے) — } ۲ر اپریل

بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے) — تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا

نوٹ: چونکہ بودھ پورنیما یکم مئی ۱۹۸۸ء (صرف بدھ مت والوں کے لئے) کو پڑ رہا ہے اور یہ اتوار کا دن ہے جو این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت عوامی تعطیل کا دن ہے اس لئے اسے شعبہ جاتی تعطیل کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

گورنر کے حکمنامے کے تحت ایک سرکاری ملازم محدود تعطیلات کے مندرجہ ذیل دنوں میں سے کوئی دو دن کی تعطیل سے حسب خواہ مستفیض ہو سکتا ہے:

نیا سال۔ یکم جنوری جمعہ، پوس سنکرانتی۔ ۱۵ر جنوری جمعہ، سکرات — ۱۶ر جنوری سنیچر، گرو ربی داس کا جنم دن — ۲ر فروری منگل، شیوراتری — ۱۶ر فروری منگل، ہولی / پاہا — ۴ر مارچ جمعہ ★★ رام نومی — ۲۶ر مارچ سنیچر، رتھ جاترا۔ ۱۵ر جولائی جمعہ، ★★ رکشا بندھن — ۲۷ر اگست سنیچر، دیوالی — ۹ر نومبر بدھ، بھراتری دوتیہ میلہ۔ ۱۱ر نومبر جمعہ، راش جاترا — ۲۲ر نومبر منگل، بکریشور میلہ (صرف بیر بھوم ضلع کیلئے) — ۱۷ر فروری بدھ، منشا میلہ (صرف مرشد آباد ضلع کیلئے) — ۴ر مارچ جمعہ، بوڑھ دول (صرف ندیا ضلع کیلئے) — ۲۸ر مارچ سوموار، مکتیسر کالی پوجا (صرف بیر بھوم ضلع کیلئے) ۱۶ر اپریل سنیچر، رام کیلی میلہ (صرف مالدہ ضلع کیلئے) ۱۵ر جون بدھ، مناسکا پرچا میلہ (صرف جلپائی گوڑی کیلئے) ۱۸ر اگست جمعرات، پرنر جاترا (صرف ضلع ہگلی کیلئے) تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائیگا، پنڈوا میلہ (صرف مالدہ ضلع کیلئے) تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا ★★ اس کا اطلاق ان سرکاری دفاتر میں ہوگا جہاں ہر مہینہ کے دوسرے اور چوتھے سنیچر تعطیل کے دن نہیں ہوتے — نوٹ: چونکہ امسال بسنت پنچمی تہوار ۲۴ر جنوری ۱۹۸۸ء (صرف پرولیا ضلع کیلئے) اتوار کا دن ہے اور جو این۔ آئی ایکٹ کے تحت عوامی تعطیل کا دن ہے۔ اس لئے اسے محدود تعطیل کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ (پریس نوٹ)



راج بھون کلکتہ میں ۱۴ر نومبر ۸۵ء کو سائنسی مزاج کو فروغ دینے اور خود کفیل بننے کے لئے سائنسی مشاورتی کمیٹی کے ممبروں کی مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر نورالحسن کے زیر صدارت ایک نشست میں ریاستی حکومت کے وزیر اطلاعات وثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ تقریر کرتے ہوئے

*Chief Editor : Pulindra Krishna Bhattacharya Editor : Dhirendra Dutta **Associate Editor** Md Azam Asstt Editor : Md Mustafa. Published by the* ***Information & Cultural affairs Dept.*** *of Govt of* ***West Bengal*** *and Printed by G R T Printers 25,* ***Panchanantala Road, Calcutta-700 048***

PRICE 12 Paise

میں تیسرے ساف گیمس کا
جو کلکتہ میں ۱۹۸۹ سے
افتتاح کرتا ہوں۔

صدر جمہوریہ ہند شری وینکٹ رمن ۲۰ر نومبر ۱۹۸۹ء کو
تیسرے ساف گیمس کا افتتاح کرتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو
۲۰ر نومبر ۱۹۸۹ء کو
ساف گیمس کی افتتاحی
تقریب میں تقریر
کرتے ہوئے۔


مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
نائب مدیر : محمد اعظم
مدیر معاون : محمد مصطفیٰ

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے ★ اس شمارے کی قیمت: بارہ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:

بزنس منیجر،
شعبۂ اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر این مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۲ ★ ۱۵/ دسمبر ۱۹۸۷ء ★ شمارہ نمبر ۲۳

حال ہی میں کلکتہ میں جیمنی رائے کے صد سالہ سالگرہ کے موقع پر منعقدہ ایک سیمینار میں وزیر اطلاعات وثقافتی امور شری بدھا دیب بھٹاچاریہ افتتاحی تقریر کرتے ہوئے

وزیراعظم کے الزامات بے بنیاد ہیں

ــــــــ وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے خلاف ناکارکردگی اور نااہل انتظامیہ کے الزامات عائد کئے گئے، اور یہ الزامات کسی اور ہستی نے نہیں بلکہ بذات خود وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے عاید کئے۔ وزیراعظم نے گزشتہ ۲۴ نومبر کو فرانگاہ میں منعقدہ ایک عام جلسہ میں حکومت مغربی بنگال پر تنقید کی کہ یہ ریاستی حکومت اس ریاست میں مختلف ترقیاتی پروجیکٹوں کو مناسب طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ الزامات بہت ہی گمبھیر ہیں، اور اگر یہ صحیح ثابت ہوں تو ان کا لوگوں پر گہرا اثر پڑے گا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے، گزشتہ ۸ ار نومبر کو رائٹرس بلڈنگس میں اپنے چیمبر میں رپورٹروں سے بات چیت کرتے ہوئے وزیراعظم کے الزامات کی جو انہوں نے حکومت مغربی بنگال کے خلاف عائد کئے تھے، نقطہ در نقطہ تردید کی۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ مغربی بنگال کے عوام نے ان وعدوں کو، جو وزیراعظم نے اس ریاست میں انتخاب کے دوران کئے تھے، فراموش نہیں کیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزیراعظم نے پھر ان وعدوں کو دہرایا، اس طرح انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ لوگوں پر یہ ظاہر کریں کہ مرکزی حکومت مغربی بنگال کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے خلوص کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے تیار ہے جبکہ ریاستی حکومت ایسا کرنا نہیں چاہتی ہے۔ وزیراعلیٰ نے کہا کہ ان کی حکومت بے بس ہے کہ وزیراعظم لاعلمی کا بہانہ کرے اور ریاستی حکومت کے خلاف بے بنیاد الزامات عائد کرے۔

مثال پیش کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے کہا کہ وزیراعظم کے کئے گئے بہت سارے وعدے ابھی تک تشنۂ تکمیل رہ گئے ہیں۔ ابتک صرف ۹۶ کروڑ روپئے ریاستی حکومت کو دئے گئے حالانکہ وعدہ ۱۰۰ کروڑ روپئے کا کیا گیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزیراعظم نے یہ سوال پیش کیا کہ کیوں ریاستی حکومت پاٹ صنعت سے سیلس ٹیکس اٹھا نہیں لیتی۔ لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ مرکز کیوں نہیں آبکاری کو اٹھا لیتا ہے: جہاں پاٹ مل مالکوں کے کہنے کے مطابق سیلس ٹیکس سے بہت ہی کم رقم یعنی صرف ۲۰ کروڑ روپئے حاصل ہوتی ہے۔

وزیراعلیٰ نے مزید کہا کہ پاٹ صنعت کی جدت کاری کے لئے فراہم کردہ فنڈ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور ابتک صرف تین ملوں کی طرف سے جدت کاری کے لئے درخواستیں موصول ہوتی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کسی بھی بند پاٹ مل کو دوبارہ کھولنے کے لئے مرکز نے ابتک کچھ نہیں کیا، اور ریاستی حکومت کے شعبۂ محنت کی مداخلت کے بعد ہوڑہ میں ۹ بند پاٹ مل دوبارہ کھل گئے۔

وزیراعلیٰ نے مزید کہا کہ ریاستی اسمبلی کے لئے انتخاب ہونے کے آٹھ مہینے ہو گئے لیکن اب تک کلکتہ کے ہوائی اڈہ میں ایک نیا "ٹرمینل ہاؤس" کی تعمیر جس کے سلسلے میں وزیراعظم نے وعدہ کیا تھا، کے لئے کچھ عملی کام نہیں کیا گیا اور نہ ہی سیلینی میں سکہ سازی کے ایک نئے کارخانہ کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔

وزیراعظم کے اس الزام کا، کہ دوسرے ہگلی پل کے تعمیراتی کام کی رفتار بہت سست ہے، حوالہ دیتے ہوئے وزیراعلیٰ نے کہا کہ تعمیراتی فرم بی۔ بی۔ جے نے اس پروجیکٹ کی ذمہ داری سنبھال لی ہے اور یہ فرم مرکز کے زیر اختیار رہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر ایک مرکزی سیکٹر میں ہڑتال ہو جائے تو اس میں ریاستی حکومت مداخلت نہیں کر سکتی اور اس سے تعمیراتی کام کی رفتار ترقی سست ہو جاتی ہے۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

مغربی بنگال میں امداد باہمی تحریک کی رفتارِ ترقی تشفی بخش ہے

بھکتی بھوشن منڈل

انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں امداد باہمی تحریک کی ترقی کے ساتھ ساتھ، لفظ "کوآپریٹیو" (یعنی امداد باہمی) اب گھر گھر عام اور زبان زد ہو چکا ہے۔ اس ریاست میں اب تقریباً ۷۰ لاکھ خاندان امداد باہمی تحریک کے دائرۂ عمل میں آ گئے ہیں۔ تمام ممبرشپ پروگرام کے تحت غیر مضافاتی لوگوں کو تقریباً ۴۰ لاکھ روپے دیئے گئے اور اسی طرح اس پروگرام نے تقریباً ۷٫۶۰ لاکھ خاندانوں کو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ممبر بننے میں مدد کی۔

کوآپریٹیو سوسائٹیاں ایک بہت ہی اہم کام سے یعنی زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے کسانوں کو قرض فراہم کرتی ہیں۔ ۸۷-۱۹۸۶ء میں تقریباً ۷٫۱۰ لاکھ کسانوں کے درمیان تقریباً ۵۴ کروڑ روپے تقسیم کئے گئے۔ مستفید ہونے والوں میں زیادہ تر افراد مالی لحاظ سے کمزور طبقے کے ہیں، نیز تقریباً ۲٫۴۸ میٹرک ٹن کیمیاوی کھاد کوآپریٹیو مارکیٹنگ سوسائٹیوں اور سی پی۔ اے ایس ایس نے تقسیم کی۔ اس ریاست میں جتنی کھاد کی ضرورت ہوتی ہے، کھاد کی مذکورہ مقدار اس کی ایک تہائی تھی۔

مضافاتی آبادی میں سرمایہ کاری کے لئے کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنکوں سے ۸۷-۸۶ء میں تقریباً ۱۱ کروڑ روپئے ۲۱۰۵۰ ممبروں کو بطور قرض فراہم کئے گئے۔ ماہی پروری و ماہی گیری کے کام میں مشغول ۷۳۰۰ افراد کو تقریباً ۴۰ لاکھ روپئے بطور قرض فراہم کئے گئے۔ پان اس ریاست کا ایک اہم زر نقد فصل ہے اور اس کی کاشت کے لئے لینڈ ڈیولپمنٹ بنکوں سے ۸۷-۸۶ء میں تقریباً ۶۰ لاکھ روپے بطور قرض پان کاشتکاروں کو فراہم کئے گئے۔

زرعی پیداوار میں اضافے سے کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی مداخلت لازمی ہو جاتی ہے تاکہ کسانوں کو اچھی اور مناسب قیمتیں ملیں۔ اس میدان میں بھی ریاست کی کوآپریٹیو مارکیٹنگ سوسائٹیوں نے ۸۷-۸۶ء میں ہندوستان کے پاٹ کارپوریشن کے تحت تقریباً ۳۰ کروڑ روپئے کے پاٹ کے ۹۵ر۵ لاکھ لٹھے خریدے گئے۔ ۳۴۵ کوآپریٹیو ٹھنڈا گھر ہیں جن میں ۶۳ء۱ لاکھ میٹرک ٹن اناج رکھنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ جب بازار میں آلو کی کثرت ہو گئی تھی تو اس وقت آلو کو ان ٹھنڈا گھروں میں رکھا گیا تھا۔ نیز اسی طرح آٹھ اور یونٹیں، جن کی مجموعی صلاحیت ۳۲ ہزار میٹرک ٹن ہو گی، بہت جلد ہی چالو کر دی جائیں گی۔

اس ریاست کے مضافاتی علاقوں میں گوداموں کی کافی کمی ہے۔

این سی ڈی سی پروجیکٹ جسے عالمی بنک نے امداد فراہم کی ہے، کے تحت کوآپریٹیو سیکٹر میں بہت سارے گودام تعمیر کئے گئے۔ اس طرح اب تقریباً ۱۵۲۴ کوآپریٹیو گوداموں میں ۷۵ر۱ لاکھ میٹرک ٹن زرعی اور دیگر غلوں کو حفاظت کے ساتھ رکھنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ آئندہ ۴ برسوں میں تقریباً ۷۳۰ گودام گھر تعمیر کئے جائیں گے۔ ان میں ۷۵ر۱ لاکھ میٹرک ٹن اناج رکھنے کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ کوآپریٹیو سیکٹر میں زرعی پیداوار کی پروسیسنگ کے لئے بھی پلانٹ قائم کئے گئے ہیں، اور پاٹ لٹھے تیار کرنے کے پلانٹس میں تقریباً ۴۰۰۰ میٹرک ٹن پاٹ کے لٹھے تیار کئے جاتے ہیں۔

شہری علاقوں میں مکانات کی کمی ایک مسئلہ بن چکی ہے اور اس کمی کو دور کرنے کے لئے تقریباً ۱۹۳۰۰ فلیٹس، زیادہ تر متوسط درجہ اور نچلے متوسط درجے کے لوگوں کے لئے، تعمیر کئے گئے۔

بنکروں کا یہ مسئلہ ہے کہ انہیں سال بھر کام ملتا رہے۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لئے بنکروں کی ایک نئی بنکر کوآپریٹیو سوسائٹی قائم کی گئی ہے جس کے اب تقریباً ۲۰ر۱ لاکھ بنکر ممبر ہیں۔ ان کوآپریٹیو کے تیار ہتھ کرگھے کپڑوں کی فروخت سے ۱۳۲ کروڑ روپئے حاصل ہوئے اور اس طرح اس کوآپریٹیو کے دائرہ میں غریب بنکروں کو سال بھر کچھ نہ کچھ کام ملتا ہی رہے گا۔ کوآپریٹیو سے قبائلی بھی مستفید ہوئے۔ اس ریاست میں ۷۶ ایل اے ایم پی ایس ہیں جن کے تقریباً تمام ممبران قبائلی ہی ہیں، اور اس نے تقریباً

۲۷ لاکھ روپئے کی جنگلاتی پیداوار خریدی۔

اس کے باوجود اب بھی اس ریاست میں امداد باہمی تحریک کو بہت دور چلنا ہے۔ سوسائٹیوں کے ممبروں، ان کے ملازمین اور ریاستی حکومت کے عزم مصمم کے ساتھ کوآپریٹیو سوسائٹیاں اپنے ممبروں کے مفاد کے لئے بہت ہی ٹھوس اور اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔ ہمیں امداد باہمی تحریک کو سب سے پہلے نچلی سطح یعنی ایس کے یو ایس اور پرائمری سوسائٹیاں، سے مستحکم بنانا ہے۔

اگر لوگ پی۔ اے سی۔ ایس اور پرائمری سوسائٹیوں کو مستحکم نہ بنا سکیں تو ترقی پذیر نظریے کے مطابق امداد باہمی تحریک پھل پھول نہیں سکتی ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو مغربی بنگال میں سات ہزار پرائمری سوسائٹیوں کے صحیح حالات سے واقف رہنا چاہئے۔ یہ توم امداد باہمی تحریک کے لئے بھی معاون ثابت ہوگا۔ اگر ہم صرف مرکزی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی طرف تکتے رہیں تو اس سے امداد باہمی تحریک کو تقویت نہیں ملے گی۔ کوآپریٹیو تحریک صرف انتظامی ذرائع سے مستحکم نہیں ہوگی، اس کے لئے سرگرم عمل لوگوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں امداد باہمی تحریک کے فروغ کے لئے ایماندار لوگوں کی مدد لینی چاہئے، خواہ ایسے لوگوں کا تعلق کسی پارٹی سے کیوں نہ ہو۔ اجتماعی سوچ و چار امداد باہمی تحریک کا ایک مینار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کا ایک ساتھ مل بیٹھنا بھی ضروری ہے۔ اگر ہم پرائمری سوسائٹیوں کے عام ممبروں کے دلوں کو جوش و خروش سے پُر کردیں تو اس سے امداد باہمی تحریک کو کافی فائدہ حاصل ہوگا۔ مزدوروں کی کوآپریٹیو اور دیگر کوآپریٹیو سوسائٹیاں غریب لوگوں اور مضافاتی علاقوں کے لوگوں کی بے روزگاری کے مسئلہ کو کچھ حد تک حل کرسکتی ہیں اور ترقی پذیر نظریہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں امداد باہمی تحریک کو پھیلا دیا جائے۔ ہم اس بات کی کوشش کررہے ہیں کہ امداد باہمی تحریک انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد ہے۔

میں دعاگو ہوں کہ امداد باہمی تحریک زندہ و جاوید رہے۔

ایک شعر

فضا تیری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

اقبال

سرکاری خبریں

شیام پکھر ضمنی انتخابات کیلئے مع تنخواہ تعطیل

شیام پکھر اسمبلی حلقہ ۱۲۱ میں تباریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار ضمنی انتخاب ہونے والا ہے۔ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت نے کل کارخانوں، دکانوں اور تجارتی اداروں کے مالکان سے گزارش کی ہے کہ وہ اس ضمنی انتخاب میں اپنے تمام ملازمین کو بلا کسی تفریق کے مذکورہ بالا دن ایک دن کی مع تنخواہ اضافی تعطیل دینے کی منظوری دے دیں تاکہ مذکورہ بالا ملازمین اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال حسب پروگرام کرسکیں ٭٭٭

مغربی بنگال کے چار اضلاع میں پھیلے دماغی بخار کی روک تھام کے لئے عطیہ

ریاستی حکومت نے چار اضلاع میں پھیلے دماغی بخار کو حسب ضرورت مزید پھیلنے سے روکنے کے سلسلہ میں فوگل اسپرے آپریشن، متعلقہ صورت حال سے نبرد آزمائی اور اسی طرح کے دیگر کاموں کے لئے بانکوڑا، بیربھوم، مدناپور اور ندیا کے چیف میڈیکل افسران کو ۸۰ ہزار روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے ٭٭٭

دق کے مریضوں کو ان کے علاج و معالجہ کے لئے مفت بستروں کی فراہمی کے سلسلے میں عطیہ

ریاستی حکومت نے ہر سال فی بستر ۲ ہزار روپئے کی خرچ پر حکومت کی جانب سے نامزد کئے گئے نادار دق کے مریضوں کے علاج و معالجہ کے سلسلے میں [illegible] امداد انجمن کو ۲۰ ہزار روپے بطور عطیہ دیا ہے۔ مذکورہ [illegible] مذکورہ بالا انجمن کے ہسپتال، جو رڈاکر بیرشن گرہا اسٹریٹ، کلکتہ ۔۔ میں واقع ہے کے مخصوص کردہ ۱۰ بستروں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دی گئی ہے ٭٭٭

حالیہ "ستی" ایک المیہ ہے جس کی موجودہ صدی میں مثال نہیں ملتی

راجیہ سبھا میں ۱۰ نومبر سنہ ۸۷ء کو ستی انسدادی بل سنہ ۱۹۸۷ء پر بحث کرتے ہوئے سی پی آئی کے ایم۔پی شری گروداس داس گپتا نے کہا کہ یہ بڑی شرمندگی کی بات ہے کہ راجستھان کے ایک گاؤں دیورالہ میں ستی کے نام پر ایک عورت کو زندہ جلا ڈالا گیا۔ شری داس گپتا کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

مجھے بہت ہی شرمندگی کا احساس ہو رہا ہے کہ مجھے راجستھان کے ایک گاؤں دیورالہ میں، جو ملک کے دارالسلطنت سے زیادہ دوری پر واقع نہیں ہے، ایک زندہ عورت کو جلا دینے کے حادثہ پر بحث و مباحثہ کرنے کا سوال اٹھانا پڑا۔

یہ واحد المیہ ہے جس کی جدید صدی میں مثال نہیں ملتی۔ اس نے قومی ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا، اس نے قومی احساسات میں ہلچل پیدا کر دی اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ عورت ذات نہیں، جس کے وقار کی بے حرمتی کی گئی، بلکہ درحقیقت ہندستان کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ ملک کے قومی وقار کو خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔

یہاں میں یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آج ملک کے سامنے یہ سوال اُکھڑا ہوا ہے کہ کیا تہذیب پر قدامت پسندی حاوی ہو جائیگی۔ آج ملک کے درپیش یہ سوال ہے کہ کیا جرم کو مذہبی حقوق میں عدم مداخلت کے بہانہ معاف کر دیا جائے گا۔ آج سوال یہی ہے کہ کیا جنگجو یانہ مذہبی جنون کو روکا جائے گا یا نہیں۔ آج نقطہ یہ ہے کہ کیا مردوں کی مردانگی کو اس حق کو غصب کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو جلا ڈالیں تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ سب (عورتیں) اپنے خاوند کی وفادار ہیں۔ آج سوال یہ ہے کہ ریاست کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ امن و امان کو بحال رکھنے تک ہی اپنے اقدامات کو محدود رکھے۔ آج سوال یہ ہے کہ کیا ریاستیں ان فرائض کو انجام دیں گی جنہیں ان کی دستوری ذمہ داریاں کہتے ہیں۔ آج سوال یہ ہے کہ کیا قومی سربراہوں میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ عزم مصمم سے مذہبی قدامت پسندی، سفاکانہ دور وسطیٰ کی دہشت پسند طاقتوں کا مقابلہ کریں۔

ندامت سے میرا سر جھک گیا ہے کیونکہ ۱۵۰ سال قبل ملک کے وائسرائے لارڈ بنٹنک نے ستی کی رسم کو قانوناً ممنوع قرار دیا تھا اور آج "ستی" کے اسی المیے سے ہمیں دوچار ہونا پڑا۔ ندامت سے میں سرنگوں ہوں کیونکہ وہ تمام غنڈے یا غنڈوں کے گروہ، جس نے اس "قتل" کا انتظام کیا تھا سب کے سب مرد تھے۔ ندامت سے میں سرنگوں ہوں کہ جس شخص نے منتر پڑھا جب اسے آگ پر ڈالا گیا، وہ بھی مرد ہے۔ ندامت سے میں سرنگوں ہوں کیونکہ جس عورت کو زندہ جلا دیا گیا وہ مردکی مردانگی کی شکار بن گئی۔ ندامت سے میں سرنگوں ہوں کہ راجپوت مردوں نے جے پور کی سڑکوں پر کھلے عام پیریڈ کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انہیں اپنی بیویوں کو جلانے کا حق دیا جائے۔ ہمارے قومی وقار کو خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ اب اہم نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنے وقار اور افتخار کو بحال رکھیں گے یا تاریخ میں ہمارا نام مجرموں اور اجڈوں کی ایک گروہ کی حیثیت سے درج رہے گا۔

یہ روپ کنور کون تھی؟ وہ اٹھارہ سال کی ایک عورت تھی اور کچھ حد تک پڑھی لکھی تھی۔ نقطہ یہ ہے کہ اس کے سوگ میں کسی نے اسے تسلی نہیں دی اور نہ ہی کسی نے اس کے سامنے ایک زندہ مستقبل کی تصویر پیش کی۔ درحقیقت اسے مرنے پر اکسایا گیا۔ حقیقت جو ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے جلتی چتا سے اچھل کر باہر نکلنے کی تین بار کوششیں کیں۔ یہ تو دیوانے لوگ تھے جنہوں نے ستی ماتا کی جئے کا نعرہ لگاتے ہوئے اسے آگ کی چتا میں دھکیل دیا۔ یہی وہ دیوانے لوگ ہیں،

جو مندروں کو جلاتے ہیں، مسجدوں پر حملہ کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک نوجوان زندگی کو برباد کر دیا۔

۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو دن کے وقت روپ کنور کا قتل کیا گیا۔ نام نہاد "چنری مہتو" اس کے پندرہ دنوں کے بعد منایا گیا۔ اسی دوران ہائی کورٹ سے ایک حکمنامہ جاری کیا گیا اور ریاستی حکومت نے اس پر عمل نہیں کیا۔ وزیر اعظم نے بیس دنوں کے بعد اپنی خاموشی توڑی۔ صرف دہلی سے اشارہ پانے کے بعد ہی چند لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ جب مسٹر چیدمبرم بھاگے دوڑے جے پور پہنچے تو اس وقت راجپوت ننگی تلواریں لے کر سڑکوں پر جلوس نکالے ہوئے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کو کیوں نہیں گرفتار کیا گیا؟ بعد میں ایک آرڈی ننس (قانون) نافذ کیا گیا۔ حکومت کو اسمبلی کے ذریعہ ایک بل پاس کرنے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ ان کی پارٹی کے لوگ اس بل کے لئے ووٹ نہیں دیں گے اور اس طرح حکومت ٹوٹ جائے گی۔ اسی لئے ایک آرڈی ننس پاس کر دیا گیا۔ لیکن آرڈی ننس پاس کرنے کے بعد، آرڈی ننس کے خلاف مظاہرے کی اجازت دی گئی۔ نہ تو اس مجمع کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور نہ ہی اسے منتشر کیا گیا۔ اگر ہم لوگ مسٹر راجیو گاندھی کے گھر پر حملہ کرتے تو نہ جانے ہمیں پولس کی کتنی گولیوں کا شکار بننا پڑتا۔ کم از کم اتنے اقدامات تو کئے ہی جاتے کہ ہم اس خاص موقع کے لئے دہلی کے عوام کو یکجا نہیں کر سکیں۔ مرمدوں نے، جو راجستھان کی حکومت کے سربراہ ہیں، نمائش کے طور پر ایک آرڈی ننس پاس کر دیا، لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا۔ وہ راجپوت بہادروں کو چھونے سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا اثر ان کے "بیلٹ بکس فتح" پر پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے کوتاہی کی، حکومت ناکام رہی اور حکومت نے مذہبی جنون کی روک تھام کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی کہانی سارے ملک کی ہے۔ حکومت اور مرکزی حکومت میں برسر اقتدار لوگوں نے تری پورہ میں مذہبی متعصب قدامت پسندوں سے صلح کر لی۔ اتر پردیش میں برسر اقتدار لوگوں نے بھی مذہبی جنون سے مصالحت کر لی۔ جب پنجاب میں بھنڈرانوالا نے اپنا سر اٹھایا تو اس وقت بھی حکومت نے مذہبی متعصب قدامت پسندوں سے مصالحت کر لی۔ جب ذیل سنگھ وزیر داخلہ تھے تو کیا اس وقت بھنڈرانوالا اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر یہاں نہیں آیا تھا لیکن ان میں سے کسی ایک شخص کے خلاف بھی کارروائی نہیں کی گئی۔ مصالحت کی ایک جیسی کہانی، دستبرداری کی ایک جیسی کہانی، اتنا خیر انگیز چاپلوسی کی ایک جیسی کہانی کو ایک بار پھر راجستھان کی سرزمین پر دہرایا جا رہا ہے، اور جس صعوبت نے سر اٹھایا ہے وہ نہ صرف بائیں پارٹیوں کو، نہ صرف سیکولر پارٹیوں کو بلکہ سارے ملک کو نگل جائے گی۔ مجھے خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اس ملک میں دلہنوں کو جلانے اور ستی میں جلانے کے خطرناک حادثات کو حکومت ہلکے پھلکے لے رہی ہے۔

نقطہ یہ ہے کہ روپ کنور کو کیوں مار ڈالا گیا۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے شادی میں اپنے ساتھ بہت سے گرانقدر سامان بھی لائے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ۴۰ گرام سونا، ۳۰۰۰۰ روپئے کا فکسڈ ڈپازٹ، ایک رنگین ٹی۔وی، کھانے پکانے کا سامان اور ایک ریفریجریٹر لائی تھی۔ راجپوت قانون کے مطابق، ایک بیوہ جس کا بچہ نہ ہوا ہو، ان تمام چیزوں کو واپس اپنے والدین کے پاس لے جا سکتی ہے۔ اس لئے صرف اس خزانہ پر قبضہ کرنے کے لئے روپ کنور کو قتل کیا گیا۔ روپ کنور کا خون کیا گیا۔ یہ نفع کے لئے قتل کا ایک مقدمہ ہے۔ یہ غیر قانونی طور پر دولت پر قبضہ کرنے کا ایک مقدمہ ہے۔ اس لئے اس کیس کا ایک کاروباری پہلو بھی ہے۔ آج دیورالا گاؤں میں جو خوشحالی نظر آ رہی ہے وہ نفع بخش ستی پوجا کی نشاندہی کرتی ہے۔ ایک کمیٹی قائم کی گئی، رضاکاروں کے دستے تیار کئے گئے، چندے اکٹھا کرنے کا انتظام کیا گیا اور ایک مختصر مدت میں، آپ کو یقین آئے یا نہ آئے، ۷۵ لاکھ روپئے اکٹھا کر لئے گئے، اور راجستھان حکومت کے چیف سکریٹری کے مطابق اس رقم میں سے صرف ۱۵ لاکھ روپئے بینک میں جمع کئے گئے، باقی روپئے کہاں گئے۔ اس طرح آج کل ستی۔ پوجا بہت ہی نفع بخش کاروبار بن چکا ہے۔

روپئے بنائے جا رہے ہیں، لالچ کا منہ میٹھا کیا جا رہا ہے، عورتوں کی قربانی دی جا رہی ہے، اس کے لئے مذہب کو استعمال کیا جا رہا ہے اور ہماری عظیم حکومت اسی سوچ و چار میں مبتلا ہے کہ آیا یہ ریاستی یا مرکزی موضوع ہے، آیا یہ امن و امان کا مسئلہ ہے یا ساری قوم سے وابستہ مسئلہ ہے۔ راجستھان کی حکومت ان مذہبی دیوانگی سے چشم پوشی کر رہی ہے اور دہلی میں حکومت اس بات کی تلاش میں مصروف ہے کہ اس معاملہ میں اس کی کس حد تک دستوری ذمہ داری ہے۔ یہی وہ اہم نقطہ ہے جہاں ملک میں مذہبی قدامت پرستی کی احیا اور نمودار ہونے کی اہم وجہ پوشیدہ ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ [illegible] عیاں ہو جاتی ہے کہ راجستھان کی حکومت نے اپنی جمہوری ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال دیا ہے تو اب ایسی حکومت کو جو اپنی دستوری [illegible] نبھانے سے کتراتی ہے، برسراقتدار رہنے کا کوئی حق حاصل [illegible] دستور کو نافذ کرنا، دستور کے تحت کئے گئے اقدامات کا تائید کنندہ اور [illegible] بات کا خیال رکھنا کہ دستور میں درج تمام باتوں اور احکامات کو برسراقتدار حکومتیں روبہ عمل لائیں، مرکزی حکومت کی اخلاقی، سیاسی اور دستوری ذمہ داری ہے۔ اس لئے اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ یہ ریاستی یا مرکزی موضوع ہے، بلکہ ہمیں تو قانون کو اس بابت کی مکمل اجازت دینی چاہئے کہ وہ اپنا کام کرے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کو نکال باہر کیا جائے جنہوں نے ان مذہبی دیوانوں سے مصالحت کرلی ہے، اس وزیر اعلیٰ کو نکال باہر کیا جائے جس نے ان مذہبی دیوانوں، قدامت پرستوں سے مصالحت کرلی ہے، اس حکومت کو نکال باہر کیا جائے جو مرکزی حکومت کے مشورہ کو روبہ عمل لانے سے انکار کرتی ہے اور جو ایسے مذہبی قدامت پرستوں کے سامنے خود کو لاچار اور بےبس محسوس کرتی ہے۔

اس سلسلے میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے کردار کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیا ایک نیا قانون درحقیقت لازمی ہے؟ کیا ستی ہمیں ہندوستانی سماج میں عورتوں کے حقوق اور مقام کے وسیع سوال کی طرف لے جاتی ہے؟

راجستھان کی حکومت نے ایک آرڈی ننس جاری کر دیا۔ دیورالا گاؤں میں ستی کے واقعہ سے وابستہ مجرموں کو سزا دینے کے لئے یہ آرڈی ننس بذات خود غیر موثر ہے۔ اس لئے دیورالا میں گرفتار کئے گئے لوگوں کو حکومت کے نافذ کردہ آرڈی ننس کی دفعات کے تحت سزا نہیں دی جا سکتی۔

اس آرڈی ننس کے خلاف مظاہرہ کرنے کی اجازت دی جارہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آرڈی ننس کی تکمیل نہیں کی جارہی ہے؛ اس پر عمل نہیں کیا جارہا ہے۔

اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ انہوں نے (عورتوں کے امور کے لئے مرکزی وزیر ریاست نے) وزیر اعلیٰ کے نام ایک تار ارسال کیا تھا جس میں وزیر اعلیٰ سے کہا گیا تھا کہ ایسے اقدامات کریں کہ چُنری مہاتو منعقد نہ ہو سکے۔ اگر میں غلطی پر نہ ہوں، میں نے اخبار میں ان کا بیان پڑھا۔

اس بیان کے معنی یہ ہیں کہ مرکزی کابینہ کے وزیر کے مشورہ، ہدایت اور درخواست کے باوجود راجستھان کی حکومت نے 'چُنری' کی وحشیانہ تقریب کو روکنے میں نااہل ثابت ہوئی یا روکنے کو تیار نہیں ہے۔ اس لئے یہ مکمل نااہلیت کا ایک سوال ہے، یہ مکمل بے سودگی کا ایک سوال ہے، یہ دستوری فرائض کو پورا نہ کرنے کا ایک سوال ہے۔

آج کی صبح کو مجھے راجستھان سے ایک خبر ملی ہے۔ ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کو، جو ستی کے خلاف مہم چلا رہے ہیں کھلے عام دھمکیاں دی جارہی ہیں اور اس کی بابت حکومت کو مطلع کر بھی دیا گیا ہے لیکن پولس اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ پولس نے ان مذہبی دیوانوں سے مصالحت کرلی ہے اور اسی لئے وہ ستی کے خلاف مہم چلانے والے لوگوں کی حفاظت کرنے سے انکار کر رہی ہے۔

مسٹر چدمبرم (مرکزی وزیر) نے ان مذہبی قدامت پرستوں کے خلاف قومی مہم کے لئے پکار دی ہے۔ کیا مسٹر چدمبرم اور ان کی پارٹی اور حکومت مجھے یہ اطلاع فراہم کریں گی کہ راجستھان میں حکومت کا کردار کیا ہے؟ کیا آپ ان لوگوں کی، میرے کامریڈوں اور سی پی آئی اور سی پی آئی (ایم) کے کامریڈوں کی، اور دیگر جمہوری اور سیکولر طاقتوں کی، جو ستی کے خلاف مہم چلا رہی ہیں، ہمت افزائی اور حفاظت کرتے ہیں؟ لیکن آپ کی حکومت کی بے حسی تو مصالحت کا ایک اہم ثبوت ہے۔

حکومت کی سُستی اور بے حسی اس کی شرکت کا ثبوت ہے، یہاں تک کہ ہائی کورٹ کے حکم کو بھی روبہ عمل نہیں لایا گیا۔

اگر یہ واقعہ مغربی بنگال میں رونما ہوتا اور اگر حکومت، جس کے سربراہ شری جیوتی باسو ہیں، ہائی کورٹ کے حکم کو روبہ عمل لانے سے انکار کرتی یا روبہ عمل لانے میں ناکام رہتی تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ کتنے احتجاجات کئے جاتے! اس لئے یہ سیاسی تفریق کا معاملہ ہے۔ حکومت ایک معاملہ کی معقولیت پر نہیں بلکہ سیاسی جانبداری کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ریاست کی غفلت سیاسی مصلحت سے پُر ہے۔ حکومت ان لوگوں کے خلاف قدم اٹھانا نہیں چاہتی جو مذہبی جنون میں مبتلا ہیں۔ انتخاب فیصلہ کرنے کا ایک جز بن چکا ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ دلہنوں کو جلا ڈالنے کے سوال پر بھی حکومت فیصلہ نہیں کرسکتی کیونکہ فیصلہ کرنے سے قبل وہ اس بات کا جائزہ لے لیتی ہے کہ اس کے فیصلہ کا اثر ووٹروں پر کیا ہوگا؟ یہ

ایک سوال ہے، مشورہ نہیں بلکہ ایک تجویز ہے۔ کیوں راجستھان اسمبلی کے ممبران، جو آپ کی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی نشستیں نہ کھوئیں، جبکہ دستور سے ان کی وفاداری ایک مذاق ہے۔ یہاں تک کہ حکومت کو اسمبلی کے کانگریس ممبروں سے ڈر لگتا ہے۔ اسی لئے اس نے اسمبلی کو ملتوی کر دیا اور اس طرح گھوم پھر کر ایک آرڈی ننس جاری کر دیا۔ کیا میں مس گرجا ویاس کی باتوں کو دہرا سکتا ہوں؟ حکومت اس سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اودے پور سے اسمبلی کے لئے منتخب ہوئیں۔ وہ پڑھی لکھی ہیں اور روشن خیال ہیں۔ آپکی حکومت اور آپ کی پارٹی کی بابت انکی کیا رائے ہے؟ آپ ذرا پارٹی کی سطح سے اوپر اٹھیں۔ آئیے چند لمحوں کے لئے ہم اپنی پارٹی کو فراموش کر دیں۔ آئیے ایک ملک کے شہری ہونے کے ناطے ہم سیدھی بات کریں۔ پریس رپورٹ کے مطابق مس گرجا ویاس نے یہ کہا تھا "صوبائی کانگریس کمیٹی کا کردار مایوس کن ہے"۔ آپکی پارٹی کے کردار کی اس سے زیادہ کیا مذمت کی جا سکتی ہے؟

مجھے افسوس ہے کہ روشن خیال لیڈی ممبران اس سوال پر وسیع تناظر میں بحث ومباحثہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑی نہیں ہوتیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ایک نیا قانون ضروری ہے؟ مجھے خوشی حاصل ہوئی ہے کہ عزت مآب وزیر مسٹر چید مبرم نے ایک نئے قانون کا یقین دلایا ہے۔ درحقیقت میں نے بذاتِ خود ستی کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لیے اس ایوان میں پرائیویٹ ممبر بل پیش کیا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا راجستھان کی حکومت قانون کی غیر موجودگی میں کچھ نہ کر سکی۔ مجھے یقین ہے کہ قانون تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۶ کے تحت ستی کے خلاف قانون کو روبہ عمل لا کر مجرموں کو سزا دی جا سکتی ہے۔ ملک کے اہم قانون داں مسٹر کرشنا ایئر نے اپنے بیان میں یہی باتیں کہیں اس لئے ایک نئے قانون کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ قانون کی نایابی نہیں جس نے راجستھان کی حکومت کی روک تھام کی، بلکہ یہ تو ارادہ کی کمی ہے جس نے راجستھان کی حکومت کو روکے رکھا۔

ستی کا سوال، عورتوں پر ظلم کے ایک وسیع سوال کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتا ہے۔ ستی تو عورتوں پر ظلم کی ایک انتہائی شکل ہے۔ جب ملک پر ایک عورت وزیر اعظم کا بہت عرصہ تک راج تھا، اس وقت بھی جہیز کی کمی کی وجہ سے دلہنوں کو جلانے یا دلہنوں کی خودکشی کر لینے کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک آئی اے ایس افسر نے ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی سے شادی کرنے کیلئے تین لاکھ روپئے کے جہیز کی مانگ کی۔ وہ دونوں سرکاری دفاتر میں کام کرتے ہیں، اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ حکومت عورتوں کے وقار اور عزت کا دفاع کرے گی۔

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مذہب اور مذہبی رہنماؤں کے کردار کیا ہیں؟ پوری کے شنکراچاریہ نے ستی کی کھلے عام حمایت کی۔ ہندو مہاسبھا کی رائے کیا ہے؟ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہاں کسی شخص کا ہندو مہاسبھا سے ربط وضبط قائم ہے، ان لوگوں نے ستی کی مذمت کی لیکن ان لوگوں نے آرڈی ننس کی مذمت کی کہ ستی مندروں پہ پابندی عائد نہ کی جائے۔ وہ سب یہ کہتے ہیں کہ ستی کی پرستش کی جائے لیکن ستی کے رسم پر پابندی عائد کر دی جائے۔ یہ تو وہی نظریہ ہے کہ ملک کے مذہبی قدامت پرستوں کی طاقتوں کی ہمت افزائی کی جائے ٭٭٭

(بقیہ: وزیر اعظم کے الزامات بے بنیاد...)

وزیر اعلیٰ نے یہ بھی کہا کہ وزیر اعظم صرف حکومتِ مغربی بنگال کی ناکامیوں کا ذکر کرتے ہیں، لیکن ریاستی حکومت کی مختلف کامیابیوں کے سلسلہ میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ سیلاب امداد کے لئے مرکزی فنڈ کے غلط استعمال کے الزام کی تردید کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ مرکز نے اس مد کے تحت صرف ۳۷ر۲۲ کروڑ روپئے فراہم کئے جبکہ وزیر اعظم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس سلسلے میں ۷۰ کروڑ روپیہ فراہم کئے گئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ۵۰ر۲۰ کروڑ روپئے کے اخراجات کی تفاصیل بہت ہی جلد مرکز کو بھیج دی جائے گی۔ وزیر اعلیٰ نے اس مد کے تحت باقی رقم کا مطالبہ پیش کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مرکز سے سیلاب امداد کے لئے ۲۵۰ کروڑ کا ریاستی حکومت نے مطالبہ کیا تھا لیکن مرکز نے ابتک ریاستی حکومت کو اس مطالبے کی بابت کچھ نہیں بتایا۔ مرکز نے صرف ۷۲ر۶۷ کروڑ روپئے دینے کی منظوری دی۔ اس رقم میں ۴۷ر۲۳ کروڑ کا نقدی عطیہ شامل تھا۔ مرکزی حکومت باقی ۴۴ کروڑ روپئے سے صرف ۳۳ کروڑ روپئے فراہم کرے گا۔

وزیر اعلیٰ نے مغربی بنگال میں قائم مرکزی یونٹوں کے ملازمین کو عارضی امداد نہ دینے کے لئے مرکز کے فیصلہ کی بھی تنقید کی ٭٭٭

کنول کھاڑی

تحریر : شن لی   ترجمہ : ارشد مسعود ہاشمی

شن لی صوبہ ہبی کے مضافات میں ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہیں اس نے تعلیم حاصل کی اور بیجنگ میں ایک کلرک ہوا۔ اس کی زندگی تب بڑی تنگ دستی میں گزرتی تھی۔ اس کے باوجود وہ نظمیں لکھتا اور مختلف اقسام کی سماجی تنقیدیں کرتا رہا۔ جاپانیوں کے حملے کے دوران شانگ ڑی۔ قہر۔ ہبی کے بنیادی علاقہ میں اسے ایک مقام حاصل ہوا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں وہ لی ینگ کوہ کے علاقہ میں منتقل کیا گیا۔ اسی دوران اس نے کہانیاں لکھنا شروع کیا۔ ینان لوہ سون اکادمی برائے فن کے شعبہ ادب میں بھی اس نے تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۴ء سے وہیں ملازمت اختیار کی۔ اس کی مشہور کہانی "کنول کھاڑی" اسی عہد میں لکھی گئی ـــــــــــ وہ ایک علاقائی اخبار کا مدیر بھی بنا۔ کئی پرچوں کے لئے اس نے ادبی کالم نویسی بھی کی۔ ابھی وہ "ملجا و ماویٰ" کے ادارتی بورڈ سے منسلک ہے ـــــــــــ چینی باشندوں کے دلوں میں اپنی تحریروں کے ذریعہ اس نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس کی تحریریں چینی باشندوں کی جدوجہد کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کہانیوں کا ہر کردار چین کی جدید نسل کے وجود سے ماخوذ لگتا ہے :

یہ ۱۹۴۰ء کے موسم گرما کی ایک رات ہے۔ چاند طلوع ہو چکا ہے اور اس کی دودھیا کرنیں انگنائی کو منور کر رہی ہیں۔ دن میں بانٹے گئے سینٹھے جن میں اب تک لوچ اور نمی باقی ہے، چٹائی بننے کے لئے رکھے ہیں۔ ایک عورت انگنائی میں بیٹھی اپنی نازک انگلیوں سے سینٹھے کی لانبی ڈنڈیوں کو گوندھ رہی ہے۔ نازک اور پتلی لڑیں اس کی بانہوں میں لچکتی اور جھومتی ہیں۔

صوبہ ہبی کے درمیان بسا یہ علاقہ بائیانجیان، پورے چین میں نرسل اور سینٹھے کی وجہ سے مشہور ہے۔ ان کی کاشت کتنے رقبوں میں ہوتی ہے، یا ان کی سالانہ شرح پیداوار کیا ہے، یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ جو میں جانتا ہوں وہ صرف یہ کہ ہر برس جب سینٹھے کے پھول ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اڑنے لگتے ہیں اور پتیاں زرد ہو جاتی ہیں تب تمام فصل کاٹ لی جاتی ہے اور ان کے گٹھے بنا کر انہیں دور تک یوں پھیلا دیا جاتا ہے جیسے نرسلوں کی ایک عظیم دیوار بنا دی گئی ہو۔ عورتیں گلی میں، بالاخانوں پر، چھتوں پر، میدانوں میں سنگ سنگ بیٹھ کر چٹائیاں بنتیں، سینکڑوں چاند اور برف جیسی سفید چٹائیاں، جون میں، جب کھاڑی میں پانی بڑھ جاتا ہے، لاتعداد ڈونگے اور کشتیاں چٹائیوں کو دور لے جاتے۔ حتیٰ کہ جلد ہی ملک کے ہر شہر، بستی اور قریہ میں یہ منقش بنی ہوئی خوبصورت چٹائیاں اپنا حسن بکھیرنے لگتیں۔

"بائیانجیان کی چٹائیاں بہترین ہوتی ہیں" یہ جملہ زبان زد عام تھا۔

صحن میں وہ جوان عورت چٹائی بن رہی تھی۔ وہ لمبے اور سفید نرسل اور سینٹھوں کے گٹھے پر بیٹھی تھی۔ اب لگتا تھا کہ وہ برف کی ٹکڑیوں کے ڈھیر یا ایک دوسرے میں گم ہوتے ہوئے بادلوں پر بیٹھی ہے۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں کھاڑی کی جانب اٹھ جاتیں، جہاں ایک دوسری سفید دنیا بسی تھی۔ کھاڑی میں ہلکی نیم شفاف دھند چھائی تھی، جہاں سے آتی ہوئی ہلکی ہوا میں کنول کی پتیوں کی خوشبو بسی تھی۔

دروازہ اب تک کھلا تھا۔ اس کا شوہر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

اس کا شوہر کافی رات گئے گھر کو لوٹتا تھا۔ وہ ۲۶ برس کا جوان

تھا۔ اس کے پاؤں ننگے رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ تنکوں کی ٹوپ، بے داغ سفید قمیص اور ٹخنوں تک مڑا ہوا سیاہ پائجامہ پہنتا تھا۔ اس کا نام سوشنگ تھا اور وہ قصبہ کے جاپانی مخالف گوریلاؤں کا صدر تھا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کا لیڈر بھی تھا۔ وہ شہر میں منعقد جلسہ میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ جوں ہی وہ واپس آیا، اس کی بیوی مسکراتی ہوئی اسے دیکھ کر بولی۔

آج تمہیں اتنی دیر کیوں ہو گئی؟

وہ اسے کھانا پروسنے کے لئے کھڑی ہوتی۔ پر شوشنگ دروازہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

آں ں — اس کے لئے پریشان مت ہو، میں کھا چکا ہوں۔

وہ واپس آدھی بنی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئی۔ شوہر کے تمتماتے ہوئے چہرے پر نظریں جما کر اس نے پوچھا

اور دوسرے کہاں ہیں؟

ابھی شہر میں ہی ہیں — بابا کیسے ہیں؟

سوتے ہیں۔

اور ثریاؤ؟

پورے دن دادا کے ساتھ وہ مچھلیاں پکڑتا رہا۔ گھنٹوں پہلے بستر پر گیا — دوسرے واپس کیوں نہیں آتے؟

شوشنگ قہقہہ لگانے لگا

کیوں پریشان ہو تم؟

میں کل فوج میں شامل ہو جاؤں گا — وہ دھیرے سے بولا۔

دفعتاً اس کی بیوی نے اپنے بازو کو جھٹکا۔ اس کی انگلی کی پور میں کھانچ چبھ گئی تھی۔ وہ خون کے بوندوں کو چوسنے لگی۔

آج یہ جلسہ ضلعی ارکان نے منعقد کیا تھا۔ اب بہت جلد ہی انہوں نے کہا کہ، جاپانی کچھ اور اڈوں کی تعمیر کریں گے۔ اگر انہوں نے تانگ کاؤ میں بنیاد بنانا چاہی — جو محض چندلی کے فاصلے پر ہے۔ تب ہماری حیثیت تبدیل ہو جائے گی۔ جلسہ میں فیصلہ کیا گیا کہ جاپانیوں کو روکنے کے لئے ایک باوردی تنظیم بنائی جائے گی — میں رضاکار رہوں۔

اس کی بیوی نے سر جھکا لیا اور مُنہ کر لی

ہمیشہ دوسروں سے ایک قدم آگے، اوں ہے نا!

" میں اپنے گاؤں کے گوریلاؤں کا صدر ہوں اور عملاً ایک رکن بھی۔ اس لئے مجھے آگے رہنا ہی چاہئے۔ دوسرے سب بھی راضی تھے۔ ان میں گھر واپس جانے کی ہمت نہیں، اس خوف سے کہ کہیں ان کے گھر کے افراد انہیں واپس نہ جانے دیں۔ انہوں نے مجھے منتخب کیا کہ میں واپس آ کر ان کے گھر کے حالات سے انہیں باخبر کروں۔ سبھی چھوٹ گئے۔ تم دوسروں کی بیویوں سے زیادہ ہوشمند ہو۔"

اس کی بیوی خاموشی سے سنتی رہی

میں تمہیں روکوں گی نہیں — اس نے چند لمحوں بعد کہا — لیکن ہم سب کے متعلق کچھ سوچا ہے تم نے؟"

شوشنگ نے بابا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور اسے دھیرے سے بولنے کو کہا۔

تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا، جیسی اب ہو، لیکن ہمارا گاؤں چھوٹا ہے اور ابھی سات جوان فوج میں شامل ہوں گے۔ ہم لوگ تمام ضرورتوں کے لئے دوسروں پر انحصار نہیں کر سکتے۔ تم تو ہمیشہ ہی میرے ذہن میں رہو گی۔ بابا بوڑھے ہیں اور ثریاؤ ابھی اتنا بڑا نہیں کہ زیادہ کام کر سکے۔

اس کی بیوی نے حلق میں گولا اٹکتا محسوس کیا۔ اس نے اپنی سسکیوں کو دبا لیا اور آنسوؤں کو پی گئی۔

تم تو جانتے ہو کہ ہمارا اثاثہ کیا ہے۔ بس یہی تو ہے — اس نے نرسل کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

شوشنگ نے اسے تسلی دینی چاہی، لیکن وقت کم تھا اور جانے سے پہلے اسے بہت سارے کام نپٹانے تھے۔

تم نے میرے کاندھے پر ایک بوجھ ڈال دیا ہے ایسی صورت میں .... جبکہ میں دور جا رہا ہوں — جب ہم جاپانیوں کو نکال دیں گے اور میں گھر آؤں گا، میں .... پھر تم ......!

بابا کو یہ سب سمجھا دینے کی تاکید کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا اور واپس آنے کا وعدہ کرتے ہوئے پڑوسیوں کے گھر کی جانب چلا گیا۔ مرغ کے بانگ دینے کے وقت تک وہ نہیں آیا۔ اس کی بیوی اب تک اس کے انتظار میں صحن میں ایک بت کی مانند بیٹھی تھی

میرے لئے کوئی ہدایت؟ اس نے پوچھا

کچھ نہیں۔ واقعی کچھ نہیں، اپنا دھیان رکھنا۔ جب میں دور

چلا جاؤں، ترقی کی جانب قدم بڑھاتی رہنا، خوب محنت کرنا اور پڑھنا لکھنا بھی سیکھتی رہنا!

او ہو، اور کچھ؟

دوسروں سے پیچھے مت رہ جانا

او ہو، اور کچھ؟

جاپانی یا اور کوئی تمہیں زندہ نہ پکڑ پائے۔ اگر تم پکڑی جاؤ جدوجہد کرنا، لڑائی کرنا، جب تک زندگی رہے"۔ یہ وہ فاضل باتیں تھیں جسے اس نے کہا تھا اور جسے اس کی بیوی آنسو بہاتے سنتی جاتی تھی۔

جب اجالا پھیل گیا تو اس نے کپڑوں کا ایک نیا جوڑا، ایک نیا تولیہ اور کپڑوں کے نئے جوتوں کا ایک جوڑا لے کر اس کا بنڈل بنایا۔ دوسری بیویوں نے بھی شوشنگ کے ذریعہ اپنے شوہروں کو بھیجنے کے لئے اسی قسم کے بنڈل بنائے۔ سبھی افرادِ خاندان نے اسے وداع کیا۔ اس کے بابا نے، جو ژیاؤ کے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھا، کہا۔

شوشنگ، میرے بچے، تم صحیح کام کر رہے ہو، اس لئے میں تمہیں روکوں گا نہیں، ہلکے ذہن کے ساتھ جانا۔ کبھی تم کی پریشانی کو دل میں جگہ مت دینا۔ تمہارے بعد میں ہوں، تمہاری بیوی اور بیٹی کو دیکھنے کے لئے۔ بالکل مت گھبرانا۔

مرد عورتیں، جوان بوڑھے، سارا گاؤں اسے الوداع کہنے امڈ آیا۔ شوشنگ نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور کشتی میں سوار ہو کر کنول کھاڑی کی لہروں کے سہارے دور ہوتا گیا۔ شوشنگ کے جانے کے دو دنوں کے بعد گاؤں کی چار جوان بیویاں اس کے گھر آئیں۔ "وہ سب یہیں ہیں، وہ ابھی تک نہیں گئے۔ میں انہیں واپس بلانا نہیں چاہتی۔ لیکن میں اسے ایک گرم پوشاک دینا بھول گئی۔"

مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کہنی تھیں

شوشنگ کی بیوی نے کہا ۔۔

میں نے سنا ہے کہ جاپانی تانگ گاؤں میں اپنا اڈہ تعمیر کریں گے .....؟

ہمارے وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں، خواہ ہم جتنی جلدی جائیں۔

میں تو جانا چاہتی ہی نہیں، لیکن میری ساس کہتی ہے کہ مجھے اس سے مل لینا چاہئے۔ آخر کس کے لئے؟ میں بھی جانا چاہتی ہوں۔

پھر وہ خاموش ہو گئیں۔ وہ چاروں ایک کشتی میں سوار ہو کر تانگ گاؤں کی طرف روانہ ہو گئیں۔ انہیں وہاں اپنے شوہروں سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ سب گاؤں کے آخر میں ایک کے رشتہ دار کے گھر گئیں۔

تم لوگوں نے دیر کر دی۔ انہیں کہا گیا۔ وہ کل شام تک یہیں تھے لیکن رات کے کسی پہر وہ چلے گئے۔ کوئی نہیں جانتا، وہ سب کہاں گئے۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے سنا کہ شوشنگ کو ان سب کا لیڈر بنایا گیا ہے۔ وہ سب بہت پرجوش تھے۔

شرمندہ ہو کر، افسردہ چہرہ لئے عورتیں وہاں سے واپس آگئیں۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر کہیں بھی بادل نہیں تھے دھان کے کھیت اور جنوبی کنارے پر اگے نرسل اور کھاڑی کے پانی کی لہریں ہلکی ہوا سے مست ہو کر رقص کر رہی تھیں۔ کھاڑی میں صرف ایک کشتی ڈولتی نظر آ رہی تھی۔

ہراساں اور افسردہ سبھی عورتیں اپنے دلوں میں اپنے شوہروں کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں اور ان کی آنکھیں شرم سے جھکی تھیں۔

لیکن جوان افراد، خواہ مرد ہوں یا عورت، مایوس کن طور پر رجائیت پسند ہوتے ہیں اور عورتیں تو اپنی پریشانیوں کو بھولنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ جلد ہی وہ سب سنبھل گئیں اور ہنستی مسکراتی ہوئی انہوں نے گفتگو شروع کر دی۔ ظاہر ہے وہ کب تک خاموش رہتیں۔

آخر وہ سب چلے ہی گئے!

مجھے یقین ہے، وہ سب اپنی زندگی کو سدھارنے میں کوشاں ہیں۔ یہ ان کے لئے نئے برس کے تہوار یا شادی سے زیادہ خوشی کی بات ہے۔

وہ سب وحشی گھوڑوں کی مانند ہیں۔ وہ کسی ایک اسطبل میں بند رہیں قطعی ناممکن ہے۔

ہنھ ۔۔ وہ سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔

اسے مجھ سے سنو، جب میرا شوہر فوج میں بھرتی ہوا، اس نے

تو گھر کے متعلق کچھ سوچا ہی نہیں۔"

ہاں یہ سچ ہے۔ کچھ جوان سپاہی ایک مرتبہ میرے گھر میں ٹھہرے۔ وہ سب طلوعِ سحر سے شام کے دھندلکے تک گاتے بجاتے رہتے۔ ہم نے تو ویسی چہل کبھی نہیں کی۔ ایک دفعہ وہ سب روٹھے لگ رہے تھے۔ اچانک انہوں نے کیا کیا، تمہیں معلوم؟ تم سوچ بھی نہیں سکتیں، انہوں نے ہمارے گھر کی دیوار پر سفید رنگ کے بہت سارے گھیرے بنا دئے۔ اور وہ ایک ایک کر کے اپنی بندوقوں سے اپنے گھیروں کے اندر نشانے لگانے لگے۔ وہ سب اس وقت بھی نغمہ زا تھے۔

عورتیں آہستہ آہستہ چپو چلا رہی تھیں۔ پانی کی لہریں کشتی کے دونوں کناروں سے ٹکرا کر بکھرتی جاتیں۔ ان میں سے ایک نے پانی پر تیرتے ہوئے آبی شاہ بلوط کو ہاتھوں میں لے کر اسے ندی میں دور پھینک دیا۔

مجھے تعجب ہے وہ سب کہاں گئے۔

وہ زمین کے آخری حصے تک گیا ہوگا

دیکھو ایک کشتی!

وہ سب اپنی گردنوں کو گھما کر دور دیکھنے لگیں

کیوں؟ وہ سب جاپانی سپاہی لگتے ہیں، اوں ـــ دیکھو، ان کی پوشاک دیکھو۔

جلدی کرو۔

ان کے پیر تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ وہ سب جلد جلد کنارے پہونچنا چاہتی تھیں۔ دشمن کی کشتی ان کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

جاپانی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

یہ خوش قسمتی تھی کہ یہ سب جوان بیویاں ندی اور کھاڑی کی آغوش میں پلی اور بڑھیں۔ ان کی کشتی ہوا کی مانند بڑھی جا رہی تھی۔ یہ اڑنے والی مچھلی کی طرح پانی کی سطح سے ٹکرا کر ہواؤں میں اڑنے لگتی تھی۔ بچپن سے ہی کشتی، ندی اور کھاڑی ان کے لئے کھلونے کی مانند تھے۔ ان کے نازک پیر چرخہ اور مشین کی طرح چپو کو گھما رہے تھے۔

اگر دشمنوں نے ان کو آن لیا۔ وہ سب خود کو ندی کے حوالے کر دیں گی۔

بڑی کشتی سرعت کے ساتھ ان کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔

یقیناً وہ سب جاپانی تھے۔ جوان عورتوں کے دانت بھنچے تھے۔ وہ اپنے وجود کو منہدم ہونے سے بچائیں گی۔ چپو پانی سے ٹکرا کر چھپاکے کی آوازیں پیدا کرتا ہوا گھومتا رہا۔

"آں ہا، کنول کھاڑی کا دہانہ! یہ تو اپنی بڑی کشتی کے لئے بہت چھوٹا ہے۔ وہ تیزی سے کھاڑی کی طرف بڑھنے لگیں، جہاں تا حدِ نظر پھیلے ہوئے کنول کی پتیاں سورج کی طرف منہ اٹھائے کھڑی تھیں اور یوں لگتا تھا کہ چاندی کی دیوار کھڑی ہو، تیر کی مانند سیدھی ان کی گلابی کلیاں بالیاں بچیاں کی رکھوالی کر رہی تھیں۔

وہ تیزی سے کھاڑی کی طرف بڑھتی رہیں۔ جلد ہی ان کی چھوٹی کشتی کنول کے درمیان راستہ بنا رہی تھی۔ کچھ مرغابیاں اپنے پنکھ پھیلا کر تیکھی چیخ کے ساتھ پانی کی سطح پر چھپاکے مارتے اڑ گئیں۔ دفعتاً گولیوں کی بوچھاڑ کی آواز آئی۔

انہیں یقین ہو گیا کہ اب آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں۔ وہ جاپانیوں کے نرغے میں پھنس چکی ہیں۔ وہ سب ایک ساتھ پانی میں کود گئیں لیکن اچانک محسوس ہوا کہ گولیوں کی بوچھاڑ کا رخ کھاڑی سے ندی کی جانب تھا۔ وہ سب کشتی کا کنارا پکڑ کر واپس اوپر آ گئیں۔ نزدیک ہی کنول کے ایک بڑے پتے کے نیچے انہیں ایک آدمی کا سر نظر آیا جس کا سارا جسم پانی میں تھا۔ یہ شوشنگ تھا۔ دائیں اور بائیں دیکھتے ہوئے ان سب نے اپنے شوہروں کو تلاش کیا۔ تو یہ جگہ تھی جہاں وہ سب تھے۔

اچھا ہے۔ بچھڑی ہوئی اشیاء کا ایک ہجوم! وہ ان کی کشتی میں بسکٹ کے ڈبے اچھال کر چھینٹے اڑاتا ہوا پانی کے اندر چلا گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے پھر سر ابھارا۔

کپتان ہنسا

ٹھیک ہے، تمہارا سفر بیکار نہیں ہوا۔ اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو ہمارا گھات لگانا اتنا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ لیکن اب تم سب نے اپنا مشن پورا کر لیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ گھر جا کر اپنے کپڑوں کو سکھا لو۔ یہاں کے حالات سنجیدہ تو ہیں مگر بڑے دلکش ہیں!

ان سب نے اپنی ٹرامیوں کو کشتیوں پر لادا اور جانے کو تیار ہو گئے۔ دوپہر کے سورج کی جھلساتی ہوئی کرنوں سے بچنے کے لئے ان سب نے اپنے سروں کو کنول کے پتوں سے ڈھک لیا۔ عورتوں نے بھیگے ہوئے بنڈل

کو پانی میں پھینک دیا۔ مردوں کی تین کشتیاں ندی پر چھائی ہوئی گرم دھند
میں چھپنے کے لئے تیزی سے ندی کے جنوب مشرقی حصے کی طرف روانہ
ہو گئیں۔

عورتوں نے ان کے ساتھ بڑھنے میں دیر نہیں کی۔ حالات کی
تبدیلی نے ان کے دہشت زدہ دلوں کو پرسکون کر دیا تھا اور ان سب نے
پھر ہنسنا اور باتیں کرنا شروع کر دیا۔

کیا تم نے ایسا کبھی دیکھا۔ اتنی پریشانیوں کے باوجود یہ تکلیف دہ
نہیں ہے۔

ایسا لگا کہ ہم نے ان کے لئے اپنی شناخت کو گم کر دیا ہے۔

انہوں نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ خوشیاں نہیں سمیٹ پائیں۔ وہ
سب قہقہے لگانے لگیں۔

ہمارے پاس رائفل نہیں۔ اگر ہوتی، ہم جاپانیوں کو کھاڑی میں
داخل ہونے سے پہلے ہی سبق سکھا دیتیں۔

لیکن کنول کے پتوں سے ڈھکے مرد، ان کی طرف دھیان نہ دے
کر دشمن کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ تڑتڑاہٹ کی آواز
سے کھاڑی گونج رہی تھی۔ چار پانچ بار مارنے کے بعد ان سبھی نے ہتھ گولے
پھینکنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی وہ آگے بڑھتے رہے۔ ہتھ گولوں
نے دشمن کی کشتی کو برباد کر ڈالا۔ اب وہاں صرف آگ کے شعلے اور دھواں
نظر آ رہے تھے۔ خوشی سے چیختے ہوئے ان سب نے اپنی رائفلوں کو
اٹھا کر کشتی میں پھینکنا شروع کر دیا۔ وہ سب مچھلیوں کی طرح پانی میں
غوطے لگانے لگے۔ وہ دشمن کے اسلحوں اور دیگر [illegible] ابھرتے ہوئے
ساز و سامان جمع کرنے کے لئے جلتی ہوئی کشتی کی طرف بڑھنے لگے۔

پوری طرح مرد اور عورتیں اپنی کشتی میں سوار ہو چکی تھیں۔

بسکٹ کے ایک بڑے ڈبے کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر دوسرے
ہاتھ سے چپو چلاتے ہوئے شوئی شنگ عورتوں کی طرف مڑ کر چلایا۔

چلو، تم سب جلدی بڑھو

انہوں نے جلدی سے چپو چلانا شروع کر دیا۔ وہ سب
کیا کر سکتی ہیں؟ ایک شخص ان کی کشتی کے آگے سے نکلا یہاں ان کے
سامنے آیا۔ صرف شوئی شنگ کی بیوی اسے پہچان سکی۔ وہ ضلعی بارودی
تنظیم کا کپتان تھا۔ اپنے چہرے سے پانی صاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔

تم یہاں سب کیا کر رہی ہو؟

شوئی شنگ کی بیوی نے جواب دیا

ہم ان سب کو لباس دینے آئی تھیں

کپتان شوئی شنگ کی طرف مڑا

کیا یہ سب تمہارے گاؤں کی ہیں؟

اچھا!! آخر کار میں نے جنگ دیکھ لی۔ اس کے لئے واقعی
اتنا حیرت انگیز کیا ہے؟ جب تک ہوش قائم رہے کوئی بھی شخص نزک
نہیں پہنچ سکتا۔

جب کوئی کشتی ڈوبتی ہے تو میں اس میں رکھے سامانوں کو
نکالنے کے لئے غوطے لگا سکتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، میں ان
میں سے بہترین تیراک ہوں۔ میں ان سے زیادہ گہرائی تک جا سکتا ہوں۔

جب ہم واپس جانے لگیں اس سے قبل یہاں ایک اکائی تعمیر
کریں گے، نہیں تو ہم سب دوبارہ اس گاؤں کو نہیں چھوڑ پائیں گے۔

وہ لمحہ جب ہماری پیروی کرتے ہوئے انہوں نے فوج میں شمولیت
حاصل کی۔

خزاں میں ان سب نے رائفل چلانا سیکھا۔ جب برف میں
مچھلیاں پکڑنے کا موسم سرما آیا، وہ سب برف کی گاڑی پر سنسناتی ہوئی
ادھر سے ادھر جاتیں۔ اور گاؤں کی رکھوالی کرتیں۔ جب دشمن نے پھر ان پر
حملہ کیا، ان سب نے فوج کے ساتھ مل کر کام کیا۔ وہ نڈر ہو کر کھاڑی کی
[illegible] رسلوں میں چھپ کر دشمن کی گھات میں لگی رہتیں۔

(بشکریہ لوک لہر، دہلی)

شمالی ۲۴ پرگنہ میں ٹریفک کی عارضی موقوفی کا آرڈر

۲۴ پرگنہ کے ضلع حکام نے یہ اعلانیہ جاری کیا ہے کہ گنگا ایکشن
پلان کے تحت ۱۷ دسمبر ۱۹۸۸ء سے ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء کے دوران نیم تلہ روڈ
کراسنگ سے نیو کورٹ روڈ تک اور ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء سے ۳۱ مئی
۱۹۸۹ء کے دوران نیو کورٹ روڈ سے جگدل فیری گھاٹ تک تمام گاڑیوں
کی نقل و حرکت موقوف رہے گی۔



گھاٹال' مناپور میں، حال ہی میں منعقدہ ایک ثقافتی ادارہ کے تحت ایک تقریب میں علاقائی فنکار

Chief Editor . Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dhirendra Dutta. Associate Editor Md. Azam. Asstt. Editor . Md. Mustafa, Published by the Information & Cultural affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T. Printers. 25, Panchanantala Road, Calcutta-700 048.





دہلی میں ۱۴ر نومبر سے ۲۹ر نومبر ۸۶ء تک منعقدہ بین الاقوامی تجارتی میلہ مغربی بنگال پویلین